GOVT. COLLEGE FOR WOMEN SRINAGAR

LIBRARY

Class No R U 23.2

Book No. Sh 69 S. V.4.

Acc. No. 810

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

# سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

## سوانح اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مجلد چہارم

مشتمل بر منصب نبوّت

اوّلاً

مقدمہ میں منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے، پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً ملک عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے، اور اس کے بعد نبوتِ محمدیؐ نے دنیا اور عرب کے لئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اس کا اجمالی ذکر ہے، پھر اسلامی عقائد کا تفصیلی بیان ہے،

تالیف

## سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈہ مطبوع گردید

۱۳۵۳ھ ۱۹۳۵ء

طبع دوم

مجلد

297.122092
N125

Cal

GOVT. GIRLS COLLEGE
SRIN
Acc. No = 810 V-4

N. 884.5

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیباچہ طبع ثانی سیرۃ النبی جلد چہارم

سیرت جلد چہارم کو جو اسلام کے اصول و عقائد پر ہے، جس وقت پہلی دفعہ ناظرین کرام کے ہاتھون مین دے رہا تھا، میرا دل اضطراب کے عالم مین تھا کہ ایسے مشکل و پیچیدہ راستہ مین معلوم نہین میرا قلم کہان کہان بہکا، اور قدم نے کہان کہان ٹھوکر کھائی ہے لیکن الحمد للہ والمنۃ کہ سوائے دوزخ کی ابدیت و غیر ابدیت کے ایک مسئلہ کے جسمین جمہور کی رائے ہمارے ساتھ نہ تھی ہر مسئلہ مین اس کتاب کی تحریر کو قبولیت عام حاصل ہوئی، جن جن حوصلہ افزا طریقون سے خواص، علما، اور عام مسلمانون نے اپنی تحسین و آفرین کی عزت بخشی، اس سے جی چاہتا تھا کہ یہ قیاس کرون کہ ملاء اعلی کی خوشنودی ورضامندی بھی اس حقیر مؤلف کے شامل حال ہے،

اس کتاب کی طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر چھاپی جارہی ہے، اسمین طبع اول کے مطبعی اغلاط کی تصحیح کردیگئی ہے کہین کہین عبارت کی خوبی و شستگی کے لئے لفظی تبدیلیان بھی کی گئی ہین اور مسئلہ ابدیت نار مین جمہور کے خیال کی ترجمانی کا اضافہ کردیا گیا ہے، تاکہ ناظرین کو اس کے دونون پہلوؤن سے واقفیت ہوجائے، واعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا،

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانون کو اس سے فائدہ پہنچائے، تاکہ ناچیز مؤلف کو اپنی مغفرت کا وسیلہ ہاتھ آئے،

کتاب کی طبع اوّل چونکہ بڑی تقطیع پر چھپی تھی، اس لئے ۸۰۶ صفحون کی ایک جلد رہنے دی گئی، لیکن چھوٹی تقطیع پر اس کی ضخامت ۱۰۰۸ صفحون تک پہنچ گئی ہے، جسکا ایک جلد مین سمانا مشکل تھا، اس لئے گو صفحون کا شمار مسلسل رکھا گیا ہے، مگر صفحہ ۵۰۴ سے کتاب ۲ دو حصون مین علٰحدہ بھی کر دی گئی ہے، تاکہ اگر کسی کا جی چاہے تو اس کو ۲ دو جلدون مین کرلے، تاکہ پڑھنے مین اور سفر مین ساتھ رکھنے مین آسانی ہو،

جامع

سید سلیمان، ندوی،

۲۷ ؍ رجب ۱۳۵۳ ہجری،

# فہرست مضامین سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد چہارم

## فرشتون پر ایمان،
۵۵۴ - ۵۷۶



## رسولون پر ایمان،
۵۷۷ - ۵۹۳



## کتبِ الٰہی پر ایمان
۵۹۴ - ۶۳۱

## جنت، ۸۱۲ - ۸۵۹

## قضا وقدر،

۸۶۰ — ۸۸۰



## ایمان کے نتائج،

۸۸۱ — ۸۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

---

اے باز کنِ درِ معانی | بر ما بکلیدِ آسمانی
ہر چہ از تو گمان برم بچونی | آن من بُوَم تو زآن برونی

---

شاہِ رُسل و شفیعِ مُرسل | خورشیدِ یقین و نورِ اول
سلطانِ ممالکِ رسالت | طغرائے صحیفۂ جلالت

پیشِ نظر کتاب، سیرۃ النبیؐ کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے، اس کا موضوع "منصبِ نبوت" ہے، اس تقریب سے سب سے پہلے اسمین ایک **مقدمہ** ہے، جسمین نبوت کی حقیقت اور اُس کے لوازم و خصوصیات کی تشریح ہے، اس کے بعد **دیباچہ** ہے، جسمین آنحضرت صلعم کی ولادت اور ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص آنحضرت صلعم سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی، اور اسکی اصلاح مین جو دقتین درپیش تھین شرح و بسط کیساتھ انکی

تفصیل کیگئی ہے، اس کے بعد آپ کے تعلیمات وارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے،

آنحضرت صلعم کو بیشگاہ باری سے جو شریعتِ کاملہ اور قانونِ ابدی عطا ہوا، وہ درحقیقت چار عنوانون پر منقسم ہے، عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات، خیال تھا کہ عقائد وعبادات کی ایک جلد ہو، اور اخلاق ومعاملات دوسری جلد مین ہون، مگر جیون جیون مسافرِ قلم اس دشوار گذار حلہ مین آگے بڑھتا گیا، راستہ اسی قدر وسیع اور مسافت اتنی ہی بعید نظر آنے لگی، ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا، دوسری جلد مین عبادات اور انکی حقیقت اور فرائض چہارگانہ کے حقائق وفوائد سے بحث ہوگی، اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق ومعاملات ہوگا، جسمین ہم انشاء اللہ یہ تفصیل بتائینگے کہ تمدن ومعاشرت بالخصوص قوانینِ نکاح، طلاق، وراثت، حقوقِ نساء، غلامی، جہاد، اصولِ حکومت اور اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول اور تمام سلطنتون اور قومون کے کیا قوانین تھے، اور آج مغرب نے اس انتہائی تہذیب تک پہنچکر کس حد تک ان امور مین ترقی کی ہے، پھر موازنہ کر کے ہم دکھائینگے کہ شریعتِ اسلام کے مقابلہ مین، مغرب کا معراجِ ترقی، شریعتِ اسلام کا پایۂ اولین ہے،

حضرت الاستاذ مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورۂ بالا مباحث مین سے صرف عرب جاہلیت کے مذہبی واخلاقی حالات کے پچیس تیس صفحے لکھنے پائے تھے، کہ وفات پائی، یہ صفحے بھی اِن اوراق مین شامل ہین، مگر چونکہ ان مین بکثرت اضافہ وترمیم کی ضرورت ہوئی ہے، اسلئے ان صفحات کو اُن کے اسم گرامی کی طرف منسوب کرنے مین احتیاط کرتا ہون، بقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری خاکسار ہی کے خطاکار قلم پر ہے، وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ،

کوشش کی ہے کہ ان اوراق مین پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پیغام وتعلیم کو پوری تشریح، استناد استدلال

اور دلچسپی کیساتھ ناظرین کی خدمت مین پیش کیا جائے، قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سب سے آگے رکھا گیا ہے، اور اُسی کے پرتو مین احادیثِ صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، مناظرانہ پہلو سے بجکر، ہر پیش نظر مسئلہ مین اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس غرض سے موازنہ کیا گیا ہے، تاکہ اسلام کی تکمیلی شان نمایان ہوجائے،

ان اوراق کے لکھنے والے کے نزدیک نسخ شریعت کے معنی کسی حکم کو اُس کے غلط یا غیر مفید ہونے کے سبب سے سرے سے مٹا کر کسی دوسرے حکم کو نافذ کرنے کے نہین ہین، بلکہ محرّف احکام کی جگہ پر اصل احکام کے دوبارہ نازل ہونے، اور دنیا کے حسبِ حال ناقص کی جگہ کامل، اور کامل کے بدلہ کامل تر تعلیمات دیئے جانے کے ہین، اس لئے قرآن پاک کے ناسخِ کتب اور اسلام کے ناسخِ ادیان ہونے کے معنی اُن کے مٹا دینے والے کے نہین، بلکہ اُن کی تکمیل کرنے والے کے ہین، مذاہب کی تاریخ جب سے شروع ہوتی ہے، ہر مذہب اور اُسکی کتاب انسانی عروج و ترقی کی ایک ایک منزل ہے، اور اسلام اس عروج و ترقی کی وہ انتہائی منزل مقصود ہے، جس کے بعد تکمیل دین کی سرحد ختم ہوجاتی ہے، جیسا کہ خود اُسکا دعویٰ ہے، اور اس دعویٰ مین کوئی اور دین اُسکا شریک نہین ہے، کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ،

اِن تکمیلی مباحث مین سے یہ جلد صرف عقائد پر مشتمل ہے، اور کون نہین جانتا کہ مذاہب مین اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم، اور اُنکی بحث کتنی نازک ہے، اسلئے اس خارزار سے کسی آبلہ پا کا بسلامت گذر جانا کسقدر مشکل ہے، تاہم مین نے جدّوجہد اسی کی کی ہے، کہ کسی آبلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستہ کو طے کرون، چلنے والا تو تھک کر چور ہے، اب یہ دیکھنے والون کو فیصلہ کرنا ہے کہ اُس نے رہروی کی یہ شرط کہان تک پوری کی،

ارباب بصیرت جانتے ہین کہ اسلامی فرقون مین سے کسی فرقہ کے مطابق بھی اگر عقائد کی کتاب لکھی جاتی تو یہ منزل نہایت آسان تھی کہ اُن مین سے ہر ایک کی مدوّن و مرتب کتابین سامنے ہین، لیکن مجھے

اس جلد مین کسی خاص فرقہ کے نہین، بلکہ اسلام کے وہ عقائد لکھنے تھے جنپر ایمان لانے کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا ہی، اور جنکی تعلیم محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ کو دی تھی، چنانچہ ان اوراق مین ان ہی چند عقائد کی تشریح ہی، اور یہ وہی ہین جو اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی مین مذکور ہین یعنی خدا، اُسکے فرشتون، اُسکی کتابون، اُسکے رسولون پر اور آخری دن اور قضا و قدر پر ایمان، چنانچہ اس جلد مین مقدمہ و دیباچہ کے بعد ان ہی چھ باتون کی تفصیل و تشریح ہے،

مین نے اپنے جانتے اسکی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح مین قلم، صراطِ مستقیم سے تجاوز نہ کرے، لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہان ٹھوکر کھائی ہے، اسلیے اس کی بارگاہ مین نہایت عجز سے دعا ہے کہ خداوندا میری لغزش کو دوسرون کی لغزش کا سبب نہ بنانا، اور ہم سب کو سیدھی راہ دکھانا،

| | |
|---|---|
| مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ (اعراف-۲۲) | جس کو خدا راہ دکھائے وہ راہ پایا ہوا ہی، |
| وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ | اور جس کو خدا راہ دکھائے اس کو کوئی |
| (زمر) | گمراہ کرنے والا نہین، |
| رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ | ہمارے پروردگار ہمارے بھول چوک |
| اَوْ اَخْطَاْنَا، (بقرہ) | کی بازپرس ہم سے نہ فرمانا، |
| این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد | توقیع قبول روزیش باد |

طالبِ رحمت

سلیمان ندوی،

دار المصنفین، اعظم گڑھ،

۲۵ ربیع الاول

سنہ ۱۳۵۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مُقدّمہ

## منصبِ نبوت

**کتاب کا موضوع**
**آپ کے پیغمبرانہ کارنامے**

سیرت کی عام کتابون مین آنحضرت صلعم کے واقعاتِ زندگی کے اندر جو چیز سب سے زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہے، وہ غزوات اور لڑائیان ہین، لیکن یہ غزوات اور لڑائیان ظاہر ہے کہ مقصود بالذات نہ تھین، بلکہ وہ سلسلۂ دعوت مین اتفاقاً پیش آگئین، آنحضرت صلعم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، انھون نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور نہ صرف انکار کیا، بلکہ اس کے مٹانے کی پرزور کوشش کی، اُس کے قبول کرنے والون کو ستایا، اور اُن کو اُن کے گھرون سے نکال دیا، وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہان اُنکی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اُس کی سچائی کو قبول کیا، یہ دیکھ کر مخالفون نے ہر طرف سے یورش کی، اور

چاہا کہ اس جماعت کو بزورِ شمشیر مٹا دین، اُس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیرین کین اور اُن کی پرزور سازشون اور کوششون کے سیلاب کو پہاڑ بنکر روکا. اس کشمکش نے خونریز لڑائیون کا ایک سلسلہ چھیڑ دیا، جو متصل دس سال تک قائم رہا، رفتہ رفتہ اعجازِ نبوت، حسنِ تدبیر، لطفِ اخلاق سے تمام معرکے سر ہوئے، اور پھر ایک پُرامن نظام قائم ہوگیا، بے شبہہ یہ کارنامہ بھی کچھ کم مستوجبِ منقبت نہین لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیشِ نظر رکھتے ہونگے کہ ہم کس (ذاتِ اقدس) کے سوانح لکھ رہے ہین.

یہ جو کچھ ہوا، اور پیش آیا، وہ گو نہایت عجیب، حیرت انگیز اور کرشمۂ ربانی کا پورا مظہر ہے، تاہم وہ درحقیقت آنحضرت صلعم کا اصلی براہِ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہین، وہ اتفاقی حوادث ہین، جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ مین دشمنون کی مخالفت سے پیش آگئے، آپکے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہین، جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے، اور وہی آپ کی سیرۃ مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہین، یعنی عرب مین سرتاپا روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کاملترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا، دنیا کے گوشہ گوشہ کو ترانۂ توحید اور سرودِ محبت سے معمور کرنا، ظلمتکدۂ عالم کو سراجِ منیر بنکر بقعۂ نور بنا دینا، گمراہون کو راستہ بتانا، بھولون کو یاد دلانا، بندون کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاقِ فاضلہ کا سکھانا، گناہون کے دفتر کو دھونا، انسانون کو شیطانون کے دامِ فریب سے نکال کر، فرشتون کی صف مین کھڑا کرنا، دنیا کو رفق و محبت، لطف و شفقت، اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی، پند و موعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قلوب و ارواح کے ویران گھرون کی ازسرِنو آبادی، الغرض خاتم النبیین کا اصلی کام ایک شریعتِ ابدی کی تاسیس،

مذاہب عالم کی اصلاح، فن اخلاق کی علمی و عملی تکمیل قانونِ الٰہی کا اظہار و عرض اور تہذیب نفوس کی معراجِ اخیر تھی، اور یہ سب اُسی پُرآشوب زمانہ مین ہوتا رہا جس کے لیل و نہار بظاہر صرف حملون کے تیرباران کے روکنے مین صرف ہوگئے، پیشِ نظر جلد آنحضرت صلعم کی سیرتِ مبارکہ کے انھین واقعات اور کارنامون پرمشتمل ہے،

نبی اور مصلح اور حکیم

بظاہر نظر آتا ہے، کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگون سے بھی انجام پاتے ہین، جو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہین ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہین، اور سعی و محنت اور متواتر جد و جہد سے ان مین کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہین، اور اُن کو قعرِ مذلت سے نکال کر ترقی کی سطح مرتفع تک پہنچا دیتے ہین، ایسے لوگون کو مصلح اور ریفارمر کہتے ہین، اور ایسے بھی ہوتے ہین، جنکے منھ سے اخلاق و حکمت اور پند و موعظت کے موتی جھڑتے ہین، جنکو حکیم کہتے ہین، اس حالت مین ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم مین کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوتہ نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم مین کوئی امتیاز نہین کرتے، اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھین اس فرق و امتیاز کو نمایان کر دینا ضروری سمجھتے ہین،

نبوت کی حقیقت اور خصوصیات،

اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ضروری ہے، کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرلیجائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس[1] اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین کی ہے، یہ دونون

[1] معارج القدس کا یہ حصہ حضرت الاستاذ مرحوم نے الکلام کے آخر مین بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے،

بزرگ تصوف، فلسفہ، اور نقلیات تینون کو چون سے باخبر ہین، اس لیے یہ جو کچھ بتائین گے، اسمین کچھ کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا،

امام صاحب فرماتے ہین :۔

"نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے،

. . . . وہ عطیۂ الٰہی اور موہبتِ ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہین ملتی؛

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

| | |
|---|---|
| اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ؛ (انعام - ۱۵) | اللہ بہتر جانتا ہے کہ جہان وہ اپنی پیغمبری کا منصب بنائے، |
| وَکَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا، مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (شوریٰ - ۵) | اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی، تو پہلے نہین جانتا تھا، کہ کتاب کیا ہے، اور ایمان کیا؟ لیکن اسکو ہمنے ایک نور بنایا ہے جس سے ہم اپنے بندون مین سے جسکو چاہین راہ سوجھائین، |

اس موقع کے لئے صریح آیت یہ ہے،

| | |
|---|---|
| ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ، (جمعہ ۱) | یہ (نبوت) خدا کا فضل ہے جس کو وہ چاہے دے، |

لہ امام صاحب نے آیت پوری نہین لکھی ہو مین نے اپنی طرف سے آیت پوری لکھ دی ہو،

گویہ صحیح ہے کہ وہ عبادات وریاضات جو فکرومراقبہ پر مشتمل، اور ریا اور شہرت طلبی سے پاک ہون نفس مین آثارِ وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کردیتے ہین، تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہین، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہوجائے، بلکہ جس طرح نوعِ انسان کا انسان اور فرشتون کا فرشتہ بنجانا اُن کے افراد کی سعی ومحنت کا مرہونِ منت نہین، اسی طرح نوعِ انبیا کا نبی بنجانا اُن کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہین، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہین بلکہ فیاضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہوجانے کیلئے، اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت نوعِ انبیا کے لیے اکتسابی چیز نہین، لیکن منشاے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لئے البتہ ضروری ہین،

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اگر پیغمبرون کے آغازِ وحی کے حالات مین آپ کو یہ ملے گا کہ انھون نے ایک زمانہ تک عبادت ومراقبہ مین بسر کی، ایک ایک مہینہ ایک ایک چلہ اسطرح گذارا کہ وہ مادی دنیا کی آلایشون سے یکسر الگ ہوگئے، توراۃ مین حضرت موسیٰؑ کی نسبت ہے، کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت مین رہے، اسی طرح انجیل مین حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنسان جنگل مین چالیس روز تک روزہ رکھکر عبادت مین مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آنحضرت صلعم کا غارِ حرا مین مہینون عزلت گزین رہنا اور فکرومراقبہ اور عبادت اور ریاضت مین مصروف رہنا سب کو معلوم ہے،

چنانچہ آنحضرت صلعم نبوت سے پہلے حرا مین جاکر جب عبادت مین مشغول ہوئے تو رویاے صادقہ

دیکھنے لگے، جس کی سچائی مثل سپیدۂ صبح کے صاف نمایان ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت مین مصروف رہتے تھے، کہ آپ کے دونون پاؤن سوج جاتے تھے، اسی لئے قرآن نے آپ کو خطاب کرکے کہا:-

طٰهٰ، مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ (طٰہٰ-۱) (اے پیغمبر!) ہمنے یہ قرآن تجھپر اسلئے نہین اتارا کہ تو تکلیف اٹھائے،

اس عبادت وریاضت کیساتھ، نبوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حال مین حسنِ صورت، اعتدالِ مزاج، نشو ونما کی پاکی، حسنِ تربیت، طہارتِ نسب، کرمِ اخلاق، نیکیِ طینت، متانت، سنجیدگی، دوستانِ الٰہی کیساتھ نرم خوئی اور تواضع، اور دشمنانِ حق کیساتھ شدتِ قوت پائی جائے، علاوہ برین وہ راست گفتار، امانت دار، تمام برائیون سے پاک، فضائل ومحاسن سے آراستہ، اور ذلیل باتون سے مبرا ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والون کو معاف، اور اپنے ساتھ برائی کرنے والون کیساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، قرابت مندون، اور ہمسایون کیساتھ احسان، مظلومون کی اعانت فریاد خواہون کی فریاد رسی اُسکی طینت، اور نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اسکی فطرت ہوتی ہے، اسکی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے، یہ ہوتی ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى، (نجم-۱) تمھارا ساتھی (پیغمبر) نہ گمراہ ہوا، اور نہ بہکا،

اس کی یہ صفت اس دُنیاوی عالم مین ہے، کہ وہ ہر گمراہی وبے راہروی سے پاک ہوتا ہے،

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (نجم-۱) اس کی نگاہ نہ کج ہوئی، اور نہ سرکش ہوئی

یہ اس دُنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق اسکی کیفیت ہوتی ہے،

تمام دنیا کی قوتین اُنکی قوت کے سامنے بالآخر طوعًا وکرہًا سرنگون ہو جاتی ہین، با این ہمہ وہ مغرور، جابر، جفا پیشہ، بدخو، اور درشت مزاج نہین ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے بارِ عظیم کو اٹھاتا ہے، اور اس کا پورا حق ادا کرتا ہے، اور تمام عالم مین اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے،

**نبوت و رسالت کے ثبوت کا اجمالی طریقہ**

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہین، ایک اجمالی، اور دوسرا تفصیلی، اجمالی طریقہ یہ ہے، کہ جس طرح انسان کو حیوان پر نفسِ ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان مین نہین پائی جاتی، جس کے بل پر انسان حیوان پر حکمرانی کرتا ہے، اور اس کا مالک بنا ہوا ہے، اور اُس کو اپنے کام مین لگائے ہوئے ہے، اسی طرح انبیا علیہم السلام کو اپنے نفوسِ قدسیہ کی بنا پر تمام انسانون پر برتری حاصل ہے، وہ اپنے ان قدسی نفوس اور پیغمبرانہ قوت سے دوسرون کو راہِ راست سوجھاتے، اور خود راست پر قائم رہتے ہین، اُن کی پیغمبرانہ عقل و فہم تمام انسانی عقلون سے بالاتر ہوتی ہے، اور اُن کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتے اور اُن پر قابو پاتے، اور اُن کو کام مین لگاتے ہین، اور جس طرح انسانون کے عجیب و غریب کام حیوانون کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہین، اسی طرح پیغمبرون کے عجیب و غریب کام انسانون کو معجزہ نظر آتے ہین،

اور اگرچہ نبی عام انسانون کیساتھ بشریت اور انسانیت مین برابر کا شریک ہوتا ہے، مگر عقلیت و معنویت مین وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے، کیونکہ اس مین وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے، وہ دوسرے انسانون مین نہین ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰ اِلَیَّ، (کہف - ۱۲)

مین تمھاری ہی طرح بشر ہون، مجھ پر وحی کیجاتی ہے،

دیکھو کہ بشریت مین گو پیغمبر کو دوسرے انسانون کے مثل کہا ہے، مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونون مین حدِ فاصل قرار دیدیا ہے،

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہین،

**پہلا طریقہ** انسان مین تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہین، فکری، قولی، عملی، ان تینون سے جو افعال سرزد ہوتے ہین، وہ اچھے بھی ہوتے ہین، اور برے بھی، فکر یعنی رائے، صحیح بھی ہوتی ہے، اور غلط بھی، قول، سچ بھی ہوتا ہے، اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، اور اچھے اور برے مین تمیز کیونکر ہو؟ پھر کیا یہ تمیز ہر شخص کرسکتا ہے، یا کوئی نہین کرسکتا یا بعض کرسکتے ہین اور بعض نہین پہلے دو احتمال بداہۃً غلط ہین، اب رہگیا تیسرا احتمال، یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہین، جو ان حدود کو متعین کرسکتے ہین، کہ فلان رائے و عقیدہ صحیح اور فلان غلط ہے، فلان قول سچ، فلان جھوٹ ہے، اور فلان فعل اچھا، اور فلان برا ہے، جس شخص کو خالقِ فطرت اپنے فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے، وہی پیغمبر اور صاحبِ شریعت ہوتا ہے،

**دوسرا طریقہ** نوعِ انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور مصلحتی معاملات مین باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت ہے، اگر انسانون مین باہم یہ اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فرد زندہ رہے، نہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہوسکے، اسی بقائے نفس اور جان و مال و

آبرو کے تحفظ کے اصول وآئین کا نام شریعت ہے، انسان کو اس کے لئے دو قسم کے کامون کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ اچھے کامون مین سب ملکر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائین اس کو تعاوُن کہتے ہین اور دوسرے یہ کہ بُرے کامون سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کرین، اُس کو تمانع کہتے ہین، اِسی تعاوُن کے ذریعہ سے انسان کھانے، پہننے، اور رہنے کے سامان واسباب فراہم کرتا ہے، تعاوُن کے ذریعہ نکاح وقرابت، اولاد واعزّہ اور احباب ودوست کے حقوق وتعلقات پیدا ہوتے ہین، اور تمانع کے ذریعہ سے نوعِ انسانی اور افرادِ انسانی کی زندگی، اور اُن کی دولت و جائداد، اور عزت وآبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس تعاون اور تمانع کے اصول ضرور ہے، کہ مرتب، محدود، اور معلوم ہون، اور وہ اس طرح بنائے جائین جنمین کسی شخص خاندان قبیلہ قوم اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو، بلکہ اُن مین سب کا برابر فائدہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانون کے ذریعہ نہین، بلکہ وحیِ ربانی، اور تعلیمِ الٰہی سے بن سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہرحال کوئی خاص شخص، یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہوگا، ایسا غیر جانبدارانہ قانون جسمین تمام مخلوقات کی حیثیت یکسان ہو، اور کسی طرف پلّہ جھکنے نہ پائے، اور تمام عالم کے لیے یکسان واجب العمل ہو محال ہے، اس لئے ضرور ہے، کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہون، جس کے ہاتھ مین نظامِ عالم کی باگ ہے، اور جو پورے نوعِ انسانی کے اندرونی وبیرونی احوال وکیفیات کے رموز سے باخبر ہے، یہ اصول خلاقِ عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہین وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے،

**تیسرا طریقہ** یہ وہ طریقہ ہے، کہ جس نے اس کو نہین جانا، اس نے نبوت کی حقیقت نہین پہچانی۔

پہلے یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہین، خلقؔ (پیدا کرنا نیست سے ہست کرنا) اور امرؔ (جو موجود و ہست ہے اُس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات انہی دو چیزون سے عبارت ہے، تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدایش اور پیغام رسانی مین واسطہ ہین، اسی طرح پیغمبر خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے مین واسطہ ہین، اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے اُسی طرح فرشتون پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدایش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہین، ایمان لانا ضرور ہے، اور اسی طرح پیغمبرون پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے، کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے مین واسطہ ہین،

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئین،

۱- چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے، اس لئے ممکن کے وجود مین آنے کے لئے ایک مرجح کا ہونا ضروری ہے، جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، اور وہ شئی عدم سے وجود مین آسکے، یہی امرِ مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے،

۲- ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے، جو دمبدم حرکت کی تجدید کرتا رہے، حرکات کی بھی دو قسمین ہین، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لیے ضرور ہے کہ اس کے محرک مین ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکت کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو، آفتاب، ماہتاب، اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات گو طبعی ہین تاہم اُنکو حرکت دینے کیلئے کسی عاقل و مدبر کی ضرورت ہے، اسی لیے قرآن نے اُن کے لیے کہا،

وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا (حٰم السجدہ ۲) خدا نے ہر آسمان میں اُس کا فرض اور کام وحی کیا

۳- اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے، یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے، اور حق کو باطل سے، سچ کو جھوٹ سے، اور خیر کو شر سے ممتاز کرے،

۴- خدا کے حکم دو قسم کے ہیں تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے جسکی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید میں ہے،

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، (اعراف - ۷)

اور سورج اور چاند اور ستارے اسکے حکم کے تابعدار ہیں، اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لئے ہے، چنانچہ قرآن میں ہے،

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ، (بقرہ - ۳)

اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا،

مقدمات مذکورۂ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں، اس لئے مرجح کی ضرورت ہے، اختیاری ہیں، اس لئے عقل کی ضرورت ہے، خیر و شر کے محتمل ہیں، اس لئے رہنما کی ضرورت ہے، اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،

نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے، وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اسی قیاس پر انسانوں

مین خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے، وہ بھی ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے ذریعہ سے ہوگا، اور اُنہین کا نام پیغمبر ہے،

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے چھٹے مبحث کے دو ابتدائی بابون مین اس پر بحث کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ کمال نکتہ سنجی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ مین لکھتے ہین:-

نبی کی ضرورت

انسان مین دو قسم کی قوتین ہین، بہیمی اور ملکوتی، کھانا، پینا، شہوت، حرص و طمع، استیلاء وغیرہ وغیرہ افعال، بہیمی قوت کے آثار ہین، اور غور و فکر، علم و معرفت، حسن اخلاق، صبر و شکر، عبادت و طاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہین، انسان کی روحانی کامیابی کے لئے ضروری ہے، کہ اسکی بہیمی قوت، اسکی ملکوتی قوت کے تابع ہو، اگرچہ عقل سلیم اُن اصول اور طریقون کو معلوم کر سکتی ہے، جن کے ذریعہ سے بہیمیت کے تابعِ ملکوتیت ہونے کے فائدے، اور گناہ و عصیان کے نقصانات ظاہر ہون، عقل سلیم کے اس علم سے، انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے، مگر یہ تو امکان عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھون پر موجودہ دنیاوی لذائذ حرص و طمع، اور بیجا خواہشون اور غفلتون کے اتنے تو بر تو پردے پڑ جاتے ہین کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوتِ احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیماری مین انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہے، تو میٹھی سی میٹھی چیز اُس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے، اس لئے نوعِ انسان کو ایسے صحیح رہنماؤن، اور روحانی معلمون کی ضرورت ہے، جن کے

احساس و جدان کا آئینہ گرد آلودہ نہ ہو،

اگر افراد، جماعات اور اہل ملک کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی سیاست کے زور سے ان مین صلح و آشتی اور امن و امان پیدا کردے، تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیون نہ ہو، جو ہر گروہ کی استعداد کو پیش نظر رکھکر اُس کے مطابق، اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دیکین اُسی طرح کم ہین جسطرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانون کے معمولی پیشون، نجاری اور لوہاری کو دیکھو کہ کس قدر معمولی ہین مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہین، یہ پیشے بھی ایسے لوگون کے بغیر وجود مین نہین آئے، جنکو ان کامون کا خاص ذوق و وجدان تھا، اور ان کو ان کامون کی خاص فطری استعداد ملی تھی جس کے ذریعہ سے انھون نے اس فن کو تکمیل تک پہنچایا، اور اس کے اصول و قواعد وضع کیے، اور بعد کے آنے والون نے اُن کی تقلید کی، اور اس تقلید سے مدارج علیا تک پہنچے، پھر اخلاق اور روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن جسقدر اہم اور نازک ہے، کیا اس کو سمجھنا اور وضع کرنا ہر کس و ناکس کا کام ہو سکتا ہے،

**نبی کی عصمت**

پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے، کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو، وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہے، اور وہ اپنے علم اور تعلیم مین غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہین جبتک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیون سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، کیا کسی کو اس علم مین کہ اس کو بھوک یا پیاس

معلوم ہوتی ہے، کوئی غلطی ہوسکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے، جس مین نہ دلیل کی حاجت ہوتی ہے، اور نہ عقلِ معاش کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اسطرح رکھدیا ہے، کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلین پیش کرے، کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہین ہے، ہم کبھی اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے، اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہوکر دست بردار نہین ہو سکتے، اور اپنے یقین کو غلط نہین کہہ سکتے، بعینہ اسی طرح ان نفوسِ قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا وجدان و ذوقِ سلیم رکھدیا ہے جس کا عمل ہمیشہ صحیح، اور جس کا احساس ہمیشہ درست، اور جسکا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے،

**نبیؐ کی محبوبیت** ایسا شخص جب لوگون کے سامنے آتا ہے، اور لوگون کو بار بار کے تجربہ سے اوسکی صداقت، سچائی اور راستبازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہین اُن سے اسکا مقربِ بارگاہِ الٰہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے، تو ہر طرف سے لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہین، اور اُس کی محبت کی راہ مین جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہین،

شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل مین اسی "بحثِ نبوت" کو ایک اور انداز سے لکھتے ہین جسکا ماحصل یہ ہے :-

**مصلحین** فضل و کمال، اور علم و عمل کے لحاظ سے انسانون کے مختلف درجے ہین، اُن مین سب سے بڑا درجہ مفہمین کا ہے، اور یہ وہ لوگ ہین جنکی قوتِ ملکیہ نہایت بلند ہے، اور جنین یہ قدرت ہوتی ہے کہ سچے اور صحیح جذبہ سے ایک خاص نظام کو دنیا مین قائم کردین، اور اُن پر بارگاہِ الٰہی سے ایسے

علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے، جنمین ربانی آثار نظر آتے ہین ایسے لوگ معتدل مزاج اور اپنی صورت و سیرت مین درست، اور عقل و ذکاوت مین متوسط ہوتے ہین، نہ اس قدر بلید کہ جزئیات سے کلیات تک ان کا پہنچنا مشکل ہو، نہ اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور تخیلات مین مبتلا رہین، صحیح فطرت پر وہ قائم رہتے ہین، طور و طریق اُن کے پسندیدہ ہوتے ہین، خدا کے ساتھ اُن کا تعلق عبادت و طاعت سے، اور بندون کیساتھ عدل و انصاف سے قائم رہتا ہے، وہ اپنے فیصلون مین شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہین کرتے، بلکہ منفعت عامہ اور تدبیر کلی کا لحاظ کرتے ہین وہ براہ راست کسی کو تکلیف نہین دیتے، اِلّا یہ کہ منفعتِ عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو، تو وہ اُس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہین وہ ہمیشہ اپنے کاروبار مین عالمِ غیب کی طرف مائل رہتے ہین جسکا اثر اُن کی بات چیت، کام کاج، اور معاملات مین نمایان ہوتا ہے، کارکنانِ عالم اُن کی تائید و نصرت مین رہتے ہین معمولی ریاضت سے اُنکے لیے قرب و سکینت کے وہ دروازے کھلجاتے ہین جو دوسرون کے لیے نہین کھلتے،

مصلحین کے اقسام | مُفَہَّمِین کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہین، اور اُن کی مختلف استعدادین ہین، اور اس بنا پر اُن مین سے ہر ایک کے الگ الگ اصطلاحی نام ہین، جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیب نفس کے علوم پاتا ہے، وہ کامل ہے، اور جو اخلاقِ فاضلہ اور تدبیر منزل کے اصول حاصل کرتا ہے، وہ حکیم ہے، جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے، اور اُن کے مطابق اس کو لوگون مین عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے، وہ خلیفہ ہے، اور جس پر ملاءِ اعلیٰ

کا نزول ہو، اور وہ اس سے تعلیم پائے، اور اس کو مخاطب کرے، اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں، وہ مُؤیّد بروح القدس کہلاتا ہے، اور وہ جس کی زبان اور دل مین نور ہو، کہ لوگ اس کی صحبت اور پند و موعظت سے نفع اٹھائین، اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اس کے رفقائے خاص مین منتقل ہو، جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائین، اس کا نام ہادی اور مزکّی (پاک کرنے والا) ہے، اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملّت کے اصول و قواعد اور اسکی مصلحتون کی واقفیت ہو اور ملّت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو، وہ امام کہا جائیگا، اور جس کے قلب مین یہ ڈالا جائے کہ وہ لوگون کو اُن کی اس مصیبت عظمیٰ سے خبردار کرے، جو اس دنیا مین ان کے لیے اُن کے اعمال کے نتیجے کے طور پر مقدر ہے، اور اُن کی بداعمالی کے سبب سے اُن سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے، یا قبر اور حشر مین اُن پر جو مصیبتین آنے والی ہین، اسکا نام منذِر (ڈرانے والا ہشیار کرنے والا) ہے،

اور جب حکمتِ الٰہی کا یہ اقتضا ہوتا ہے، کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے ان مفہمین مین سے کسی کو بھیجے تو اس کی آمد مخلوق کے تاریکی سے نکل کر، روشنی مین آنے کا سبب ہو جاتی ہے اور وہ بندون پر یہ فرض قرار دیتا ہے، کہ وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کرین، اور بارگاہِ الٰہی مین تاکید ہوتی ہے، کہ جو اس کی اطاعت کرے، اس سے خوشنودی، اور جو اُس سے مخالفت کرے، اس سے ناخوشی ظاہر کیجائے، یہی شخص نبی ہوتا ہے،

**نبی کی دو بعثتین** نبیون مین بڑا درجہ اُس کا ہوتا ہے، جس کو اس پیغمبرانہ بعثت کیساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے، اور وہ یہ کہ مرادِ الٰہی یہ ہوتی ہے، کہ اس نبی کے ذریعہ سے اس کی قوم، اور اس کی قوم کے

ذریعہ سے دوسری قومین ظلمت سے نکل کر نور مین آئین، تو اس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثت اولیٰ اور اُسکی قوم کی دوسری قومون کی ہدایت کے لیے نامزدگی بعثت ثانیہ ہے،

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت مین اشارہ ہے،

| | |
|---|---|
| ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا | وہی خدا جس نے اَن پڑھون مین، انھین مین سے |
| مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡھِمۡ | ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اُس کی آیتین سنا |
| وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ، | اور اُن کو پاک بناتا، اور اُن کو کتاب اور دانائی |
| (جمعہ ۱) | سکھاتا ہے، |

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت مین اشارہ ہے،

| | |
|---|---|
| کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ | تم بہترین اُمت ہو جو لوگون کے لیے وجود |
| تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡھَوۡنَ عَنِ | مین لائی گئی، نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے |
| الۡمُنۡکَرِ، (آلِ عمران ۱۲) | باز رکھتے ہو، |

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلعم کی پیغمبرانہ بعثت اُن کی اُمت کے لیے ہوئی، ویسی ہی اُن کی اُمت کی بعثت دوسری قومون کی طرف ہوئی، اور اسی معنی مین قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے،

| | |
|---|---|
| لِیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَھِیۡدًا عَلَیۡکُمۡ | تاکہ رسول تم پر گواہ ہو، اور تم، لوگون پر گواہ |
| وَتَکُوۡنُوۡا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (حج - ۱۰) | ہو، |

اِسی لئے احادیث مین ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا، فَاِنَّمَا بُعِثۡتُمۡ مُیَسِّرِیۡنَ وَلَمۡ

تُبعثوا معسّرین" تم آسانی کرنے والے بناکر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بناکر نہیں"۔ آنحضرت صلعم سے پہلے جو انبیا علیہم السلام آئے وہ ان مختلف مذکورہ بالا مناصب مین سے ایک یا دو منصب کیساتھ مبعوث ہوئے، لیکن آنحضرت صلعم ان تمام منصبون پر ایک ساتھ سرفراز ہوئے، اور یہ تمام فنون آپ کی واحد ذات مین جمع کر دیئے گئے، اور آپ کو یہ دونون بعثتین بھی بکمالِ استحقاق عطا ہوئین،

**بعثت کے لیے کسی قوم کا انتخاب**

یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمتِ الٰہی کا اقتضا اس لئے ہوتا ہے کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم و نسق مین جو اضافی خیر مضمر ہے، وہ ان دونون اسی رسول کی بعثت مین منحصر ہوتا ہے، اور اس بعثت کے حقیقی سبب کا علم اُسی دانائے غیب کو ہے، مگر اتنی بات ہم قطعًا جانتے ہین کہ کچھ اسباب ایسے ہین جو بعثت کے ساتھ ضرور پائے جاتے ہین، اور امت پر اُس رسول کی اطاعت اسی لئے فرض ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قومون سے، جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس مین خدا کی اطاعت و پرستش کی استعداد اور اسمین اللہ تعالیٰ کے فیضان اٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہے، اس مین وہ رسول مبعوث ہوتا ہے، اور چونکہ اس قوم کی اصلاح اسی پیغمبر کی پیروی اور اتباع مین منحصر ہوتی ہے اس لیے بارگاہِ الٰہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت سب پر واجب کیجائے،

**بعثت کا زمانہ**

اس موقع پر چند باتین اور قابلِ لحاظ ہین، اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہے کہ کوئی نئی حکومت اس لئے قائم کیجائے تاکہ اس کے ذریعہ سے ان دوسری حکومتون کو جو دنیا مین فساد اور شر کا موجب بنی ہوئی ہین مٹا دیا جائے، تو ایسی حالت مین اللہ تعالیٰ اُس شخص کو

بھیجتا ہے، جو پہلے اس قائم ہونے والی سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے، اور اُس کے دین کو درست کرے، تاکہ اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کی اصلاح ہو جس طرح ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا اور اُس کو اپنا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے، تو اس میں وہ ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اسکی کجی کو دور کردے، اور اس کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیکر اس کو اس کا مستحق بنا دے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بنی اسرائیل میں بعثت ہوئی یا کسی قوم کے متعلق قضائے الٰہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو مزید زندگی ملتی رہے، اور اسکا دین و سلطنت برقرار رہے، تو مجدد دین نبوت پیدا ہوتے ہیں، جیسے بنی اسرائیل کے مختلف زمانوں میں حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور پیغمبروں کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی،

**نبی کی یقینی کامیابی** ہر نبی کی بعثت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اُسکو اور اس کے دوستوں کو کامیابی، اور اس کے دشمنوں کو پے درپے ناکامی ہو، (یہانتک کہ حق استوار اور دعوت مکمل ہو جائے) قرآن پاک میں ہے:-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (والصّٰفّٰت - ۵)

اور ہماری بات، اپنے پیغمبر بندوں کے متعلق پہلے ہی طے ہو چکی ہے، کہ انہیں کی مدد کیجائیگی، اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا،

ان دونوں بزرگوں (امام غزالی، اور شاہ ولی اللہ صاحب) نے اپنے اپنے الفاظ میں جو کچھ کہا ہے، وہ حرف بحرف صحیح ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال مبارکہ اور سوانح مقدسہ پر جس کی نظر عمیق و وسیع ہوگی، اُس کو ان اصول کے تسلیم کرنے میں ذرہ بھر شک نہیں ہو سکتا،

اور اُن پر استدلال واقعات اور حوادث سے اسی طرح کیا جاسکتا ہے جس طرح نفسیاتِ اجتماع (سائیکالوجی آف میل) یا نفسیاتِ رہنمائی (سائیکالوجی آف لیڈر شپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے ہین، اس طرح امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات مین جو کچھ کہا ہے، ہم مجازاً کہہ سکتے ہین کہ وہ "نفسیاتِ نبوت" کے گویا ابواب ہین،

موجودہ زمانہ مین خیالات، طرزِ گفتار، اسلوبِ تحریر اور طریقۂ استدلال، غرض ہر چیز مین فرق ہوگیا ہے، اس لیے ضرورت ہے، کہ اہلِ زمانہ سے ان کی اصطلاح مین گفتگو کیجائے، اور جو اصول قائم کیا جائے اس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے، کہ عقل و نقل دونون دربارۂ ان مین کہنے والے کی بات کا اعتبار ہو،

غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے، وہ اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر خود بخود اس کو پورا کر رہا ہے، اور اُس کے خالق نے اس کے روزِ پیدائش سے اس کو جو حکم دیدیا ہے، اسکی تعمیل سے وہ سرمو انحراف نہین کرتا، آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام مین لگی ہوئی ہے، آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے، اور وہ ہر آن اور ہر لمحہ اسمین مصروف ہے، زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اُس کو انجام دے رہی ہے، ابر کو سیرابی اور گوہر باری کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہین، اور وہ اس کام مین لگے ہوئے ہین، حیوانات جن کامون پر مامور ہین، وہ بخوشی انکو کر رہے ہین، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا مین کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہے یا نہین؟ اگر آیا ہے تو کیا اس کو انجام دے رہا ہے؟

آؤ انسان کو غور سے دیکھیں بظاہر وہ بھی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا زندگی گذارتا ہے اور پھر مرجاتا ہے، کیا اسکی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے، اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان مین کیا پہچان؟ اور ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ مین کیا امتیاز؟ اور صاحب عقل اور بے عقل مین کیا فرق؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لیے انسانون سے سوال کرتا ہے اور بجا سوال کرتا ہے؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (مومنون) — کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا،

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قیامہ) — کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا،

اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے، لیکن وہ غرض و مقصد کیا ہے؟ انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے تو بھی آفتاب اسی طرح چمکتا رہیگا سمندر اسی طرح اُبلتے رہین گے، ہوائین اسی طرح چلتی رہینگی، پانی اسیطرح برستا رہیگا، سبزے اسی طرح اُگتے رہین گے، اور درخت اسی طرح پھلتے رہین گے، لیکن اگر درخت نہ پھلین تو انسان کی ہستی معرض خطر مین پڑ جائے، سبزیان نہ اگین تو انسان بھوکا مرجائے، پانی نہ برسے تو انسان پیاسا تڑپ جائے، اگر ہوا نہ چلے تو انسان گھٹ کر مرجائے، اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے، اگر آفتاب نہ چمکے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے، سمندر نہ ہو تو نہ پانی برسے نہ سبزیان اُگین، نہ انسانی غذا میسر آئے، نہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو، الغرض دنیا کی کوئی اہم ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہین، لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانۂ ہستی کے ایک ایک پرزہ کا حاجتمند ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہین، کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض وغایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے، لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے،

جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآن پاک دوسرے موجودات ومخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا، (البقرہ-۳) — اُسی نے تمہارے لیے (اے انسانو!) وہ سب پیدا کیا جو زمین میں ہے،

پھر یہ بھی بتایا،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ (حج ۹) — (اے انسان!) کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے اوس کو تمہارے کام میں اُسنے لگا رکھا ہے،

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اُس نے اعلان کیا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهٖ، (نحل-۲) — اور (اے انسانو!) اُس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگایا ہے اور ستارے بھی اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں،

ہستیاں دو ہی ہیں، خالق کی، اور اسکی مخلوقات کی، مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ اُن میں ہر ادنی چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آرہی ہے، جمادات، نباتات کے، نباتات حیوانات کے، اور جمادات اور نباتات اور حیوانات تینوں انسان کے کام آرہے ہیں، آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیے، مخلوقات میں تو اب اس سے کوئی اعلیٰ ہستی نہیں، تو لامحالہ اسکی تخلیق خود خالق کے لیے ہوئی ہے،

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض وغایت بواسطہ یا بلاواسطہ انسانوں کی بقا، زندگی اور

آسائش ہے، لیکن خود انسان کی زندگی اُس کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے لیے ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا

(ذاریات ـ ۳) کہ وہ میری طاعت کریں،

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں،

۱۔ ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں، جیسے آفتاب، ماہتاب، زمین، مٹی، پتھر، پھل، پھول، درخت،

۲۔ دوسری وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتی ہیں، لیکن قیاس و استقراء و تمثیل اور حاضر پر غائب کو قیاس کرکے کسی نئے علم کا استخراج کرنا اُن کی قدرت سے باہر ہے، ان کا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے، جیسے حیوانات،

۳۔ تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل و ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقراء و تمثیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے، جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے،

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں، وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں، اور کبھی اُن میں تخلف نہیں ہوتا، اسی لیے اُن کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں، جن کا صدور ان مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے، دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار اور حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ گو ارادہ اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں، لیکن اُن کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال حرکات اور

آثار یکسان طور سے ظاہر ہوتے ہیں، اُن کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے، اُن کے اِن افعال، حرکات، اور آثار کو جبلت، فطرت اور طبیعت کہتے ہیں، اُن کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں، جیسے حیوانات کے افعال، اور اُن کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام، کہ وہ ازل سے قیامت تک یکسان، ایک ہی طرح، اور وہ بھی کسی غایت، اور انجام و مآل کے پہلے سے سوچے بغیر ان سے صادر ہوتے ہیں،

تیسری مخلوق کے بعض افعال گو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں، جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ اور اضطراراً سرزد ہوتے ہیں، مگر اس کے اور دوسرے افعال و حرکات تمام تر اُس کے ارادہ، اختیار اور فہم سے صادر ہوتے ہیں، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں جن پر خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اس سے بڑھکر یہ کہ اُس کے تمام عاقلانہ کام، عاقبت بینی، انجام، اور مآلِ کار کو خیال کر کے اس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں، اور یہیں سے اس کی "ذمہ داری" کا سوال پیدا ہو جاتا ہے،

جن و انس کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات، خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں، جمادات و نباتات تو اس لیے کہ ان کے افعال و حرکات تمام تر مجبورانہ، بے ارادہ، اور فکرِ انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں، یا یون کہو کہ اُن احکام کے بموجب ہمیشہ ہوتے ہیں جو خدا نے انکو اول ہی دن دیدیے ہیں، حیوانات بھی اسلیے اس فرمہ داری سے بری ہیں کہ اُنکے افعال و حرکات بھی تمام تر جبلی و طبعی ہیں، اور وہ جبلت و طبیعت پر مجبورانہ، بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہیں، یا یون کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطراراً

عمل پیرا ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں، کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں، اور اسی لیے اُن سے عصیان نہیں سرزد ہوتا، صرف ایک انسان ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتوں میں ارادہ، اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی، بدی اور خیر و شر ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہے، بلکہ وہ عقل و فہم سے سوچ سمجھ کر، مآل کار اور انجام پر غور کرکے یا اپنے جذبات کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے، اس لیے وہی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کے فرق کے لیے پیغامِ الٰہی کا محتاج قرار پایا،

جمادات و نباتات، اور دیگر مخلوقات سے احکامِ الٰہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلت یا فطرت یا خاصیت کو، قرآنِ پاک یوں ادا کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ | اور خدا ہی کے آگے سر جھکاتے ہیں، جو آسمانوں میں ہو |
| مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ | اور جو زمین میں ہو، جانداروں میں سے، اور فرشتے، وہ |
| يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ | سرکشی نہیں کرتے، اپنے پروردگار کا اوپر سے ڈر رکھتے |
| مَا يُؤْمَرُوْنَ (نحل-۶) | ہیں، اور کرتے ہیں، جو حکم پاتے ہیں، |

اس فطری اطاعتِ الٰہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو، جیسا کہ قرآن میں ہے،

| | |
|---|---|
| وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ | اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں پر وحی بھیجی کہ پہاڑوں |
| مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا | میں اور درختوں میں اور جہاں چھت ڈالتے ہیں، اپنے |
| يَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ | لئے گھر بنالے، پھر ہر پھل میں سے کھا، پھر اپنے پروردگار |
| فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (نحل-۹) | کی راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل، مطیع ہوکر، |

GIRLS CO... 5614

دیکھو اس آیت پاک مین طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعتِ الٰہی کہا گیا ہے، اور دوسری جگہ ان کی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو ان کی زبانِ حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ | کیا تو نے نہین دیکھا کہ آسمان اور زمین مین جو کوئی ہو |
| وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ | اور اڑتے جانور پر کھولے اسکی یاد کرتے ہین، ہر ایک نے |
| عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ | جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز اور اسکی پاکی کی یاد اور |
| بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۔ (نور ـ ۲) | خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہین، |

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہین پیدا کیا گیا ہے، بلکہ جیسا کہ بتایا جاچکا، وہ احساس اور ارادہ جو جمادات مین معدوم، نباتات مین محل بحث، اور حیوانات مین متحرک ہے، وہ انسان مین پوری طرح بیدار اور کارفرما ہے، اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جمادات مین معدوم، نباتات مین مفقود اور حیوانات مین محدود ہے، وہ انسان مین ایک حد تک وسیع ہے، علاوہ ازین ہر کام مین عاقبت بینی، اور مآل اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے، اسی لیے تمام مخلوقات مین وہی ارادی "تکلیف" کا مستحق قرار پایا، اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ اطاعتِ الٰہی کے لیے نہین، بلکہ بالارادہ اطاعت کے لیے اسکی تخلیق ہوئی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ | ہم نے اپنی امانت آسمانون پر اور زمین پر اور |
| وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا | پہاڑون پر پیش کی تو انھون نے انکار کیا اور |

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط (احزاب-۹) اس سے ڈرے، اور انسان نے اسکو اٹھالیا،

یہ امانت، اسکی نیکی وبدی کی تمیز اور خیروشر کا فرق ہے، جس کے نتیجہ کے طور پر شریعت الٰہی کا نزول ہوا ہے، انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بااراده اور باختیار افعال مین بھی بے اراده اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الٰہی کی اطاعت کرنا ضروری ہے، یعنی جسطرح بے اختیارانہ افعال مین فطرت وجبلّت کی مجبورانہ اطاعت کرکے حکم الٰہی کی تعمیل کیجاتی ہے، اسی طرح بااراده اور اختیاری افعال مین بھی شریعت کی بالاراده اطاعت کرکے حکم الٰہی کی تعمیل ضروری ہے،

اس مطلب کو دوسرے لفظون مین یون ادا کرسکتے ہین، کہ غیرارادی افعال وحرکات مین جس طرح ہم اپنے فطری الہام ووحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہین، اسی طرح ارادی افعال مین بھی شرعی الہام ووحی کی بالاراده پیروی کرین،

لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہین جب تک اس کے احکام واوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو، انبیاءؑ اور رسولؑ وہی ہین جنپر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے، اور وہ ان ذی اراده بندون کو اس سے آگاہ وباخبر کرتے اور اس کی اطاعت کی دعوت دیتے ہین،

یہ نکتہ کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے اراده مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعًا مجبور اور مجبول ہے، اور کسی قدر بااختیار انسان کے افراد اپنے اُسی تھوڑے سے اختیار اور اراده کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آماده ہین، خود قرآن پاک کے الفاظ مین موجود ہے، فرمایا:

| | |
|---|---|
| اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ | کیا تو نے نہین دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکاتا ہر جو |
| وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ | آسمانون مین ہر اور جو زمین مین ہر اور سورج اور چاند |
| وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ | اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت |
| وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ | سے انسان اور بہت (انسان) ہین جنپر عذاب |
| الْعَذَابُ ۭ (حج - ۲) | ٹھہر چکا، |

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کلی اطاعت اور سرافگندگی کا اعلان ہے، لیکن خاص با ارادہ اور باعقل اور انجام مین انسانون کی دو قسمین کر دیگئین، مطیع اور سرکش،

کائنات کے صحیفہ کا تدریجی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جمادات، نباتات، حیوانات، اور انسان مین سے جس صنف مخلوقات مین احساس، ارادہ، اور اختیار کی جتنی کمی ہر اسی قدر فطرت اوس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس حد تک احساس، ارادہ، اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی مین بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر معلم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشو و نما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہین، نباتات جنمین ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی آنکھین کھولتی ہے، اُن کی غذا خود اُن کے پانون کے نیچے ہوتی ہے، اور وہ خود اڑ کر اور چل کر اُن تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات جنمین یہ اوصاف جاگ کر کروٹین بدلتے ہین، اُن کی غذا بے جوتے بوئے، بے پُنے نکھارے، بن پکے پکائے، ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے، لیکن انسان جسمین یہ تینون اوصاف بیٹھکر حکمران اور کارفرما ہوتے ہین، اسکے

منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہین پہنچ سکتا جب تک اسکی جد و جہد محنت، اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پانون تک نہین پہنچتا،

جہان احساس، ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اسی قدر طبیعت، فطرت، اور جبلّت کی اضطراری حکومت زیادہ قائم ہے، لیکن جیسے جیسے ان تینون اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت، اور جبلّت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر احساس، ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات و اعمال کی باگ فطرت و جبلت کے مضبوط اور ناممکن التغیر ہاتھون سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور ہر آن بدل جانے والے ہاتھون مین آجاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کرین گے جو اُن کو کرنا چاہئے، نباتات عموماً وہی بنین گے جو اُن کو بننا چاہئے، حیوانات وہی کام انجام دین گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور حدودِ اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاؑ اور رسولؑ وہی ہین جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور بااختیار مخلوق کو اس کی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لئے آتے ہین،

اس اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان مین "دل" ہے جو انسان کے سر سے لے کر پاؤن تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک جنبش و حرکت پر حکمران ہے، اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم مین سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے، انبیاؑ اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آتے ہین،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل مین قدم قدم پر ہزارون چیزون کی احتیاج

ہوتی ہے، ان چیزون کے مہیا اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان مین استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے، اور یہ استعداد و قوت فیاض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گِل کے عالم مین اُسین ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر انسان مین جس قسم کا میلان ہوتا ہے اسی کی استعداد اُس مین پائی جاتی ہے، اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جنکو تم ایجادات اور اختراعات کہتے ہو، ہر پیشہ ور اپنے متعلقہ کام کو بڑھاتا، اور ترقی دیتا ہے، اور تمھاری ضرورت کے مطابق تمھارے لیے سامان فراہم کرتا ہے،

ان مادی ضروریات کے بنانے والون کے حسبِ استعداد اور حسبِ حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہین، بعض ان مین سے محض مقلد ہوتے ہین، جو وہی بنا سکتے ہین، جو بنانا سیکھا ہے، بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہین، جو اچھے کاریگرون کے صرف نمونون کو دیکھکر اچھی چیزین تیار کر سکتے ہین بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہین، کہ وہ نئی نئی چیزین بناتے، دریافت کرتے، اور ایجاد کرتے ہین، اور بعد کے آنے والے مدت تک انھین کی تقلید کرتے رہتے ہین، کاشتکاری کے طریقون، ازالۂ مرض کی تدبیرین، کھانے پکانے کے طریقے، سواری کے ضروریات، رہنے سہنے کے سامان، پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلات، اُن مین سے ہر شے کی ضرورت ہے، اور اُن مین ہر ضرورت کے لئے خالقِ فطرت نے ایک ایک گروہ کو پیدا کر دیا ہے، اور وہ اپنے اپنے کام کو انجام دیتا رہتا ہے، ان ضرورتون کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے ضروریات کا جنکو تم اصولِ تمدّن، طریقۂ معاشرت، آئینِ عدل و انصاف، اخلاقِ حسنہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو دور شروع ہوتا ہے،

اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانون کے سامنے نہ ہون، تو آدم کے بیٹون کی یہ جنت دوزخ ہو جائے، اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت، جانورون کا گلہ اور درندون کا غول بنجائے،

جو تمھارے لیے غلہ پیدا کرتا ہے وہ کاشتکار ہے، اور جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے، جو زیور گھڑتا ہے وہ سونار ہے، جو تمھارے لیے کپڑے بنتا ہے وہ جولاہا ہے، جو تمھارے مکان بناتا ہے وہ معمار ہے، جو تمھاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہے، جو تمھاری نگہبانی کرتا ہے وہ حاکم ہے، جو تمھارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے وہ قاضی ہے، جو تمھارے ملک کے اندر امن وامان کا ضامن ہے وہ بادشاہ ہے، جو تمھاری جسمانی بیماریون کا معالج ہے وہ طبیب ہے، جو اپنی صناعیون سے تمھاری ضرورتون کے لیے کارگیری کی چیزین بناتا ہے وہ صناع ہے اور جو تمھارے لیے مادی کائنات کے چہرہ سے اسرار کا پردہ ہٹا کر تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے،

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمھارے روحانی واخلاقی واجتماعی حالات کے معلم ونگران ہین اُن کی بھی ایک جماعت ہے، لیکن جسطرح تمھارے مادی ضروریات کے بنانے والون کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہین، اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والون مین بھی مرتبے اور درجے ہین، بعض وہ ہین جو صرف اگلے روحانی معلّمین کی نقل وتقلید کرتے ہین، یہ عام علما ہین بعض وہ ہین جو اچھے روحانی نمونون کو دیکھکر خود بھی اُن کی عمدہ نقل اتارتے ہین، اور دوسرون کو بھی بتاتے ہین، یہ مجدّدین ہین بعض ایسے ہین جو الہام ربانی سے فیض پاکر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہین، یہ انبیا ہین، اُن کے مقدس ہاتھ، تمھارے لیے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بننے، اوزار بنانے

اور صناعی کرنے کے لیے نہین، بلکہ اُن سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کے لیے ہین، اُن کی مبارک انگلیان، تمہارے اُن تارون پر پڑتی ہین، جنسے یہ صدہا قسم کے نغمے نکل رہے ہین، یعنی تمہارے دل کی رگون پر، غور کرو کہ یہ اصل مرکز جسپر تمہارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جدوجہد کا مدار ہے، یعنی دل' کیا انبیا اور اُن کے متبعین کے سوا کوئی طبقہ اس کی نشو و نما، حفاظت، ترقی، تکمیل، اور اصلاح کے لیے بھی کام کر رہا ہے، اور کیا خالق فطرت کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ تمہاری مادی ترقی و اصلاح کیطرح، تمہاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا، اور ایسا سمجھنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، نوعِ انسانی کے کسی کارکن طبقہ سے متعلق نہین کی ہے، کیا اس کی شانِ ربوبیت کیساتھ سوءِ ظن نہین ہے،

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقون کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے، وہ ان سب کو جو تمہارے لیے روٹی تیار کرتے ہین، کپڑے بنتے ہین، جھوپڑے بناتے ہین، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہین، ایک دوسرے کیساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے اُن مین روحانی برادری پیدا کرتے ہین، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹون کو جنکو دولت و غربت، سوسائٹی اور مجلس، حکومت اور اقلیم، اور جغرافی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہین، اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر، پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوامِ عالم کو اولادِ آدم، اور کل بلند و پست طبقون کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہین، اور اُن کے اخلاقی روحانی عالم مین اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہین، اُنکے دلون سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہین، اُن کے احساس، ارادہ، اور

اختیار کی باگ پر اُن کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہین، اور اُن کو اعتدال کی حد بتا کر صحیح وغلط کی تمیز عطا کرتے ہین،

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی، رسول اور پیغمبر کہتے ہین، ان کو گو براہ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہین ہوتا، بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لیے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک اُن کے فرائض مین داخل ہے، جہانتک ان کو دل اور قلب و روح کے کامون کی اصلاح مین اسکی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

**ایک شبہہ اور اسکا جواب** اس مقام پر ایک شبہہ یہ ہوتا ہے کہ افرادِ انسان کے درمیان، امن وامان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہین، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے، مگر ان کے کامون کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہہ کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح مین یون سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتون سے نظر ڈالتے ہین، اور اسی اختلافِ نظر سے ان کا فن بھی علٰحدہ علٰحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزاے ترکیبی سے اگر بحث کیجائے تو کیمسٹری ہے، اگر اس کی زندگی اور اسبابِ زندگی پر غور کیا جائے تو بیالوجی (علم الحیات) ہے، اگر اس کے دماغی قویٰ اور اُن کے آثار کی تحقیق کیجائے تو سائیکالوجی (علم النفس) ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال و اعمال کے حدود اور ان کے اسباب و علل اور غرض و غایت پر نظر ڈالیجائے تو یہ اتھکس (فلسفۂ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کیجائے تو یہ سوشیالوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب

کی جستجو کیجاے تو یہ طب ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتون سے بحثین کیگئی ہین اور اُن سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہین، تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانیات ہی سے متعلق اور وابستہ ہین، اور بایں ہمہ ان مین سے ہر ایک علم و فن علحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علحدہ ہین،

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہون، فلاسفرون اور حکیمون کی طرح انسانون ہی کی اصلاح ہے، مگر ان مین سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہین ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازارون، گلیون، آبادیون، اور میدانون مین امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفر انسانون کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تفتیش اور ان مین نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہے، فلسفۂ اخلاق کے معلم تمھارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابلِ فہم جذبات کی تشریح کرتے ہین، اس سے آگے اُن کا کوئی کام نہین حکیم اور واعظ تمھارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے نہایت شیرین، خوشگوار اور ڈھلے ہوئے فقرے سناتے ہین، مگر ان مین سے کوئی نہین جو تمھارے دلون کا رہنما ہو، جو تمھارے احساس، ارادہ، اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمھارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتائے، بلکہ تمھارے اخلاق و عادات اور جذبات مین خیر و شر کی تمیز کرے، اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اسکے ہاتھ اور زبان مین یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تلقین و فیضِ صحبت سے تمھارے اخلاق و عادات و جذبات بلکہ احساس، ارادہ اور اختیار کی غرض و غایت بلکہ پورے دل کی قوتون مین انقلاب پیدا کر دے، اور شر کے تخم کو دلون کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کر دے، البتہ نبی یہ تمام کام سر انجام

دیتا ہے، وہ انسانون کو ان کے احساس، ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری یاد دلاتا ہے اور اُن کے قویٰ کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کردیتا ہے،

وہ بادشاہون کی طرح صرف بازارون، مجمعون، اور آبادیون کا امن واطمینان نہین چاہتا بلکہ وہ لوگون کے دلون کے اندر کا امن واطمینان چاہتا ہے، وہ معلمینِ اخلاق کیطرح اسباب وعلل کی تلاش وجستجو وتشریح کی پروا نہین کرتا، بلکہ اخلاق سیئہ خواہ کسی سبب سے ہون، وہ ان کی بیخکنی کرتا ہے، اور اخلاقِ حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہون، وہ ان کو انسانون کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسانی اوہام کے طلسم کو توڑ دیتا ہے، اور غلط رسم ورواج کی بندشون کو کھولتا ہے، اور انسانون کو انسانون کی غلامی سے آزاد کرکے صرف خدا کی غلامی مین دیتا ہے،

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (اعراف ۱۹)

وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے اور اچھائیون کو ان کے لیے حلال، اور خبیث چیزون کو حرام ٹھہراتا ہے، اور ان کے اس بندھن اور زنجیرون کو جو ان پر ہوتی ہین ان سے اتارتا ہے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (نساء-۲۳)

ایسے رسول بھیجے جو نیکون کو خوشخبری دیتے اور بدکارون کو ہشیار کرتے ہین، تاکہ رسولون کے اس وعظ وتذکیر کے بعد انسانون کو خدا پر الزام دینے کا موقع نہ ملے (کہ ہم بھولے تھے)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ

ہم نے رسولون کو کھلی ہدایتین دیکر بھیجا اور ان کیساتھ کتاب اتاری اور عدل کی ترازو، تاکہ لوگ عدل وانصاف

| | |
|---|---|
| بِالْقِسْطِ ۚ (حدید - ۳) | پر قائم رہیں، (اور دنیا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرے) |

نوعِ انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہین، ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہین بڑھتا، مگر انبیاء اور رسول نوعِ انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی اسکی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھکر کرتے ہین کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائدار زندگی پر کیا پڑیگا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لئے نہین، بلکہ روح کے لیے کرتے ہین، اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشا کے مطابق بجا لاتے ہین، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق ہی سے نہین بلکہ مخلوق کو خالق سے، اور خالق ہی کیلئے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہین،

وہ صرف اچھی اچھی اور میٹھی میٹھی باتین لوگون کو نہین سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہین، اور دوسرون کو اس کا عامل بناتے ہین، وہ خیال آرا شاعرون اور جھوٹے حکیمون کی طرح نہین ہوتے، جو کہتے ہین اور کرتے نہین، دماغ ہوتے ہین مگر دل نہین ہوتے، زبانین ہوتی ہین، مگر ہاتھ نہین ہوتے،

| | |
|---|---|
| وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، اَلَمْ تَرَ | اور شاعرون کے پیرو کار گم کردہ راہ ہوتے ہین، تم دیکھتے |
| اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ | نہین کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہین، اور |
| يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ، (شعراء - ۱۱) | وہ وہ کہتے ہین جو کرتے نہین، |

وہ اس دعویٰ کیساتھ انسانون مین آتے ہین کہ اُن کے خالق نے جس نے اُن کے ذرہ ذرہ کا سامانِ راحت فراہم کیا ہے، اور جو ان کے قلب و روح کا سامانِ راحت بھی بہم پہنچاتا ہے،

اُن کو اس لیے بھیجا ہے، کہ انسانوں کے قلب و روح کو اس سامان کا برتنا سکھائیں، اور اُن کے رب کا پیغام ان کو سنائیں اور بتائیں کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے احساس اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو اس طرح اس عالم مین صرف کرین کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان، اور امن و سعادت کی روشنی مین داخل ہون،

| | |
|---|---|
| هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ | وہی خدا ہے جو اپنے (رسول) بندے پر کھلی آیتین اتارتا |
| بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى | ہے، کہ تم کو (اے انسانو!) وہ تاریکی سے نکال کر |
| النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ | روشنی مین لائے، (اور اللہ نے ایسا اس لیے کیا) کہ |
| رَحِيمٌ، (حدید-۱) | تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے، |

انبیا بھی ایک بادشاہ کی طرح جماعتون کا انتظام کرتے ہین، مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لیے نہین، بلکہ خدا کے لیے، وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لیے مقنن کیطرح قانون بناتے ہین، اور قاضی کیطرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہین، مگر انعام شاہی اور تنخواہ ماہانہ پاکر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لئے نہین، بلکہ جسم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل مین، وہ بھی فلاسفر کی طرح رموز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہین، مگر تجربہ، استقرار، اور قیاس سے نہین بلکہ عالم الاسرار کے مبدءِ علم سے فیض پاکر، وہ بھی حکیم و واعظ کی طرح پرتاثیر کلام کرتے ہین، مگر اُن کے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہین بلکہ خدا سے سنکر، اور وہ صرف کہتے نہین، بلکہ جو کہتے ہین وہ کرتے ہین، اور جو کرتے ہین وہ دوسرون سے کراتے ہین، وہ خدا سے ہین، خدا سے پاتے ہین، اور اسی سے سنتے ہین، اور وہی اورون کو سناتے ہین، غرض اوپر آسمان سے انکو

جو کچھ ملتا ہے وہی وہ نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں،

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى، ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى، وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى . . . . . . .
فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى . . . . . . . . .
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى، لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى، (والنجم-۱)

قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ نیچے گرے، کہ تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ بھولا نہ بھٹکا، اور نہ وہ نفس کی خواہش ہی سے بات کرتا ہے، وہ تو وہ ہے جو اس کو وحی کے ذریعہ کہا جاتا ہے، اس کو بڑی قوتوں والے نے سکھایا، طاقت والا، تو وہ سیدھا ہوا، درانحالیکہ وہ آسمان کے . . . تو اُس نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، نہ اسکے دل نے جو اس نے دیکھا، اسکو جھوٹ کہا، کیا وہ جو دیکھتا ہے تم اُسپر اس سے جھگڑتے ہو،
نہ بینائی نے کجی کی اور نہ سرکشی کی، اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دیکھا،

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ، (اعراف-۲۴)

کہدے (اے پیغمبر) کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کیطرف سے وحی کیجاتی ہے، یہ دلیلیں تمہارے رب کیطرف سے بصیرتیں ہیں، اور اُن کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ، (شعراء-۱۱)

یہ تو عالم کے پرورش کرنے والے کی طرف سے اتارا گیا ہے، اسکو امانت والی روح نے تیرے دل پر اتارا تاکہ تو ہشیار کرنے والوں میں سے ایک ہو، فصیح عربی زبان میں،

نکتہ، یہ بالکل ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی قسم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض ونیت سے کرتے ہین، کسی قوم کی اصلاح ہی کا کام ہے کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض ونیت سے کرتے ہین، خودغرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کرکے صرف مخلصانہ اغراض کو لو، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہے، کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہے، کوئی رسم ورواج ومعاشرت پر زور دیتا ہے، کوئی ظاہری تمدّن پر مدار رکھتا ہے، کوئی جسمانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہے، کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے، لیکن انبیاؑ کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتین ہین، وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے، ان کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، اور خدا کی معرفت ہوتی ہے، اور تمام دوسری ترقیون اور اصلاحون کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جڑ کی شاخین جانتے ہین،

یہی سبب ہے کہ اُن کی دعوت کی کامیابی سے قومون کو سلطنت بھی ملتی ہے، دولت بھی ہاتھ آتی ہے، علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے، اور دنیاوی عظمت وجلال کا ہر منظر خادمانہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے، مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہیے، کہ سیاسی مصلحین کیطرح سلطنت، مالی مصلحین کیطرح دولت، تعلیمی مصلحین کیطرح تعلیم علم وفن جسمانی مصلحین کیطرح قوت وطاقت، اُن کا مطمح نظر نہین ہوتی، بلکہ جو کچھ اُن کے سامنے ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی اطاعت خدا کی محبت، خدا کی خوشنودی ہوتی ہے، اور باقی تمام چیزین اُن کی نگاہ مین فرعی، ثانوی اور ضمنی ہوتی ہین

**نبی اور غیر نبی کے امتیازات**

سطور بالا سے ہویدا ہے، کہ انبیاؑ اور اُن کے مشابہ اشخاص مین کتنا عظیم الشان

فرق ہے۔ یہ فرق چار حیثیتون سے نمایان ہے۔ مبدأ اور منبع کا فرق، غرض وغایت کا فرق، طریق دعوت کا فرق، اور علم وعمل کا فرق۔ نبی کے علم کا مبدأ منبع، ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ کہو وہ تعلیم ربانی شرح صدر، اور وحی والہام ہوتا ہے، اور حکیم کے علم کا ماخذ ومنبع تعلیم انسانی، گذشتہ تجربہ، استقرار اور قیاس ہوتا ہے۔ یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے، اور نبی خالق عقل سے، اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال اور جدوجہد کا منشا اپنی شہرت طلبی، علم کا اظہار، قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اسکی اصلاح ہوتا ہے، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضامندی کے لیے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے، طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم اپنی دعوت کی عمارت کو تمام تر حکمتون، مصلحتون، اور علل واسباب کے ستونون پر کھڑا کرتا ہے، مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضاجوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کہتا ہے لیکن اسکا کرنا اُس کے لیے ضروری نہین، نبی جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے، اور اسکا کرکے دکھانا اس کے لیے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے منبر پر آراستہ نہین ہوتا، بلکہ وہ جلوت وخلوت اور ظاہر وباطن مین یکسان حسنات سے آراستہ اور برائیون سے پاک ہوتا ہے، دنیا مین سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانس، وغیرہ ایک طرف اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور محمدؐ دوسری طرف مین اور دونون کے سوانح اور سیرتین اور کارنامے بالکل نمایان اور ایک دوسرے سے اسطرح ممتاز ہین کہ انمین ذرا التباس نہین۔

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج ولشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہین، تاکہ فتنہ وفساد رک جائے، فلاسفر اپنے دعوون کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہین، تاکہ ان کی بات لوگ تسلیم کرین، لیکن پیغمبر اپنے پیروون کے قلب کو اس طرح بدل دینا چاہتے ہین کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرلین، وہ اگر کبھی قانون وحدود سزا کو اختیار

کرتے ہین، یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہین، تو اُن کا یہ ضمنی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اوّلین نہین؛ ان کی اوّلین غرض یہ ہوتی ہے، کہ اُن کے پیرووں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر وناظر ہونے کا اتنا محکم اور پختہ یقین ہوجائے کہ وہ اس کے حکموں اور نصیحتوں کو جو اُن کے ذریعہ آتی ہین، بے چون وچرا تسلیم کرلین،

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشورکشا اپنے زورِ بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے اُلٹ دیتے ہین، انھون نے کبھی کبھی چاردانگ عالم پر حکمرانی کی، قومون کی جان ومال پر اپنا قبضۂ اقتدار جمایا، اُن کی تلوارون کی دھاک نے آبادیون اور مجمعون کے مجرمون کو روپوش کردیا، اور بازارون اور راستون مین امن وامان پیدا کردیا، لیکن کیا انھون نے دلون کے طبقے بھی اُلٹے؟ اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم کو منوا سکے؟ وہ لوگون کے دلون کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار مین لاسکے؟ وہ آبادیون اور مجمعون کے روپوش مجرمون کو بھی فنا کرسکے؟ وہ دلون کی بستیون مین بھی امن وامان پیدا کرسکے؟ وہ روحون کی مملکتون کا بھی نظم ونسق قائم کرسکے؟

حکما اور فلاسفر جو اپنی عقلِ رسا کے ذریعہ سے عجائباتِ عالم کی طلسم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدّعی ہین، کیا وہ قلب ورُوح کے عجائبات کو بھی دریافت کرسکے؟ وہ ماورائے مادہ اسرار ورموز کو بھی حل کرسکے؟ وہ انسانون کی اصلاح وہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق وتفتیش سے فراہم کرسکے؟ اُن کی دقیق نکتہ سنجیون اور خیال آرائیون کے پیچھے، اُن کے ذاتی حسنِ عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ ارسطو نے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد ڈالی، دوسرے حکما نے اخلاق کے اسباب وعلل کے حدود، ظہور، اثر، اور نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی، مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا

تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نے نشو ونما پائی؟ ان کے اخلاق وتعلیمات کے فلسفیانہ رموز واسرار کا دائرہ ان کی درسگاہون کی چہار دیواریون سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ کیونکہ وہ اپنے درس کے کمرون سے نکلکر جب انسانی صحبتون مین داخل ہوتے ہین، تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک انچ بھی بلند نہین ہوتی، حکماے یونان مین سقراط سے بڑھکر کوئی نہین، مگر کیا یہ وہی نہین ہے، جو بازار کی فاحشہ عورتون سے ارتباط رکھتا تھا، اور اُن مین ایک پیشہ ور کے فروغ اور کامیابی کے لیے کوشان رہتا تھا، یہی یونان کے دوسرے حکما کا حال تھا، اور توحید وخدا پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے، جس کی ان کو ہوا بھی نہین لگی تھی،

ان سطرون سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ ہر شیرین نوا واعظ، ہر مؤثر البیان خطیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشور کشا فاتح، اور ہر نکتہ دان حکیم اس لائق نہین کہ نبوت ورسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اُس سے منسوب کیا جائے، اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط، لوازم، اور خصوصیات بھی وابستہ ہین، جو اس کے ضروری اجزا، اور عناصر ہین،

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق پراسرار عالم غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازین سنتا ہو، غیب کی چیزین دیکھتا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالم ملکوت کی تائید اس کے ساتھ ہو، روح القدس اس کا ہمسفیر وہمنوا ہو،

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام بندون مین سے اس کے لیے چنا ہو، کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو،

۳۔ اُس سے خدا کے حکم سے عجیب وغریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہون جن سے اس کا مقبولِ بارگاہ ہونا ثابت ہو،

۴۔ فضائلِ اخلاق کے پھولوں سے اس کا دامن بھرا ہوا اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک و صاف ہو کہ گندے ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے،

۵۔ وہ لوگوں کو خدا اور عالمِ غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل و اخلاق کی تعلیم دے، اور روزِ الست کا بھولا ہوا عہد اُن کو یاد دلائے،

۶۔ نہ صرف تعلیم، بلکہ اُس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریروں کو نیک اور گمراہوں کو راست رو بنادے اور جو خدا سے بھاگتے ہوں، اُن کو پھیر کر پھر اُس کے آستانہ پر لے آئے،

۷۔ اپنے سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و صاف کرکے پیش کرے،

۸۔ اُنکی اس دعوت، جدوجہد اور تعلیم و تلقین سے مقصود کوئی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی، دولتمندی، قیامِ سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجاآوری اور خلقِ خدا کی ہدایت،

یہ نبوت و رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں، جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں، مذاہبِ عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، خصوصاً قرآنِ پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے، اور جس نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے، سورۂ انعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کرکے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں،

| | |
|---|---|
| وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ | اور یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی، ہم جسکو چاہتے ہیں، کئی درجے بلند کرتے |

حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ
كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ
وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَ
عِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ
وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَ
اجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ
بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا
لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا
هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا
بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

ہین، بے شبہہ تیرا پروردگار تدبیر والا خبردار ہے، اور ہمنے
ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشے، اور ہر ایک کو ہدایت
دی، اور نوح کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور
اسکی اولاد مین داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف
اور موسیٰ اور ہارون کو، اور اسیطرح ہم نیکوکارون
کو بدلہ دیتے ہین، اور زکریا، اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس
کو، ہر ایک نیکوکارون مین سے ہے، اور اسمٰعیل اور
الیسع اور یونس، اور لوط کو، ہر ایک کو بزرگی بخشی
دنیا والون پر، اور اُن کے باپ دادون اور بھائیون
مین سے، اور ہم نے ان کو چنکر پسند کیا، اور ان کو سیدھی
راہ پر چلایا، یہ اللہ کی ہدایت ہے، اس پر وہ جسکو چاہے
چلاتا ہے، اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا کیا برباد
ہو جاتا، یہی وہ لوگ ہین جنکو ہمنے کتاب اور حق و
باطل مین فیصلہ کرنا (حکم) اور نبوت دی، تو
اگر کوئی ان باتون کا انکار کرے، تو ہم نے اُن
باتون پر ایسے دوسرے لوگون کو مقرر کیا ہے جو انکا انکار
نہین کرتے، یہی وہ لوگ ہین جنکو ہم نے ہدایت دی

فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۠ (انعام - ۱۰)

اے محمد! تو بھی انہین کی رہنمائی کی پیروی کر، اور کہہ مین اپنے کام کی تم سے مزدوری نہین چاہتا، یہ قرآن تو دنیا والون کو یاد دہانی ہے،

ان آیتون مین اکثر پیغمبرون کے نام لیکر اُن کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہین، اگر ہم انکو یکجا کردین، تو نبوت و رسالت کے عام اوصاف خصوصیات اور لوازم واضح ہوجائین،

۱- فرمایا "ہم نے ابراہیم کو دلیل دی" اور "ہم نے ان کو ہدایت بخشی" جس سے معلوم ہوا، کہ انکے علم اور ہدایت کا سرچشمہ عالمِ ملکوت سے ہوتا ہے،

۲- ارشاد ہوا کہ "ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا" اور "یہ سب نیکوکار تھے" اس سے ثابت ہوا کہ وہ معصوم اور گناہون سے بے داغ ہوتے ہین،

۳- یہ بھی کہا کہ "ہم نے ان کو چنکر پسند کیا" اور "اپنے بندون مین سے جسکو چاہین یہ ہدایت عطا کرین" جس سے یہ مقصود ہے، کہ یہ منصب سعی و محنت سے نہین، بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے،

۴- فرمایا کہ "ہم نے اُن کو کتاب، حق و باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکامِ غیب کی تعلیم (نبوّت) دی" اس سے معلوم ہوا، کہ اس منصب والون کو کیا کیا چیزین عطا ہوتی ہین،

۵- حکم ہوا کہ "اُن کی رہنمائی کی پیروی کر" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگون کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہین، اور لوگ ان کی پیروی سے نیکوکار اور صالح بنتے ہین،

۶- فرمایا کہ "اے پیغمبر! یہ کہدے کہ مین اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہین چاہتا، یہ تو اہلِ دنیا کے لیے نصیحت اور یاد دلانا ہے" اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے

ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمحِ نظر نہین ہوتا،

دوسرے انبیاے کرام علیہم السّلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلعم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقتون کو قرآن پاک نے کئی دفعہ بتصریح بیان کیا ہے، جنمین سے چار باتین سب سے زیادہ نمایان ہین،

۱۔ اشیاے غیب، امورِ خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو،

۲۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل مین کامل اور راستباز ہو،

۳۔ وہ دوسرون کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو،

۴۔ اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسب استعداد کامل بناتا ہو،

قرآن پاک مین متعدد موقعون پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا،

| | |
|---|---|
| يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ | وہ رسول اُن پڑھون کو خدا کی باتین |
| وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ | سناتا اور ان کو پاک وصاف بناتا، اور |
| (بقرہ ۲ و جمعہ ۱) | اُن کو کتاب و حکمۃ سکھاتا ہے، |

اس مختصر سی آیت مین ان چارون مذکورۂ بالا امور کا بھی ذکر کیا ہے، جاہلون کو آیات الٰہی پڑھانے اور کتاب و حکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود اُس کو آیات الٰہی پڑھائی اور کتاب و حکمت سکھائی گئی ہون، اور دوسرون کو پاک و صاف بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود پاک و صاف ہو کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم، اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہین بنا سکتا، ایک دوسری آیت مین ہے،

| | |
|---|---|
| سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَــهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۭ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ، فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ، سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ (اعلیٰ) | ہم تجھے پڑھائین گے تو تو نہین بھولیگا، مگر جو اللہ چاہے، وہ جانتا ہے، پکار اور چھپا، اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائین گے، اور تو سمجھا اگر تیرا سمجھانا فائدہ دے، جسکو خدا کا لحاظ ہوگا، وہ سمجھیگا، اور جو بدبخت ہوگا، وہ اس سے پرہیز کریگا، |

"ایسا پڑھانا جس مین بھول نہ ہو" پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے، اور "آسانی کی منزل کی طرف اسکو آہستہ آہستہ لے چلنا، اور اس کے لیے اس کٹھن منزل کو آسان کردینا" اس کے ذاتی عمل کو کمال کے درجہ تک اسطرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امورِ خیر اس سے بسہولت از خود صادر ہونے لگین، پھر اس کو دنیا کے "سمجھانے" پر مامور کرنا، اس رمز کو آشکارا کرنا ہے کہ دوسرون کی تعلیم وتذکیر کا منصب اس کو ملا ہے، اس کے بعد یہ فرمانا کہ "متقی اس نصیحت سے فیض پائین گے، اور بدبخت محروم رہین گے" اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصون کی تکمیل اور ذی استعداد لوگون کو اُن کی استعداد کے مطابق فیض پہنچانا بھی اس کا فرض ہے[1]،

**نبوت کے لوازم اور خصوصیات،** نبوت کی شرحِ حقیقت اور اس کے ضروری لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کیجائے تاکہ وقت کی بہت سی غلط فہمیون کا سدباب ہو، لیکن اِن خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو "خصوصیت" کو سمجھنا ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے،

---

[1] یہ تشریح، وہ طریقۂ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ مین اختیار کیا ہے،

دنیا مین ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف مین کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہین، یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد مین یکسان پائی جاتی ہین، انھی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہین، پھل، پھول، چوپائے، پرندے، انسان، تمام انواع مین کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہین، جو دوسرون مین نہین پائی جاتین، اور انھین خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسری نوع سے ممتاز اور ہر صنف دوسری صنف سے علیحدہ ہے، گلاب مین خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، اور خاص قسم کے پتے ہوتے ہین، یہ ناممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو، اور اس مین یہ چیزین نہ پائی جائین، لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفین ہین، اور ان مین سے ہر ایک مین کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہین، جنسے گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علانیہ الگ نظر آتی ہے،

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہین، دو ہاتھ، دو پانون، سید ھا قد، بولنے کی طاقت، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام بینی اور مآل اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہین، اور جس طرح شہد مین مٹھاس، حنظل مین کڑواپن، آگ مین گرمی، اور برف مین ٹھنڈک، نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئی ہین، اسی طرح انسان مین انسانیت کی مذکورۂ بالا خاصیتین فطرۃً ودیعت ہین، لیکن اس وصف انسانیت مین اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوعِ انسانی کے بھی مختلف اصناف ہین، جیسے ہندی، چینی، حبشی، رومی، ایشیائی، یورپین، دیکھو کہ ان مین سے ہر ایک صنف مین انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت، چہرہ مہرہ، رنگ و روغن، صورت و شکل، اخلاق و عادات وغیرہ، بیسیون چیزون کا نمایان امتیاز ہوتا ہے، اور یہ تمام انسانی اصناف جو مختلف آب و ہوا، مختلف مرز و بوم، مختلف

نسل، اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہین، انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہین،

اسی طرح ہر صنفِ انسانی کے اندر مختلف افراد ہین، خلاقِ فطرت نے ان مین سے ہر ایک کو مختلف قابلیتین عطا کی ہین، شاعری، زباندانی، فلسفہ، ریاضی، صناعی، باغبانی، معماری، پہلوانی سیکڑون مختلف قسم کی انسانی استعدادین اور قابلیتین ہین، پھر ہر صنف کی اور ہر صنف مین بھی ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتین دوسرون سے الگ ہین، ایک تخیل پسند شاعر، اور ایک حقیقت شناس، ریاضی دان مین عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادب و انشا کے خیالی بلند پرواز، عموماً ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہین اور واقعات سے لبریز ریاضیات کے جاننے والے، ادب و شاعری سے بیگانہ، پہلوانی کے جوہر باغبانی سے الگ ہین، اور ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے،

اسی کے ساتھ صنفِ شعرا مین خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے، نظم کی قوت، تخیل کی بلندی، محاکات کی قدرت، الفاظ کا زور، معانی کا جوش، یہ تمام شعرا کی مخصوص صفات ہین، اسی طرح تمام فلسفیون کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے، خاموشی، غور و فکر، دقتِ نظر، خارجی عالم سے بے پروائی، تصور مین انہماک، خلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، الغرض مرز و بوم اور آب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر جو اصنافِ انسانی پیدا ہوتے ہین، اور اُن مین جو اختلاف و امتیاز ہوتا ہے، اسی طرح دماغی و ذہنی و روحانی اختلافِ استعداد کی بنا پر جو اصنافِ انسانی پیدا ہوتے ہین، اُن مین بھی یہ اختلاف و امتیاز نظر آتا ہے، ہنیبال و نپولین، تیمور و چنگیز، دم کے دم مین آبادی کو ویرانہ،

اور ویرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے، مگر وہ بیٹھکر فلسفۂ اخلاق پر چند صفحے نہین لکھ سکتے تھے، افلاطون تنہائی مین بیٹھکر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا، مگر ایتھنز کے تخت پر بیٹھکر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہین دیسکتا تھا، سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سیکڑون خیالی سومنات کے معرکے فتح کیے، لیکن پتھر کی ایک چٹان پر بھی کلہاڑی نہ مار سکا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجون کے دل بادل کے ساتھ پہاڑون کو چیرتا، دریاؤن کو پھاڑتا، اور ریگستانون مین پانی بہاتا ہوا غزنی سے چل کر گجرات کے کنارے تک پہنچ گیا، اور سومنات کے سنگی قلعہ اور مجسمہ کو چکنا چور کر ڈالا، مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھکر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہین کر سکتا تھا،

ان مثالون سے یہ ثابت ہے کہ نوعِ انسانی مین اشتراک ہونے کے باوجود اصنافِ انسانی کی ہزارون قسمین ہین اور ان مین سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات، صفات، اور لوازم ہین، انہین مختلف اصنافِ انسانی مین انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے، اور نوعِ انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف، خصوصیات، اور لوازم ہین، جو اُن کو دوسرے اصنافِ انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہین،

اس تمہید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کیطرف توجہ کرنی چاہیئے کہ نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہین،

**وہبی استعداد**

ان مین سے سب سے پہلی چیز وہبی استعداد ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانون مین مختلف قسم کی فطری استعدادین پائی جاتی ہین، اور انھین کی طرف اُنکا

طبعی میلان ہوتا ہے، اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہین، انکی استعداد اور میلان طبع کا جوہر برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے، یہانتک کہ ایک خاص مقررہ مدت مین جاکر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے، جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہین ہو سکتا، بلکہ اسی سے ہوگا جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے، پھر آم کے درخت کے آثار، خواص، پھل اُس کا مزہ، اُس کا رنگ و بو غرض جملہ خصوصیات خود اس درخت مین اُسی وقت موجود ہوتے ہین، جب وہ ہنوز تخم کی صورت مین ہوتا ہے، وہی تخم پودا بنتا ہے، پودا بڑھتا ہے، کونپل اور شاخین پیدا کرتا ہے، اور چند سال مین پھل دینے لگتا ہے، لیکن اپنی ترقی کے ہر دور مین وہ اپنے مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے، جو ایک دن اس سے آخر مین ظاہر ہونے والے ہین، اور اس پھل کی صفت ہمیشہ اُسمین بالقوہ موجود تھی،

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کوشش سے نبی نہین ہو سکتا، بلکہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو خدا نے نبی بنایا ہے، اور نبوت کے یہ آثار، خواص، اور کیفیات اس مین بالقوۃ اور استعداد کی صورت مین اُسی وقت سے موجود رہتے ہین، جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم مین ہوتا ہے، شاید آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کا کہ "مین اسی وقت نبی تھا جب آدم ہنوز آب و گل مین تھے"[1] اسی قسم کا مطلب ہوگا،

انبیاے کرام علیہم السلام کی سیرتون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ جب سے عرصۂ وجود مین قدم رکھتے ہین، اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار اُن سے ظاہر ہونے لگتے ہین، وہ حسب و نسب اور سیرت و صورت مین ممتاز ہوتے ہین، شرک و کفر کے

[1] جامع ترمذی مناقب نبوی و مستدرک حاکم مناقب محمدی، جلد دوم صفحہ ۶۰۰، حیدرآباد،

ماحول میں ہونے کے باوجود اُس کی گندگی سے بچائے جاتے ہیں، اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں، اُن کی دیانت، امانت، سچائی، راست گفتاری مسلّم ہوتی ہے، اور یہ تمہیدیں اس لیے ہوتی ہیں، تاکہ منصب ملنے کے بعد اُن کے دعوائے نبوت کی تصدیق، اور لوگوں کے میلانِ خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیھم کے حالات و واقعاتِ قبلِ نبوت پڑھو، تو ہمارے اس دعوے کی سچائی تم کو نظر آئیگی، حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے کے پہلے ہی سے آسمان و زمین کے خالق کی تلاش، سورج، چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ، کس بات کی شہادت ہے؟ حضرت اسمٰعیل کا بے آب وگیاہ میدان میں پرورش پانا، چاہِ زمزم کا ظہور، آنے جانے والے قافلوں کا اسکی آبادی کیطرف میلان، چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو مقدس باپ کیساتھ مقدس سفر کے لیے تیاری اور اس کمسنی میں باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری آمادگی، اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار، کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحاقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا اور پیدائش سے پہلے ہی غُلَامٍ عَلِيمٍ (حجر-۴) کا خطاب پانا، پھر مقدس باپ کی جانشینی اور راہِ تسلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لیے انتخاب، کس مقصود کا دیباچہ ہے؟

حضرت یوسفؑ کا بچپن میں رویائے صادقہ، اور صبر و شکر، اور پاکدامنی کس بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰؑ کی عین خطرہ میں پیدائش، حفاظت، پرورش، اور نبوت سے پہلے ہی فرعونیوں سے تن تنہا مجاہدانہ آویزش، کس مبتدا کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغازِ عمر میں علم و فہم،

فضلِ مقدمات کی قوت، کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰؑ کی دعائیہ پیدائش بچپن ہی میں اُن کی نیکی، سعادتمندی، نرم خوئی، پاکی، کس مقصد کی تمہید ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، اور بچپن ہی میں نیکی، سلامت روی، توراۃ کی حقیقت رسی کس روزِ روشن کی صبح ہے،؟ اور خود محمد رسول اللہ صلعم کے لیے دعاے خلیل، نوید مسیحا، رویاے آمنہ، اور احوالِ ولادت و تربیت، مراسمِ شرک سے اجتناب، اخلاقِ حسنہ، دیانت، امانت، آثارِ خیر و برکت، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی، خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش، اور غور و فکر، کس خورشیدِ جہانتاب کا مطلعِ انوار ہے؟

حضرت اسمٰعیلؑ کا یہ حال ہے،

| | |
|---|---|
| فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ | تو ہم نے ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی |
| السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ | تو جب وہ اُس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا، تو |
| اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى، قَالَ | اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے! مین خواب مین |
| يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ | دیکھتا ہون، کہ تجھکو مین ذبح کر رہا ہون، اس نے جواب |
| اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ، | دیا اے میرے باپ کر ڈال جو تجھ سے کہا گیا، تو مجھے |
| (صٰفّٰت - ۳) | خدا نے چاہا تو صبر کرنے والون مین پائے گا، |

حضرت موسیٰؑ کو یہ خطاب ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى، | اور ہم نے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا جب |
| اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى، | (تیری حفاظت اور پرورش کے متعلق) تیری مان کے |
| (طٰهٰ - ۲) | دل مین وہ بات ڈالدی جو ڈالی گئی، |

حضرت یحییٰؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے،

| | |
|---|---|
| یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً ؕ وَکَانَ تَقِیًّا ۙ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۔ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ، (مریم-۱) | اے یحییٰ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ، اور ہم نے اسکو فیصلہ کرنے کی قوت بچپن ہی مین دی، اور اپنے پاس سے رحم و مہر، اور ستھرائی، اور تھا پرہیزگار، اور اپنے ماں باپ کا فرمان بردار اور نہ تھا زبردستی کرنے والا نافرمان، سلامتی ہو اس پر جسدن پیدا ہوا، |

نیز حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے،

| | |
|---|---|
| کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَہْدِ صَبِیًّا ۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ؕ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ،ص (مریم-۲) | ہم کیسے اُس سے بات کرین، جو ہنوز گہوارہ مین بچہ ہے؟ عیسیٰ نے کہا مین خدا کا بندہ ہون، اس نے مجھے کتاب الٰہی دی، اور مجھے نبی ٹھہرایا، اور مبارک بنایا مین جہان ہون، |

اور مکہ کا "الامین" نبوت کے پہلے کی اپنی پوری زندگی، موقع شہادت مین بے خطر پیش کردیتا ہے،

| | |
|---|---|
| فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ، (یونس-۲) | تو اس (پیغمبری کے دعوی) سے پہلے مین تم مین ایک عمر گذار چکا ہون، کیا تم نہین سمجھتے، |

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارکہ کے یہ جزئیات، باہم مل کر اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہین،

غیبی علم | نبوت کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اُس کا غیبی علم ہے، یعنی وہ علم جو عام انسانون کی طرح وجدان، احساس، یا عقل و قیاس سے نہین، بلکہ براہِ راست صدائے غیب، یا رویائے صادقہ، یا فرشتون کے ذریعہ سے خدائے پاک سے حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوۃ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے،

علم انسانی کے ماخذ | علم انسانی کی دو قسمین ہین، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے، اور دوسرا وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمین ہین،

۱۔ **وجدان**، انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے، اور اس کے اندر بھوک پیاس بیماری صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ اندرونی تغیرات کا علم اس کو بلا واسطہ از خود ہو جاتا ہے،

۲۔ **فطرت**، اس مین کوئی شک و شبہہ نہین ہے کہ ہر نوعِ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتین عطا ہوتی ہین، جو دوسری نوعون مین نہین پائی جاتین، اور انھین سے باہم نوعون کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتون کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے، اور اسی کو بعض علما کی اصطلاح مین فطری یا نوعی الہام اور اہلِ فلسفہ کی اصطلاح مین "جبلت" کہتے ہین، حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتون کا علم از خود فطرۃً ہوتا ہے، پرندون کے بچون کو دانہ چگنا، اور اڑنا، کون سکھاتا ہے، آبی جانورون کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا ہے، شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کس معلم نے پڑھایا، انسان کے بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا، کون سکھا دیتا ہے،

۳- **بداہت اولیہ**، انسان کو کچھ ہوش و تمیز آنے کے بعد بلادلیل بعض ایسی باتین ازخود یابادنی تامل اس طرح معلوم ہوجاتی ہین، کہ اُن مین پھرکسی قسم کا شک و شبہہ راہ نہین پاتا، دُو اور دُو چار ہوتے ہین، برابر کا برابر برابر ہوتا ہے، ایک ہی وقت مین ایک ہی چیز سیاہ و سپید دونون نہین ہوسکتی ہر بنی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جنپر انسان کے استدلال کا تمام تر مدار ہے، اُس کو بداہۃً معلوم ہوجاتے ہین،

یہ تو بلاواسطہ علم کی تین قسمین تھین، اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمین ہین، جنکا علم اُس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے، انسان کے پاس اس قسم کے دُو واسطے ہین، ایک **احساس** اور دوسرا **عقل**، پہلے سے وہ گرد و پیش کی مادی چیزون کا، اور دوسرے سے ان مادی چیزون کا جو سامنے موجود نہین، یا سرے سے خارج مین موجود نہین، بلکہ عالم غیب مین ہین، یا صرف ذہن مین ہین، علم حاصل کرتا ہے،

۴- انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتین ہین، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ، باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی، شامہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی اور لامسہ چھوتی ہے، انھین کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہین، جنکے ذریعہ سے وہ اُن مادی چیزون کے متعلق علم حاصل کرتا ہے، جو اس کے ان آلات سے آکر ٹکراتی ہین، اسی کا نام **احساس** ہے، ہم چکھ کر مزہ پاتے، سنکر آواز پہچانتے، دیکھکر صورت جانتے، چھوکر سختی و نرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہین، ان حواس کے ذریعہ سے بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر یقینی اور شاذونادر غلط بھی ہوتا ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہین، اور دریافت مین غلطی بھی کرتے ہین، اور دلائل

سے ان کا یہ دھوکا اور اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری مین قوتِ ذائقہ بدل گئی ہے، اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے، تیز حرکت مین قوتِ باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل مین ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتے ہوئے جہاز مین جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت مین ہم کو آتشین خط اور گول حرکت مین آتشین دائرہ معلوم ہوتا ہے، آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہین، لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہین،

۵۔ علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و قیاس، غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہین، اُس کی بنیاد درحقیقت اونھین معلومات پر ہوتی ہے، جنکا علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری (یا جبلّت) بداہت اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے، اور انھین معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقرا کے ذریعہ سے قیاس کر کے اُن معلوم شدہ امور کے خصوصیات، اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نیا نتیجہ حاصل کرتے ہین، وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہین اگر مادی ہوتا ہے، تو نتیجہ چندان غیر مشکوک نہین ہوتا، سوا اس کے کہ جزئیات کا استقرا، پورا نہ کیا گیا ہو، یا تمثیل تام نہ ہو، یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور اصولی غلطی ہو گئی ہو، طبعیات اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کئے گئے ہین، لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے، تو مادی امور پر اُس غیر مادی کو قیاس کر کے اس کی نسبت جو کچھ کہا جائے گا، اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہین بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات و بدیہیات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو، مابعد الطبیعہ اور فلسفۂ الٰہیات کے مسائل اسی طریقہ

استدلال سے حاصل ہوتے ہین، اوراسی لیے اُن مین اختلافات کی بڑی گنجایش نکلتی ہے، کہ اُن کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حسّی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلین ہین، اوران مین سے ہر منزل خطرون سے لبریز ہے، مشابہت وممالثت مین دھوکا ہوسکتا ہے، عقلی اور وجدانی اور حسّی اشیا کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہوسکتا ہے، غور وفکر، بحث ونظر، تحقیق وجستجو اور ترتیبِ مقدمات جو اس قیاسِ عقلی کے کارکن اور فاعل ہین، وہ اپنے کام مین دھوکا کھا سکتے ہین، اسی لیے یہ علوم شکوک وشبہات سے لبریز ہین،

ذرائعِ علم کے حصول کے زمانے اور اُن کے مراتب،

سطورِ بالا سے ہویدا ہے کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے **وجدانیات** اور **فطریات** ہین، جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہین، کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس کا احساس، اوراس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکین گے، ہم کو جو بھوک یا پیاس لگتی ہے، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم مین ہم سے غلطی ہوسکتی ہے، اور کیا کسی کے شک دلانے سے کہ ممکن ہے کہ تم کو بھوک نہ ہو، ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو، کبھی بھوکے یا پیاسے کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہوسکتا ہے، اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے، یہانتک کہ آج کا پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے، ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے،

وجدانیات وفطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا، یہ ہمارے پانچ حواس ہین جو ہمارے مادّی علم کے آلات ہین، اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم

ہمارے اندر نہین آسکتا، یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہین کمال پا جاتے، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہین، اور پیدایش کے چندماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہین کیونکہ وجود کی بقا، اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے،

محسوسات کے بعد **بدیہیات اوّلیہ** کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم مین بھی وہی اذعان وقطعیت ہوتی ہے، دُو دُو چار ہوتے ہین، دَس پانچ کا دونا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت مین دو جگہ نہین ہوسکتی، ایک چیز ایک ہی وقت مین سیاہ وسپید نہین ہوسکتی، ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم انسان کو بچپن مین نہین ہوتا، بلکہ تمیز ورشد کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اُسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر یہ علوم اس سن مین اسکو عطا نہ ہون، تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ ہو اور نہ دوسرے علوم کی دریافت کی اس مین استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بیوقوف انھین کو کہتے ہین جنھین ان بدیہیات کا علم کم یا بالکل نہین ہوتا،

سب سے اخیر مین اُس علم کا درجہ آتا ہے، جو وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جسکو علم معقولات کہتے ہین، اسی علم، اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقلین درجہ اور مرتبہ مین متفاوت ہوتی ہین، ایک طرف تو (کمی کی سمت مین) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہین، اور، دوسری طرف (سمت کمال مین) عاقل، عاقلتر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہوجاتی ہین یہانتک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے، کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جہان کوئی اس کا دوسرا حریف اور ہمسر نہین ہوتا، ایک جاہل حبشی سے لے کر

ارسطو اور بو علی سینا تک سب انہی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں، بااین ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس علم کا طریقہ نہایت پر خطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے،

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے، جسکا تعلق تمامتر ماوراے مادہ سے ہے، غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے، دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپکے اندر ودیعت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپکے اُن ظاہری حواس کا نتیجہ ہے، جو گو باہر ہیں، مگر آپ کے جسم کے اندر ہیں، آپ کا چوتھا ذریعۂ علم یعنی بدیہیات اوّلیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک فیصلہ ہیں، پانچواں ذریعۂ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قویٰ کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہوگا، کہ آپ کا علم، وجدان سے لیکر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کرکے ماوراے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، وجدان تمامتر ہماری اندرونی جسمانی مادیت ہے، جسمیں کوئی شک نہیں، محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلاتِ علم کے نتائج ہیں، بدیہیات، ہمارے حواس سے جو مادی ہیں، اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہے، مشترک تعلق رکھتے ہیں، یعنی بدیہیات مادی اور غیر مادی ذرائعِ علم کے بین بین ہیں، اور معقولات تمامتر ذہنی اور غیر مادی ہیں، تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا مادہ سے تعلق بہرحال ہوتا ہے،

غیر مادی علم

اب اس کے بعد اُس علم کا درجہ آتا ہے، جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تمامتر مادہ اور مادیات سے پاک

ہوتا ہے، اُس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے،

اس غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہین جنکو فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی کہتے ہین، اور جسطرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچون ذریعے انسان کے جسمانی قویٰ سے متعلق تھے، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع، انسان کے روحانی قویٰ سے وابستگی رکھتے ہین، اور جسطرح آپنے دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لیکر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعۂ علم خالص مادی، کامل مادی، کم مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی بھی برائے نام مادی، روحانی سے لیکر پھر روحانی، کامل روحانی، اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتے چلے گئے ہین،

**فراست** کے لفظی معنی "تاڑ جانے" کے ہین، تاڑ لینے کی قوت ہر شخص مین نمایان نہین ہوتی مگر جس مین نمایان ہوتی ہے، اُس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہوجاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتون کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتون پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والون کو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کا علم تمامتر ظاہری علامتون اور نشانون پر مبنی ہوتا ہے، جنکو ہر شخص دیکھ سکتا تھا، مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ مین آتے رہتے ہین، جس کو جس چیز یا فن مین یہ ملکہ پیدا ہوجاتا ہے، اس کی فراست اس کو حاصل ہوجاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین

اور باسوس اپنے فن کی فراست مین یہ کمال رکھتے ہین کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہرون کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہوجاتا ہے، اخیار اور نیکو کارون کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے، اور اُسی کو ایک حدیث مین ان الفاظ مین ادا کیا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ (ترمذی) | مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے، |

۲- فراست کے بعد **حدس** کا درجہ ہے، فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہین، لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہین، اور انھین ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر، تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور و نظر، فکر و تلاش، اور ترتیبِ مقدمات کے منطقیانہ مرحلون کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کرکے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہین ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے مین اس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر کامل العقل اور صائب الرائے انسانون کو فطرۃً عطا ہوتی ہے اور دنیا کے مشہور عقلا، اور دانایانِ روزگار کے واقعات مین اس کی کثرت سے مثالین ملتی ہین،

۳- **کشف** کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہین، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کرکے مادی چیز روحانی عالم مین مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے، وہ کبھی اصلی صورت مین اور کبھی اپنی مثالی صورت مین نظر آتی ہے، عام لوگون کے سمجھنے کے لیے

اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالمِ خواب کی بات ہے، اور کشف
عالمِ بیداری کی، جس طرح عام لوگون کو خواب مین جب ظاہری حواس بیکار ہوجاتے ہین ایسی
چیزین معلوم ہوتی ہین، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہین، اسی طرح خاص لوگون پر بیداری ہی
مین ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سمان پیش آتا ہے، ہر شخص کے تجربہ مین ایسے متعدد حیرت انگیز
واقعات گذرتے رہتے ہین،

۴- **الہام** کے لفظی معنی "دل مین ڈالنے" کے ہین، اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت اور
تحقیق، غور اور ترتیبِ مقدمات کے بغیر دل مین آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اسکی صحت بعد کو حسی تجربہ
اور عقلی دلیلون سے بھی ثابت ہوجائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن مین کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے
نتیجہ کے طور پر نہین آتا، بلکہ خود بخود دل مین آجاتا ہے، کیون آتا ہے؟ اور کہان سے آتا ہے؟ اسکے جوابات مختلف ہوسکتے
ہین، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالین
وہ خیالات ہین، جو محققین، علماء، شعراء اور موجدین کے ذہن مین پردۂ عدم سے پہلے پہل آتے ہین،
اور وہ اُن کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت مین پیش کرتے ہین،

۵- **وحی** کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبون کو جنبش دیئے بغیر اخفا اور آہستگی کے ساتھ
دوسرے پر ظاہر کردینا ہین، اور اصطلاحاً اُسکے معنی خدا کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندون کو
کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہین، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعون کی آخری سرحد ہے،

جس طرح علم کی تین جسمانی قسمین یعنی وجدانیات، حسیات اور بدیہیات عام انسانون کے
لیے یقینی ہین، اسی طرح روحانی ذرائعِ علم کے یہ تین ذریعے کشف، الہام اور وحی، انبیاء علیہم السلام

کے لیے یقینی ہین، اور جسطرح علم کے مادّی ذریعون مین سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادّی ہے، یعنی وجدان، پھر حس ظاہر اور پھر بدیہیات، اسی طرح علم کے روحانی واسطون مین سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تمامتر روحانی ہے، یعنی **وحی** پھر **الہام** پھر **کشف**،

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمین کی ہین یعنی وحی، الہام اور کشف، یہ قرآن پاک کی اصطلاحین نہین ہین، اسکی اصطلاح مین روحانی ذریعۂ علم کا نام **مکالمۂ الٰہی** (خدا سے بات کرنا) ہے، اور اسکی حسب ذیل تین قسمین بیان کی ہین،

۱- **وحی** (اشارہ) سے بات کرنا یعنی دل مین کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت بیداری مین ہے، تو کشف ہے اور اگر خواب مین ہے تو رویا ہے،

۲- خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، یعنی متکلم نظر نہین آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہین، اس کو الہام کہہ لو،

۳- فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لیکر سامنے نظر آتا ہے، اور اس کے منھ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہین جنکو نبی سنکر محفوظ کرلیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہین، کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرتِ عام کے یہ معنی نہین ہین کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمین نہین ہین، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورۂ شوریٰ مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا، | اور کسی آدمی کی یہ تاب نہین کہ اللہ اس سے بات کرے لیکن وحی |
| اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ، اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا | (اشارہ) سے، یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے، تو وہ خدا |
| فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (شوریٰ - ۵) | کے حکم سے خدا جو چاہے اسکو وحی کردیتا ہے، بیشک اللہ بلند اور حکمت والا ہے |

مکالمۂ الٰہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں، اور پھر ان تینوں کا اجمالاً مشترک نام بھی **وحی** ہے، یعنی یہ مُقسم بھی ہے، اور انہی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا، اور تینوں مذکورۂ بالا طریقوں میں جس طریقہ سے بھی آنحضرت صلعم کو غیبی تعلیم واطلاع دی گئی ہے، اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہ عام مکالمۂ الٰہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے،

| | |
|---|---|
| مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ (نجم-۱) | نبی خواہشِ نفس سے کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کیجاتی ہے، |

الغرض اسی امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لئے کشف، الہام اور وحی کے تین علٰحدہ علٰحدہ الفاظ وضع کردیئے گئے ہیں، تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقۂ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہوجائے، بیداری میں اشارہ سے بات کرنا **کشف** ہے، اور خواب کے عالم میں **رویا** ہے، پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا، **الہام** ہے اور فرشتہ کی درمیانگی سے بات کرنا **وحی** ہے[1]

**نکتہ**، اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے لیکن ان تین طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے، کہ وہ سب سے بلند اور

---

[1] ان اصطلاحات کی بحث کے لیے اصول فقہ کی اہم کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے، کم از کم اس موقع پر تحریر ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ کی شرح التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج المتوفی ۸۷۹ھ جلد سوم ص ۲۹۵، مطبوعہ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ دیکھنی چاہیے،

حکیم ہے، یعنی اوسکی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اسکی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگانِ خاص سے عام بندون کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان تین غیر معمولی طریقون مین سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمالے،

بہر حال غیبی ذریعۂ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح مین وحی کہتے ہین، اس کا تجربہ عام لوگون کو نہین، لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائعِ اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے، اور ہر انسان کی زندگی مین جو بعض پُر اسرار اور ناقابلِ فہم واقعات پیش آتے ہین، اُن پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعۂ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن مین آسکتا ہے جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے مین جو استبعاد معلوم ہوتا ہے، وہ دور ہو سکتا ہے خصوصاً اس عہد مین جب سائیکالوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتون کا پتہ چل رہا ہے، اور اسپریچولزم کے ذریعہ ارواح سے خطاب و کلام کی سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے، اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہے،

انبیا علیہم السلام کو اپنے کشف، الہام، اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے جس قدر عام انسانون کو اپنے وجدانیات، محسوسات، فطریات، اور بدیہیات پر، انبیا کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے، جیسا عام انسانون مین وجدانیات، فطریات، اور بدیہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے جس طرح کسی شخص کو اس علم مین دھوکا نہین ہو سکتا کہ اس کو بھوک یا پیاس معلوم ہو رہی ہے، یا اُس کو غم یا خوشی ہے، اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات مین دھوکا نہین ہوتا، اور جسطرح تم کو اپنے فطریات مین یہ مغالطہ نہین ہوتا، کہ دو اور دو چار نہین ہوتے، اسی طرح اس کو بھی پیغمبرانہ

نظریات میں مغالطہ واقع نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سُن رہے ہو، شبہہ نہیں ہوا کرتا، اُسکو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہہ نہیں ہوا کرتا، غرض وہ اپنے اُن جملہ غیبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر لغزش، فریب، خطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوتا ہے جس طرح تم اپنے وجدانیات، نظریات محسوسات اور بدیہیات میں غلطی اور خطا سے پاک ہوتے ہو،

**علم غیب** اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، قرآن میں بار بار آنحضرت صلعم کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ، (یونس-۲) — تو کہدے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لیے ہے،

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط (نمل-۵) — کہدے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی نہیں جسکو غیب کا علم ہو،

رسول کہتے ہیں،

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ، (انعام-۵) — اور میں غیب نہیں جانتا،

لیکن اسی کیساتھ دو موقعوں پر یہ بھی کہا گیا ہے، کہ با این ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے،

سورۂ جن میں ہے،

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ، (جن-۲) — تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، لیکن اُس پیغمبر پر جس کو پسند کرے،

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ | اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتون پر تمکو مطلع کرتا، لیکن |
| وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ | یہ کہ اللہ اپنے پیغمبرون مین سے جس کو چاہے |
| (ص - ۱۸) | چُن لیتا ہے، |

ان دو آیتون سے واضح ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبرون کو غیب کی باتون کی اطلاع دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتون مین غیب دانی کی کلیۃً اور قطعاً نفی کی گئی ہے اُن سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے، یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہین، البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبرون کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی آیت الکرسی مین فرمادیا گیا،

| | |
|---|---|
| وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا | اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہین کر سکتے |
| بِمَا شَآءَ ج (بقرہ - ۳۴) | لیکن اتنے کا جتنے کا وہ چاہے، |

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے، اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ اُن کو بذریعہ وحی اُن سے واقف کرتا رہتا ہے، بااین ہمہ بعض باتون کی نسبت جیسا کہ سورۂ ہود اور لقمان مین ہے، اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے یہ فیصلہ کر دیا ہے، کہ ان کا علم کسی کو نہین، مثلاً قیامت، بارش، موت، شکم مادر مین لڑکا ہے یا لڑکی، کل کیا ہوگا، ان باتون کو خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہین جانتا، اسی طرح بعض آیتون مین آنحضرت صلعم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، کہ اس کا تم کو علم نہ تھا، جیسا کہ غزوۂ تبوک مین عدم شرکت کے بعض عذر خواہ لوگون کے متعلق سورۂ توبہ مین ہے، کہ انھون نے جھوٹی قسمین کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا،

| | |
|---|---|
| عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی | خدا نے تجھ سے درگذر کیا، کیون تو نے انکو اجازت دی |
| یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ | تاآنکہ تجھے معلوم ہو جاتے جو سچ بولے، اور جھوٹون |
| الْکٰذِبِیْنَ، (توبہ-۷) | کو جان لیتا، |
| لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَۃَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا | اُنھون نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا، اور تیرے سامنے |
| لَکَ الْاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَھَرَ | واقعات الٹ دیئے، یہانتک کہ حق بات آگئی |
| اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ کٰرِھُوْنَ ۔ (توبہ-۷) | اور خدا کی بات کھلگئی اور وہ ایسا نہین چاہتے تھے |

آگے چل کر ہے،

| | |
|---|---|
| مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ قف لَا تَعْلَمُھُمْ ط | یہ نفاق پر اڑے ہین، تو ان کو نہین جانتا |
| نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ ط (توبہ-۱۳) | ہم جانتے ہین، |

ان آیتون سے یہ واضح ہے کہ پیغمبرون کو غیب کا کلی علم نہین ملتا، بلکہ اُن کو غیب کی اطلاع دیئے جانے کے موقع کی دونون آیتون مین "رسول" ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جن امور غیب کی اطلاع پیغمبرون کو دیجاتی ہے، اُن کا تعلق فرائضِ رسالت اور اس کی مصلحتون اور تشریعون سے ہے،

**غیب کی حقیقت** علم غیب کے اس نادیدہ راستہ مین اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے، کہ قرآن مجید کی اصطلاح مین غیب کس کو کہتے ہین؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے اجمالی اور تفصیلی دونون معنی واضح ہوتے ہین، اجمالاً اس کا اطلاق اُن امور پر ہوتا ہے، جنکا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی و فطری ذریعون سے حاصل

نہین کرسکتا، گذرچکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس، اور عقل واستدلال وغیرہ ہین، ان طبعی ذریعون سے جو ہر انسان کو ملے ہین، جو علم حاصل نہین ہوتا، اس کو **علم غیب** کہتے ہین، یعنی اُس شے یا اُن اشیا کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہون کے سامنے سے غائب ہین، اور اس کا مقابل لفظ "**شہادت**" ہے، جس کے معنی حاضر ہونے کے ہین، یعنی وہ اشیا، جو ہر انسان کے حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہین، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ کہا ہے، (انعام، رعد، حشر، تغابن) یعنی انسانون کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے، اور جو غائب ہے، اُن سب کا عالم اور واقف کل وہی ہے، الغرض اجمالاً علم غیب اس غیبی طریقۂ علم کا نام ہے، جو عام انسانون کو نہین ملا ہے،

تفصیلی حیثیت سے قرآنِ پاک مین **غیب** کا اطلاق چار چیزون پر ہوا ہے،

۱- زمانۂ ماضی کے واقعات جنکا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہوسکتا ہے، کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے، اور نہ عقل و فکر کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اگر ہوسکتا ہے تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لیے تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اُس کے لئے ان کا علم اگر ہوسکتا ہے، تو غیبی ہی ذریعہ سے ہوسکتا ہے،

حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

| | |
|---|---|
| تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ | یہ غیب کی بعض خبرین ہین، ہم اُن کو وحی کرتے ہین |
| مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ | تیری طرف تو تو اُن کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا، اور |
| مِنْ قَبْلِ هٰذَا ؕ (ھود-۴) | نہ تیری قوم جانتی تھی، |

حضرت مریمؑ کے قصہ مین ارشاد ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ، (آل عمران ۵۰) | یہ غیب کی خبرون مین سے ہے اُس کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہین، اور نہ تو اُن کے پاس موجود تھا، جب وہ اپنے قلم (قرعہ کے طور پر) ڈال رہے تھے، کہ کون مریمؑ کو پالے اور نہ تو اُن کے پاس اسوقت تھا، جب وہ جھگڑ رہے تھے، |

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا، اس کی آنحضرت صلعم سے نفی کیگئی، کہ آپ وہان یقیناً اس وقت موجود نہ تھے، اب رہگیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا اسکی بھی نفی پہلے ہی سے ہے، کہ تیری قوم مین سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسرون سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی طریقہ سے رسول کو دیا گیا وہ **وحی** کا ذریعہ ہے،

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا،

| | |
|---|---|
| ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ، (یوسف ـ ۱۱) | یہ غیب کی خبرون مین سے ہے، ہم اس کو تیری طرف وحی کرتے ہین، اور تو اُس وقت اُن کے پاس نہ تھا جب وہ اپنا کام طے کرنے لگے، اور چال چل رہے تھے، |

اس مین بھی علم شاہد کی نفی کر کے علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہرحال ان آیتون سے واضح

ہے کہ ماضی کے واقعات کے غیر طبعی طریقۂ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے،

۲۔ اسی طرح آیندہ مستقبل مین جو واقعات ہونے والے ہین، اُن کو بھی غیب کہا گیا ہے، اُن کا علم دلائل وقیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو، تو اُس کو بھی علم غیب کہینگے، قرآن پاک مین ایک موقع پر اُن کفار کے جواب مین جو نشانیون کے طالب تھے، یہ کہا گیا،

| | |
|---|---|
| فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ، (یونس-۲) | تو کہدے کہ غیب کا علم خدا ہی کے لیے ہے، انتظار کرو، مین بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والون مین ہون، |

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت مین "غیب" کہا گیا ہے، اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہکر غیر خدا سے اس کے علم کی نفی کیگئی ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان ۴) | خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، |
| يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ، (اعراف-۲۳) | وہ قیامت کو پوچھتے ہین، کہدے کہ اُس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، |

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانون سے نفی کیگئی ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، (لقمان - ۴) | کوئی نہین جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا، اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین مین مرے گا، |

۳۔ اُن چیزون پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے، جو گو ماضی اور مستقبل نہین، بلکہ زمانۂ حال مین موجود ہین، تاہم انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے اُن کا علم نہین ہو سکتا،

ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی گئی ہے، مگر اُس کے لیے کسی نہ کسی مسافت، عدمِ حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگا دی گئی ہے، جنکے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بے کار ہے، ہم دلّی مین بیٹھکر بمبئی کے پیشِ نظر مناظر کو نہین دیکھ سکتے، اور نہ بغیر آلات کے ہم یہان سے وہان کی آواز آج بھی سُن سکتے ہین، اس لئے زمانۂ حال کے علم کے لیے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہین، اُن کے بغیر جو علم حاصل ہوگا وہ **غیب** ہوگا،

حاملہ عورت سامنے موجود ہے، مگر اُس کے بطن کے پے درپے حجابات کے اندر جنکو آنکھین چاک نہین کر سکتین، کیا ہے؟ کس کو معلوم ہے،

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، (لقمان - ۴) اور اللہ جانتا ہے، رحمون کے اندر جو ہے،

آسمان وزمین مین اس وقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانۂ حال مین سب کے سامنے موجود ہے، تاہم اُس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اُس وقت تک باہر ہے، جبتک ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لیے خدا نے جو طبعی شرائط بنا دیئے ہین، وہ پورے نہ ہون،

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (نحل - ۱۰) اور خدا ہی کے لئے ہے آسمانون اور زمین کا غیب،

إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (حجرات) بیشک خدا جانتا ہے آسمانون اور زمین کا غیب،

۴- عالمِ غیب کی آخری چیز وہ امور ہین، جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرۂ علم سے قطعاً باہر ہین، ہم فرشتون کو نہین دیکھتے، خدا کی رویت کی صلاحیت نہین رکھتے، جنت اور دوزخ ہم کو یہان نظر نہین آسکتی، یہ تمام امور بھی **غیب** ہین،

اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (انبیاء - ۴) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہین غیب مین،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ، (بقرہ-۱) | وہ لوگ جو ایمان لاتے ہین غیب مین، |
| اَلَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ (مریم-۴) | وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان خدا نے اپنے بندون سے کیا ہے غیب مین، |

"غیب مین" کے معنی ہین، بے جانے، بن دیکھے، حواس سے علم حاصل کیے بغیر، اور باوجود اسکے کہ وہ چیزین اس عالم مین دیکھی نہین جا سکتی ہین،

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتون سے آگاہ کرتا ہے، وہ ان چارون قسم کے امورِ غیب ہوتے ہین، بعض گذشتہ قومون اور پیغمبرون کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر وحی کے واسطہ سے اُن کو مطلع کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے حوالون سے اوپر گذر چکا، آیندہ مستقبل مین دنیا کے فتنون، امتِ محمدیہ کے انقلابات، قیامت کے مناظر اور اس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا، جیسا کہ ان دنیاوی پیشینگوئیون اور قیامت و محشر کے اُن مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ مین بتصریح مذکور ہین، اسی طرح حال کے اُن احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے، جو باوجود سامنے موجود ہونے کے احساس و تعقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب سے عام انسانون کو نظر نہین آتے، قبرون کا انکشاف، پس پردہ رویت، دوسرون کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ، اس علم غیب مین سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے، اور سب سے آخر مین وہ غیبیات ہین، جنکا احساس و تصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے، تاہم وہ بھی اُس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہین، خود خدا کا دیدار، فرشتون کی رویت، جنت و دوزخ کا مشاہدہ، وغیرہ، ان تمام امورِ غیب مین سے اللہ تعالیٰ

جس رسول کے لیے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے، اس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ سے اُس کو عطا فرماتا ہے،

**وحی اور ملکۂ نبوت** حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت "ملکۂ نبوت" کے لفظ سے ظاہر کی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات مین علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے، جمادات بے حس ہین، ان کے اوپر نباتات مین جنمین صرف محدود احساس ہوتا ہے، اور دماغی قوی، حافظہ، تذکر، اور غور وفکر کی قوت سے وہ محروم ہین، اُن سے اونچے حیوانات ہین جنمین یہ تمام قوی ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہین اور آخر مین اُن سے بالاتر ہستی یعنی انسان مین جا کر یہ قوی پورے کمال مین ظاہر ہوتے ہین، ان قوی کی ترقی یہین تک محدود نہین ہے، بلکہ جس طرح نباتات مین قوت احساس ہے جس سے جمادات محروم ہین، اور حیوانات مین حافظہ، تصور، تعقل وغیرہ کی وہ قوتین ہین جو نباتات مین نہین، انسان مین وہ دماغی وذہنی قوی ہین، جو حیوانات مین نہین، اسی طرح انبیا مین علم و تعقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے، جو عام انسانون مین نہین ہوتی، اور اسی کا نام **ملکۂ نبوت** ہے،

حواس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہین، دماغی قوی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو، اور ملکۂ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات وعقلیات سے بلندتر حقائق یعنی غیبیات کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعۂ علم مین غور وبحث اور منطقیانہ فکر ونظر اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہین پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہین جسطرح وجدانیات،

فطریات، بدیہیات اور محسوسات سامنے آتے ہین، اور انھین کیطرح وہ یقینی بھی ہوتے ہین اور چونکہ اس ذریعہ مین علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرتِ نوعی، بداہت اولیہ، احساس اور غور وفکر سے معلومات حاصل نہین کئے جاتے، بلکہ خود علام الغیوب، وہ علم ان انسانی وسائط کے بغیر اُن کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان مین اسی کو وحی والہام کہتے ہین، علم کلام کی اصطلاح مین ملکۂ نبوت اور عام محاورہ مین اس کو غیبی علم کہہ لیجئے،

لیکن اہلِ نقل کی اصطلاح مین وحی کی یہ صورت نہین، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبرون کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادون سے براہ راست فرشتون کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے،

امعانِ نظر سے معلوم ہوگا کہ اہلِ عقل ونقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہبی علم وفہم کا نتیجہ ہوتی ہے، یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا، دوسرے لفظون مین یہ کہو کہ جس طرح عام انسانون مین علم وفہم کی قوت آغازِ پیدائش ہی مین فطرۃً ودیعت کردیجاتی ہے، اسی طرح انبیا مین منشائے الٰہی جاننے کی قوت بھی شروع ہی مین فطرۃً ودیعت کردیجاتی ہے، یا یہ کہ وہ فطرۃً تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم وفہم رکھتے ہین، مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشائے الٰہی سے اُن کو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے،

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے، اور نقل کی عقل سے علٰحدگی مین نہین، بلکہ اتحاد مین ہے، وہ لوگ جو عقل ونقل دونون کے جامع ہین، وہ ان دونون کو مجتمع کرتے ہین.

یار ما این دارد وآن نیز ہم

انبیار علیہم السلام مین اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بدءِ فطرت اور آغازِ پیدائش سے ان امور

کے متعلق جنکا اُن کی رسالت و نبوت سے تعلق ہے، اور جن کو **دین** کہتے ہین، وہ کلی استعداد اور عمومی فہم ہوتی ہے، جس سے غیر انبیا محروم ہین، اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب وہ نبوت کے منصب پر عملاً سرفراز ہوتے ہین، اسی کا نام "ملکۂ نبوت" ہے، اور امورِ دین کے متعلق اُن کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اُس کا نام "وحی" ہے،

آج کل **قرآن فہمی** اور عقل کے مدعیون اور نقل کے لفظی پابندون مین جو اختلاف ہے، وہ دراصل انھین دو قوتون کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے، نقل کے لفظی پابند یہ سمجھتے ہین کہ ہر لفظ جو نبی کے منھ سے نکلتا ہے، وہ اسی معنی مین وحی ہے، جس معنی مین قرآن ہے، کہ وہ براہِ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے، اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہین کہ قرآن بیشک خدا کی براہِ راست وحی ہے، مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے، وہ اس کے پیغمبرانہ نہین، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، لیکن حقیقت ان دونون کے ماورا ہے، جیسے وحی قرآنی وحی براہ راست ہے، اسی طرح نبی کے دوسرے احکام اُس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہین بلکہ اسکی پیغمبرانہ وہبی قوتِ علم و فہم کا نتیجہ ہین، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لیے کہی جاسکتی ہے، کہ اُس کا منشا "ملکۂ نبوت" کے ذریعہ وحیِ ربانی کی ترجمانی ہے، اس لئے پیغمبر کی وحی اور ملکۂ نبوت دونون کے احکام واجب الاتباع ہین،

**کتاب اور سنت** اس تقریر کا منشا یہ ہے، کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اس کی دو قسمین ہین، ایک **وحیِ حقیقی** یعنی وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ مین پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے، اور جس کے مجموعہ کو کتاب الٰہی صحیفۂ ربانی، توراۃ، انجیل، زبور، اور قرآن کا نام دیا گیا ہے، دوسرا

وہ علم جو پیغمبر کے ملکۂ نبوت، یا نورِ نبوت، یا فہمِ نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے، پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے، یا یون کہو کہ پہلا اصولی، اور دوسرا فروعی ہے، یعنی علمِ اول، پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور جہات کو واضح کرتا ہے، اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اس کے جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے، اور غیر اہم اور متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات مین مصلحتی احکام بتاتا ہے، اور اسی دوسری قسم کا علم ہے، جو روایات اور احادیث کی صورت مین ہے، اور جس کو اہلِ اصول اصطلاحاً **سنت** کہتے ہین، **کتاب** اصولی احکام ہین، اور **سنت** ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے، کتاب براہِ راست وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہے، اور سنت ملکۂ نبوت اور فہمِ نبوی کا، کتاب بلفظہٖ وحی ہے، اور سنت بالمعنی،

**وحیِ متلو اور وحیِ غیر متلو**

بعض علمائے اصول نے کتاب اور سنت دونون کو وحی مانا ہے، اور ان دونون کے درمیان تفریق یہ کی ہے، کہ کتاب اس وحی کا نام ہے، جس کی تلاوت کیجاتی ہے، اور سنت اس وحی کو کہتے ہین جس کی تلاوت نہین کیجاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقۃً تلاوت و عدم تلاوت کا فرق نہین ہے، بلکہ یہ ہے کہ کتاب مین معنی کیساتھ الفاظ بھی وحی کئے گئے ہین اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہین، ان کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ، کی پیشینگوئی مین داخل ہے، اور اس لیے اس مین الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے، اور سنت مین الفاظ کی نہین، صرف معانی کی حفاظت ہے، اسی لیے کتاب کی وحی مدوّن، مکتوب، اور محفوظ کیگئی، اور نماز مین اوسکی قرأت کا حکم ہے، اور یون بھی عام طور سے اسکی تلاوت مسنون ہے، اور سنت کی وحی بالفاظہا مقصود نہین، اس لئے اوسکی لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہین دیگئی، اور نہ نماز

مین اس کے الفاظ قرأت کئے جا سکتے ہین، اور نہ انکی تلاوت کیجاتی ہے، اور نہ ان کو کتابِ الٰہی کہا جا سکتا ہے، مگر معنیً اصولی حیثیت سے اُن کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کرلی ہے، اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ مین نہین، مگر عمل مین خود رسول اور اس کے پیروون اور پھر اُن کے پیروون کے مسلسل تعامل سے یہان تک کہ آج بھی تمام مسلمانون کے عمل درآمد سے عملی تواتر کی صورت مین محفوظ ہے، اور بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کرکے الفاظ اور کتبِ حدیث کے اوراق مین بھی ان کو محفوظ کردیا ہے،

سنّت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے جزئیات اصولاً وحیِ حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہین، اور اس کی کلیت مین سنّت کے تمام احکام مندرج ہین، بنابرین چونکہ سنّت وحی کے کلّی منشا کے اندر داخل ہے، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ اس مین الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہین، اسلیے وہ غیر متلو ہے،

اس فرق کا راز یہ ہے، کہ **کتاب** کی اصلی حیثیت کلّی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لیے نہ صرف اُس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس کے لیے ایک ایک نقطہ، شوشہ، وقف، وصل، فصل، عطف، قطع، تقدم، تاخر، یعنی آجکل کی اصطلاح مین ایک ایک ڈیش، اور کومے کی بعینہٖ حفاظت کی ضرورت ہے، ورنہ ذرا سے تغیر مین قانون کا مطلب کچھ کا کچھ ہوجا سکتا ہے، اور سنت کی یہ کلّی قانونی حیثیت نہین ہے، بلکہ وہ اس کلّی قانون کی تشریحات، تفصیلات، اور جزئیات ہین، جو درحقیقت اس کلّی قانون کے اندر مندرج تھے، مگر چونکہ عام لوگون کی فہم مین نہین آتے تھے، یا عام لوگ ان کو نہین سمجھتے تھے، اسلیے

صحابہ کے دریافت پر، یا خود حضور صلعم نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر، اُس کو کھول کر بیان فرما دیا، کہ پھر اشتباہ نہ رہجائے،

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے، کہ کتابِ الٰہی مین جو حکم جن الفاظ مین ادا ہوا ہے، وہ اگر بعض کم فہم لوگون کی سمجھ مین نہین آیا، اور انھون نے آنحضرت صلعم سے اسکی تشریح چاہی، یا انھین نہین معلوم ہوا، کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ و مستنبط ہوگا اور اسلئے انھون نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا، تو اُس کے جواب مین اگر آنحضرت صلعم قرآن پاک کے بعینہٖ انھین الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا، کہ انھین الفاظ کے نہ سمجھ سکنے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آئی، اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت صلعم الفاظ کو بدل کر اور طریقۂ تعبیر کو تغیر و بحر ان الفاظ کی تشریح فرمائین، اور یہی احادیث ہین،

درحقیقت احادیث مین قانونِ الٰہی اور کتابِ ربّانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ صلعم نے سمجھنے والون کی سہولت، گمراہون کی تکمیلِ ہدایت، اور اصل منشائے الٰہی کی پوری توضیح اور کہین پوری تاکید کی خاطر، مختلف لفظون، مختلف عبارتون اور مختلف تعبیرون سے ادا فرمایا ہے، اس لیے اصل مفہوم و منشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضمناً وحی ہین، لیکن الفاظ، عبارت، اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہین ہین، بلکہ فہمِ نبوی، اجتہادِ نبوی اور ملکۂ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہین، اسی لیے اُن کو اصطلاح مین "وحیِ غیر متلو" کہتے ہین،

ہم اس فرق کی ایک مثال دیکر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہین، قرآن پاک مین والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضا مندی

گناہوں کی مغفرت کا سبب[1] ہے، یہ وحیِ الٰہی کا حقیقی منشا ہے، آنحضرت صلعم نے اس منشائے الٰہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا: "ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے" کبھی ارشاد ہوا "رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے" ایک صحابی نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟" فرمایا "تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں" ایک دفعہ آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے صحابہ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے کہ زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے "وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا" حاضرین نے عرض کی "یا رسول اللہ! کون؟" ارشاد ہوا "وہ جس نے اپنی ماں یا باپ کی ضعیفی پائی، اور پھر ان کی خدمت گذاری کر کے جنت نہ حاصل کر لی" ایک اور مجلس میں صحابہ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ صلعم نیکی کے کاموں میں خدا کو سب سے زیادہ کون کام پسند ہے؟" فرمایا "وقت پر نماز ادا کرنا" دریافت کیا اس کے بعد فرمایا "ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا"

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کر دیگی کہ یہ کل حدیثیں، ذیل کی آیتوں کی تشریح و بیان ہیں،

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ-۹، نساء-۶) — ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو،

وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ (اسرائیل-۳) — وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اف نہ کہو،

وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ (احقاف-۲) — یہ (ماں باپ کے خدمتگذار) وہ ہیں جنکی بدیوں سے ہم درگذر کرتے ہیں،

[1] سورۂ احقاف-۲،

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیانات و تشریحات کا ہے،

**احادیث قرآن کا بیان ہین** قرآن پاک اور احادیث دونون پر جن کی عمیق و وسیع نظر ہے، اُن کو یہ برملا معلوم ہوتا ہے، کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی احکام کے تحت مین مندرج ہین، آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ مین صرف اُن کی تشریح فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثون کی عموماً تین شکلین ہین، ایک وہ جنہین آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ مین حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اس کے ساتھ پڑھ دی، اس قسم کی حدیثون کے **بیان** ہونے مین کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے آیت نہین پڑھی، مگر خود اس حکم مین ایک دو لفظ ایسے فرما دیے ہین، جو کسی آیت کا جز ہین جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے، کہ یہ حکم فلان آیت کی تشریح ہے، اس صورت مین بھی اصل و فرع کی تمیز اہل علم کے لیے آسان ہے؛ تیسری شکل یہ ہے کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرما دیا، اس قسم کی حدیثون کے ماخذ کی تلاش دقتِ نظر کا کام ہے، اُن کا پتہ زبانِ نبوت، اور فہمِ رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راسخین فی العلم ہی پا سکتے ہین،

**الہام و اجتہاد و حکمت** امام شافعی نے کتاب الرسالہ مین احادیث و سنن کی تین قسمین بیان کی ہین؛

---

۱؎ مجھے پہلے شبہ تھا، کہ مین اس رائے مین منفرد ہون، مگر بحمد اللہ کہ تلاش و تفحص سے ثابت ہوا، کہ دیگر متعدد علمائے اصول کا یہی مسلک ہے، چنانچہ یہ خیال اجمالاً سب سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسالہ (ص ۲۸ و ۲۹ و ۲۲) مطبوعہ علمیہ مصر ۱۳۱۲ھ مین، اور یہ نظریہ سب سے زیادہ مفصل امام شاطبی اندلسی المتوفی ۷۹۰ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام (جلد ۴ ص ۱۴۵ - ۲۲۱) مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۴۱ھ مین موجود ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ مین بھی اس کا ایک باب ہے،

ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک مین مذکور ہین، دوسری وہ جو قرآن پاک کے مجمل حکم کی تشریح مین تیسری وہ جنکا ذکر (بظاہر) قرآن پاک مین نہ تفصیلاً ہی، نہ اجمالاً یہی تیسری قسم قابل بحث ہے، امام صاحب نے اس کے متعلق ائمۂ سلف کے چار نظریے نقل کیے ہین[1]؛

۱- اللہ تعالیٰ نے رسول کی کلی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم مین پہلے ہی سے یہ ہے کہ رسول جو کچھ کہے اور کریگا، اس مین رضائے الٰہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی، (حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیقِ ربانی عنایت کی گئی ہے، کہ وہ رضائے الٰہی کو دریافت کرلے)

۲- رسول نے کوئی ایسا حکم نہین دیا ہے، جس کی اصل کتاب اللہ مین نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے احکام بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہین، گو بظاہر کم بینون کو ایسا نظر نہ آئے)

۳- تمام احادیثِ نبوی، القاء فی الروع ہین (یعنی رسول کے دل مین خدا نے ڈال دیئے ہین) اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہین جو آپ کے دل مین ڈالی گئی،

۴- اس قسم کے تمام امور جو احادیث مین ہین، کتابِ الٰہی سے جداگانہ مستقل پیغامِ ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہین،

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین رائین میرے خیال مین تقریباً ایک ہی ہین، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے، کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہے، اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیقِ ازلی بھی عنایت ہوتی ہے، جس سے وہ پیش آمدہ امور مین رضائے الٰہی کو دریافت کرکے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ مین اسی توفیقِ علم کو الہام، القاء فی الروع، اور دل مین ڈال دینے

---

[1] کتاب الرسالہ امام شافعی صفحہ ۲۸،

سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ مین نہ ہون، ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ مین ہے، اور رسول اُسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط، عام انسانی و بشری فہم سے نہین ہوتا، ورنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا مشتبہ رہے گا، بلکہ وہ پیغمبرانہ قوتِ فہم کا نتیجہ ہوگا، اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوتِ فہم کی تعبیر خواہ الہام سے کرو، القاء سے کرو، یا اس کو حکمتِ نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیقِ الٰہی کہو، بات ایک ہی ہوئی،

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ربانی احکام بھی عموماً اس کے صحیفۂ ربانی سے ماخوذ و مستنبط ہین، اور اُن کے جزئیات کتابِ الٰہی کے کلیات کے تحت مین مندرج ہین، اور رسول کا یہ اخذ، استنباط، اور فہم اس کی اس پیغمبرانہ قوتِ علم کا نتیجہ ہین جسکو حکما، ملکۂ نبوت اور اہلِ شرع حکمت، الہام، اور شرحِ صدر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہین، اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہے،

اجتہادِ نبوت | اس موقع پر علمائے اصول کی ایک اور اصطلاح "اجتہادِ نبوی" کی تشریح ضروری ہے، علمائے اصول لکھتے ہین، کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلعم کے سامنے پیش آتا اور وحی نازل نہ ہوتی، تو آنحضرت صلعم اجتہاد فرماتے یعنی گذشتہ وحی شدہ احکام کے تطابق سے آپ حکم دیدیتے تھے، (یہ فقہاء کا طریقۂ تعبیر ہے، ورنہ یون کہنا چاہئے کہ رسول اپنی اُس حکمتِ ربانی کے فیض سے مدد لیکر جو خدا نے اُن کے سینہ مین ودیعت رکھی تھی گذشتہ وحی کے کلیات کی روشنی مین اُس کا فیصلہ فرماتے تھے) بہرحال خواہ فقہاء کے طریق پر اجتہادِ نبوی کو نصوصِ قرآنی سے مستنبط سمجھئے یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علمِ سینہ، اور وحی شدہ

اصولِ کلی کے جزئیات تسلیم کیجئے، ہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لیے واجب العمل اور خطاء سے پاک ہے، کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء گناہوں سے معصوم، ضلالت و گمراہی سے پاک اور ہوائے نفسانی سے مبرا ہوتے ہیں، اس لیے امورِ رسالت اور امورِ دین میں اُن کی کوئی رائے غلط نہیں ہوسکتی، کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلّم ہے، حالانکہ اُن کی بعثت کی غرض ہدایت ہے ضلالت نہیں، ان وجوہ سے اُن کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے، جو مصلحتِ الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اُس پر تنبیہ فرما کر اُن کو اپنی مرضی سے مطلع فرما دیتا ہے، (اس کی مثالیں آیندہ آئینگی) الغرض بعض امور میں خیر کے کسی خاص پہلو کو پیشِ نظر رکھکر اس سے بہتر پہلو سے تغافل ہونے، یا غیب اور مستقبل سے عدمِ واقفیت کے سبب سے نبی کا اجتہادی خطا کرنا ممکن ہے، مگر اس خطا پر نبی کا قائم رکھا جانا ناممکن ہو، ایسی صورت میں نبی کا ہر ایسا اجتہادی حکم جس پر وحیِ الٰہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہیں کی، یہ معنی رکھتا ہے، کہ وہ حکم علمِ الٰہی کے منشا کے مطابق اور خطاء و غلطی سے مبرا ہے، اور اس کے دوسرے معنی وحیِ خفی یا باطنی وحی کے ہیں[1]،

میری رائے میں یہ اصطلاح بھی معنًی گذشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے، اس لیے اس **اجتہادِ نبوی** کے معنی الہام، حکمت، ملکۂ نبوت، فہمِ نبوی، وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہیں کہ اوسکی حیثیت بھی وحیِ ثانوی کی قرار پاجاتی ہے،

اس مبحث پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اُسکا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں،

---

[1] سطور بالا میں ہمنے جو کچھ لکھا ہے اس کے حوالہ کیلئے دیکھو شرح تحریر ابن ہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ مسمی بالتقریر والتحبیر للعلامہ ابن امیر الحاج المتوفی سنہ ۸۷۹ھ ج ۳ ص ۲۹۴-۲۹۹ مطبعہ امیریہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ اور التلویح فی کشف حقائق التنقیح والتوضیح فی حل غوامض التنقیح ج ۲ ص ۵ مطبع کتب صنائع قسطنطیہ سنہ ۱۳۱۰ھ بحث الرکن الثانی فی السنۃ،

# ”قرآن مجید، احادیث نبوی سے شریعت کے اخذ کرنے میں“

## ”علوم نبوی صلعم کے اقسام“

رسول اللہ صلعم کی جو روایتیں حدیث کی کتابون مین جمع کی گئی ہین، انکی دو قسمین ہین،

۱- ایک وہ جنکا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے اور یہ آیت،

| | |
|---|---|
| مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا | پیغمبر تم کو جو کچھ دے اس کو لیلو، اور جس چیز |
| نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج، (حشر-۱) | سے منع کرے اُس سے باز آؤ، |

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے،

علوم معاد یعنی قیامت اور آخرت کے احوال جزا و سزا اور عجائب الملکوت (یعنی دوسرے عالم کے احوال و کیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہین، اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے اور اُن اصول کے مطابق جنکا ذکر اوپر گذر چکا، قوانین شریعت، اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم مین داخل ہے، لیکن ان مین سے بعض چیزون کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، لیکن رسول اللہ صلعم کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ خداوند تعالی نے آپ کو غلط رائے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے، اور یہ ضروری نہین ہے، کہ آپ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص وآیت سے استنباط کا نتیجہ ہو، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے

کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد انسانون کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جنکا ماخذ وحی تھا، آپ اسی کلی و اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، ان کی تشریح فرمادیا کرتے تھے، حکمت کی متفرق باتین اور عام مصلحتین جن کے لیے آپنے نہ کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے، مثلاً اخلاقِ صالحہ اور اخلاقِ غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغِ رسالت سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اُن مین اکثر کا دار و مدار اجتہاد پر ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کلی قانون تعلیم کر دیا تھا، اور آپنے حکمت کی باتین اسی کلی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا مستنبط کین، اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا فضائلِ اعمال اور ان پر عمل کرنے والون کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہین اور میرے خیال مین ان مین بعض کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، ان قوانین کا بیان اوپر گذر چکا ہے اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہین "

۲- دوسری وہ روایتین ہین جو تبلیغِ رسالت سے تعلق نہین رکھتین، رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ "مین صرف ایک آدمی ہون، جب مین تمھارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دون تو اس پر عمل کرو، اور جب مین تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دون تو یہ سمجھو کہ مین صرف ایک آدمی ہون" اور چھوہارون کے جوڑ لگانے کے واقعہ مین آپ کا یہ فرمانا کہ "مین نے ایک خیال قائم کیا تھا، میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کرون تو اُس پر عمل کرو، کیونکہ مین خدا پر جھوٹ نہین باندھتا" اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طب کے متعلق حدیثین اور آپ کا یہ ارشاد کہ "تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی مین تھوڑی سی سفیدی ہو" اسی قسم مین

داخل ہے، اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے،

آپنے جو کچھ عادۃً کیا، عبادۃً نہین، اتفاقاً کیا، قصداً نہین وہ بھی اسی قسم مین داخل ہی، آپنے جو واقعات ایسے بیان کئے، جنکا تمام قوم مین چرچا تھا، مثلاً ام زرع اور خرافہ کے قصے وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہین، اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابت رضؓ نے جب اُن سے چند لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کرنے کی درخواست کی، اس طرح بیان کیا ہے، کہ "مین آپ کا پڑوسی تھا، اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ مجھکو بلا بھیجتے تھے، اور مین آپکے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا، لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، تو کیا مین ان تمام چیزون کو بطور حدیث بیان کرون ؟"

اسی مین وہ چیزین بھی داخل ہین، جنکو آپنے اپنے زمانہ کی جزئی و عارضی مصلحت کے طور پر کیا ہے اور وہ تمام امت کے لیے ضروری نہین ہین، مثلاً فوجون کی آراستگی، اور جنگی علامت کی تعیین کے وہ احکام جنکو خلیفہ دیتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ "اب ہم کو حج مین اکڑ کر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمایش کرتے تھے، لیکن اب خدا نے اس کو ہلاک کر دیا" یہی معنی ہین کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی و عارضی مصلحت سمجھتے تھے، لیکن چونکہ آپنے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لیے اُن کو یہ خوف ہوا، کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو، اسلئے اس مین دست اندازی نہین کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول کئے گئے ہین، مثلاً انکا

یہ ارشاد کہ "جو شخص جسکو قتل کرے اُس کا ہتھیار اسی کا حق ہے"؛ نیز آپ کے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم مین داخل ہین، کہ آپ مقدمات کے ان فیصلون مین گواہون اور قسمون کے مطابق فیصلے کرتے تھے، آپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ "واقعہ مین حاضر جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہین دیکھتا"؛ اس کے معنی بھی یہی ہین" (انتہیٰ کلامہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کے ارشادات کی دو قسمین ہین ایک وہ جسکا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغِ رسالت، اور مہماتِ امورِ دین سے ہے، یہ تمام باتین براہ راست وحی و تعلیم سے ماخوذ ہین، دوسری وہ جو عام انسانی باتین ہین، ان کی متعدد صورتین ہین،

۱- کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم، جیسے حج مین آپنے مسلمانون کو حکم دیا، کہ وہ قریش کے سامنے اکڑ کر سعی کرین تاکہ قریش یہ نہ سمجھین کہ مدینہ کی آب و ہوا نے اُن کو کمزور کر دیا ہے،

۲- وہ امور جنکو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہین، بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہین، مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام، حکومت کے صیغون کی ترتیب وغیرہ

۳- وہ امور جن کو آپ اپنی شخصی، قومی، یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے، جن کو دین و رسالت سے کوئی واسطہ نہین، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، کمل اوڑھنا، دسترخوان اور چمچون کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا، تہبند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ،

۴- وہ امور جو عرب مین بطور قصہ کے مشہور تھے، اور آپنے بھی اُن کو اُسی طرح تفننِ طبع کے لیے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً اُمِ زرع اور اسکی نو سہیلیون کی کہانی، خرافہ کی داستان، بنی اسرائیل کی بعض حکایتین،

۵- عربون کے بعض تجربی مسلمات، اور علاج و معالجہ کی بعض باتین،

۶- زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائین، مثلاً مدینہ مین قاعدہ تھا کہ فصل کے موقع پر نر چھوہارون کے پھول مادہ چھوہارون کے درختون مین ڈالے جاتے تھے آپنے یہ طریقہ دیکھا تو اسکو محض رسمی بات سمجھکر فرمایا کہ "اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو" مدینہ والون نے آپکے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال پیداوار کم ہوگئی، لوگون نے آکر عرض کی، فرمایا مین نے ایسا خیال کیا تھا" انتم اعلم بامور دنیاکم" تم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو" یہ امور تغیر اور ردّ و بدل کے قابل ہو سکتے ہین،

الغرض یہ وہ امور ہین جنمین رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتون کی ہو، لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جنکا تعلق دین ورسالت و نبوت سے ہے، مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق اور اخبارِ معاد اور معاملات کے بعض ضروری حصے، یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہین، جو دائمی اور ناقابلِ تغیر ہین،

ان ناقابلِ تغیر امور کی تعلیم و اطلاع کی دو صورتین ہین ایک براہ راست **وحی الٰہی** جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاع کے لیے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی، اور دوسری **اجتہادِ نبوی**، یہان بحث اسی دوسری چیز سے ہے، شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتین فرماتے ہین،

۱- ایک یہ کہ اجتہادِ نبوی کی صورت درحقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہین ہے، مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے، اور پیغمبرون کے اجتہاد کی صورت یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اجمالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم منصبِ نبوت کے ساتھ ساتھ عطا

فرمادیا ہے، اسی علم کے مطابق آپؐ وحی کی توضیح، احکامِ منصوصہ کی تفصیل، کسی کلی کے جزئیات مسایل کی تشریح، اپنے الفاظ مین فرمادیا کرتے تھے،

۲- پیغمبرون کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسان مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطاو غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہے، کیونکہ اُن کی رائے خطاو غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے، اسی لیے "**اُن کا پیغمبرانہ اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہے**"

"پیغمبرانہ اجتہاد" کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، اس کو پیش نظر رکھکر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے، کہ دوسرے لوگ، ملکۂ نبوت، الہام، القار، حکمتِ ربانی، فہم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہین، اُس مین اور "اجتہادِ نبوی" مین عملاً کوئی فرق نہین ہے، کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوت علمیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینہ مین ودیعت رکھتا ہے، اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے، معنی کی نہین، مزید بحث آگے آئیگی

ایک نکتہ کی طرف یہان اور اشارہ کردینا ہے، آنحضرت صلعم کے سوا اور جتنے صاحب کتاب انبیار آئے، اُن کی وحی کتاب اور نتائجِ حکمتِ نبوی مین فرق و امتیاز باقی نہین رہا، چنانچہ تورۃ وانجیل و زبور مین یہ سب باتین ملی جلی ہین، جیسا کہ اُن کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلعم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لیکر آئے تھے، اس لیے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کیگئی، اور ہر تخلیط اور آمیزش سے محفوظ رکھی گئی، بلکہ اسی لیے آغازِ اسلام مین آپ نے نتائجِ حکمتِ نبوی کی تحریر سے لوگون کو باز رکھا، تاکہ کتاب کے ساتھ اُن کی آمیزش نہ ہو، بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہین رہا، تو اکثرون کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے اُن کی تحریر کی اجازت دیدی،

اور بعض متشدد صحابہ اور علما کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگون کے لیے تھی، عام نہین لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت مین ہے، اُن کی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ مین نہین، اس لیے اس خدمت کو تمام صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور علمائے صالحین نے ہمیشہ ادا کیا،

عصمت اور بے گناہی

نبیؑ کی تیسری اہم خصوصیت، اسکی معصومی اور بے گناہی ہے، یہود مین چونکہ پیشنگو ہونے کے علاوہ نبی کا کوئی صحیح تخیل نہین، اس لیے اُن کی کتابون مین انبیائے کرام علیہم السلام کیطرف ایسی باتین منسوب کیگئی ہین، جو اُن کی شانِ نبوت کے سراسر منافی ہین، عیسائیون مین صرف ایک مسیحؑ کی ذات معصوم مانی جاتی ہے، لیکن اسلام مین یہ عقیدہ ہر نبی اور رسول کی نسبت عام ہے، اُس کے نزدیک تمام انبیا اور رسول گناہون سے پاک اور معصوم تھے، اُن سے بتقاضائے بشریت بھول چوک ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے اُن کی ان غلطیون کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے، نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول مان نہ لیا جائے، نبی اور عام حکیم و مصلح مین فرق نمایان نہین ہو سکتا، اور نہ نبیون اور رسولون کی کامل صداقت اور صحت پر اعتبار کیا جا سکتا، اسی لیے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے، ایک ایک کرکے تمام پیغمبرون کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے، اور ان واقعات کی تردید کی ہے، جو شانِ عصمت کے خلاف ہین، اور جن کو لوگون نے اُن کے سوانح مین شامل کر دیا ہے،

عرب کے مشرکون کا یہ عقیدہ تھا، کہ کاہن جو غیب کا حال بتاتے ہین، اور شاعر جو پر جوش اور پر تاثیر کلام نظم کرتے ہین، یہ شیطانون سے سیکھ کر بتاتے اور کرتے ہین، اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ صلعم کی نسبت بھی (نعوذ باللہ) کہتے تھے، قرآن نے ان کے جواب مین کہا، درخت اپنے

پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے،

اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ، اِنَّمَا
سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ
وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ ، (نحل ۱۳۰)

شیطان کا زور ایمان والون پر نہین چلتا، اور نہ اُن
جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہین اُس کا زور انہین
پر چلتا ہے، جو اس سے دوستی کرتے ہین، اور اپنے
رب کا شریک ٹھہراتے ہین،

اس کے بعد آخر تک اس خیال کی تردید کی ہے، اور پھر خاتمہ اس پر ہے،

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ
لَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ
مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ
اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ، (نحل)

اور صبر کر، اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے،
اور نہ تو اُن پر غمگین ہو، اور نہ اُن کے فریب سے
تنگدل ہو، بیشک خدا اُن کے ساتھ ہے، جو پرہیزگار
ہین، اور جو نیکوکار ہین،

اس آیت سے ظاہر ہوا، کہ انبیائے کرام شیطانون کے فریب سے آزاد، متقی، پرہیزگار اور نیکوکار ہوتے ہین،

سورۂ شعرا مین اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبرون کے حالات کو سنا کر آخر مین یہ کہہ دیا ہے،

ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ
الشَّیٰطِیْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ
اَثِیْمٍ، یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ

کیا مین تمھین بتاؤن، کہ شیطان کس پر اترتے ہین، اُن
پر اترتے ہین، جو جھوٹ گھڑتے ہین، گنہگار ہوتے ہین،
(لوگون کو یقین دلانے کیلئے کہ وہ غیب کی باتین سن کر آئے ہین)

كَذِبُوْنَ ، (شعراء - ۱۱) کان ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں،

سورۂ جاثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا،

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يَّسْمَعُ — پھٹکار ہو اُس پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنہگار ہو، خدا کی

اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا — آیتوں کو جو اس کو پڑھکر سنائی جاتی ہیں، وہ سنتا ہو،

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ — اور پھر اپنے غرور پر اڑا رہتا ہے، گویا اُس نے سنا نہیں،

اَلِيْمٍ ، (جاثیہ - ۱) — تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت دیدے،

اس کے معنی یہ ہوئے کہ انبیا علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنہگار نہیں ہوتے، کہ اگر ایسے ہوں، تو فرشتوں کے بجائے وہ شیطانوں کے قرین ورفیق ثابت ہوں، اور اُن کی سچائی اور صداقت مشتبہ ہو جائے، اور نیز یہ کہ نبوت کی حقیقت کذب و گنہگاری کے صریح منافی ہے،

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ — اس آدمی کے جس کو اللہ کتاب، اور فیصلہ اور نبوت دے،

الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ — یہ شایان نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران) — میرے بندے ہو جاؤ،

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا منشا خدا کی بندگی کا اعلان ہے، نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا، اور یہ گناہ اُن سے سرزد نہیں ہوتا،

اور ایک آیت میں فرمایا،

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ، — کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں، کہ وہ کچھ چوری سے چھپائے اور

| | |
|---|---|
| مَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ج | جو کوئی چھپائیگا قیامت کے دن لے کر اُس کو حاضر |
| ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ | ہوگا، پھر اُس وقت ہر شخص کو اُس کے کام کا پورا |
| لَا يُظْلَمُوْنَ، اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ | بدلہ ملیگا، اور اُن پر ظلم نہ ہوگا، کیا جو خدا کی خوشنودی |
| اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ | کی پیروی کرے، وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے |
| جَهَنَّمُ، وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ، هُمْ دَرَجٰتٌ | جو خدا کا غضب کمائے، اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہو |
| عِنْدَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ | اور وہ بُرا ٹھکانا ہے، انسانوں کے خدا کے نزدیک |
| لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ | کئی درجے ہیں، اور خدا اُن کے کام سے خبردار |
| فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا | ہے، بے شبہہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا |
| عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ | کہ انہیں اُنہی میں سے ایک ایسے رسول کو بھیجا، جو انکو |
| الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، وَاِنْ كَانُوْا | اسکی آیتیں پڑھکر سناتا ہے، اور اُن کو پاک صاف |
| مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، | بناتا، اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور وہ بے شبہہ |
| (آل عمران - ۱۷) | اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، |

ان آیتوں میں گو ہر نبی سے غلول (مال چھپانے) کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہیں وہ ان کے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی خفگی کماتے ہیں، مگر خصوصیت کیساتھ آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ اُس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے کیونکہ اللہ کی رضامندی کا طالب، اُسکی ناخوشی کے کام کا مرتکب نہیں ہو سکتا، اور جو دوسروں کو احکام الٰہی سنائے خود اُس سے اُن احکام کی خلاف ورزی ممکن نہیں

اور جو دوسرون کو پاک وصاف کرنے پر مامور ہے، وہ خود گنہگار و ناپاک نہین ہو سکتا،

انبیا علیہم السلام کے لیے بار بار قرآن نے "چنکر پسند کرنے" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو سرتاسر اُنکی عصمت اور گناہون سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبرون کے متعلق آیت ہے،

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ (حج – ۱۰)

خدا فرشتون مین سے اپنے پیغمبر چن کر پسند کرتا ہے اور آدمیون مین سے،

چند مخصوص پیغمبرون کی شان مین ہے،

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ (آل عمران)

اللہ نے آدم، نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام اہلِ دنیا سے چنکر پسند کیا،

خاص حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوا،

وَ لَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا ۚ (بقرہ – ۱۶)

ہم نے اُس کو دنیا مین چنکر پسند کیا،

حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا،

اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَ بِکَلَامِیۡ ۫ (اعراف – ۱۷)

مین نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغامون کے لیے لوگون سے چنکر پسند کیا،

ایک آیت مین پیغمبرون کے لیے اصطفار کے ساتھ خیر (بہتر اور نیکوکار) کی صفت ظاہر کی گئی ہے،

وَ اذۡکُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ

ہمارے خاص بندون ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کرو جو ہاتھون (قوت عمل) والے اور آنکھون

| | |
|---|---|
| اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۚ | (قوتِ علم) والے تھے، ہم نے اُن کو آخرت کی خاص |
| وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ؕ | نصیحت کے لیے خاص کیا، اور وہ ہماری بارگاہ مین |
| (ص - ۴) | چنے ہوئے نکوکارون مین تھے، |

سورۂ انبیار مین اکثر پیغمبرون کے تذکرہ کے بعد فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ، وَجَعَلْنٰهُمْ | اُن مین سے ہرایک کو ہم نے صالح بنایا، اور ہم نے انکو |
| اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ | وہ پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگون کو راہ دکھاتے |
| فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ | تھے، اور ہم نے اُن کو نیک کامون کے کرنے کی اور |
| الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۚۙ | نماز کھڑی کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی، اور وہ |
| (انبیار - ۵) | ہمارے پرستار تھے، |

کیا اس سے زیادہ اُن کی عصمت اور بیگناہی کی شہادت ہوسکتی ہے، کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے پرستار بنائے گئے،

سورۂ انعام مین بہت سے پیغمبرون کے نام گنا کر سب کو صالح فرمایا گیا،

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، (انعام - ۱۰) یہ سب صالحون مین تھے،

پھر آگے چل کر فرمایا، وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (انعام - ۱۰) "ہر ایک کو دنیا والون پر فضیلت دی" پھر اُن کا ذکر کرکے فرمایا، وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "اور ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا اور اُن کو سیدھی راہ چلایا" یہ صالح ہونا، برگزیدہ ہونا اور راہِ راست پر ہونا سراسر عصمت اور بے گناہی ہے،

شقی و سعید اور گنہگار و نیکوکار، دونون کی سیرتون اور زندگیون کا فرق اتنا نمایان ہے، کہ اُن مین التباس اور اشتباہ ممکن نہین، تاریخ و سیر کی خاموش اور خلق کی گویا زبانین چیخ چیخ کر اس فرق و امتیاز کی منادی کرتی رہتی ہین، اس اصول کو قرآنِ پاک نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ (جاثیہ-۲)

کیا وہ جو گناہون کے مرتکب ہین، یہ گمان کرتے ہین کہ ہم اُنکو اُن کی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بنائین گے، اُن دونون کی زندگی اور موت یکسان ہو، یہ اُن کا فیصلہ کتنا برا ہے،

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونون کی زندگی، اور موت دونون ممتاز ہوتی ہین،

انبیاءؑ کے وصف مین فرمایا،

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ (احزاب-۵)

جو اللہ کے پیغامون کو پہنچاتے ہین، اور اس سے ڈرتے ہین اور اللہ کے سوا کسی سے نہین ڈرتے،

آنحضرت صلعم کے اہلِ بیت اور بیویون کو جو عزت اور شرف حاصل ہے، وہ نبوت و رسالت ہی کی نسبت سے ہے، ازواجِ مطہرات کی شان مین ہے،

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ، (احزاب-۴)

اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتون مین سے کسی ایک کی طرح نہین ہو، اگر تم متقی ہو،

پھر اہلِ بیت نبوی کو خطاب کر کے فرمایا، کہ ارادۂ ربانی یہ ہے کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف اور ستھرا بنائے،

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ | اللہ یہی چاہتا ہے، کہ تم سے ناپاکی کو دور کردے، |
| اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ، (احزاب) | اے نبی کے گھروالو! اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنائے |

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السّلام کے ازواج واولاد کی شرافت کے لیے گناہ اور بدی کی بجاست محل ہے تو خود انبیاء علیہم السّلام کا کیا ذکر ہے، ایک دوسری آیت مین حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کرکے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

| | |
|---|---|
| اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ | گندیان، گندون کے واسطے، اور گندے، گندیون |
| لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ | کے لیے، اور ستھریان، ستھرون کے واسطے، اور ستھرے |
| وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ | ستھریون کے واسطے یہ اُن کی تہمت سے پاک |
| مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ (نور-۳) | ہین، |

یہان طیب، پاک، اور ستھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ ہے، اور اسی ستھرے پن، پاکی، اور طہارت سے ازواجِ مطہرات کے اخلاقی ستھرے پن، پاکی، اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے،

انبیاء درحقیقت مقتدیٰ اور پیشوا، اور نمونہ بنکر اس دنیا مین بھیجے جاتے ہین، اسی لئے فرمایا،

| | |
|---|---|
| لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ | تمھارے لیے خدا کے رسول مین اچھی پیروی |
| اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ، (احزاب-۳) | ہے، |

نیز اُن کی اطاعت واجب ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ | ہم نے کوئی نبی نہین بھیجا، لیکن اس لیے کہ خدا کے |

بِاِذْنِ اللّٰہِ ط (نساء - ۹) حکم سے اُس کی اطاعت کیجائے،

اور خاص آنحضرت صلعم کی نسبت تصریح ہے کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے کا مستحق بھہراتی ہے،

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا

یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ، (آل عمران - ۳) تم کو چاہے گا،

کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی، اور گنہگارون کی دعوت سے کبھی نیکوکاری پھیلی ہے؟ برائیون اور گنہگاریون کا اصلی سرچشمہ اور منبع شیطان، یا انسان کی خود قوت شر ہے، لیکن خدا کے خاص بندے اُس کے دام فریب سے آزاد ہین،

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ یقیناً میرے بندون پر تیرا (اے شیطان) کوئی زور نہین،

وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ، (اسرائیل - ۷) تیرا پروردگار (اپنے بندون کیطرف سے) سب کچھ کر دینے کو بس ہے،

کیا انبیائے کرام علیہم السّلام سے بڑھکر کوئی بندۂ رب ہو سکتا ہے،

انسانون کی گمراہی اور عصیان کاری، وسوسۂ شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے، خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر (خناس) چھپا ہو، یا انسان اور جن کی صورت مین ہو، ہر ایک کے فتنہ سے اُنکی ذات پاک اور بلند ہے،

آنحضرت صلعم کو بعض خود غرض لوگون نے بعض مشورون مین پھسلانا چاہا، مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا، اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دستگیر ہے اور گمراہی سے تیری نگہبان ہے اور کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاسبان ہے،

GIRLS C... SRINAGAR ... NO ... LIBR...

| | |
|---|---|
| وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۔ (نساء ـ ۱۷) | اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی، تو ایک گروہ نے تیرے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کرینگے لیکن خود اپنے آپکو، اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور خدا نے تجھپر کتاب اور حکمت اتاری ہے، اور اس نے وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا، اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے، |

اور یقیناً موقع ومحل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہان مراد **عصمت** ہے، خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی تمناؤن، خودغرضانہ آرزوون اور خوشنما خیالون سے لوگون کو دھوکا دیتا ہے، لیکن انبیا علیہم السلام اس فریب تمنا سے بھی پاک ہین، بشریت کے اقتضا سے یہ تو ممکن نہین کہ خود اپنے مشن، اور جس دعوت حق کو لیکر وہ آئے ہین، اسکی جلد از جلد کامیابی اور لوگون کے بسرعت قبول ایمان کے متعلق اُن کے دل مین تمنائین اور آرزوئین نہ پیدا ہوتی ہون، لیکن وہ مصلحت الٰہی کے مطابق نہین ہوتین اس لیے اللہ تعالیٰ اُن خیالات اور تمناؤن کو اُن کے دلون سے نکال دیتا ہے، اور اپنے فیصلہ کو برجا رکھتا ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ | اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہین بھیجا لیکن یہ کہ جب وہ خیال باندھتا ہے، تو شیطان اس کے خیال مین کچھ ملا دیتا ہے، تو خدا شیطانون کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے، اور اپنے حکمون کو مضبوط کر دیتا ہے، |

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ (حج - ۷) اور خدا دانا اور حکمت والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہین،

آنحضرت صلعم کے متعلق فرمایا گیا،

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ؕ (نجم - ۱) (اے مسلمانو!) تمھارا صاحب نہ گمراہ ہوا، نہ بھٹکا،

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہین ہے، بلکہ اس آیت مین آنحضرت صلعم کے ہر عہد سابق اور زمانۂ ماضی سے ضلالت اور غوایت کی پوری نفی کیگئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کانٹون سے پاک رہا،

**بعض شبہات کا ازالہ** قرآن پاک مین بعض ایسے الفاظ ہین، جنسے ایک ظاہر بین کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ بعض پیغمبرون کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی داغ ہین، مگر علمائے محققین نے ان مین سے ہر ایک شبہہ کا تشفی بخش جواب دیدیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلسی نے الفصل فی الملل والنحل (جلد چہارم) مین اور قاضی عیاض مالکی نے شفا (قسم ثالث، باب اول) مین خفاجی نے شرح شفا (جلد چہارم) مین اور متاخرین مین ملا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء مین ایک ایک شبہہ کو پوری طرح رد کیا ہے جس سے ظاہر بینی کا پردہ آنکھون کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، ان مین سے ہر شبہہ کا ذکر کرنا اور اُس کا رد کرنا ایک طول عمل ہے مختصراً اصولی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ مین جو غلط فہمیان کسی کو پیش آتی ہین، اُن کے دو اسباب ہین، اور اُن اسباب کی تشریح کر دینا ہی ان غلط فہمیون کو دور کر دینا ہے،

اس سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کرلینی چاہیے، کہ انبیا علیہم السلام کا پایہ بندون مین بلکہ تمام مخلوقات مین خواہ کسی قدر بلند ہو، اور اُن کا دامن گناہ وعصیان کے گرد وغبار سے کتنا ہی پاک ہو، تاہم اُس ذوالجلال والاکرام کے سامنے اُن کی حیثیت ایک عبد، ایک بندہ، اور ایک عاجز مخلوق ہی کی ہے، ایک عبد وغلام خواہ کسی قدر اطاعت کیش، کتنا ہی وفاشعار، اور مطیع وفرمانبردار ہو تاہم اپنے آقا کے سامنے اُس کو اپنے قصور کا معترف، اپنی تقصیر کا مقر، اپنی کوتاہیون پر خجل، اور اپنی فروگذاشتون پر نادم ہی ہونا چاہیے، اسی لئے حضرت ابراہیمؑ جنکی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے، وہ خدا کی عظمت وجلال اور اسکی رحمت وشفقت کے ذکر مین فرماتے ہین،

وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ، ط — اور وہ خدا جس سے جزا کے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی پوری امید رکھتا ہون،

نبی کا یہ اعتراف واقرار اور خجالت وندامت، اُس کا نقص نہین، بلکہ اُس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے، اور آقا کو حق پہنچتا ہے کہ اُس کے غلام اطاعت وفرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہین، وہ اُن سے اطاعت کیشی، اور وفاشعاری کے اُس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے، کہ اس کے دربار مین اُن کے عروج وترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض آیتون مین اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت کیگئی ہے تو اُس کا سبب گناہ کا وجود نہین، بلکہ ہر قدم پر گذشتہ رتبۂ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے، تاکہ وہ اُس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلعم کو خطاب ہوتا ہے،

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ — جب اللہ کی مدد آچکی اور (مکہ) فتح ہوچکا اور لوگون کو

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (نصر)

اللہ کے دین میں گروہ در گروہ جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اُس سے معافی چاہ کہ وہ بندہ کے حال پر رجوع ہونے والا ہے،

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، مکہ فتح ہونا، بت پرستی کی بیخکنی، اور لوگوں کا مسلمان ہوجانا کوئی جرم ہے جس سے کوئی معافی چاہے، اسی طرح سورۂ فتح میں فرمایا،

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا (فتح-۱)

ہم نے تجھکو کھلی فتح دی، تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کرے، اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے اور تجھ کو سیدھی راہ چلائے، اور تجھ کو مضبوط مدد دے،

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کامل نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے حسن خدمت کو قبول فرماکر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے،

اس استغفار سے مقصود نعوذ باللہ پیغمبر کی گنہگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اس کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی، اور فرشتے، جن کی خدا کی بیٹیاں ہونے کے اہل عرب قائل تھے، اور اُن کو خدا کا درجہ دیتے تھے، اُن کے متعلق قرآن نے کہا،

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ
عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ
وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ
فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًا۔ (نساء - ۲۳)

مسیح کو ہرگز اس سے عار نہ آئیگا کہ وہ خدا کا بندہ ہو،
اور نہ مقرب فرشتون کو اور جو اس کی بندگی سے عار
کریگا، اور بڑائی چاہے گا، تو خدا ان سب کو اپنے
پاس اکٹھا کریگا،

اس سے مقصود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین نہین، بلکہ انکی عبدیت اور بندگی کا اعلان ہے، الغرض انبیاءؑ کا خدا کے حضور مین اپنی کوتاہی کا اعتراف، اُن کی گنہگاری کا ثبوت نہین بلکہ اُن کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ مین نے تجھے معاف کیا، اُس کی گنہگاری کا اعلان نہین بلکہ اپنی پسندیدگی، رضا، اور قبولِ تام کی بشارت ہے، سورۂ فتح کی جو آیتین اوپر گذرین، اُن کو پڑھو، تو ظاہر ہوگا کہ چونکہ بت پرستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر اور کل جزیرۂ عرب مین حق و باطل کی تمیز مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف تھی، اسلئے جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانون کی مسلسل کوششون اور جانفروشیون سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی، اور تجھ پر میرے سلسلۂ احسانات کی تکمیل ہوئی، پھر خدا آپ سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے، حالانکہ ان مین سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہوچکی تھی، کیا فتحِ مکہ سے پہلے آپ صراطِ مستقیم یعنی اسلام پر نہ تھے، یا آپ کو زبردست مدد نہین مل چکی تھی، یہ سب مرتبے حاصل تھے، مگر ان باتون کے یہان ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ وہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار فرمائے اور رسول کی اگلی پچھلی تمام فروگذاشتون پر اگر ہون، خطِ عفو پھیرنے کا اعلان کرکے ان کو نیا

خلعتِ فاخرہ عطا اور نئے مراتبِ جلیلہ عنایت کرے،

عبدیت کاملہ کا یہی راز و نیاز ہے، جو حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ مین نمایان ہے، ایک شخص اُن کو "اے نیک اُستاد" کہکر خطاب کرتا ہے، اُس کے جواب مین وہ فرماتے ہین،

"تو کیون مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہین، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸-۱۹)

حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا اپنی مشہور دعا مین یہ کہنا، کہ

"اور جس طرح ہم اپنے قرضدارون کو بخشتے ہین، تو اپنے دَین ہم کو بخشدے" (متی ۶-۱۲)

اُن کی گنہگاری کی دلیل نہین، بلکہ عبدیت کاملہ کے اظہار کا ثبوت ہے،

**نکتہ**۔ عربی زبان مین گناہ کے لیے مختلف الفاظ ہین، مثلاً ذنب، اثم، حنث، جُرم، وغیرہ، ان مین سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے جو بالقصد اور جان بوجھکر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جان بوجھکر کیا جائے، یا بن جانے، غلط فہمی سے ہو، یا سوچ سمجھکر، بھول چوک سے ہو، یا قصدًا، اور اُن کامون پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو درحقیقت عام امت کے لیے گناہ نہین، لیکن انبیاء کے حق مین اتنی غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے، اسی معنی مین کہا گیا ہے، کہ حسنات الابرار سیأت المقربین، (نیکون کی نیکیان، مقربین کی برائیان ہین) ع

جنکے رتبے ہین سوا اُنکو سوا مشکل ہو

انبیاء علیہم السلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ "ذنب" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا

حِنث کا نہین،

ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لیکر عصیان تک کو شامل [1] ہے، اس لیے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف سے استغفارِ ذنب کی ہدایت کیگئی تو اُس کے معنی صریح عصیان و گناہ کے نہین بلکہ یہی انسانی بھول چوک، اور فرو گذاشت ہے، جس کی اصلاح و تنبیہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور لطف و عنایت سے فرماتا رہتا ہے، اور اسی کے لیے استغفار کا حکم اُن کو ہوتا رہتا ہے،

اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کہ بھول چوک، اور بلا ارادہ غفلت، گو اُمت کے حق مین قابلِ مواخذہ نہین، مگر انبیاء علیہم السّلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزین بھی گرفت مین آتی ہین، کیونکہ اُن کا قول و فعل شریعت بنجاتا ہے، اس لیے شریعت کی حفاظت کے لیے اُن کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس بنا پر اگر اُن سے احیاناً کوئی ایسی بات ہوجاتی ہے، تو فوراً اس پر تنبیہ کیجاتی ہے، اور ان کو ہشیار کر دیا جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ اُن کی یہ چیز معاف کر کے اُن کو بشارت سنادی جاتی ہے، اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے، دانستہ اور نادانستہ تمام گناہون سے اُن کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے،

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ — تو آدم نے اپنے رب سے چند باتین سیکھ لین، تو وہ

---

[1] اس فرق کو عام لغت نویسون نے ملحوظ نہین رکھا ہے، مگر جن علماء لغت نے الفاظ کے فروق پر کتابین لکھی ہین انھون نے اسکی تصریح کی ہے ہم یہان پر بیروت کے مشہور عیسائی لغت نویس ادیب الاب ہنرکوس الانس کی کتاب فرائد اللغۃ فی الفروق کی عبارت نقل کرتے ہین، الاثم الذنب الذی یستحق العقوبۃ علیہ ولا یوصف بہ الا المجرم وبین الاثم والذنب فرق من حیث ان الذنب مطلق الجرم عمداً کان او سہواً بخلاف الاثم فانہ ما یستحق فاعلہ العقاب فیختص بما یکون عمداً، والحنث ابلغ من الذنب لان الذنب یطلق علی الصغیرۃ والحنث علی الکبیرۃ، والجرم لا یطلق الا علی الذنب الغلیظ، (صفحہ ۹۶و۹۷) مطبعہ کاتھولیکیہ ۱۸۸۹ء،

| | |
|---|---|
| عَلَيْهِ (بقرہ ۴-) | اسکی طرف رجوع ہوا، |
| ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ (طٰہٰ -۷) | پھر خدا نے اُس (آدم) کو برگزیدہ کیا، پھر اسکی طرف رجوع ہوا |
| لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (توبہ-۱۴) | یقیناً اللہ نبی کیطرف رجوع ہوا، |
| فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ (انبیاء-۶) | پھر ہمنے اس (یونس) کی دعا قبول کی اور اسکو غم سے رہائی دی |
| لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح-۱) | تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی فروگذاشت معاف کرے، |

کامل اور عام عفو ومغفرت کا یہ مرتبۂ بلند خود بندہ کی زندگی مین، انبیاؑ کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہین،

۲- انبیا کی معصومیت کے مسئلہ مین غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انبیاؑ کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیون مین، قوت اور فعل کا جو فرق ہے، اُس کو ملحوظ نہین رکھا جاتا، علم اور جہل، ضلالت اور ہدایت، اضافی الفاظ مین سے ہین، علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جہل اور ہدایت کے بلند سے بلند رتبہ کو اس سے بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے ضلالت کہسکتے ہین، انبیا علیہم السلام کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیون مین قوت اور فعلیت کا فرق ہے جس طرح تخم مین تمام برگ و بار پوشیدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اُس وقت درخت نہین ہوتا، اور نہ اُسمین تنہ، شاخین، پتے، پھول اور پھل ہوتے ہین، اور نہ اُس کا عالم پناہ سایہ ہوتا ہے، لیکن ایک وقت آتا ہے، جب وہی تخم بڑھکر ایک نیا درخت بنجاتا ہے، اُس کے پتے آنکھون مین ہریالی پیدا کرتے ہین، اُس کے پھول مشام جان کو معطر کرتے ہین، اُس کے پھل کام ودہن مین شہد ٹپکاتے

ہین، اُس کے سایہ مین تھکے ماندے مسافر آرام پاتے ہین، اسی طرح نبوت کی سابقہ اور لاحقہ زندگیو
مین عظیم الشان فرق ہے، اور اسی فرق کی بناپر اُس کی قبل از نبوت زندگی، ظہورِ نبوت کے بغیر
تاریکی، اور ضلالت، اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے، جس طرح عام افراد کی زندگی سلام
وایمان کے بغیر، ضلالت اور اسلام وایمان کے بعد ہدایت بنجاتی ہے، اسی طرح انبیاؑ کی زندگی انکی
نظر مین نبوت کے بغیر، ضلالت اور نبوت کے بعد ہدایت ہوتی ہے، غرض یہ ہے کہ ظہورِ نبوت
سے پہلے کا زمانہ اُن کی ضلالت کا، اور بعد کا زمانہ اُن کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے، لیکن ضلالت
اور ہدایت کا یہ مفہوم اُس مفہوم سے بالکل مختلف ہے، جو غیر انبیاؑ کے حق مین مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ جہان
آنحضرت صلعم پر اپنے احسانات گنا تا ہے، فرماتا ہے،

| | |
|---|---|
| اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ | کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہ پایا، پھر پناہ دی، اور اُس نے |
| ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا | تجھ کو بھولا پایا، تو رہنمائی کی، اور تجھکو محتاج پایا |
| فَاَغْنٰى، (ضحیٰ-۱) | تو بے نیاز کیا، |

سطورِ بالا سے ظاہر ہے کہ یہان ہدایت سے نبوّت، اور ضلالت سے قبلِ نبوت کی زندگی
مراد ہے، جو نبوت کے بعد کی زندگی کے مقابلہ مین نسبتہً ضلالت ہی ہے،

"ضلالت" کے معنی عربی مین صرف صریح گمراہی ہی کے نہین، بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹکنے، اور
غفلت کرنے کے بھی ہین، عورتون کی شہادت کے موقع پر ہے،

| | |
|---|---|
| اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا | کہ بھول جاوے ایک عورت تو یاد دلائے |
| الْاُخْرٰى، (بقرہ-۳۹) | اس کو دوسری، |

ایک اور آیت مین علمِ الٰہی کی تعریف مین ہے،

لَا یَضِلُّ رَبِّی وَلَا یَنْسَی، (طٰہٰ-۲) نہ چوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے،

ان آیتون مین لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے، کہ "ضال" کے معنی عربی زبان اور محاورۂ قرآن مین صرف گمراہ کے نہین، بلکہ بھول چوک کے بھی ہین، اسی طرح اس حالت کے بھی ہین جس مین گمراہی کو گمراہی معلوم ہوتی ہے، لیکن ہنوز ہدایتِ الٰہی کا نور اس کے سامنے نہین چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہین آئی ہے، جہل کی برائی تو معلوم ہوگئی ہے، مگر ہنوز علم کا دروازہ نہین کھلا ہے، اور یہی قبلِ نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک ستم شعار قبطی کو گھونسہ مارا تھا، جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پاکر جب وہ لوٹے تو فرعون نے اُن کو طعنہ دیا، کہ تم تو میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا،

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (شعراء-۲) مین نے اس حالت مین کیا تھا، کہ مین چوکنے والون مین سے تھا،

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے کہ اس وقت مین نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہین کی تھی، نہ بت کو پوجا تھا نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا، کسی کے طمانچہ سے اتفاقیہ کسی کمزور کا مر جانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہین، جس کو ضلالت کہین، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا اپنے کو اس وقت ضال کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے،

اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوّت کی زندگی کے لحاظ سے جسے یہاں "ضلالت" کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو "غفلت" (بیخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ مین آپکو خطاب ہے،

| | |
|---|---|
| نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ | ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہین کیونکہ ہم نے تیری |
| اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ | طرف یہ قرآن اتارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے |
| كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ (یوسف-۱) | پہلے تو بے خبرون مین تھا، |

اس "بیخبری" کے عالم کی تفسیر دوسری آیت مین ہے، جس مین پیغمبر کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ | اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راز سے |
| اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ | ایک روح تیری طرف وحی کی، تو نہین جانتا تھا |
| وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ | کہ کتاب کیا ہے، اور نہ ایمان، لیکن ہم نے اسکو نور |
| بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ | بنا دیا، جس سے جس کی چاہتے ہین، اپنے بندون |
| لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ | مین سے رہنمائی کرتے ہین، اور بے شک تو سیدھی |
| (شوریٰ-۵) | راہ دکھاتا ہے، |

"کتاب وایمان" کے نور ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت وحالت ہے، جس کو کہین ضلالت اور کہین غفلت کہا گیا، اس سے مقصود حقیقی گنہگاری، عصیان کاری، اور باطنی گمراہی نہین ہے، بلکہ طلب حق، تلاش معرفت اور انتظار حقیقت ہے، کہ وہی اُن کے

حق مین ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا ہے، آخر وہ وقت آتا ہے جب روشنی چمکتی ہے، روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہے، اور منزل رسی کے بعد دوسرون کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے، یہ ہدایت کا دور ہے، چنانچہ ایک موقع پر انبیاءؑ کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ، (انعام-۱۰) | اور ہمنے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشے، اور اُن مین ہر ایک کو ہدایت دی اور اُن سے پہلے نوح کو ہدایت دی |

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ عدمِ نبوت کا عہد "ضلالت" ہی کہلائے گا، مگر اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوگی جسمین اُن کو ہنوز نبوت نہین ملی تھی، اور اس مرتبۂ بلند کا انتظار تھا،

اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاءؑ کے حق مین ضلالت سے مقصود گنہگاری، عصیان کاری اور گمراہی نہین، بلکہ عدمِ نبوت کا دور، اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہے، جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابلہ مین نسبتہً ضلالت ہے،

**نبی کی بشریت** نبیؐ کی معصومیت اور اُس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق، خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے، وہ خدا، خدا کا اوتار، دیوتا یا فرشتہ نہین ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اُن مسائل مین سے ہے، جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلعم سے پہلے افراط و تفریط کی تاریکی مین گم تھی، اور آپ کے فیضِ تعلیم سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیون کی طرح ایسے اہلِ مذہب بھی تھے، جو پیغمبرون کو ایک پیشگوئی کی صفت کے علاوہ ہر حیثیت سے معمولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے

وہ بداخلاقیون کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے تھے، تاہم وہ پیغمبر سمجھے جاسکتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے، جو اپنے "نجات دہندہ" کو انسانیت سے پاک، خود خدا، یا خدا کا جز، یا "ناسوت ولاہوت" کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے، اور ہندو بھی تھے، جو اپنے رہناؤن کو دیوتا، اور اوتار، یعنی مجسم خدا، یا انسان کے بھیس مین خدا سمجھتے تھے، اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتین حاصل تھین،

اسلام نے اپنی تعلیم ان دونون کے وسط مین پیش کی، وہ ایک طرف رسولون کو مخلوق محض، صرف انسان اور پورا بندہ اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درماندہ تسلیم کرتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ اُن کو خدا کا برگزیدہ، معصوم، نیک، اور خدا کی قدرت سے فیض پاکر برکتون، سعادتون، اور ہدایتون کا مرکز، اور اسکی اجازت سے عجیب وغریب امور صادر کرنے والا بتاتا ہے، اور بے اعتدالی کے اُن دونون خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہین، علانیہ تردید کرتا ہے، اہلِ عرب بھی ہندوؤن، یونانیون اور عیسائیون کیطرح یہ سمجھتے تھے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے خود انسان نہین بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیئے، اور وہ ہستی صرف فرشتون کی ہے، قرآن نے اُن کے اس خیال کی بارہا تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ اگر زمین مین فرشتے آباد ہوتے، تو فرشتہ کو اُن کے پاس رسول بناکر بھیجا جاتا، اور انسانون مین فرشتہ آتا بھی تو انسانیت ہی کے پیکر مین آتا، تو ایسی حالت مین تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے،

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرون کے دو رُخ ہوتے ہین، ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ مین ہوتے ہین، اور انسانون ہی کی طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہین، دوسری طرف وہ اپنی روحانیت، بے گناہی، پاکدامنی، اور اختصاص

نبوت مین انسانون سے بلند تر ہین، یہودیون کی طرح جن کی نظر اُن کے انسانی رُخ پر پڑتی ہی وہ اُن کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہین، اور عیسائیون کی طرح جن کی نظر ان کے مافوق انسانی خصائص پر پڑتی ہے، وہ اُن مین الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہین، حالانکہ حق ان دونون کے بیچ مین ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مافوق بشری خصوصیات کی بناپر فوق البشر ہوتے ہین، یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبرون کے متعلق کفار کو ہوتا تھا، پیغمبر اُن کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ اُن کی بشری خصوصیتون کو دیکھکر کہتے تھے کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو، چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبرون سے کہا،

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (اسرائیل-۱۱) کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا،

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلعم نے اسکے جواب مین فرمایا،

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (اسرائیل-۱۰) مین تو نہین ہون مگر انسان رسول،

اُن کو شبہہ تھا، کہ کیا گمراہ انسانون کی رہنمائی انسان ہی کرسکتا ہے،

اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا۔ (تغابن-۱) کیا انسان ہماری رہنمائی کرین گے،

یہ وہی شبہہ تھا، جس مین پھنسکر عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی انسانیت سے منکر ہوئے، کہ موروثی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دے سکتا ہے، اور یہ نہین سمجھے کہ انسان موروثی گنہگار نہین، بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہے، اور بے گناہ بھی، بے گناہی اور معصومیت کے لئے انسانیت سے پاک ہونا ضرور نہین، یہی بات اور کفار کی سمجھ مین بھی نہین آتی تھی، اور انبیا کو ظاہری اور جسمانی

طور سے اپنی ہی طرح انسان سمجھکر اُن کو نبوت کا مستحق نہین سمجھتے تھے، اور کہتے تھے،

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا، (ابراہیم-۲) — تم تو نہین ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر،

دوسرون کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے، کہ

هَلْ هٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، (انبیاء-۱) — نہین ہے یہ لیکن تمھاری ہی طرح بشر،

مَا هٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، (مومنین-۲) — نہین ہے یہ لیکن تمھاری ہی طرح بشر،

انبیاؑ کے سامنے وہ یہی دلیل پیش کرتے تھے،

مَآ أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا، (شعراء-۸) — تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو،

مَآ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا، (یٰس-۲) — تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو،

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو بداہت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے،

مَا نَرٰىكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا، (ہود-۳) — ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہین،

انبیاء علیہم السّلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا، کہ ہان تمھاری ہی طرح ہم بشر ہین، لیکن خدا کے فضل و کرم سے سرفراز ہین، اور یہی تم مین اور ہم مین فرق ہے، فرمایا،

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، ط (ابراہیم-۲)

اُن کے رسولون نے جواب دیا کہ ہم تمھاری ہی طرح بشر ہین لیکن خدا اپنے بندون مین سے جسپر چاہتا ہے احسان کرتا ہے،

ان کفار کی نظر صرف اُن کے ایک رخ یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاؑ نے جواب مین اس پہلو کے ساتھ اپنے دوسرے رخ کو بھی اُن کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ہان ہم

انسان ہین لیکن ایسے انسان جنپر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بارش ہے، یعنی نبوت سے سرفراز اور اسکی خصوصیتون سے ممتاز ہین،

دوسرے نبیون کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلعم نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا، بلکہ وحیِ الٰہی نے آپ کی زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ "کہدو کہ مین تو تمھاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہون"۔ اس اعلان نے جو درحقیقت اُس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لیے تھا، جو انبیاؑ کی شانِ الوہیت کے متعلق عیسائیون کے اثر سے لوگون مین پھیل گیا تھا، اور افسوس ہے کہ اس قسم کا غلط خیال اُس نبی کی امت کے ایک گروہ مین بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا مین خدا کی توحیدِ کامل کا مبلغ بنکر آیا تھا، دوسری طرف اس اعلان سے ایک تفریط پسند گروہ نے یہ نتیجہ نکالا، کہ پیغمبر اور عام انسانون مین کوئی فرق اور امتیاز نہین، اور نہ پیغمبرون کو عام انسانون پر کوئی بلندی و برتری حاصل ہے الا یہ کہ پیغمبرون پر وحی آتی رہتی ہے، اور عام انسان اس سے محروم ہین، گویا اس کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر صرف اُس لمحہ او رآن مین منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے، جب اُس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے، اور اُس کے پہلے اور اُس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھکر اسی لئے ایک اور مختصر سے فرقہ نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے، جو وحیِ قرآنی کی صورت مین آیا، اس کے علاوہ آپکے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہین، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہین، جنکی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے، نہ اسلام کا جزء ہے، یہ خیالات حقیقت مین دوسرے مفرطانہ فرقہ کے مقابلہ مین تفریطانہ ہین، اور دونون اعتدال کی حد سے باہر، اور حقیقت اُن کے بیچ مین ہے،

قرآنِ پاک مین تین جگہ وہ آیتین ہین جنمین خاص آنحضرت صلعم کی بشریت کا اعلان ہے، مگر ہر جگہ توحیدِ کامل کے بیان، اور خدا کے مقابلہ مین رسولون کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدۂ باطل کی تردید مین ہین کہ رسولون کے ہاتھون مین یہ قوت ہونی چاہئے کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالین، اور سعی و سفارش کرکے قصور معاف کرادین، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اُن کو جو کچھ حاصل ہے وہ خدائے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا سے ہے،

سورۂ کہف مین اُن مشرکون کا ذکر ہے جو خدا کے بندون کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہین؛

| | |
|---|---|
| اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا | کیا وہ جنھون نے کفر کیا، یہ سمجھے ہین کہ وہ میرے |
| عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا | بندون (رسول اور فرشتون) کو میرے سوا اپنا حامی |
| جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۔ (کہف-۱۲) | بنائینگے ہم نے ان کافرون کیلئے جہنم تیار کی ہے، |

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اوصاف و کمالات کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے،

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى | کہدے کہ مین تو تمھاری ہی طرح ایک بشر ہون مجھپر |
| اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (کہف-۱۲) | وحی کیجاتی ہے، کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، |

دوسری جگہ یہی تعلیم بعینہٖ سورۂ حٰم السجدہ (فصلت) مین ہے،

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى | کہدے کہ مین تو تمھاری طرح بشر ہون، مجھپر وحی کیجاتی ہے، |
| اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا | کہ تمھارا معبود ایک ہی ہے، اسکی طرف سیدھے رہو، اور اس |
| اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۔ (حٰم السجدۃ-۱) | سے اپنے گناہون کی معافی چاہو، خرابی ہے شرک کرنے والون کیلئے |

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ مین رسول اسی طرح ایک بندہ ہے جس طرح خدا کے دوسرے بندے، دعائین خدا ہی سے مانگنی چاہئین، اور اُسی سے اپنے گناہون کی معافی کی درخواست کرنی چاہئے، یہ اختیارات خاص خدا کے ہین، بندون کے نہین، اس تعلیم سے جو حقیقت مین عیسائیون کے مسئلہ کفارہ اور اُن کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہون کا معاف کرنا حضرت [illegible] کے اختیار مین ہوگا، اور مسلمانون کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدتمندیون سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک مین جہان آنحضرت صلعم سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ تم خدا کے پیغمبر ہو، تو ہمارے لیے سونے کی چھت بنا دو، جہان نہرین نہین، وہان نہرین جاری کر دو، ہمارے سنسان جنگلون کو باغ و بہار بنا دو، اپنے ساتھ جلو مین فرشتون کے پرے لیکر چلو، ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہان سے ہاتھ مین کتاب لیکر سامنے اترو،

| | |
|---|---|
| وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ | اور انھون نے کہا کہ ہم تیرا ایمان اُس وقت تک |
| لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ | نہین لائین گے، جبتک تم ہمارے لیے زمین سے |
| لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ | ایک چشمہ نہ بہا دو، یا تمھارے لیے کھجورون اور |
| الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ | انگورون کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا جیسا تم کہتے |
| السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا | ہو آسمان کو ٹکڑے کرکے ہم پر نہ گراؤ، یا خدا کو اور |
| أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ | فرشتون کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ، یا تمھارے لیے |
| أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ | سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ |

| | |
|---|---|
| تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ، وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ | جاؤ، اور وہاں تمھارے آسمان پر چڑھنے کا ہم کو اُس |
| حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ، | وقت تک یقین نہ آئے گا، جب تک تم وہاں سے |
| (بنی اسرائیل-۱۰) | ایک نوشتہ نہ ہم پر اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ لیں، |

یہ امور مشکل و محال نہ تھے، لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازیگرانہ تماشوں سے تعلق نہ تھا، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس غلط عقیدہ کا ابطال کرنا تھا کہ پیغمبر میں براہ راست کچھ خدائی اختیارات ہوتے ہیں، اس لیے آپ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ آپ فرمائیں،

| | |
|---|---|
| قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا | کہدے اے پیغمبر! سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں |
| رَّسُوْلًا، وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا | رسول، اور لوگوں کو جب اُن کے پاس ہدایت |
| اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا | آئی، ایمان لانے سے باز نہیں رکھا مگر اس خیال |
| اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا، قُلْ لَّوْ كَانَ | نے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کہدے |
| فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ | کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتہ |
| لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل-۱۱) | کو رسول بنا کر اُن پر اتارتے، |

آنحضرت صلعم سے بحکم خدا معجزات بھی صادر ہوئے، اور اُن کی حیرت انگیزی کو انھوں نے تسلیم بھی کیا، پھر بھی یہ خیال کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے، قائم رہا،

کفار نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا،

| | |
|---|---|
| هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ | یہ تو تمھاری ہی طرح بشر ہے، کیا تم دیکھ بھال کر بھی |
| السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ، (انبیاء-۱) | جادو کے پاس آتے ہو، |

معجزات کی حیرت انگیزی کو جادو کہکر تسلیم کیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت، رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی، اُن سے کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ اُن کو معلوم ہین، جنکو تم سے پہلے آسمانی کتابین عطا ہوئین، یعنی یہود، اُن سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہین،

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، (انبیاء-۱)

اور ہم نے نہین بھیجا رسول بناکر تم سے پہلے لیکن انسانون ہی کو جنکو ہم وحی کرتے تھے، جاننے والون سے پوچھو، اگر تم نہین جانتے۔

یہی جواب سورۂ یوسف مین دیا گیا،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی، (یوسف-۱۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بشر ہی تھے آبادیون کے رہنے والے ہم اُن پر وحی کرتے تھے

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ نحل مین ہے،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ، وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ، (نحل-۶)

اور ہم نے نہین بھیجا تم سے پہلے لیکن انسانون کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، تو پوچھ لو کتاب والون سے اگر تم نہین جانتے کھلی نشانیان اور کتابین دیکر، اور ہم نے تم پر کتاب (ذکر) اتاری تاکہ تم کھول کر لوگون سے بیان کرو، جو اُن کی طرف اتارا گیا، اور تاکہ وہ سوچین،

ہر شخص جو تثلیث اور بشریت کی ان آیتون پر ایک نگاہ ڈالے گا، وہ یہی سمجھیگا کہ ان آیتون مین جس قسم کی تثلیث اور بشریت کا ذکر ہے، اُس کا تعلق ظاہری جسمانیت اور جسمانی قوٰی اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی، علمی اور عملی حیثیت سے ایک پیغمبر انسان رہکر بھی غیر نبی انسانون سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی مین صرف وحی کے امر فارق ہونے کے یہ معنی نہین ہین، کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف وکمالات یا عیوب ونقائص مین عام انسانون کے برابر ہوتا ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ عالم وجاہل مین صرف علم کا فرق ہے، ورنہ دونون برابر کے انسان ہین، تو اس کے معنی یہ نہین، کہ علم وجہل کے علاوہ علم وجہل کے علانیہ ممتاز ومتضاد اوصاف مین بھی وہ دونون برابر ہین اور ان مین عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، رائے اور حکمت ودانائی کا کوئی فرق نہین، حالانکہ ان مین علم وجہل کا فرق کہکر، درحقیقت ان دونون کے درمیان علم اور جہل کے سینکڑون اوصاف، لوازم اور خصائص کا فرق وامتیاز تسلیم کرنا ہے،

اسی طرح نبی اور غیر نبی مین وحی کا فرق مان کر وحی والے اور بے وحی والے انسانون مین خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑون لوازم، خصائص، اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی ورسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثلاً لو تو بھی یہی ماننا پڑیگا، انسان کیلئے جتنے اوصاف وکمالات ممکن ہین، اُن سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے، اور جو وہان تک پہنچ جاتے ہین، وہ اپنے جسمانی اوصاف وخصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود، اپنے دوسرے قوٰی مین عام انسانون سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہین، کوئی کہہ سکتا ہے

کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا، علم وعقل کا یونانی مجسمہ ارسطو انسانیت سے پاک تھا، اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادون کا مخترع اڈیسن بشر نہین، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے دائرہ مین، وہ عام انسانون سے بلند تر اور ممتاز تر ہین، اور بایہمہ وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے بھالنے، صورت شکل، ہاتھ پانون، ہر ایک چیز مین وہ ویسے ہی انسان ہین اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہین، جیسے دوسرے کمزور، جاہل، اور بلید الذہن انسان، یہی مثال ایک معنی مین انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی ہے کہ وہ غیر نبی انسانون کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف مین شریک ہونے کے باوجود، وحی اور اس کے خصائص اور لوازم مین ان سے صریحًا الگ، بلند، اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص مین بھی اُن سے ممتاز ہین، آنحضرت صلعم کو صوم وصال رکھتے دیکھکر جب صحابہؓ بھی آپ کی پیروی مین کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہین، تو آپ اُن کو منع کرتے ہین، اور اپنی نسبت فرماتے ہین، اَیُّکُمْ مِثْلِی اَبِیتُ یُطْعِمُنِی رَبِّی وَیَسْقِینِیْ[1] "تم مین کون میرے مثل ہے، مین رات گذارتا ہون، تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" کیا عام انسانون کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے، اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتون سے بھی تمثیل کی اس مین نفی نہین ہے؟

اسی طرح نیند کی حالت مین بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثون سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا "میری آنکھین سوتی ہین لیکن دل نہین سوتا" وکذلک الانبیاء

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم،

تنام اعینهم ولا تنام قلوبھم، اور اسی طرح سب انبیا ہین، کہ اُن کی آنکھین سوتی ہین، مگر اُن کے دل نہین سوتے" کیا یہی کیفیت عام انسانون کی نیند کی بھی ہے؛ آنحضرت صلعم لوگون کو نماز مین صفون کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہین، تو فرماتے ہین کہ" مین تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہون جیسے سامنے سے" کیا عام انسانون کی قوتِ بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے، قرآن پاک مین ہے، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى" کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے تم اُس مین اُس سے جھگڑتے ہو" وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ" اور اُس نے اس (فرشتہ) کو آسمان کے کنارون مین دیکھا" کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم کے انتساب سے امہات المؤمنین کو جو شرف حاصل ہوا، اُس کا اقتضا یہ ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین کو خطاب کرکے فرمایا يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ (احزاب-۴) "اے پیغمبر کی بیویو! تم ایسی نہین ہو جیسی ہر عورت اگر خدا کا ڈر رکھو" تو اگر پیغمبر کی بیویان تقویٰ کے بعد عام عورتون کے مثل نہین ہین، تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ كَاَحَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ نہ ہو اور اپنے خصائص مین عام انسانون سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو،

الغرض نبی اور غیر نبی مین صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہے، اس کے یہی معنی ہین کہ ان دونون مین وحی و رسالت کے تمام لوازم، خصوصیات اور ضروری اوصاف مین فرق اور امتیاز ہے، اسی لیے کسی انسان کو صاحبِ وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو ان تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضرور ہی ماننا پڑے گا،

[1] صحیح بخاری باب الاسرار،

اجتہادِ نبوی مین خطا | شبہہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید مین بعض جگہ آنحضرت صلعم کو آپکی چند فروگذاشتون پر متنبہ کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحیِ الٰہی کے علاوہ آپ اپنی عقل و مصلحت سے جو حکم دیتے تھے وہ غلطیون سے پاک نہین ہوتا تھا، اس سلسلہ مین یہ بات تمام مسلمانون کو تسلیم ہو کہ جن بعض امور مین آپ پر وحیِ قرآن نازل نہین ہوتی تھی، اُن مین آپ اپنے پیغمبرانہ علم و حکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے، لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر آپ کو اپنے کسی اس فیصلہ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی، تو یہ کہا جاسکتا تھا، کہ آپکے تمام فیصلے صحیح اور منشائے الٰہی کے مطابق ہوتے تھے، اگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہادِ نبوی کے فیصلون کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہین لی تھی، اسلیے تنبیہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونون کے خلاف ہے، صورت یہ ہے کہ بعض فیصلون پر تنبیہ کیگئی ہے، اور بعض پر نہین، اس سے بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ اجتہادِ نبوی مین غلطی ہوجانا ممکن ہے، مگر اس غلطی پر چند لمحون کا قرار بھی ممکن نہین، ادھر لغزش ہوئی اور ادھر علام الغیوب کی بے خطا وحی نے اُس کی تنبیہ اور اصلاح کی، اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امور و احکام جنکو آپ نے اپنے پیغمبرانہ اجتہاد و علم و حکمت سے ارشاد فرمایا، یا اُن پر عمل کیا، اور وحیِ الٰہی نے اُن پر خاموشی برتی، تو منشائے الٰہی نے گویا اُن کی صحت و صداقت پر اپنی خاموشی سے مہر کردی، اور اُن کی حیثیت بمنزلۂ وحی کے ہوگئی،

آنحضرت صلعم کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہے، ان پورے تئیس ۲۳ سالون مین ہزارون واقعات اور امور پیش آئے، جنپر آپنے اپنے اجتہاد اور شرحِ صدر سے فیصلے صادر کیے، مگر ان مین سے کل پانچ

باتین ایسی ہین، جنپر وحیِ الٰہی نے تنبیہ کی، اور عجیب تر یہ ہے، کہ اُن مین سے کوئی بات بھی ایسی نہین ہے، جس کا تعلق حکمِ دینی، شریعتِ ابدی، اعتقاد، عبادات یا شرعی معاملات سے ہو، بلکہ وہ کل کے کل ایسے امور ہین، جن کی حیثیت تمامتر شخصی یا جنگی ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین و شریعت مین آپ کے پیغمبرانہ اجتہادی فیصلے خطاء و غلطی سے تمامتر پاک تھے،

**اس خطا کے معنی** عام انسانون کے اجتہادات مین جن اسباب سے غلطیان واقع ہوتی ہین، وہ یہ ہین کہ جن مقدمات پر اُن کا اجتہاد مبنی ہوتا ہے، وہ غلط ہوتے ہین، یا اُن کا علم اُن کو قطعی طور سے نہین ہوتا، یا استقرار تام نہین ہوتا، تمثیل پوری نہین ہوتی، علتِ مشترکہ صحیح نہین معلوم ہوتی مگر یہ تمام صورتین اجتہادِ نبوی مین منتفی ہین، کیونکہ اجتہادِ نبوی نہ ان طریقون پر مبنی ہوتا، نہ وہ غور و فکر، نظر و استدلال، اور استقراء و تمثیل کے منطقی و اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے، بلکہ وہ نورِ رسالت، فہمِ نبوت، حکمتِ ربانی اور شرحِ صدر پر مبنی و قائم ہوتا ہے، جن مین یہ بیچ کی منزلین سرے سے نہین ہوتی ہین، اسی لیے لفظ "اجتہاد" جو عام طور پر پہلے معنی مین مستعمل اور مشہور ہے، اُس سے اس مقام پر التباس سے بچنے کی خاطر احتراز کرنا بہتر ہے،

ایک اور نکتہ بھی پیشِ نظر رہے، آنحضرت صلعم کے پیغمبرانہ اجتہاد مین اگر غلطی ہوئی ہے، تو اس غلطی کا مفہوم یہ نہین ہے کہ آپ نے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ، یا بدی، یا بداخلاقی کا پہلو تھا، بلکہ یہ ہے کہ دو بہتر راستون مین سے آپ نے بہترین راستے کو چھوڑ کر، بہتر راستے کو اختیار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اور بہتر کی جگہ بہترین کی تلقین کی،

اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہین، اُن پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف

ہوجاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑ کر جس بہتر کو آپ نے اختیار فرمایا، اس کا منشا ہمیشہ امت پر رحم و کرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا عارضی رحم و کرم و شفقت کی جگہ اُن احکام کی تلقین فرمائی جنہیں گو بظاہر سختی معلوم ہوتی ہے، مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہی سخت پہلو اختیار کیا جائے،

ذیل میں ہم اُن اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہیں، جنپر وحی الٰہی نے تنبیہ کی ہے،

**پانچ اجتہادی امور پر تنبیہ الٰہی** جن اجتہادی امور پر وحی الٰہی نے تنبیہ کی ہے اُن میں،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے، کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلعم اپنی دعوت کی تبلیغ فرما رہے تھے، تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے رؤسا آپ کی مجلس میں آکر بیٹھے، آپ اُن کو سمجھا بجھا رہے تھے، بت پرستی کی برائیاں اور توحید کی خوبیاں، اُن پر ظاہر فرما رہے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرلیں، کہ اتنے میں ایک مخلص لیکن غریب اور نابینا مسلمان عبداللہ بن ام مکتوم بھی آکر بیٹھ گئے، اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ رؤسا بیحد مغرور، اور خود پسند تھے، وہ آپ کے جلسوں میں صرف اس لیے آنا پسند نہیں کرتے تھے کہ آپکی مجلس میں بدحال، بے حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ آیا کرتے ہیں، اس لیے اس موقع پر جب آنحضرت صلعم کو اُن رئیسوں کی اثر پذیری کے کچھ امکانات نظر آرہے تھے، عبداللہ بن ام مکتوم کا آجانا اور پوچھنا ناگوار ہوا، کہ اُن کے آنے سے ان رئیسوں کی خود پسندی اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے،

عبداللہ بن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی، یعنی اسلیے

تھی کہ آپ جانتے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہین، اسوقت ان کی بات کا جواب نہ دینے مین چندان ہرج نہین، لیکن ان رئیسون کی ناگواری پورے باشندگانِ مکہ پر اثر انداز ہوگی اگر یہ مسلمان ہوگئے، تو مکہ مین اسلام کی اشاعت کی راہ مین پھر کوئی روک باقی نہین رہیگی، یہ سمجھکر آنحضرت صلعم عبداللہ بن ام مکتوم رض کی طرف سے بے التفات ہوکر، ان رئیسون کی تبلیغ و موعظت کی طرف سرتاپا متوجہ رہے، اس پر وحیِ الٰہی نے حسب ذیل الفاظ مین تنبیہ کی،

| | |
|---|---|
| عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی | تیوری چڑھائی، اور منہ پھیرا کہ وہ اندھا آیا، اور |
| وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّہٗ یَزَّكّٰی ۙ اَوْ یَذَّكَّرُ | تجھے کیا خبر کہ شاید وہ سنورتا، یا سوچتا تو (تیرا) سمجھا |
| فَتَنْفَعَہُ الذِّكْرٰی، اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی | کام آتا، وہ جو پروا نہین کرتا، سو تو اس کی فکر مین |
| فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی، وَمَا عَلَیْكَ | ہے، اور اس کے نہ سنورنے کا تجھپر کوئی الزام نہین |
| اَلَّا یَزَّكّٰی، وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی | اور جو تیرے پاس دوڑا آیا، اور وہ (خدا سے) |
| وَھُوَ یَخْشٰی، فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی كَلَّآ | ڈرتا ہے، تو اُس سے تغافل کرتا ہے، یون نہین |
| اِنَّھَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَہٗ، (عبس-۱) | یہ تو نصیحت ہے، جو چاہے اس کو یاد کرے، |

ان آیتون مین آنحضرت صلعم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے رئیسون کا سمجھانا زیادہ بہتر ہے، تنبیہ کیگئی، اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا، کہ اسلام کی اصولی بنیادون مین سے ایک یہ ہے کہ اُس کے نزدیک امیر و غریب، آقا اور غلام، اونچے اور نیچے کی کوئی تمیز نہین، اسکی نگاہ مین بینا اور نابینا دونون برابر ہین، یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلہ مین آپ کے پیشِ نظر رہا کہ ایک مسلمان اندھے کی دلجوئی

سے، ان رئیسون کی جائزدلجوئی کرکے اُن کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظر انداز ہوگیا کہ اس طرزِ عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑیگا، اسلیے وحیِ الٰہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لیے صلائے عام ہے، جو چاہے قبول کرے، اس مین کوئی تمیز و تخصیص نہین، علاوہ ازین اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رؤسائے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرمارہے ہین، وہ ایمان سے محروم ہی رہینگے، اس لیے ان کی طرف مزید توجہ بے سود ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ اُن کے حق مین دانائے غیب کے اس فیصلہ سے پہلے آگاہ نہ تھے، اس لیے آپ اپنے موجودہ علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے۔

دوسرا واقعہ — سب سے پہلی لڑائی مین مسلمانون کے مالِ غنیمت حاصل کرنے، اور بدر کے قیدیون سے زرِ فدیہ قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت اور فدیہ کا قانون نازل نہین ہوا تھا، کہ ابھی اس کا موقع ہی نہین آیا تھا، مسلمانون کو مدینہ منورہ آکر سب سے پہلے سریۂ نخلہ مین مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ مین پھر مالِ غنیمت ملا، اور ساتھ ہی قریش کے ستر قیدی بھی ہاتھ آئے، جنمین اکثر مکہ کے دولتمند اور شرفا تھے، ان قیدیون کی نسبت مسلمانون کی مختلف رائین تھین، بعضے ان کو آگ مین زندہ جلادینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دینا چاہتے تھے، جس سے اُن کو چالیس ہزار درہم ملنے والے تھے، نفسیات کے ماہر جانتے ہین کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے، وہ بیکسی، مظلومیت، مغلوبیت، اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولتمند ہوتی ہے، اور اس کو ملکی اور مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے تو

وہ لمحہ اُس کی زندگی مین اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے، غلبہ، قوت اور دولت پاکر بھی اُسکے نشہ مین وہ سرشار نہ ہو، اور اپنے دل ودماغ پر قابو رکھے یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا، وہ غالب ہوجائے، اور جو ظالم تھا، وہ مغلوب ہوجائے، اور اس وقت ردِ عمل اپنا کام کرکے مظلوم غالب مین اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہین سیاسی ومذہبی تاریخون مین اسکی متعدد مثالین موجود ہین، کہ ایسا نہ ہوسکا، خود عیسائی قوم کو دیکھیے جس نے یہودیون اور بت پرست رومیون کے ہاتھون سے تین صدیون تک برابر سخت سے سخت تکلیفین اٹھائین لیکن قسطنطین کے زمانہ مین جب دفعۃً جو مظلوم تھے وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مغلوب ہوگئے، تو عیسوی قوم کا پچھلا جوہر ایک ایک کرکے رخصت ہوگیا، اور اُن لوگون نے جو پہلے مظلوم تھے، اس نشہ مین چور ہوکر یہودیون اور رومی بت پرستون کیساتھ وہ کچھ کیا، جس سے اخلاقِ انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے،

غزوۂ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم وبیکس مسلمانون کے لیے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کردیا، غریب وتنگدست مسلمانون کو جو سالہاسال سے کسبِ معاش سے محروم، اور معمولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، اُن کو غنیمت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی، اور وہی قریش جنکے ظلم وستم سے، اُن کے بدن زخمی اور اُن کے سینے داغدار تھے، وہ دفعۃً مغلوب ہوگئے، اُن کے بڑے بڑے سردار، اُن کے ہاتھون سے لڑائی مین مارے گئے، اور اُن کے ہاتھون مین قید ہوکر ستر سردار صرف اُن کے رحم وکرم پر زندہ تھے،

اب تک مسلمان نہایت یکدلی، یکجہتی، اور خلوص سے اپنی راہ طے کررہے تھے، اور یہ اخلاقی

جوہر مظلوموں کی برادری میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت اگر اُن کے بجائے ان میں اختلاف تفریق، اور حرص وطمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے، اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح وغلبہ نے صحابہ کرام کے لیے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا، اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوتِ رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مالِ غنیمت، زرِ فدیہ اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب و فاتح مسلمانوں میں اختلافِ رائے رونما ہو گیا، آنحضرت صلعم کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، آپ نے امرِ اول کی طرف توجہ فرمائی، کہ مظلوم فاتح قوت پاکر اپنا جوہر نہ کھو بیٹھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی آپ نے رد فرما دی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تجویز کہ فدیہ لے کر اُن کو رہا کر دیا جائے، قبول فرمائی، اور ان سے فرمایا، کہ "اے ابو بکر تمہاری مثال ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ کی ہے، اور اے عمر تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی ہے"[1] آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی نیک دلی، اور حضرت عیسیٰؑ کی رحمدلی کی مثال کی پیروی کی، اور بدر کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی، اور قتل کے بجائے زرِ فدیہ ادا کر دینے پر رہائی کا حکم دیدیا، اور جو اُن میں نادار تھے، اُن کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے پر آزادی کا فرمان عطا کر دیا، اور صحابہ کو تاکید کی کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں، چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا، کہ وہ خود کھجور پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے،

لیکن وحیِ الٰہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبوں کا دفعۃً مال و دولت کی حرص وطمع میں مبتلا ہو جانا تھا، چنانچہ یہی صورت پیش آئی، مالِ غنیمت کے فراہم کرنے والوں نے دعویٰ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۱ کتاب المغازی حیدر آباد دکن،

کیا، کہ اس پر ہم نے لڑائی مین قبضہ کیا ہے، اس لیے ہمارا ہے، لڑنے والے نوجوانون نے دعوی
کیا، کہ ہماری تلوارون سے فتح حاصل ہوئی ہی، اس لیے اس کے اصلی حقدار ہم ہین، جو لوگ رسول اللہ
صلعم کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ سب سے نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اسلیے
ہم کو ملنا چاہیے، یہی اختلاف زرِ فدیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورۂ انفال کی
ابتدائی آیتون سے ظاہر ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ، قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، (انفال - ۱) | (اے پیغمبر) تجھ سے (تیرے ساتھی) غنیمت کا حکم پوچھتے ہین تو کہدے کہ مالِ غنیمت اللہ کا ہی، اور رسول کا ہی، تو اللہ سے ڈرو، اور آپس مین صلح کرو، اور اللہ اور اسکے رسول کے حکم کی اطاعت کرو، اگر تم مومن ہو، |

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے پوچھا گیا، کہ سورۂ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہی تو کہا

| | |
|---|---|
| فينا اصحاب بدر نزلت حين اختلفنا فى النفل وساءت فيه اخلاقنا فنزعه الله من ايدينا فجعله الله الى رسول الله صلعم فقسمه رسول الله صلعم بين المسلمين عن سواء، | یہ سورہ ہم بدر والون کے متعلق نازل ہوئی جب مالِ غنیمت مین ہم نے باہم اختلاف کیا، اور اسمین ہمارے اخلاق برے ہوگئے، تو خدا نے اسکو ہمارے ہاتھون سے چھین لیا، اور رسول اللہ صلعم کے اختیار مین دیدیا، تو آپنے تمام مسلمانون کے، بین برابر برابر تقسیم فرمادیا، |

لہ سیرت ابن ہشام ذکر الفئی ببدر والاساری ج ۱ ص ۲۹۱ مطبوعہ محمد علی بمصر ۱۳۵۵ھ

یہی وہ تنبیہ ہے جو وحیِ الٰہی نے آنحضرت صلعم کے اس فیصلہ پر کی اور آیت اتری،

| | |
|---|---|
| مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ | کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں |
| حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ | تاکہ زمین میں فساد کرے، تم لوگ دُنیا کا سامان چاہتے |
| عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ | ہو، اور اللہ آخرت چاہتا ہے، اور اللہ غالب اور دانا |
| وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ | ہے، اگر خدا کی طرف سے یوں ہونا مقدر نہ ہو چکا |
| اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ | ہوتا، تو تمھارے اس لینے پر تم کو بڑی سزا ملتی، |
| عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ | تو اب جو تم نے لوٹ میں پایا حلال و پاک کرکے |
| حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ | کھاؤ، اور اللہ کا ادب کرو، اللہ بخشنے والا رحم |
| غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (انفال - ۹) | کرنے والا ہے، |

اسی قدر نہیں بلکہ اُن قیدیوں کو جتنے زرِ فدیہ وصول ہوا یا وصول کیا جا رہا تھا، اس کے بعد ہی یہ تسلی دی گئی،

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ | اے پیغمبر! تمھارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں |
| مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي | اُن سے کہدو کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں نیکی جانیگا |
| قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا | تو تم کو اس سے بہتر چیز دے گا جو تم سے لی گئی، اور |
| أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ | تم کو معاف کرے گا، اور اللہ معاف کرنے والا |
| (انفال - ۱۰) | اور رحم کرنے والا ہے، |

---

۱؎ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹،

بعضون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ تنبیہ قیدیون کے زرِ فدیہ لیکر رہا کرنے اور قتل نہ کیے جانے پر ہوئی، حالانکہ ظاہر ہے کہ جن قیدیون سے زرِ فدیہ لیے جانے پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ہمدردی فرمائی اور اگر وہ حسن نیت سے ظاہر کرین، تو اُن کی مغفرت کا وعدہ، اور اس دنیاوی خزف ریزہ سے جو اُن سے بطور فدیہ لیا گیا، اُن کو بہتر دولت دیئے جانے کی امید دلائی، کیا اُن کا قتل زرِ فدیہ لینے سے کم سزا ہوتی؟ اور جنسے فدیہ لیا گیا، اُن کے قتل کیے جانے پر اُن کے قاتلون پر اس سے زیادہ سرزنش، اور ان مقتولون سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کیجاتی،

بہرحال وہی مالِ غنیمت اور زرِ فدیہ جس کو اس وقت آنحضرت صلعم نے صاف و صریح وحی آنے سے پیشتر قبول فرمالیا تھا، اور جس پر تنبیہ ہوئی، وہ آخرکار اجتہادِ نبوی کے مطابق مناسب موقع پر جائز اور حلال وطیب ہی ٹھہرایا گیا، اور غلطی غلطی باقی نہین رہی، مالِ غنیمت لینے کے متعلق كُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ کا حکم اسی وقت آگیا، اور فدیہ لینے کی اجازت اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً کے الفاظ مین بعد کو مناسب زمانہ مین آگئی، اور اس مال و دولت کی حرص وطمع سے اس وقت جو بداخلاقی پیدا ہونے والی تھی، اس کا ازالہ ہمیشہ کے لیے اس طرح کردیا کہ اس کی تقسیم کا ابدی قانون بنادیا گیا، اور اس مین تمام ضروری مستحقین کے حصے لگا دیئے گئے،

تیسرا واقعہ! تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوۂ تبوک کے لیے جارہے تھے، جسمین بکثرت مسلمانون کی شرکت کی ضرورت تھی، کہ مقابلہ رومیون کی دل بادل فوج سے تھا، اور کسی منظم سلطنت سے ٹکر کھانے کا یہ پہلا موقع مسلمانون کو پیش آیا تھا، اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا، تیس ہزار

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول مین غزوۂ بدر کا بیان،

مسلمانوں کی جمعیت روانہ ہوگئی، مگر کچھ مخلص مسلمان مجبوراً چھوٹ گئے، اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اسکی شرکت سے جی چرایا، آپ واپس آئے، تو عدم شرکت کے قصوروار منافقین آآکر جھوٹی جھوٹی قسمیں کھاکھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے، آپ نے اُن کا اعتبار کر کے، رحم فرماکر، اُن کے قصور سے درگذر کیا، اس پر تنبیہ ہوئی،

| | |
|---|---|
| سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا | وہ خدا کی قسمیں کھائینگے کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ |
| مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ | نکلتے، وہ اپنی جانوں کو برباد کرتے ہیں، اور اللہ جانتا ہو کہ |
| يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ، عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ | وہ جھوٹے ہیں، اللہ تجھکو بخشے، تو نے اُن کو رخصت |
| لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ | کیوں دی، جب تک تجھ پر وہ کھل نہ جاتے جو |
| صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ. (توبہ - ۷) | ان میں سچ بولے اور تو جان لیتا جھوٹ بولنے والوں کو، |

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے آگاہ نہ تھے، اور اُن کے واقعی حالات سے بیخبر تھے، اس لیے بظاہر اُن کے قول پر اعتبار ہی کرنا تھا، اور وہی آپ نے کیا، مگر علام الغیوب نے حقیقت حال سے باخبر فرماکر، اُن کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا، بہرحال یہان بھی منشاے خطا اگر خطا سمجھی جائے، تو وہی ترحم کی شان تھی،

چوتھا واقعہ | منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع دیدی گئی تھی کہ اُن کے حق مین آپکی دعاے مغفرت قبول نہ ہوگی، اور فرمادیا گیا تھا کہ

| | |
|---|---|
| اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ | تو اُن کی مغفرت کی دعا مانگے، یا نہ مانگے، اگر ستر |
| تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ | دفعہ بھی اُن کی مغفرت کی دعا مانگے تو ہرگز انکو |

لَهُمْ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، (توبہ-۱۰) خدا نہ بخشے گا، یہ اس لیے کہ انھون نے خدا کا اور اس کے رسول کا انکار کیا،

اس حکم کے آنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا، یہ منافقون کا سردار تھا اُس کا لڑکا مخلص مسلمان تھا، اس نے آکر آپ سے نمازِ جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، جس کو آپ فرطِ کرم سے رد نہ فرما سکے، حضرت عمرؓ نے عرض بھی کی کہ یارسول اللہ! اس کے عدمِ مغفرت کے متعلق تو حکم ہو چکا ہے، فرمایا مین ستر دفعہ سے بھی زیادہ اس کی مغفرت کی دعا مانگون گا، بہرحال آیتِ بالا مین گو آپکے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونون کو بیکار و بے سود بتایا گیا تھا، مگر اُن کے حق مین سرے سے دعائے مغفرت نہ مانگنے کی کوئی ممانعت نہ تھی، اس لیے آنحضرت صلعم نے غایتِ شفقت سے اس بیکار فرض کو انجام دیا، تاکہ اس کے مخلص مسلمان فرزند کی دلشکنی نہ ہو، اور اس پہلو سے تغافل فرمایا کہ ایک مسلمان کی دلجوئی تو ہو گی، مگر بیسیون منافقین کو اپنے چھپانے مین کامیابی ہو جائیگی، اور وہ مسلمانون کے اندر رہ کر فتنون کا باعث بنین گے، اس لیے حکم ہوا،

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ، اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ، (توبہ-۱۱)

اور نہ کبھی اُن مین سے کسی کے جنازہ کی نماز پڑھ، اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو، بیشک انھون نے خدا اور اس کے رسول کا انکار کیا، اور اسی گنہگاری کی حالت مین مرے،

**پانچوان واقعہ** اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی بعض بیویون کی خوشنودی اور

رضامندی کے لیے کسی مباح چیز کو، جو آپ کو بہت مرغوب تھی، اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، یعنی اس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرما لیا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہین، اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کے لیے اس کے نہ کھانے کا عہد کرے، اس لیے اگر آنحضرت صلعم نے بعض بیویون کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی، اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو ظاہر ہے کہ آپ کا اپنی بعض بیویون کی خاطرداری کیلئے ایسا کرنا الزام کے قابل نہین، کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے اُن کی اتنی دلجوئی کو بھی عورتون کے ساتھ عدل وانصاف کے مناسب سمجھا، مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے، ایک حلال وجائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے، آپ کی اقتدا مین، امت کے عام افراد بھی اس کو ناجائز نہین تو ناپسند ضرور ہی کرتے، اور یہ ایک طرح سے شریعتِ الٰہی مین تبدیل وتحریف کا مرادف ہو جاتا، اس لیے حکم آیا، کہ ان امور مین پیغمبر کو کسی کی دلجوئی اور خاطرداری کی پروا نہ چاہیے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ | اے پیغمبر! جسکو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے اسکو |
| اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ | حرام کیون کرتا ہے، اپنی بیویون کی مرضی چاہتا |
| وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، (تحریم-۱) | ہے، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے، |

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی کہکر خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہین، الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہین جنمین آپ کی اجتہادی خطا ثابت کیگئی ہے، مگر تفصیلات

سے معلوم ہو گیا ہو گا، کہ ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے، کہ پیغمبر کی بلندی اور معصومی کو پیش نظر رکھکر اسکو اُس مجازی خطا کی بھی اجازت نہین، اور اسی لیے وحی الٰہی نے اُن مین سے ہر موقع پر تنبیہ کی، اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کسی کا شبہہ یہ بھی ہے کہ جس طرح آنحضرت صلعم کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے، جنکی تنبیہ و اصلاح ہر وقت وحیِ الٰہی نے کی ایسے ہی ممکن ہے کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہون، جنکی تنبیہ و تصحیح کی حکمتِ الٰہی نے پروا نہ کی، اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہہ ہے تو درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دینِ الٰہی و شریعتِ ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرقِ رشد و ہدایت کی معرفت سے کوسون دور ہے، رسولون کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ غلط کار انسانون کو، اُن کی غلطی سے نکال کر حق و صواب کی تعلیم دین، نہ اس لیے کہ اُن کے ذریعہ اُلٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ ثم استغفر اللہ، اس لیے ناممکن ہے کہ رسولون کے ہاتھون اور زبانون سے کوئی ایسا کام صادر ہو جو حکمتِ الٰہی کے مطابق نہ ہو، اور پھر وہ اس کی تصحیح اور رہنمائی سے تغافل برتے، اور انسانون کو اپنے رسولون کے ذریعہ گمراہ ہونے دے،

پیغمبرانہ اجتہاد و رائے علم کا وہ کوثر ہے جس کی دھارین دماغ سے نہین، بلکہ دل کے سرچشمہ سے بہتی ہین، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہین، بلکہ الہامِ الٰہی، القائے ربانی، حکمتِ یزدانی، فہمِ رسالت، ملکۂ نبوت سے ماخوذ ہے، اور جس کی نسبت محرمِ اسرارِ شریعت عمر فاروق برسرِ منبر یہ فرماتے ہین،

یا ایھا الناس ان الرای انما کان — اے لوگو! آنحضرت صلعم کی رائے غلطی سے پاک تھی،

| | |
|---|---|
| من رسول اللہ صلعم مصیبا لان اللہ کان | کیونکہ اللہ تعالیٰ آپکو وہ رائے دکھاتا تھا، اور ہماری رائے |
| یریہ وانما ھو منا الظن والتکلف (ابوداؤد کتاب القضیہ) | ہمارا گمان، اور از خود کہنا ہے، |

وہ رائے نبوی، جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ بمنزلہ وحی کے ہے، اور اسکا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں، بلکہ نبوی اجتہاد اور پیغمبرانہ رائے ہے، جو عملاً وحی الٰہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہے، درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہے، قرآن پاک میں ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ | ہم نے تجھ پر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری، تاکہ لوگون |
| بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىکَ اللّٰہُ ۭ وَلَا تَکُنْ | کے درمیان جو اللہ تجھکو سوجھائے فیصلہ کرے اور |
| لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا، (نساء - ۱۶) | تو نہ ہو دغابازون کی طرف سے جھگڑنے والا، |

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلعم کو جو دکھایا، سوجھایا، اور رائے پیدا کرائی جاتی تھی، وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی، یہی پیغمبرانہ رائے ہے جس کی نسبت خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا،

| | |
|---|---|
| انا اقضی بینکم برائی فیمالم ینزل | مین تم لوگون کے درمیان اس مسئلہ مین جس کی نسبت |
| علی، (ابوداؤد - اقضیہ) | مجھ پر وحی نہین ہوئی، اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہون |

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الٰہی دست گیری کرتی، اور صحیح راستہ پر لے آتی، جیسا کہ گذشتہ پانچون واقعات سے ظاہر ہے،

**ایک غلط استدلال** اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقدمات کے فیصلون مین آپکو ارادت الٰہی ہوتی تھی، یعنی خدا کی طرف سے آپ کو رائے سوجھائی جاتی تھی، اور ظاہر ہے کہ

ارادت الہی (خدا کی طرف سے سجھایا جانا) تاکہ آپ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کرین غلط نہین ہو سکتی، لیکن ابوداؤد وغیرہ مین ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اہل مقدمہ سے فرمایا،

"مین ایک بشر ہون، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو، اور شاید تم مین سے بعض زیادہ زبان آور ہون، جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہون، تو مین جیسا سنتا ہون، ویسا فیصلہ کر دیتا ہون، تو مین اگر کسی کو وہ حق دلا دون، جو اس کا نہین، بلکہ اس کے بھائی کا ہے، تو وہ نہ لے کہ مین اُس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہون" (کتاب الاقضیہ)

اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہین ہوتے تھے، اس لئے امت آپ کے قضایا اور فیصلون کی پیروی پر مجبور نہین لیکن ایسا خیال کرنا سراسر مغالطہ ہے، اصل یہ ہے کہ مقدمات مین دو چیزین ہوتی ہین، ایک واقعہ کی اصلی روداد، جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق بنا کر اپنے اپنے رنگ مین بیان کرتا ہے، اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ روداد کے مطابق صحیح اور عادلانہ حکم اور فیصلہ ہے، جو تمام تر مقدمہ کی اُس روداد پر مبنی ہوتا ہے، جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتون کے ساتھ پیش ہوتی ہے، یہ بات کہ واقعہ کی اصلی روداد کیا ہے؟ اور ان مین سے کون صحیح کہہ رہا ہے، علم غیب سے تعلق رکھتی ہے، جس کا دعویٰ کسی نبی کو نہین، اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم دو انسانون کے درمیان فیصلہ کا مبنیٰ نہین قرار پا سکتا، اس کے لئے فریقین کے بیانات، شہادتین، اور دلائل ہی بکار آمد ہین، آنحضرت صلعم کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ امر اول کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہین ہوا، لیکن دوسری چیز یعنی جس روداد

تو آنحضرت صلعم نے صحیح باور کیا، اس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی کبھی صحیح وصواب اور عادلانہ نہین ہوتا تھا، یہ کہنا رسول ونبی کی شان کی توہین وتحقیر ہے، اور اُس ارادتِ الٰہی کے خلاف ہے جسکا شرف مقدمات کے فیصلہ مین آپ کو بخشا جاتا تھا، اس لئے جو غلطی فیصلون مین آپ سے ہوسکتی تھی، وہ فریقین مین سے کسی ایک کی دلیل وشہادت کو سنکر اُس کے صحیح یا غلط، مطابق واقعہ یا مخالفِ واقعہ سمجھنے مین، لیکن جسکو آپ نے صحیح باور فرمالیا، اُس کے مطابق مناسب وصحیح حکم وفیصلہ کرنے مین آپ سے کبھی غلطی نہ ہوئی، اور نہ ہوسکتی تھی، اور امت آپ کی پیروی آپ کے ان قضایا اور فیصلون مین کرتی ہے نہ کہ نزاعِ مذکور کے گذشتہ واقعات اور گذشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور کرنے مین فتّان بینھما،

آنحضرت صلعم کے اس اعلان مین نکتہ یہ ہے، کہ شاید فریقین مین سے کوئی غلط بیان یا جھوٹا یا برسرِ باطل جو اپنے مقدمہ کی روداد زیادہ خوبی سے بناکر، آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کرلے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت مین میرا حق نہ تھا، لیکن جب عدالتِ نبوی نے میرے حق مین فیصلہ کردیا، تو میری ملکیت ثابت ہوگئی، اور غصبِ حق کے گناہ سے برأت ہوگئی، تو اسکا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا، گو قانوناً حکم نافذ ہوجائیگا، مگر عنداللہ جو برسرِ حق تھا، وہ حق ہی پر رہیگا اور جو برسرِ باطل تھا، وہ باطل ہی رہیگا، اور جو اصل مالک تھا، وہی مالک رہیگا، اور جو غاصب ہے وہ غاصب ہی ٹھہریگا، اسی اعلان کا اثر تھا، کہ جب آنحضرت صلعم نے ایک مقدمہ مین فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو دونون رو پڑے، اور دونون ایک دوسرے کے حق مین دست بردار ہونے پر آمادہ ہوگئے،[1]

آنحضرت صلعم رودادِ مقدمہ کو سامنے رکھکر جو فیصلے فرماتے تھے وہ تمامتر حق منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے۔ اور اون کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا؛ اسی لیے ارشاد ہوا کہ

| | |
|---|---|
| فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى | سو قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہونگے، |
| يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا | جب تک وہ تجھکو حکم نہ مانین، پھر اپنے دلون |
| يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ | مین تیرے فیصلہ سے تنگی نہ پاوین اور |
| وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، (نساء - ۹) | مان کر قبول کرین، |
| وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ | کسی ایماندار مرد، یا عورت کا یہ کام نہین، کہ جب |
| اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا | اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردے |
| اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ | تو بھی اس کو اپنے کام کا اختیار رہے، |
| اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ | اور، جو خدا اور اس کے رسول کے بے حکم |
| رَسُوْلَهٗ، فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا، (احزاب) | چلا، وہ صریح گمراہ ہوا، |

کیا امت کو رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے بیچون وچرا قبول کرلینے کا خدا کی طرف سے تاکیدی حکم، بر سر باطل پہلو پر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ دوسری آیت مین اسکی تصریح کردیگئی ہے، کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ اور غلط نہین ہو سکتا،

| | |
|---|---|
| وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ | اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کیطرف بلائے |
| لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ | جائین تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کردے |

| | |
|---|---|
| مُّعْرِضُوْنَ ‎﴿٤٨﴾‏ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ | تو ان مین کا ایک گروہ منہ پھیر لیتے ہین، اور اگر |
| يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ‎﴿٤٩﴾‏ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ | اُن کو کوئی حق پہنچتا ہو تو قبول کر کے چلے آئین، |
| مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ | کیا ان کے دلون مین روگ ہے، یا وہ ڈرتے |
| اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۚ | ہین کہ خدا اور اُس کا رسول ان کے ساتھ |
| بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (نور) | بے انصافی کرے گا، بلکہ وہ ہی بے انصاف ہین، |

**عقل بشری** اس مین بھی شک نہین کہ وحی اور ملکۂ نبوت کے علاوہ نبی مین نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزون مین وہی عقل ہوتی ہے، جو عام انسانون کی ہوتی ہے، اور جس مین اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے، جس مین نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، کہ اسکا مدار وحی والہام اور ملکۂ نبوت پر نہین بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے، اور یہی وہ قسم ہے، جسکا اتباع پیروون پر واجب نہین، اور اس کی بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے،

صحیح مسلم مین ہے کہ آنحضرت صلعم مدینہ منورہ کے بعض باغون مین گذرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجورون کے درختون پر چڑھکر کچھ کر رہے ہین، آپنے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہین، ایک ہمراہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجورون مین نر کھجورون کے پھول ڈالتے ہین، کہ پھل زیادہ آئین، فرمایا "مین تو نہین سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا؟ ایک روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا" اس نے جاکر باغ والون سے آپ کا یہ فقرہ بیان کر دیا، صحابہ نے جو سراپا اطاعت تھے، اس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھل اس سال

کم آئے، یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گذر ہوا، تو ان لوگون نے صورت حال عرض کی، آپ نے فرمایا مین نے تو یونہی ایک بات سمجھ سے کہدی تھی، اگر اُن کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کرین، پھر فرمایا،

| | |
|---|---|
| انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر، | مین تو ایک آدمی ہی ہون، جب تمھارے دین کا کوئی حکم دون تو اس کو قبول کرو، اور جب اپنی راے سے کچھ کہون تو مین ایک آدمی ہون |

ایک روایت مین یہ الفاظ ہین،

| | |
|---|---|
| انتم اعلم بامر دنیاکم، | تم اپنے دنیا کے کام کو زیادہ جانتے ہو، |

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہین[1]۔

| | |
|---|---|
| انّما ظننت ظنا فلا تاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن الله شیئا فخذوا به فانی لن اکذب علی الله | مین نے ایک گمان سا کیا تھا، گمان پر مجھکو نہ پکڑو، ہان جب خدا کی طرف سے کوئی بات کہون تو اوسکو لو، کہ مین خدا پر جھوٹ نہ کہونگا، |

ان تینون روایتون مین آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظن دگمان) راے اور امر دنیا سے تعبیر فرمایا ہے، اس سے یہ کلیہ سمجھ مین آتا ہے، کہ امور دین و شریعت مین آپ کا ہر حکم واجب اور من جانب اللہ ہے، لیکن کھیتی باڑی، علاج ومعالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور مین اگر آپ نے کچھ کہا ہے، تو اس کی حیثیت فقط مشورہ اور رائے کی ہے، یہی سبب ہے کہ صحابۂ کرام جن باتون

[1] یہ تینون روایتین صحیح مسلم باب وجوب امتثال ماقاله شرعًا دون ماذکرہ صلعم من معائش الدنیا علی سبیل الرای ج ۲ ص ۳۰۵ مصر مین ہین،

مین اپنا مشورہ آپ کو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے، کہ یا رسول اللہ! یہ وحی سے ہے یا رائے ہے، آپ جب فرما دیتے تھے کہ رائے سے ہے، تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے، اور آپ پسند فرماتے تو قبول فرماتے، غزوۂ بدر مین آپنے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، ایک صحابی نے اگر عرض کی یا رسول اللہ! اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہے، فرمایا محض رائے ہے تو عرض کی کہ جنگی نقطۂ نظر سے یہ مقام بہتر نہین، فلان مقام بہتر ہے، آپ نے اُن کی رائے پسند کی اور اس پر عمل فرمایا، اسی طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات مین بھی صحابہؓ سے مشورہ لیا اور عمل فرمایا ہے، اور اسی مین خود حضور صلعم کو وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (توبہ) یعنی امورِ حکومت یا عام امور مین صحابہ سے مشورہ لے لو، کا حکم خدا کی طرف سے ہے، چنانچہ غزوۂ احزاب مین خندق کھودنے مین سلمانؓ فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امورِ جنگ و سیاست مین بھی جس بات کا حکم عقلِ بشری سے نہین، بلکہ وحیِ الٰہی یا فہمِ نبوی سے ہوا تھا، اُس مین آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، اور نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا، صلحِ حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو سراسر مصلحتِ الٰہی اور حکمتِ ربانی پر مبنی تھے، اُن کے بدلنے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کیا کیا زور نہین لگایا مگر آنحضرت صلعم نے کچھ التفات نہ فرمایا، اور آخر مستقبل نے بتا دیا کہ فہمِ نبوت سراسر صحیح تھی اسیطرح غزوۂ احد جیسے نازک موقع پر عبداللہ بن ابی کا تین سو آدمیون کے ساتھ پھر جانا گوارا کیا، مگر مدینہ سے باہر جا کر صف آرا ہونے سے باز نہ آئے، اور پھر مستقبل نے مصلحتِ الٰہی کے راز کو فاش کیا

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دیگا، کہ دنیا مین ہر صاحبِ فن کی ایک نہین دو عقلین ہوتی ہین، ایک اُس فن کے متعلق، جس کی استعداد اُس کے اندر رکھی جاتی ہے

اور پھر تعلیم و تربیت، مشق اور کثرتِ عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل دقائق کو ایک نظر مین معلوم کر لیتی ہے، اور اُس کے لاینحل عقدون کو اشارون مین حل کر دیتی ہے، لیکن اُس دائرہ کے باہر اس کی دوسری عقل عام انسانون ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فنِ تعمیر کی مہارت اور ہندسہ اور انجنیرنگ کی صناعی مین غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے کہ کھجور کی کاشت مین اسکی عقل معمولی انسانون سے بھی کم درجہ ہو، ایک فلسفی جو اپنے زورِ فکر سے افلاطون و ارسطو کی غلطیان نکالتا ہو، وہ تعمیر کے فن مین ایک معمولی مزدور سے بھی زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالین ہین، اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روحانیات کے اسرار، معرفتِ ربانی کے حقائق، تزکیۂ نفس کے رموز، اخلاق و معاشرت کے آداب، اور حقوق و شریعت کے مسائل مین دقیقہ رس فہم اور نکتہ دان عقل رکھتا ہو، اس کو تعمیر و کاشتکاری کے مسائل مین محض معمولی درک ہو، بلکہ بالکل نہو،

اسی طرح انبیاء علیہم السلام امورِ دین و شریعت مین وحی اور ملکۂ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہین، وہ عین مصلحت، عین حکمت، خطا اور غلطی سے سرتاپا مبرّا اور پاک ہوتا ہے، لیکن دوسرے امور مثلاً پہننے اوڑھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، موکب و سواری، صنعت و حرفت، طب و علاج، وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کلی مصلحتین بتا کر، جزئیات کی تفصیل سے انھون نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانون کو پابند نہین کیا، پہننے اوڑھنے کے متعلق، صرف تین باتین فرمائین، پہلی یہ کہ وہ لباس اور طرزِ لباس نہ اختیار کیا جائے، جس سے سترِ عورت نہ ہو، دوسری یہ کہ مرد، وہ لباس اختیار نہ کرین، جو عورتون

کے لیے زیبا ہے، نہ عورتین وہ لباس اختیار کرین جو مردون کے لیے مناسب ہے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس ناپسندیدہ نہیں جس سے غرور و نخوت نمایان ہو، کھانے پینے مین چند حرام چیزون کے سوا کسی کی ممانعت نہین، نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت مین چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگون مین مساوات ہو، اور اہم امور مین اہلِ حل و عقد کا باہمی مشورہ ہو، وعلیٰ ہذا القیاس،

الغرض یہی وہ امور ہین جنہین زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے، اس لیے اُن کو ہمیشہ کے لیے محدود کر دینا مصلحت الٰہی کے خلاف تھا،

**ملکۂ نبوت یا عقلِ نبوت کا شرعی ثبوت**

گزشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی مین علم و فہم کے تین ذریعے ہین **وحی**، ملکۂ نبوت اور عام عقل بشری، ان مین سے اول و آخر کے ثبوت کے لئے اب کسی استدلال کی ضرورت نہین، کہ اول تو یہ مسلّمات سے ہین، اور دوسرے اوپر کی تشریحات مین مستقل طور سے اُن پر بحثین ہو چکی ہین، لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکۂ نبوت کے لیے کوئی شرعی دلیل پیش نہین کی ہے، اس سلسلہ مین سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علما نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے، انھون نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے الگ الگ اصطلاحین قائم کی ہین، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہین، سلف صالحین مین سے بعض نے اس کو القاء فی الروع (دل مین ڈالنا) نبی کی حکمتِ قلبیہ، توفیق ازلی، اور قوتِ تبیین سے تعبیر کیا ہے[1]، امام غزالی و امام رازی اور دوسرے متکلمین نے اُس کو ملکۂ نبوت سے

[1] یہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب الرسالہ مین مذکور ہین۔

ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو پیغمبرانہ قوتِ اجتہاد کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو **علم لدنی** کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت، جو بشری عقل سے فوق ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرارِ شریعت کا بیان، اور دقائقِ حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔

انبیائے کرام کے اُن ربانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جنکا تذکرہ قرآن نے جابجا کیا ہے، تو **وحی کی مخصوص نعمت** کے بعد سرِ فہرست جو چیز نظر آئیگی، وہ "علمِ نبوت" ہے، جس کو کہیں ذکر، (یاد داشت) کہیں حکم (حق و باطل میں تمیز کا ملکہ) کہیں حکمت (دانائی) کہیں شرحِ صدر (سینہ کا کھولدینا) کہیں تفہیم (سمجھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (سکھا دینا) کہیں ارارت (دکھا دینا، سوجھا دینا) کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے، اور عقلِ بشری سے اوپر **عقلِ نبوی** کے سوا اور کیا ہے؟ ان سے مراد وحی تو اس لئے نہیں، کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے اور عقلِ بشری اس لیے نہیں کہ عقلِ بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں، کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے، اس بنا پر اس سے مراد عقلِ نبوی اور حکمتِ نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا،

حکمت | انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، اُن میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآنِ پاک میں بار بار آتا ہے، اور وہ **حکمت** ہے، آلِ ابراہیمؑ پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے اُن کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۔ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا۔ (نساء-۸) | تو بے شبہ ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی، اور ان کو بڑی سلطنت بخشی، |

حضرت لقمانؑ کی نسبت ہے،

۲- وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ (لقمان-۲)

۲- اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی،

حضرت داؤد کی شان مین ہے،

۳- وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ، (ص-۲)

۳- اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی، اور اُس کو حکمت اور قول فیصل عطا کیا،

۴- وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَہٗ مِمَّا یَشَآءُ، (بقرہ-۳۳)

۴- اور داؤد نے جالوت کو مارا، اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور حکمت بخشی، اور جو چاہا اُس مین سے کچھ سکھایا،

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہین:-

۵- قَدْ جِئْتُکُمْ بِالْحِکْمَۃِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ، (زخرف-۶)

۵- مین تمھارے پاس حکمت لیکر آیا ہون، تاکہ جن باتون مین تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتین اُن مین سے کھول دون،

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ پر اپنا احسان جتاتا ہے، تو فرماتا ہے،

۶- وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ، (مائدہ-۱۵)

۶- اور یاد کر جب مین نے تجھکو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل کی تعلیم دی،

عام انبیاؑ کے متعلق ہے،

۷- وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ

۷- اور جب اللہ نے نبیون سے وعدہ لیا کہ جو مین

لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (آل عمران ۹) | تم کو کوئی کتاب اور کوئی حکمت دوں،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے ظہور کی یہ دعا مانگی تھی،

| | |
|---|---|
| ۸- رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (البقرہ - ۱۵) | ۸- ہمارے پروردگار! اور ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیج، جو اُن کو تیری آیتیں سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے، اور انکو سنوارے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے، |

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی،

| | |
|---|---|
| ۹- كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (بقرہ) | ۹- جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا اور تم کو سنوارتا ہے، اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے |

اس دعائے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلعم کے ظہور کا احسان اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ہم پر جتایا ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۰- لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ | ۱۰- یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا، کہ اُن میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اُسکی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انکو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے |

| | |
|---|---|
| وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، (آلِ عمران - ۱۷) | اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی مین تھے، |

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان انہین الفاظ مین سورۂ جمعہ مین دہرایا ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۱- هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، (جمعہ-۱) | ۱۱- وہی اللہ جس نے اَن پڑھ لوگون مین انہین مین سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اُس کی آیتین سناتا ہے، اور اُن کو پاک وصاف کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے، اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی مین تھے، |

خود آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے اپنا یہ احسان ان پر ظاہر فرمایا ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۲- وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا، (نساء-۱۷) | ۱۲- اور اگر خدا کا فضل وکرم تجھ پر نہ ہوتا، تو اُن مین سے ایک جماعت ارادہ کرچکی تھی، کہ وہ تجھے گمراہ کردے، اور وہ گمراہ نہین کرتے لیکن اپنے آپ کو، اور تجھے کچھ نقصان نہین پہنچا سکتے خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہین جانتا تھا، اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا، |

آنحضرت صلعم سے خطاب ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۳- ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ، (اسرائیل ۴) | ۱۳- یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتون مین سے تم پر وحی کی ہے، |

عام مسلمانون سے ارشاد ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۴- وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ، (بقرہ ۲- ۲۹) | ۱۴- اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے، اور اُس نے تم پر جو کتاب اور حکمت اتاری ہے، اُن کو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے، |

خاص طور پر ازواج مطہرات کو خطاب ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۵- وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ، (احزاب ۴) | ۱۵- اور تمھارے گھرون مین اللہ کی جو آیتین اور حکمت کی جو باتین سنائی جاتی ہین، اُنکو یاد رکھو، |

یہ نعمت حسب استعداد عام مسلمانون کو بھی ملا کرتی ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۶- يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا، (بقرہ ۲- ۳۷) | ۱۶- اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے، اور جس کو حکمت بخشی گئی اس کو بڑی دولت (بھلائی) دیگئی، |

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۷- اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ، (نحل ۱۶) | ۱۷- اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف، تو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور اُن سے عمدہ طریقہ سے مناظرہ کر، |

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۸۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ، (قمر۔۱) | ۱۸۔ اور اُن کو اتنے احوال جتنے مین ڈانٹ ہو سکتی ہے، پہنچ چکے ہین، موثر حکمت، تو اُن کو ڈر سنانے والے فائدہ نہین پہنچا سکتے، |

اوپر کی سطرون مین وہ تمام آیتین لکھدی گئی ہین، جنہین حکمت کا لفظ آیا ہے، ان مین کہین "حکمت" کا لفظ تنہا آیا ہے، اور کہین "کتاب" کے بعد آیا ہے، کتاب کے دو معنی قرآن مین ہین، ایک صحیفۂ ربانی اور یہ اکثر آیا ہے، اور دوسرے نوشتۂ الٰہی، اور علم الٰہی، جیسے لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ (اگر خدا کا نوشتہ، یا علم پہلے نہ ہوتا) مذکورہ بالا آیتون مین کتاب سے تو بے شبہہ آسمانی کتاب اور صحیفۂ ربانی، یا یون کہو کہ وحی کتابی مراد ہے، جیسے تورات و قرآن وغیرہ، لیکن "حکمت" کا مفہوم ان آیتون مین کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی "دانائی کی بات اور کام" کے ہین، مگر یہان اس سے کیا مقصود ہے؟ اس تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت، اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصرہ کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ اپنی کتاب جمہرۃ اللغۃ مین "حکمت" کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے،

| | |
|---|---|
| فکل کلمۃ وعظتك او زجرتك او دعتك الی مکرمۃ او نھتك من قبیح فھی حکمۃ وحکم، (جلد ۲ ص ۱۸۴) | ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے، یا تجھ کو تنبیہ کرے، یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور حکم ہے، |

لغت کا امام جوہری، اپنی صحاح اللغۃ مین لکھتا ہے،

| | |
|---|---|
| الحکمۃ من العلم والحکیم العالم و صاحب الحکمۃ والحکیم المتقن للامور (جلد۲ ص۲۷۶ مصر) | حکمت یعنی علم، اور حکیم یعنی عالم، اور حکمت والا اور حکیم کامون کو خوبی سے کرنے والا، |

عربی لغت کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب مین ہے،

| | |
|---|---|
| والحکمۃ عبارۃ عن معرفۃ افضل الاشیاء بافضل العلوم، (ج۱۵ ص۳ مصر) | اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننے کو کہتے ہین، |

لغاتِ قرآن کے مشہور امام راغب اصفہانی مفردات القرآن مین کہتے ہین،

| | |
|---|---|
| والحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل فالحکمۃ من اللہ تعالیٰ معرفۃ الاشیأ وایجادھا علی غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفۃ الموجودات وفعل الخیرات، (ص ۱۲۶ - مصر) | اور حکمت، علم اور عقل کے ذریعہ سے سچی اور صحیح بات کو پہنچنا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت، چیزون کا جاننا اور ان کو بکمال خوبی پیدا کرنا ہے، اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتون کا کرنا ہے، |

یہ تو عربی لغت کے امامون کی تصریحات تھین، اب اُن بزرگون کے اقوال پر غور کرنا ہی جو زباندانی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاورون سے بھی کامل طور سے آگاہ تھے، ابن حیان اندلسی نے اپنی تفسیر بحر المحیط مین ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے[1]،

---

[1] زیر آیت وابعث فیھم رسولا منھم الآیۃ ج ۱ ص ۳۹۲، مطبوعہ سعادت مصر،

| | |
|---|---|
| ١- قال مالك وابو رزين :- الحكمة الفقه في الدين والفهم الذي هو سجية ونور من الله تعالى ، | ١- امام مالک ابو رزین کا قول ہے :- حکمت دین میں سمجھ اور اُس فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے ، |
| ٢- وقال مجاهد :- الحكمة فهم القرآن | ٢- مجاہد کا قول ہے: حکمت یعنی قرآن کا فہم ، |
| ٣- وقال مقاتل :- العلم والعمل به لا يكون الرجل حكيما حتى يجمعهما ، | ٣- مقاتل کا قول ہے: حکمت ، علم اور اُس کے مطابق عمل کو کہتے ہیں ، کسی شخص کو حکیم اُسوقت تک نہیں کہا جاتا جبتک وہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو ، |
| ٤- وقيل :- الحكم والقضاء - | ٤- بعضوں کا قول ہے: حکمت فیصلہ کرنا ہے ، |
| ٥- وقيل :- ما لا يعلم الا من جهة الرسول ، | ٥- کسی کا قول ہے: حکمت وہ ہے جو رسول کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے ، |
| ٦- وقال ابو جعفر محمد بن يعقوب :- كل صواب من القول ورث فعلا صحيحا فهو حكمة ، | ٦- ابو جعفر کا قول ہے: ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پیدا کرے حکمت ہے ، |
| ٧- وقيل وضع الاشياء مواضعها | ٧- کسی کا قول ہے: چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے ، |
| ٨- وقيل : كل قول وجب فعله | ٨- ایک اور شخص کا قول ہے :- ہر وہ بات جسکا کرنا ضروری ہو ، حکمت ہے ، |

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں :-

۱۔ قال (مالک): المعرفة بالدین والفقه فی الدین والاتباع له،

۱۔ مالک کا قول ہی: دین کی معرفت اور دین میں سمجھ، اور اُسکی پیروی حکمت ہی،

۲۔ قال ابن زید: الحکمة الدین الذی لا یعرفونه الا به صلعم، یعلّمهم ایاها، قال والحکمةُ العقل فی الدین وقرء " وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ، وقال بعیسےٰ " وَیُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِیْلَ " وقرء ابن زید " وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا " قال لم ینتفع بالآیات حین لم تکن معها حکمة قال والحکمة شئ یجعله الله فی القلب ینور له به

۲۔ ابن زید کا قول ہی: حکمت دین کا وہ حصہ ہے، جو صرف رسول سے معلوم ہوتا ہے، وہی اُسکو سکھاتا ہے، نیز اونہین کا قول ہے، کہ حکمت دینی عقل کا نام ہے، اور اس پر یہ آیت پڑھی کہ جس کو حکمت دیگئی اس کو بڑی دولت دیگئی " اور خدا نے حضرت عیسےٰ کے متعلق کہا کہ "خدا ان کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھاتا ہے" ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی، کہ "ان کو اس کا حال سنا جس کو ہمنے اپنی آیتین دین تو وہ اُن سے الگ ہو گیا" یعنی ان آیتون سے نفع نہین اٹھایا کیونکہ انکے ساتھ حکمت نتھی، اونہی کا قول ہی کہ حکمت وہ چیز ہے جسکو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب مین رکھتا ہی اور اس سے اس کو روشن کرتا ہی،

۳۔ عن قتادة:۔ والحکمة ای السنة

۳۔ قتادہ سے مروی ہی، حکمت یعنی سنت نبوی؛

آخرمین امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہین،

۴۔ قال ابن جریر الطبری:۔ والصواب من القول عندنا فی الحکمة انها العلم

۴۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت اُن احکامِ الٰہی کے علم کا نام ہی، جو صرف رسول کے بیان

| | |
|---|---|
| باحکام اللّٰہ التی لایدرک علمھا | (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں، اور اُن کی اور جو |
| الا ببیان الرسول صلعم والمعرفة | اُن کی مثالیں اور نظیریں ہیں، انکی معرفت کو |
| بھا وما دلّ علیه ذٰلك من نظائرہ | کہتے ہیں، اور "حکمت" کا لفظ میرے نزدیک "حکم" |
| وھو عندی ماخوذ من الحکم | سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حق و باطل میں تمیز |
| الذی بمعنی الفصل بین الحق والباطل | کرنے کے ہیں۔ |

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرسالہ میں قتادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے لکھتے ہیں،

| | |
|---|---|
| ۵۔ وسمعت من ارضیٰ من اھل | ۵۔ میں نے قرآن کے اُن اہل علم سے جنکو |
| العلم بالقرآن، یقول:۔ الحکمة | پسند کرتا ہوں، یہ سنا کہ حکمت انحضرت صلعم کی |
| سنة رسول اللّٰہ صلعم، (ص ۲۰) | سنت کا نام ہے۔ |

امام شافعی اسی کتاب میں آگے چلکر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں،

| | |
|---|---|
| و سنته الحکمة التی القیٰ فی | اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے، جو آپ کے |
| روعه عن اللّٰہ عزوجل، (ص ۲۸) | دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی، |

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا، کہ یہ کل کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں، اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں، حکمت عقل و فہم کی اُس کاملترین حقیقت کا نام ہے، جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل، اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ بذریعہ غور و فکر، دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں، بلکہ

منکشفانہ طور سے ہوجاتا ہے، اور اسی کے مطابق اُس صاحب حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے،

ہر فن کے واقفکار دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے، اُس کی مشق کرتے اور اُس میں مہارت اور کمال بہم پہنچاتے ہیں، دوسرے وہ جو اُس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں، اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت صحیح وجدان، اور سلیم ذوق سے اس فن کی کسی شے کو دیکھنے کے ساتھ ہی اُس کے متعلق جچی تلی رائے دیتے ہیں، اور حرف حرف صحیح دیتے ہیں، اسی کا نام آپ صحتِ وجدان اور سلامتِ ذوق رکھتے ہیں، شاعری، انشاپردازی اور دوسرے فنونِ لطیفہ میں اسکی مثالیں بکثرت دیکھی اور سنی جاتی ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں اشیاء کے حق و باطل، اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح وجدان، اور صحیح ذوق ہوتا ہے، وہ ان امور کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و وجدان سے ایسی صحیح رائے دیتے ہیں، جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دیسکتے، یہی وہ معرفت اور نورِ الٰہی ہے جو جد و جہد اور سعی و محنت سے نہیں، بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے، اور اسی کا نام حکمت ہے،

دوسری ربانی استعدادوں اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا، بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کاملترین حکمت تک لوگوں کو عطا ہوتی ہے، اس کے مختلف درجے اور مرتبے عام انسانوں کو مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں لیکن اس کا اعلیٰ ترین اور کاملترین درجہ اور مرتبہ صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے،

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے، کہ جس طرح اس ربانی عطیہ، آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر "حکمت" کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح اس قوت (حکمت) کے آثار و نتائج اور اس کی تعلیمات

پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمان کو حکمت دیئے جانے
کا بیان ہے، اُس کے بعد اس حکمتِ لقمانی کی حسب ذیل تعلیمات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اللہ کا
شکر ادا کرنا، شرک کی ممانعت، والدین کی خدمت، اچھوں کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم،
صبر، فخر و غرور کی ممانعت، میانہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیرھویں آیت میں حکمتِ محمدی کی
حسب ذیل تعلیمات کی تفصیل بھی کیگئی ہے، شرک کی ممانعت، والدین کے ساتھ احسان، قرابتداروں
اور بیکسوں سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، میانہ روی، اولاد کے قتل کی
مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عہد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک
رکھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فخر و غرور کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ کہتا ہے،

ذَالِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسراء - ۴)

یہ ہیں حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں،

حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس
قسم کی باتیں ہوتی ہیں، یہ عموماً وہی باتیں ہوتی ہیں، جنکی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرتِ
انسانی اور حسِ اخلاقی تسلیم کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت میں حکمت کا اطلاق
زبور پر، اور پانچویں اور چھٹی آیت میں انجیل پر ہوا ہے، کہ ان میں اسی قسم کی دلآویز نصیحتوں
اور عالمگیر صداقتوں کی تعلیم ہے، اور خود قرآنِ پاک نے بھی اپنی صفت "حکمت والا قرآن" ظاہر کی
ہے، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان و یونس) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰسین) وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ
(آل عمران) ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ "حکمت" کی بعض اہم تعلیموں کو وحی الٰہی خود

اپنے اندر کبھی شامل کرکے ان کو آب معطر بنادیتی ہے، یہ چیز انبیاء کو کتاب کی وحی کیساتھ ساتھ عام طور پر ملتی ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ | اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا |
| لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (آل عمران ۹) | کہ البتہ جو مین تم کو کتاب اور حکمت دون، |

بہرحال یہ حکمت کی قوت انبیاء علیہم السلام کو بدرجۂ اتم حاصل تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن کی ہر بات دانائی اور اُن کا ہر کام دانشمندی پر مبنی ہوتا تھا اور چونکہ یہ قوت ان کو حاصل تھی، اسلیے اسکے آثار اور نتائج بھی، اقوال و اعمال کی صورت مین ظاہر ہوئے، جنکا نہ صرف اقرار و اعتراف بلکہ ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق مین داخل ہوا، پندرہوین آیت مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ | (اور اے محمد رسول اللہ کی بیویو! تمھارے گھرون |
| اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ | مین خدا کی جو آیتین اور حکمت کی باتین سنائی جاتی |
| (احزاب ۔ ۴) | ہین، اُن کو یاد رکھو، |

محمد رسول اللہ صلعم کی ازواجِ مطہرات کو آیاتِ الٰہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ صلعم کی حکمت و دانائی کی باتین تھین، اب اگر وہ باتین امور دین سے متعلق نہ ہوتین، تو اُن کے لئے اُن کا یاد رکھنا کیون ضروری قرار دیا جاتا، اسی طرح آٹھوین، نوین، دسوین، اور گیارہوین آیت مین آنحضرت صلعم کی صفت مین ہے،

---

[1] لفظ یُتْلٰی سے کسی کو شبہہ نہ ہو کہ وہ کتاب کے لئے خاص ہے، کہ آنحضرت صلعم کتاب کا کوئی صفحہ پڑھکر نہین سناتے تھے بلکہ الفاظِ الٰہی کو زبانی ادا فرماتے تھے،

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ، (جمعہ ۱) وہ مسلمانون کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

محمد رسول اللہ صلعم کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی تعلیم وہ دیتے تھے، وہ خود اُن کے اندر بھی تھی، کہ جو چیز اُن کے پاس نہ تھی، وہ دوسرون کو کیا بخش سکتے تھے، اور جب یہ قوت آپ کے پاس تھی، تو اُس کے آثار ونتائج بھی اقوال وافعال کی صورت مین نمایان ہونگے، جن کی آپ تعلیم فرماتے تھے، اور اپنے اِن امورِ حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا تھا، کہ مسلمان اُن پر عمل کرین،

پانچوین آیت مین ہے کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہین،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ، (زخرف ۶) مین تمھارے پاس حکمت لے کر آیا ہون، تاکہ جن باتون مین تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتین اُن مین سے کھولدون،

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فریضہ تبیین بھی ہے، یعنی کسی مجمل، ذو معنیین، اور مختلف فیہ مسئلہ کی تشریح وتفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے، اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام کی جنمین یہود مختلف الرائے تھے، تفصیل فرمائی، اوران کی غلطی دور کی،

بارہوین آیت مین ہے،

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ اگر خدا کا فضل وکرم تجھ پر نہ ہوتا تو اُن مین سے

---

لہ قرآن پاک مین حرفِ علت سے قبل واؤ آیا کرتا ہو، جیسے وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ، یہ حرفِ عطف نہین،

| | |
|---|---|
| لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ط | ایک گروہ نے چاہا تھا کہ تجھکو گمراہ کرے، اور وہ گمراہ |
| وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ | نہین کرتے لیکن اپنے آپ کو، اور تجھے ذراسا |
| مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ | بھی نقصان نہین پہنچائین گے، اللہ نے تجھ پر |
| وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ | کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھ کو سکھایا جو تو |
| وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ، (نساء - ۱۷) | نہین جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے، |

ان آیتون مین بیان ہے، کہ منافقین کا ایک گروہ آپ کو غلط رائے دیکر بہکانا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اُن کی یہ چال کارگر نہ ہوئی، اور وہ تجھ کو بہکا نہ سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھپر فضل وکرم ہے، اور وہ فضل وکرم یہ ہے کہ اُس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھے وہ علم بخشا، جو پہلے نہ تھا" اس سے ظاہر ہوا، کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت، خطاے عصمت، اور علم کی یہ بخشش آپ کو کتاب اور حکمت دونون کے ملنے کے سبب سے حاصل ہوئی ہے، الغرض اس حفاظت وعصمت کے حصول مین کتابِ الٰہی کیساتھ حکمتِ ربانی کے انعام کو بھی دخلِ کامل ہے،

یہ تو وہ نبوی حکمت تھی جس کا سرچشمہ صرف سینۂ نبوت تھا، لیکن یہ فیض حسب استعداد پیغمبر کی اتباع مین دوسرون کو بھی ملتا ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے، کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے، قبول کرلیتے، اور اس پر عمل کرتے ہین،

تبلیغ اسلام کے تین ذریعون، حکمت، موعظت، اور خوش خلقی سے مناظرہ کرنے مین سب سے اوّل حکمت کو جگہ دیگئی ہے،

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (نحل ۱۶) — تو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت دے اور اُن سے مناظرہ بطریقِ احسن کر،

سچی، صحیح اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی، اور بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہے، فرمایا،

حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ، (قمر۔۱) — دل تک پہنچ جانے والی حکمت،

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور ہر بھلائی کی اصل ہے، پھر اس سے بڑھکر دنیا میں اور کیا دولت ہو سکتی ہے، اسی لئے ارشاد ہوا،

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا، (بقرہ ۔۳۷) — جسکو حکمت دی گئی اُس کو بہت نیکی (دولت) دی گئی،

اس سلسلہ مین دو مشہور و مستند حدیثون کا حوالہ بھی مناسب ہے، جن سے **حکمت** کی حقیقت واضح ہوگی، اور کم از کم قرنِ اول مین اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہوگا، آنحضرت صلعم نے نجد کے ایک خطیب کا بیان سنکر فرمایا،

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا، — بعض شعر حکمت ہوتے ہین، اور بعض تقریرین جادو ہوتی ہین،

اس حدیث مین بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریرون کو جادو کہا گیا ہے، اس تقابل سے ظاہر ہے کہ حکمت کا عربی مفہوم اُس کے اردو مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر و جادو کے مافوق انسانی تصور کی طرح "حکمت" کے عربی مفہوم مین کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے، اسی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ عربی مین "حکمت" کے معنی عقل و فہم وغیرہ کے معمولی الفاظ سے کوئی بلند اور

غیر معمولی حقیقت ہے، اور اردو مین اس حقیقت کو "حکمت" کے ساتھ لفظ "الہامی" بڑھا کر ادا کیا جا سکتا ہے یعنی "الہامی حکمت"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا رشک و حسد اگر جائز ہے تو صرف دو شخصون پر، ایک اس پر جس کو مال کی دولت ملی، تو وہ اسکو صحیح مصرف مین لٹاتا ہے، دوسرے رجل آتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا (صحیح بخاری کتاب العلم) "اس شخص پر جسکو حکمت ملی ہے، تو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے اور دوسرون کو سکھاتا ہے، اور اس مین معلم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے، جب عام انسانون کا یہ درجہ ہے، تو انبیا علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی، اور وہ یقیناً آنحضرت صلعم کے حصہ مین بھی آئی، اب اس حصولِ دولت یعنی عطائے حکمت کا نتیجہ بھی آپ سے ظاہر ہونا چاہئے، اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے، آپکے یہ ملہمانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمامتر وحیِ ربانی کی عملی در زبانی شرح اور بیان ہین،

کتاب و حکمت کی "تعلیم" | اوپر کی چار آیتون ۸-۹-۱۰-۱۱ مین خفیف سے تغیر کے ساتھ حسب ذیل آیت ہے،

| | |
|---|---|
| یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ، (جمعہ-۱) | وہ (رسول) اُن (ان پڑھون) کو خدا کی آیتین سناتا اور انکو سنوارتا، اور انکو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے |

ان آیتون مین آنحضرت صلعم کے تین کامون کا ذکر ہے،

۱- خدا کی آیتون کو پڑھنا، اور دوسرون کو سنانا،

۲- اُن کو شرک اور بداخلاقی کی نجاستوں سے پاک وصاف کرنا اور سنوارنا،

۳- اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا،

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں، یا دو، اگر ایک معنی رکھتی ہیں تو اس بے سود تکرار کا فائدہ کیا؟ کیوں نہ دوسری جگہ بھی یَتْلُوْا (یعنی تلاوت کرتا ہے) ہی کا لفظ رکھدیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہیں، جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے، تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا، اگر رسول کا فرض محض وحی کی زبان سے سنی ہوئی آیتیں پڑھکر دوسروں کو سنا دینا ہے، اور اسی پر اسکی تبلیغ کا فریضہ ختم ہو جاتا ہے، تو اُس کا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھکر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے، بالکل ظاہر ہے کہ **تعلیم** کا مفہوم **تلاوت** سے بہت کچھ زیادہ ہے، خصوصاً جبکہ "تعلیم" کا لفظ تلاوت کے بعد آیا ہو، وحی کے الفاظ سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے، مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہتا ہے، کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا اور پڑھا دینا یا دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں، بلکہ الفاظِ قرانی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا، اس کے مشکل مطالب کو حل کرنے مجمل معانی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے اُن کی شرح و تفصیل کر دینے کا نام کتاب و حکمت کی تعلیم ہے، اور یہ آپ کا دوسرا یا تیسرا فریضہ تھا، اور یہی وہ تعلیم تھی جسکا ان آیتوں میں بار بار ذکر ہے، اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپکے فرائضِ نبوت میں داخل تھی، تو اس پیغمبرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی، اور اس کی تعمیل بھی امت کے لئے ضروری ہوگی، آپ کی اسی زبانی و عملی شرح و تفصیل کو صحابہؓ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل کے ذریعہ سے

محفوظ رکھا، اور وہ "احادیث وسنن" کے نام سے موسوم ہے،

اس تفصیل کے بعد حکمت، کے اُن معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے، جو ائمۂ لغت اور علمائے قرآن نے بیان کئے ہیں، تو آپ کو یقین آجائیگا، کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرین، اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیرین ہیں، آنحضرت صلعم کے اقوال وافعال جنکے اصطلاحی نام احادیث وسنن ہین، کتاب الٰہی کی عملی وزبانی تشریحات ہین، کتابِ الٰہی، وحیِ ربانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث وسنن، سینۂ نبوی کی طمانۂ حکمت کا، اس مقام پر امام **شافعی** کی یہ تحقیق پیشِ نظر ہے،

| | |
|---|---|
| وسنتہ الحکمۃ التی القی فی روعہ عن اللہ عزوجل۔ (کتاب الرسالہ ص۳ مصر) | اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپکے قلب مین خدا کی طرف سے ڈالی گئی، |

اور اسی مفہوم کو **مجاہد** اس طرح ادا کرتے ہین، کہ الحکمۃ فہم القرآن، حکمت، فہمِ قرآن کا نام ہے، دوسری عبارت مین یون کہو کہ قرآن کے معانی ومطالب کی تشریح **حکمت** ہے اور اس تشریح کا نام جو رسول کے قول وعمل سے ادا ہوئی، سنت ہے، اور اس معنی کو امام **مالک** اور ابورزین اور ابن زید وغیرہ دوسری صدی کے علمائے قرآن ان عبارتون مین ادا کرتے ہین کہ، حکمت، معرفتِ دین، فقہِ دین اور اس علم دین کو کہتے ہین جس کو رسول نے بیان کیا، اور حکمت اُس نور کا نام بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب مین پیدا کر کے اُسکو منور کر دیتا ہے،

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اصل **حکمتِ نبوی** وہ نورِ نبوت اور الہامی معرفت ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب وسینہ مین ودیعت کیا تھا، اور چونکہ آپکے سنن

واقوال آپ کی اسی ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار اور آثار و نتائج ہین، اس لیے اُن پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے، اس تفصیل کے بعد ظاہر ہوگا کہ بعض اماموں اور عالمون نے حکمت کی تشریح مین اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے، اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونون حق پر ہین،

علم | علم کے لغوی معنی جاننے کے ہین، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی، انبیاء کے تعلق سے جب اسکا استعمال ہوگا تو اس سے طبعًا خدا کی توحید ذات وصفات، دین و شریعت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات مراد ہون گی، حضرت ابراہیم توحید پر استدلال کرکے اپنے باپ سے فرماتے ہین،

| | |
|---|---|
| يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ | اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا |
| مَا لَمْ يَأْتِكَ (مریم - ۳) | ہے جو تیرے پاس نہین آیا، |

حضرت خضر کے متعلق ہے،

| | |
|---|---|
| وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا، (کہف - ۹) | اور ہم نے اپنے پاس سے اسکو علم سکھایا، |

خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے، پھر اپنے پاس سے علم سکھانے کا مفہوم کیا ہے؟ ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش، اور جد و جہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے، وہ منجانب اللہ کہی جاتی ہے، اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اُس علم کے ملنے کے ہین، جو انسان کے طبعی ذرائع علم واستدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو، یہی علم خداداد ہے، اور اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح مین اُس کو **علم لدنی** (پاس والا علم) کہتے ہین،

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (نمل - ۲) اور بے شبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا،

حضرت یوسفؑ کے آغاز نبوت کے موقع پر ہے،

وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ، (یوسف - ۱) اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھکو نوازیگا، اور تجھکو باتون کی حقیقت رسی (تاویل) سکھائیگا، اور تجھ پر اپنا انعام پورا کریگا،

ان آیتون مین اُس علم کا ذکر نہین جسکا منشا "وحیِ موقت" ہے، کیونکہ ان مین سیاقِ کلام سے علم کے یکبارگی دیئے جانے کا ذکر ہے، جو وحیِ موقت کی شان نہین، خصوصاً آخری آیت مین تو تاویلِ احادیث کا علم یک دفعہ دیئے جانے کی تصریح ہے، اسی لیے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تعبیر بیان کرکے دوسرے موقع پر کہتے ہین،

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي، (یوسف - ۵) یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے،

یہ کہین بیان نہین کیا گیا ہے، کہ خواب کی تعبیر بتلاتے وقت اُن پر وحی آکر حقیقت سے اُن کو مطلع کرتی تھی، بلکہ خود اُن کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لیے ودیعت کر دی گئی تھی،

اسی قسم کا وہ علم ہے، جس کی نسبت سے بعض انبیا کو بچپن ہی مین عَلِیم (جاننے والے) کا خطاب ملا،

وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ، (ذاریات - ۲) اور فرشتون نے اس کو ایک بڑے صاحب علم فرزند کی خوشخبری دی،

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ، (حجر - ۴) ہم تجھے ایک بڑے صاحب علم فرزند کی خوشخبری دیتے ہین

یہان لفظ عَلِیْم اختیار کیا گیا ہے، عالم نہین، اور یہ لفظ عالم سے زیادہ علم پر دلالت کرتا ہے، ان آیتون سے ظاہر ہوا کہ وحی موقت جو گاہ گاہ آتی ہے، اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے،

**علم وحکم** بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ حکم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے، حکم کے معنی لغت مین فیصلہ اور حق و باطل مین تمیز کرنے کے ہین، جسکا ترجمہ اردو مین سمجھ اور بوجھ کا نتیجہ (یعنی فیصلہ) کر سکتے ہین، امام راغب اصفہانی مفردات القرآن مین لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| والحکم بالشئ ان تقضی بالشئ بانہ کذا اولیس کذا سواء الزمت ذلک غیرہ اولم تلزمہ، (۱۲۶-مصر) | کسی شے پر حکم کرنا، یہ فیصلہ کرنا ہے، کہ یہ شی ایسی ہے، یا ایسی نہین ہے، عام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کرسکو، یا نہ کرسکو، |

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب مین ہے،

| | |
|---|---|
| الحکم العلمُ والفقہ والقضاء بالعدل (ج ۱۵-۳۰) | حکم کے معنی علم، سمجھ، اور منصفانہ فیصلہ کرنا، |

اُن انبیا علیہم السلام کو جنپر کسی کتاب کا نازل ہونا ثابت نہین، اس علم اور حکم کا عطا ہونا ثابت ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیۂ علم وحکم کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗۤ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا، (یوسف-۳) | اور جب یوسف جوانی کی قوت کو پہنچا، تو ہم نے اُس کو حکم اور علم دیا، |

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے،

| | |
|---|---|
| وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء-۵) | اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا، |

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے ذکر مین ہے،

| | |
|---|---|
| فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ز (انبیاء-۶) | تو ہم نے سلیمان کو وہ فیصلہ سمجھا دیا، اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا تھا، |

حضرت یحییٰؑ کی نسبت ہے،

| | |
|---|---|
| يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ (سورہ مریم-۱) | اے یحییٰ کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اسکو حکم بچپن مین عطا کر دیا، |

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتین ان الفاظ مین شمار کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (جاثیہ-۲) | اور بلاشک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت دی، |

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزین ہین یہان کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ ان آیتون مین حُکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے، کہ اس معنی مین یہ لفظ خالص اور قدیم عربی مین نہین آیا، یہ اہل عجم کا محاورہ ہے، قرآن نے ہر جگہ اس کو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی مین استعمال کیا ہے، جیسے

| | |
|---|---|
| فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ (ص-۲) | ہمارے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر، |
| فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص-۲) | تو لوگون کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر، |
| وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (مائدہ-۶) | اور اگر تو انکے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کیساتھ فیصلہ کر، |

حضرت داؤد اور سلیمانؑ ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہین،

| | |
|---|---|
| وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ، (انبیاء-۶) | اور داؤد اور سلیمانؑ کو جب وہ دونون کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، |
| وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ (شوریٰ-۲) | اور جس چیز مین تم نے اختلاف کیا؟ تو اُسکا فیصلہ اللہ کی طرف ہے، |

سب سے بڑھکر یہ کہ یہی باتین تین سورۂ انعام مین بہت سے پیغمبرون کے نام گنا کر کہی گئی ہین،

| | |
|---|---|
| اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ج (انعام-۱۰) | یہ وہ لوگ تھے جنکو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت بخشی، |

جن پیغمبرون کے نام اوپر گنائے گئے ہین، اور جن کی طرف "وہ لوگ" کہکر اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہین، ابراہیم، اسحاقؑ، یعقوبؑ، نوحؑ، داؤد، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسمٰعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ، لوطؑ علیہم السلام، ان اٹھارہ نامون مین حکم، بمعنی حکومت و سلطنت اگر ہو تو اس کے مستحق صرف دو ہین، سلیمانؑ اور داؤد اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسفؑ اور موسیٰؑ کو بھی شامل کر لیجئے، باقی چودہ نام اُن پیغمبرون کے ہین، جنکو اس کا کوئی حصہ نہین ملا تھا اسلئے لامحالہ حکم کا لفظ قرآن مین عربیت کے اصلی اور صحیح و صریح معنی مین مستعمل ہے، اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے، وہ کتاب کیساتھ ساتھ اُن پیغمبرون کو برابر حیثیت مین ملا تھا، غلط فہمی کا پورا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک اور

آیت کریمہ پر نظر ڈالیے۔

| | |
|---|---|
| مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ | کسی بشر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اس کو کتاب |
| وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ | حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ |
| کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ | تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو، بلکہ جو تم |
| کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ | کتاب (توراۃ) سکھاتے تھے، اور جو تم |
| الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، | پڑھتے تھے، اس کے ذریعے تم خدا |
| (آل عمران - ۸) | والے بنو، |

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں، اور جس مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے، بظاہر اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں، وہ نہ ہوں تو خود محمد رسول اللہ صلعم ہیں، اور یہ اُس وقت کی بات ہے، جب یہود کی پوری قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز میں موجود تھی، اور اسلام ہنوز اُن کے مقابلہ میں کمزور و ناتوان تھا، ایسی صورت میں جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے، وہ کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی چیز ہو سکتی ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہیں ہوا تھا، اور آنحضرت صلعم کو اُس وقت تک جب تک بنی اسرائیل اپنی ممتاز قوت کے ساتھ مدینہ اور حجاز میں موجود تھے، یہ رتبہ نہیں ملا تھا، آیت اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ، میں بھی حکم سے مراد وہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے، حکومت و سلطنت نہیں، تسکین کے لیے اس آیت کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو،

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَکَذَّبْتُمْ | کہدے (اے پیغمبر!) کہ میں اپنے پروردگار کی |

| | |
|---|---|
| بِہٖ ط مَا عِندِی مَا تَستَعجِلُونَ بِہٖ ط اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط یَقُصُّ الحَقَّ وَھُوَ خَیرُ الفَاصِلِینَ ٥ (انعام - ۷) | کھلی دلیل پر ہوں اور تم اس کو جھٹلاتے ہو میرے پاس وہ نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا وہ حق بیان کرتا ہے اور اور سب فیصلہ کرنے والوں سے وہ بہتر ہے، |

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی کتاب کیساتھ **حکم** کی سند بھی ملتی ہے، جس کے صاف وصریح معنی کلام عرب، اور لغت اور قرآن کے قرینوں سے علم، فہم، فیصلہ اور حق وباطل میں تمیز ہے، اور اس لیے رسول کی اس قوت وطاقت کے نتائج بھی ہمارے لیے واجب العمل ہیں،

**شرحِ صدر** ربانی علم ومعرفت کا ایک اور مقام **شرحِ صدر** ہے، شرحِ صدر کے معنی "سینہ کھولنے" کے ہیں، عام خیال یہ ہے کہ سینہ کی تنگی اور ضیق، جہل ونادانی کی علامت ہے، اور سینہ کی کشادگی اور فراخی، علم کی وسعت، اور معرفت کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لیے "شرحِ صدر" کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کثرت اور آگاہی کی وسعت کے ہیں، اور خاص طور سے اُس علم ومعرفت اور اطلاع وآگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعۃً اور یک بیک قلب میں وارد ہو جاتی ہے، اور اس حل سے اسکی تسلی وتسکین ہو جاتی ہے، اور اس کے شکوک وشبہات دور ہو کر اس کو یقین کی راحت ومسرت حاصل ہو جاتی ہے، جمہرۂ ابن درید میں ہے،

| | |
|---|---|
| والشرح من قولھم شرحتُ لک | شرح، اہل عرب کے اس محاورہ سے ہے کہ میں نے |

ترجمہ

| | |
|---|---|
| الامر .... ای اوضحه وکشفه | تیرے لیے بات کی شرح کردی، یعنی اس کو واضح |
| وشرح الله صدره فانشرح اذا اتسع | کردیا، اور کھول دیا، اور اللہ نے اُس کے سینہ کو کھولا |
| لقبول الخیر (۲-۱۴۳) | تو وہ کھل گیا، یعنی جب نیکی کے قبول کرنے کے لیے |
| صحاح جوہری میں ہے، | |
| الشرح الکشف تقول شرحت | شرح یعنی کشف (کھولنا) تم کہتے ہو میں نے اس |
| الغامض اذا فسرته، | پوشیدہ مسئلہ کی شرح کردی یعنی اسکی تفسیر کردی، |
| لسان العرب میں ہے، | |
| الشرح الکشف یقال شرح فلان | شرح یعنی کشف ہے، کہا جاتا ہے، کہ فلاں نے |
| امره ای اوضحه وشرح مسئلةً | اسکی بات کی شرح کردی، یعنی اُس کو واضح کردیا، |
| مشکلةً بینها، وشرح الشئ یشرحه | اور مشکل مسئلہ کی شرح کردی، یعنی اُس کو بیان |
| شرحًا وشرحه فتحه بینه وکشفه | کردیا، اور کسی چیز کی شرح کردی، یعنی تفصیل کردی |
| وکل ما فتح من الجواهر فقد شرح ایضاً | اور کھول دیا، اور جواہر میں سے جو کھولا جائے |
| تقول شرحت الغامض اذا | تو اسکی شرح لیگئی، تم بولتے ہو، پوشیدہ مسئلہ کی |
| فسرته ...... | شرح کردی، یعنی تفسیر کردی، ...... |
| .... وشرح الله صدره لقبول | .. اور خدا نے اُس کے سینہ کو کھولدیا کسی نیک |
| الخیر یشرحه شرحًا فانشرح وسعه | بات کے قبول کرنے کے لیے تو وہ کھل گیا، یعنی |
| لقبول الحق فاتسع، | اس کو قبول حق کے لیے وسیع کردیا تو وہ وسیع ہو گیا، |

| | |
|---|---|
| قال ابن الاعرابی: الشرح الحفظ والشرح الفتح والشرح البیان، والشرح الفہم، | ابن اعرابی نے کہا: شرح کے معنی ہیں، یاد رکھنا، کھولنا، بیان کرنا، سمجھنا، |

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا منصب ملتے وقت دعا مانگی،

| | |
|---|---|
| رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ۔ (طٰہٰ - ۲) | اے میرے رب! میرے سینہ کو میرے لیے کھولدے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے، اور میری زبان کی گرہ کھولدے تاکہ لوگ میری بات کو پوری طرح سمجھیں، |

دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ نے اپنے لیے شرحِ صدر کی استدعا کی ہے، اور آخر میں فصاحتِ بیان کی، یعنی اوّل میں صحیح معانی کے القا، اور آخر میں اُن کے لیے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا کی ہے، تاکہ ان کی دعوت و تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکیں، لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلعم کو بن مانگے ملی، خدا نے فرمایا،

| | |
|---|---|
| اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ، (انشراح - ۱) | کیا ہمنے (اے محمد!) تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا، اور تیرے بوجھ کو تجھ سے اُتار لیا، |

شرحِ صدر اور "سینہ کھولنے" کی جو تشریح احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے، اس کے لیے عام اصطلاح شقِ صدر ہے، یعنی عالمِ رویا یا بیداری میں فرشتوں نے آکر سینۂ مبارک کو شگاف کیا، اس کو آبِ زمزم سے دھویا، اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کر لائے، اور ان سے سینۂ مبارک کو معمور کر کے شگاف کو برابر کردیا[1]، اگر یہ واقعہ اپنی ظاہری حقیقت

[1] صحیح بخاری، و صحیح مسلم، و نسائی ابواب معراج و اسرار و فرض الصلوٰۃ و مسند احمد بروایت انس بن مالکؓ و سنن ترمذی تفسیر سورۂ انشراح،

پر محمول کیا جائے، تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے، کہ سینہ مبارک کو واقعتاً چاک کرکے اور زمزم کے پانی سے پاک وصاف کرکے ایمان اور حکمت اس مین بھری گئی، اور اگر تمثیل کے رنگ مین لیا جائے، تو بھی یہ حقیقت ماننی پڑیگی، کہ سینہ صافی ایمان وحکمت سے معمور کیا گیا، بہرحال شرحِ صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہے،

شرحِ صدر کے اس مذکورۂ بالا معنی کو جو شق صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہو، اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو بھی بحمداللہ کہ اس کی تسکین کا سرمایہ قرآن پاک مین موجود ہے، سورۂ زمر مین ہے،

| | |
|---|---|
| اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ | بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھولدیا |
| فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ، (زمر-۳) | تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشنی پرہے |

اسلام کے لیے سینہ کے کھولدینے سے مقصود یہ ہے، کہ اسلام کی حقیقت موثر طریقہ سے اس پر اس طرح کھل گئی، کہ اُس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آگیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہوگئی، اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ اس کو اپنی منزلِ مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے، یہی "شرحِ صدر" کی حقیقت ہے، اور اس روشنی کی کمی وبیشی درجون اور منصبون کے مطابق ہوتی ہے،

اس سلسلہ مین حدیث کے دو ایسے موقعون کا ذکر کرنا ہے، جن سے لفظ "شرحِ صدر" کے معنی کی پوری تشریح ہوجاتی ہے، یہان یہ نکتہ پیشِ نظر رہے، کہ ان حدیثون سے حدیثی احتجاج یہان مقصود نہین، بلکہ صدرِ اوّل کے کلامِ عرب سے شرحِ صدر کے محاورہ کی تشریح

مقصود ہے،

۱- پہلا واقعہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلے زکوٰۃ دا کرنے سے انکار کرتے ہین، حضرت ابو بکر صدیقؓ اُن پر فوجکشی کا ارادہ کرتے ہین، حضرت عمر فاروقؓ آکر عرض کرتے ہین، کہ یا خلیفۂ رسول اللہ! اُن سے جہاد کیونکر ممکن ہے، آنحضرت صلعم نے تو فرمایا ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اُس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیقؓ جواب دیتے ہین، خدا کی قسم! مین اُس سے لڑون گا، جو زکوٰۃ اور نماز مین فرق کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے، اور زکوٰۃ بندون کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین دیتے تھے، اب نہ دین گے، تو مین اُن سے لڑونگا، اس کے بعد حضرت عمرؓ فرماتے ہین،

| | |
|---|---|
| فو اللہ ما ھو الا ان قد شرح | تو خدا کی قسم، نہ تھا یہ، لیکن یہ کہ کھول دیا تھا |
| اللہ صدر ابی بکر فعرفت انہ | اللہ نے ابو بکر کے سینہ کو، تو مین نے جان لیا کہ |
| الحق، (بخاری- کتاب الزکوٰۃ) | وہی حق ہے، |

۲- دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگِ یمامہ مین قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے اس وقت حضرت عمرؓ نے آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مشورہ دیا، کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب سے کاغذ پر لکھ لیا جائے، حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا، کہ مین وہ کام کیونکر کرون جس کو خود رسول اللہ صلعم نے نہین کیا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے بہتر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہان تک حضرت ابو بکرؓ کی سمجھ مین بھی بات آگئی، اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کہتے ہین،

| | |
|---|---|
| فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللّٰہ | تو عمرؓ بار بار مجھ سے کہتے رہے، یہانتک کہ خدا نے اس |
| صدری لذالک ورأیتُ فی ذالک | کیلئے میرے سینہ کو کھولدیا، اور مین نے بھی وہی |
| الذی رای عمر، (صحیح بخاری جمع القرآن) | دیکھا جو عمرؓ دیکھتے تھے۔ |

ان دونون موقعون پر لفظ **شرح صدر** اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے، یہی شرح صدر ہے جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورۂ زمر کے حوالہ سے گذرا **نورِ ربانی** یا نورِ بصیرت کہا ہے،

آنحضرت صلعم کو شرحِ صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی، اُس کے سمجھنے سے پہلے بلاغت کا ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے، جب کوئی لفظ متعلقات کے صلہ اور مفعول کے ساتھ مقید ہو کر بولا جاتا ہے تو اس سے معنی کی تخصیص و تحدید ہو جاتی ہے، لیکن وہی لفظ جب متعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائیگا، تو وہ عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دیگا، مثلاً علم (جاننا) مفعول کو چاہتا ہے، جس چیز کا علم ہوتا ہے اُس کو عبارت مین مفعول بناتے ہین، اور اس عبارات مین اس علم سے مقصود اُسی خاص شے کا علم ہوتا ہے جسکو مفعول بنایا ہے، لیکن اگر مفعول کو حذف کر دین تو اُس کا مقصد کسی خاص چیز کے علم کے بجائے مطلق اور عام علم کا ثبوت ہوگا، ایک جگہ قرآن مین ہے یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا (روم)" وہ حیاتِ دنیا کا ظاہری پہلو جانتے ہین" ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہے یعنی دنیا کی ظاہری زندگی کے علم سے، عام علم سے نہین، لیکن دوسری جگہ ہے هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ " کیا جو جانتے ہین اور جو نہین جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہین اور جو علم نہین رکھتے)

دونون برابر ہو سکتے ہین"۔ یہان یہ ذکر نہین کہ کس خاص بات کو جانتے ہین، بلکہ مقصود عام علم ہے، تو یہان معنی یہ ہونگے کہ" جو ہر طرح کے علم والے ہین اور جو مطلق بے علم ہین، دونون برابر نہین ہو سکتے"۔ بلاغت کی کتابون مین ھُوَ یَامُرُ وَیَنْھٰی ھو یعطِی وَیَمْنَع، ھو اَضْحَکَ وَاَبْکٰی کی مثالون سے اس مفہوم کی توضیح کی گئی ہے،

اس تمہید کے بعد شرحِ صدر کے گذشتہ استعمالون اور مثالون پر نظر ڈالئے، ہر جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا، کہ جس بات کے سمجھنے کے لیے سینہ کھولا جاتا ہے، اُس پر لام آتا ہے، یا قرینہ سے سمجھا جاتا ہے، مثلاً اسلام کے لیے سینہ کھولدیا، جمعِ قرآن کے لیے سینہ کھولدیا، مانعینِ زکوٰۃ کے قتال کے لیے سینہ کھولدیا، مگر حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلعم کے لیے قرآن مین جس شرحِ صدر کا ذکر ہے، اس مین اُس بات کا ذکر نہین ہے جس کے لیے ان انبیا علیہم السلام کے سینے کھولے گئے، اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاؑ کو امورِ دین مین مطلق اور عمومی شرحِ صدر عنایت ہوا، اور یہین سے عام امت اور انبیاؑ کے فرقِ مراتب کا اظہار ہوتا ہے، کہ امت کے عام افراد کو خاص خاص امور کے سمجھنے کے لیے شرحِ صدر ملتا ہے، اور انبیا کو اپنے دائرہ مین کلی اور عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت ہوتی ہے،

ایک اور لطیف پہلو بھی یہان ذکر کے قابل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر احسان دونون موقعون پر لِیْ اور لَکَ ہے، حضرت موسیٰؑ کہتے ہین، "میرے لیے میرے سینہ کو کھولدے" اور آنحضرت صلعم کے لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کیا مین نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہین دیا" سوال یہ ہے کہ "میرے لیے" اور "تیرے لیے"

کے اضافہ کی ضرورت، اور اس "لام" کی حاجت کیا تھی؟ مفسرین میں امام زمخشری نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لیے ہے، حالانکہ یہ لام تملیک کے بجائے لامِ افادہ ہے، جیسا کہ خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا میں ہے، مقصد یہ ہے کہ شرحِ صدر کی دولت تجھکو تیرے لیے ملی ہے، یعنی تیرے کشفِ علم کے لیے، یا تائید کے لیے، یا فائدہ کے لیے اور یہ کشفِ علم اور شرحِ صدر خود تیری ذات کے لیے ہے، کہ وہ کامل سے کامل تر ہو کر ظاہر ہو۔

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو دین کا جو یہ عمومی شرحِ صدر عنایت ہوا، اسکا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نمایاں ہوگا؟ تو دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو افعال و اقوال اور احادیث و سنن کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں،

**تبیینِ کتاب** آنحضرت صلعم دنیا میں جس شریعت کو لے کر آئے، وہ آخری اور ابدی تھی، اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر دے، چنانچہ اس آخری وحیِ الٰہی نے اپنی کتاب کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا، اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے، جن کے سہارے سے وہ دل جو علم و معرفت سے پرنور اور حکم و حکمت سے معمور، اور شرحِ صدر اور تائیدِ ربانی سے فیضیاب ہوں، وہ علیٰ قدرِ مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لیں، چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبیؐ کو ملا، اور چونکہ وہ خطا سے معصوم ہے، اس لیے اس کے اس منصب کے نتائج بھی خطا سے محفوظ ہیں، پھر رسولؐ کے وسیلہ سے یہ منصب خلفائے راشدینؓ، اکابر صحابہؓ، ائمہ تابعین و تبع تابعین و مجتہدینِ عظام اور علمائے اعلام کو ہمیشہ ملتا رہا، اسی کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے، جس کو ہر زمانہ کے

فیضیاب علوم نبوت، اور حاملین اسرار شریعت، خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق، اس کی وحی کی روشنی میں ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں، اور دیتے رہیں گے، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی توضیح وتفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے، فرمایا،

| | ترجمہ | |
|---|---|---|
| لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ | | تو قرآن کی وحی کیساتھ اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت |
| اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا | | نہ دے، تاکہ تو اسکی (تلاوت واشاعت میں) جلدی کرے |
| قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا | | بیشک ہم پر ہی قرآن کو جمع کرنا اور اسکا پڑھانا، اور جب ہم |
| بَيَانَهٗ ؕ (قیامہ-۱) | | اسکو پڑھا دیا، تو تو اسکی پڑھائی کی پیروی کر، پھر ہمیں پر اسکی |

اس بیان اور شرح کی ذمہ داری کبھی بذریعۂ وحی ادا ہوئی ہے، جو قرآن میں مذکور ہے، اور کبھی رسول کی تقریر وعمل سے پوری ہوئی ہے، جو عملی تواتر سے منقول اور احادیث وسنن کے مستند دفتر میں موجود ہے،

یہ امر کہ اس بیان وشرح کی طاقت، اور اس شرح وبیان کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا، حسب ذیل آیت سے ثابت ہے،

| | |
|---|---|
| وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ | اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت (کی کتاب) اتاری |
| مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ | تاکہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا ہو، تو اس کو کھول کر |
| (نحل-۶) | بتادے، شاید وہ سوچیں، |

"بیان" اور "تبیین" کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں، اور ان کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے، ایک اعلان، اور اظہار کے معنی میں، یعنی اخفا کے مقابل، دوسرے توضیح

وتفسیر کے معنی مین، قرآن پاک مین یہ لفظ "تبیین" اپنے دونون معنون مین آیا ہے، اب یہ تمیز کہ کس آیت مین کیا معنی مراد ہین، سیاق وسباق اور موقع ومحل سے ہوسکتی ہے، مثلاً ایک جگہ قرآن پاک مین ہے،

| | |
|---|---|
| يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا | اے کتاب والو! تمھارے پاس ہمارا رسول |
| يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ | آیا کہ کتاب کی جو باتین تم چھپاتے تھے، وہ انکو |
| مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ، | تمھارے لیے ظاہر کرے اور بہت سی باتون سے |
| (مائدہ - ۳) | در گذرے، |

یہان "تبیین" صریح طور سے اخفا کے مقابلہ مین ہے، اس لیے یہان "تبیین" کے معنی یقینی طور پر "اظہار و اعلان" کے ہین، لیکن یہی لفظ دوسری جگہ سورۂ نحل مین اسطرح آیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ | اور ہمنے تجھپر کتاب نہین اتاری لیکن اس لیے تاکہ تو |
| لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّ | واضح کردے اس کو جسمین انھون نے اختلاف |
| رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ، | کیا، اور ایمان والون کے لیے رہنمائی اور رحمت |
| (نحل - ۸) | بناکر اس کو اتارا، |

اختلاف کے مقابلہ مین اظہار اور اعلان کی نہین، بلکہ توضیح وتشریح کی ضرورت ہے کہ جس امر مین اختلاف ہو، وہ اس توضیح وتفسیر کے بعد دور ہوجائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے جو اسی سورہ مین ایک اور مقام پر ہے،

| | |
|---|---|
| وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ | اور ہم نے (اے پیغمبر!) تیری طرف نصیحت کی |

لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ، (نحل-۶) | کی کتاب (قرآن) کو اتارا کہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا تو انکو اُن کے لیے کھولکر بتادے، شاید کہ وہ سوچین،

سوال یہ ہے کہ اس آیتِ پاک مین بیان کرنے کے معنی ظاہر کرنے کے ہین یا تشریح و تفصیل کرنے کے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہان غور وفکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب تشریح وتفصیل کے معنی لینا صحیح ہے، امرِ مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہوسکتا ہے، مگر سوچنے کے نہین، سوچنے اور غور وفکر کرنے کے لیے یہان تشریح وتفصیل کی ضرورت ہے، نہ کہ اظہار واعلان کی، اب جبکہ آنحضرت صلعم کے لیے تفصیل وتبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہو تو اُس تفصیل وتبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہوگی، اور آپ کی یہ تبیین وتشریح آپکے نورِ حکمت کا فیضان ہوگا، جس کے اشارے خود کتابِ الٰہی کے اندر آپ کو موجود نظر آتے تھے،

روایت | انسانی الفاظ مین یہ قدرت نہین کہ اُن کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جاسکے جو ایک طرف اختلافِ فہم سے محفوظ رہے، اور دوسری طرف اُس مین یہ وسعت ہو کہ تمام آیندہ پیش آنے والے واقعات پر جنکے جزئیات کی کوئی حد نہین پوری طرح حاوی ہوسکے، لیکن فہمِ انسانی کے اختلاف سے جو نقائص قانون مین ہوتے ہین، گو اُن کو تمامتر دور نہین کیا جاسکتا تاہم اُن کو کم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے اپنے قانونِ الٰہی سے جو بہرحال انسانی بول چال کے الفاظ مین ہے، اس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لیے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفت زبانی اور عملی طور سے اسکی تشریح وتبیین کرادی، گو انسانی ذرائع حفظ وروایت کی فطری کمزوریون

کے سبب سے اس تشریح وتبیین میں بھی اختلافِ فہم پیدا ہوگیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ اگر یہ تشریح وتبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی خلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی،

روزمرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی، کہ آنحضرت صلعم کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہتے، اور آپ وحیِ کتاب کے اصول وکلیات کے ماتحت اپنے نورِ بصیرت اور فہمِ حکمت سے اُن کے فیصلے فرماتے رہتے، خلفائے راشدینؓ نے اپنے اپنے عہد میں ان نو بنو اور تازہ بتازہ واقعات کے فیصلوں کے لیے اوّلاً وحیِ کتابی کو، اور اس کے بعد آنحضرت صلعم کے اُن قضایا اور فیصلوں کو جو فہمِ نبوت، نورِ بصیرت اور ارادتِ الٰہی کے ذریعہ فیصل ہوئے تھے، اپنا ماخذ قرار دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہا اور مجتہدین نے اختیار کیا، اور ہر نئے واقعہ کو وحیِ کتاب، اور فیصلۂ نبوی کے معصوم ومسلّم معیار پر جانچ کر اُنہیں سے کسی نہ کسی مماثل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کرکے اپنے فیصلے دیئے، اور جو چیزیں اُن میں نہ ملیں اُن کو معمولی عدل وانصاف، رسم ورواج، عقل وفکر واستحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر اُن کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج **فقہ اسلامی** کہلاتا ہے،

وحیِ الٰہی قرآنِ پاک میں ہے، اور آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلے احادیث وسُنن کی صحیح روایتوں میں محفوظ ہیں، وحیِ الٰہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہوسکتا، اب رہ گئی آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی، تو اس کے متعلق بھی وحیِ الٰہی ناطق ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ | ہمنے (اے پیغبر!) تیری طرف سچائی کے ساتھ کتاب |
| لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ | اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو تجھکو اللہ سوجھائے |

(نساء - ۱۰۶) اُس کے ذریعہ فیصلہ کرے،

اس کتاب الٰہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے، کہ تو اے پیغمبر! اس کے احکام اور قوانین کو لے کر اُس فہم کے ذریعہ جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھ کو سوجھائے، اور دکھائے، تو لوگون کے درمیان فیصلہ اور انصاف کرے، اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر کو یہی سوجھانا اور دکھانا جو کچھ تھا، وہ آپکے عمل اور قضایا اور فیصلون کی صورتون مین محفوظ ہے، اور اسلام کے قانون کا وحی الٰہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے،

آنحضرت صلعم کے عدل وانصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا، چنانچہ اُن کا قاعدہ تھا کہ جب اُن کا حق کسی پر ہوتا تو وہ دوڑے ہوئے عدالت نبوی مین حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملے گا، لیکن جب اُن پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقہ سے فیصلہ چاہتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرزنش کی،

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ
مُذْعِنِيْنَ، اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ، بَلْ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف بلائے جائین
کہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کر دے، تو اُن
مین سے کچھ لوگ منھ موڑتے ہین، اور اگر ان کو
کچھ حق پہنچتا ہو، تو فرمانبردار بنکر رسول کے پاس
چلے آئین، کیا اُن کے دل مین بیماری ہے یا وہ
شک مین ہین، یا وہ ڈرتے ہین کہ خدا اور اُسکا
رسول اُن کے ساتھ بے انصافی کرے گا، بلکہ

اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَ
يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ،
(نور - ۷)

وہی لوگ بے انصاف ہین، ایمان والون کی بات
یہی کہ جب اُن کو خدا اور رسول کی طرف بلایا
جائے، تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کردے
تو وہ کہین کہ ہم نے سنا اور مان لیا، انھین لوگون
کا بھلا ہے، اور جو کوئی اللہ کے اور اُسکے رسول کے
حکم پر چلے اور اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ سے بچکر نکلے

وہی لوگ ہین مراد پانے والے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے، اور رسول کے فیصلون کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے، بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى
يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ
يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ، (نساء - ۹)

تو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے جبتک
وہ تجھے اپنے جھگڑون کا منصف نہ بنائین اور پھر
جو تو فیصلہ کرے، اس سے اپنے دل مین خفگی نہ
پائین، اور پوری طرح تسلیم کرین،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ
اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا
(احزاب - ٥)

اور مومن مرد، یا مومن عورت کا یہ کام نہین کہ
جب اللہ اور اُس کا رسول فیصلہ کردے، تو انکو
اپنے کام کا اختیار رہے، اور جس نے اللہ
اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا
گمراہ ہوا،

یہ اطاعت، اور مطلقاً سرافگندگی، اور تمام فیصلون کے قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی زبانی ذمہ داری ہر حاکمِ وقت، اور سلطانِ زمانہ کے لیے نہین، یہ انبیاؑ کے لیے خاص ہے، دو شخصون کے باہمی جزئی و شخصی مقدمات کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحیِ قرآنی کے ذریعہ نہین کرتا تھا، بلکہ رسول کے فہمِ نبوت، نورِ نبوت، فیضِ حکمت، شرحِ صدر، تبیینِ حقیقت اور اراءت (دکھانا اور سوجھانا) کے ذریعہ فرماتا تھا، لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحیِ قرآنی کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوجھاتا تھا

آپکے ان قضایا اور فیصلون کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے، آپ کی زندگی کے بعد ان فیصلون کی اطاعت یہ ہے کہ اُس قسم کے مقدمات اور معاملات مین ہم وہی فیصلے جاری کرین، جو آپ نے اپنی زندگی مین اُن کے متعلق کئے، کہ آپ کے فیصلے بحکمِ خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری، اور بے انصافی سے منزہ تھے، اور دنیا مین رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہین،

**رسول کا وجود مستقل ہدایت ہے،** اللہ تعالیٰ نے پیغمبرون کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما فرمایا ہے، یعنی نبوت اور وحی سے سرافراز ہونے کے بعد اُن کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی، اور امامت و پیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے، اُن کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگون کی رہنمائی فرمائین، اور اُن کو ضلالت و گمراہی سے بچائین، جس امت مین مبعوث ہوتے ہین، اُس کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہین، ان دونون کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانون کو جنھین یہود اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنانا چاہتے تھے، خطاب کرکے فرماتا ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ، وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ، (آل عمران ۱۰۰)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کہا مانو گے، تو وہ ایمان لا چکنے کے بعد تمھیں مرتد کر کے کافر بنا دینگے، اور تم کو کیونکر کفر کرنا چاہیے درانحالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں، اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے،

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں، ایک تو آیات الٰہی جو اُن کو سنائی جاتی تھیں، اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود، جو اپنی تعلیم، تلقین، فیضِ صحبت، اور اثر سے اُن کو بہکنے نہ دیتا، اور ضلالت سے مانع آتا تھا، اگر صرف کتاب الٰہی اس کام کو انجام دے سکتی تو رسول کے ذکر کی حاجت، بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی، اس سے واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب صامت (قرآن) اُس کی کتابِ ناطق (رسول) سے ملکر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہے، اور غالباً اس حدیث صحیح کے بھی یہی معنی ہیں جسکا اعلان آپنے حجۃ الوداع سے واپسی میں اپنی وفات سے کچھ مہینوں پہلے فرمایا،

انی تارک فیکما الثقلین کتاب اللہ وسنتی،

مسلمانو! میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت (یعنی اپنی عملی زندگی)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد آپ کا ظاہری وجود مٹ گیا، مگر آپ کی عملی زندگی جسکو سنت کہتے ہیں، قائم و باقی ہے، اور وہ بھی قرآن کے بعد ہماری ہدایت کا دوسرا سرچشمہ ہے،

**تزکیہ** انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور آنحضرت صلعم کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تزکیہ ہے،

تزکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوتِ محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتون مین ہے، جنمین آپ کی یہ توصیف کیگئی ہے "ایک رسول جو لوگون پر خدا کی آیتین تلاوت کرتا ہے اور انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور اُن کو پاک و صاف کرتا ہے" ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف دو پہلے اوصاف سے الگ ہے، یہ پاک و صاف کرنا، آیاتِ الٰہی کی تلاوت، اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد، نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے، کہ آپ کی تعلیم و تربیت، فیضانِ صحبت، حسنِ اخلاق، پند و موعظت، اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے بُرے اچھے، بد نیک اور اشرار اخیار بنجاتے ہین،

انبیاء علیہم السّلام کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے، کہ وہ گمراہ اور بدکار قومون مین مبعوث ہوئے، ہر طرح کی اذیتین اٹھائین، تکلیفین سہین، مصیبتین جھیلین، اور آخر تاریکی کو روشنی سے، جہالت کو علم سے اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے، اور مدت تک اُن کی تاثیر کا فیض جاری رہا، اُن کا یہ وصفِ تزکیہ وحی و الہام کے علاوہ اُن کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ اُن کی زبان اس وقت وحیِ الٰہی سے مترنم ہو یا خاموش، ہرآن آفتابِ حق کی کرنین مطلعِ نبوت سے نکل نکل کر دلون کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھین،

نور اسی لیے نبوت کا سینہ، صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا مجسم پیکر ظلمتکدہ عالم کا چراغ اور علم و ہدایت کا مطلع النور ہوتا ہے، جس طرح اس کا صحیفۂ الہامی اور وحیِ ربانی نور ہوتی ہے، وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے، جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے، اور حق کے طالب روشنی حاصل کرتے ہین، خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا،

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا — اے نبی! ہم نے تجھ کو بتانے والا، خوشی سنانے والا

| | |
|---|---|
| وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا، وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ | بشارت دینے والا، خدا کی طرف اسکے حکم سے بلانے والا، |
| بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا، (احزاب-۶) | اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا، |

یہ آس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسول کی ذات ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم و جان، زبان و دل، خلق و عمل، علم و فہم میں روشنی نہیں، تو آپ کی ذات جو انہیں چیزوں کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیونکر ثابت ہو گی، اور جب آپ کی ذاتِ مبارک کی یہ تمام چیزیں انوارِ الٰہی ہیں، تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے، اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم دھرنا ہے،

**آیات و ملکوت کی رویت** جس طرح انبیا علیہم السلام اپنی قوتِ سامعہ سے ندائے غیب کو سنتے اور صدائے وحی کی سماعت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں، جو عام انسان نہیں دیکھتے، حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں ہے،

| | |
|---|---|
| وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ | اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین |
| السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ | کی مملکت دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے |
| الْمُوْقِنِيْنَ، (انعام-۹) | والوں میں ہو، |

استعدادِ نبوت کی تربیت اور نشو و نما کے لیے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت ان کو عطا ہوئی،

حضرت موسیٰؑ کو طور پر جو کچھ نظر آیا، وہ جلوہ گریٔ حسن و عشق کی مشہور کہانی ہے، آنحضرت صلعم کے مشاہداتِ روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۔ (اسرائیل-۱)
تاکہ ہم اُس (رسول بندہ) کو اپنی نشانیان دکھائین،

دوسری جگہ ہے،

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى، اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم-۱)
دل جھوٹ نہین بولا جو اُس نے دیکھا، کیا اس پر اُس سے جھگڑتے ہو؟ اور دوسری بار اُس کو اترتے دیکھا،

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى، لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى، (نجم-۱)
نگاہ نہ بہکی، اور نہ سرکش ہوئی، اُس نے اپنے رب کی بڑی نشانیان دیکھین،

ایک اور مقام پر ہے،

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (تکویر)
اور اُسنے یقیناً اُسکو آسمان کے کھلے کنارے مین دیکھا

یہ مشاہدہ وحی والہام کے علاوہ، نبوت کے دوسرے حاسۂ بصارت کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے

**سماعِ غیب** جس طرح آیات وملکوت کا مشاہدہ انبیاء کے حاسۂ بصارت کا امتیازی وصف ہے، اسی طرح غیب کی آواز اور وحی کی صدا کو سننا بھی اُن کے حاسۂ سماعت کا خصوصی امتیاز ہے، قرآن پاک مین اس کی تصریحات موجود ہین، کہ انبیاء خدا سے ہم کلام ہوتے تھے اور وحی کو پاتے تھے، وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۔ (نساء-۲۳) اور خدا نے موسیٰ سے بات کی

حضور کو حکم ہوا،

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ، (طٰہٰ-۶)
اور اس سے پہلے کہ قرآن کی وحی تجھ پر پوری ہو قرآن کے پڑھنے مین جلدی نہ کر،

خدانے پیغمبرون کو پکارا، اور انھون نے اُس کی آوازین سنین، نَادَیْنَا "ہم نے پکارا"، بار بار یہ الفاظ قرآن مین پیغمبرون کے متعلق آے ہین،

تبلیغ ودعوت

نبیؐ کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے، یعنی جو سچائی اُس کو خدا سے ملی ہے، اس کو دوسرون تک پہنچا دینا، اور جو علم اُس کو عطا ہوا ہے، اس سے اورون کو بہرہ ور کرنا، خدا کا جو پیغام اس تک پہنچا ہے، وہ لوگون کو سنا دینا، اس نے اس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے، اس سے اپنے ہمجنسون کو باخبر کرنا، جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی اور اخلاقی طاقتین اس کو بخشی گئی ہین، اُن کو اس راہ مین صرف کرنا، اور اس سمجھانے بجھانے اور راہِ راست پر لانے مین صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا، اُس اعلان اور دعوت مین جو تکلیف بھی پیش آئے، اس کو راحت جاننا، جو مصیبت بھی درپیش ہو، اس کو آرام سمجھنا، جو کانٹے بھی اس وادی مین اس کے تلوون مین چبھین، اُن کو رگِ گل سمجھنا، اس حق کی آواز کو دبانے کے لیے جو قوت بھی سر اٹھائے، اس کو کچل دینا، اور مال ومنال، اہل وعیال، غرض جو چیز بھی اس سفر مین سنگِ راہ ہوکر سامنے آئے اس کو ہٹا دینا، اور اس کی اس ساری کوشش دکاوش کا مقصد خدا کی رضامندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرضِ رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہین ہوتا،

یہ ہے انبیاؑ کی تبلیغ ودعوت کا مفہوم، دنیا مین جس قدر پیغمبر آئے، انھون نے اپنے فرض کو اسی ایثار اور قربانی کے ساتھ انجام دیا، اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے مین کوتاہی نہ کی، اور آج دنیا مین جو کچھ خدا کی محبت، بھائیون کا پیار، انسانون کی ہمدردی، نیکو کارون

کی مدد، غریبون کی اعانت، اور دوسری نیکیون کا اس سطحِ زمین پر وجود ہے، وہ سب بواسطہ یا بلا واسطہ، دانستہ یا نادانستہ انھین کی دعوت و تبلیغ اور جد وجہد کا اثر اور نتیجہ ہے،

دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر، بڑے سے بڑے شاعر، بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لینا، یا زیادہ سے زیادہ دوسرون کو سمجھا دینا، سمجھتے ہین، لیکن انبیا علیہم السلام جس صداقت کو پاتے ہین، اس کو دوسرون کے سمجھانے، اور ہر ممکن طریق سے اس کے پھیلانے، اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے مین اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہین، وہ ہر مشکل کو جھیل کر نافہمون کو حقیقت سمجھاتے اور اندھون کو راہِ راست دکھاتے ہین،

انبیا علیہم السلام کی تعریف مین خدا فرماتا ہے،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ | جو اللہ کے پیغامون کو پہنچاتے ہین، اور اُسی |
| وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا | سے ڈرتے ہین، اور اس کے سوا کسی سے نہین |
| اِلَّا اللّٰہَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا۔ (احزاب۵) | ڈرتے، اور اللہ بس ہے حساب (اعمال) کیلئے، |

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی (طٰہٰ۔۱) | فرعون کے پاس جا کہ اُس نے سرکشی کی، |

آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ پیغامِ ربانی کی بے محابا تبلیغ کرین، اور دشمنون سے نہ ڈرین کہ اون کی حفاظت کا خود شہنشاہِ عالم ذمہ دار ہے،

| | |
|---|---|
| یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ | اے پیغمبر! تیرے رب کے پاس سے جو تیری طرف |
| مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ | اترا ہے، اُس کو پہنچا دے، اور اگر تو نے نہ کیا تو |

رِسٰلَتَہٗ، وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ - ۱۰)

اس سے کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہین کیا، اور اللہ تجھکو لوگون سے بچائیگا۔

انبیار کی تبلیغ و دعوت مین تبشیر اور انذار دونون ہوتے ہین، **تبشیر** یعنی بشارت دینا، اور خوشخبری سنانا، اور **انذار** یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الٰہی کا خوف دلانا، اور لوگون کو انکے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور انبیار کی آمد اس شان سے اس لیے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندون پر تمام ہو جائے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ، (نساء - ۲۳)

یہ سب پیغمبر خوشخبری سناتے، اور ہشیار و بیدار کرتے ہوئے آئے تاکہ پیغمبرون کے آنے کے بعد لوگون کے لیے خدا پر کوئی حجت نہ رہے،

ان سب نے پیغام الٰہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا،

اُبَلِّغُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنَا لَکُمۡ نَاصِحٌ اَمِیۡنٌ، (اعراف - ۹)

مین تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہون، اور مین تمہارا امانت دار خیر خواہ ہون،

یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَۃَ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ، (اعراف - ۱۰)

اے میرے لوگو! مین نے اپنے رب کا پیام تمکو پہنچا دیا، اور تمہاری خیر خواہی کر چکا، لیکن تم خیر خواہون کو پیار نہین کرتے

یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ، (اعراف - ۱۱)

اے میرے لوگو! مین نے اپنے رب کے پیام تم کو پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کر چکا، تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگون پر مین غم کھاؤن،

یہ بھی فرمایا گیا،

| | |
|---|---|
| لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ | مین اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہین مانگتا |
| اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ، (ھود-٥) | میری مزدوری تو اُس پر ہے، جسنے مجھکو پیدا کیا، |
| لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ | مین اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہان |
| اِلَّا عَلَی اللّٰہِ، (ھود-٣) | نہین ہون، میری مزدوری تو خدا پر ہے، |

**ایک شبہہ کا ازالہ** اس سلسلہ مین ہم کو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو بعضون کو حضورؐ کی صفت تبلیغ کے سمجھنے مین پیش آئی ہے، قرآن مجید مین متعدد آیتین اس معنی کی آئی ہین کہ "رسول کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا (البلاغ) ہے" اس سے آجکل کے بعض کوتاہ بینون کو یہ دھوکا ہوا کہ رسول کا فرض صرف وحیِ الٰہی کی تبلیغ ہے، یعنی قرآنِ پاک کے الفاظ کو انسانون تک بعینہٖ پہنچا دینا اُس کا کام ہے، اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح نہ اس کا منصب ہے اور نہ اسکا اسکو حق ہے، اُن کے نزدیک مبلّغِ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے، مگر اُس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح کا اسکو حق نہین ہوتا، بلکہ اس کو یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ اس بند لفافہ مین کیا ہے،

شاید اُن کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ "رسول" سے بھی ہوا ہے، جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہین، لیکن وہ لوگ یہ خیال نہین کرتے، کہ جہان اُس کو رسول کہا گیا ہے "نبی" (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہے، بشیر (خوشخبری سنانے والا) نذیر (ڈرانے والا) سراج منیر (روشن کرنے والا چراغ) صاحبِ حکمت، صاحبِ خلقِ عظیم، صاحبِ مقامِ محمود، مجتبیٰ

(مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) مبیّن (بیان اور شرح کرنے والا) معلّم (سکھانے والا) مزکی (پاک و صاف کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع (واجب الاطاعۃ) آمر (حکم دینے والا) اور ناہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف و القاب اُس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے، جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں؟ اسکے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی دان کو حق حاصل ہے، اور اسکی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے، مگر خود صاحبِ پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم و معنی کا علم تھا، اور نہ اسکی تشریح کا اُس کو حق تھا، اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ، ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے،

اُن کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضعِ قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تسلیم کیا گیا ہے، کہ وہی اصلی شارع ہے، اب اگر رسول کے لیے بھی وحیِ کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا،

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے، کہ ہم رسول کو شارع نہیں، شارح قرار دیتے ہیں، کیا عدالت کی کرسی پر بیٹھکر جج جب حکومت کے قانون کی توضیح و تشریح کرتا ہے، تو وہ اپنے اس عمل سے سلطانِ وقت بنکر واضعِ قانون کا منصب حاصل کرتا ہے، یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اس قاضی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اور معلّم اور مبیّن کہتے ہیں،

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اُسی طریقۂ خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا جس طریقِ خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے، بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اس رسول پر واضح کرتا ہے، اور اُن میں سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت تمام امت پر فرض ہے، خواہ وہ وحی ہو، جو الفاظِ الٰہی کی قید کیساتھ آئی ہو، جس کو قرآن کہتے ہیں، یا ربّانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں، جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں، الغرض خواہ وہ کتاب الٰہی کے ذریعہ سے ہو، یا حکمتِ ربّانی کے فیض سے ہو،

قرآن مجید کی وہ آیتیں جنکے معنی یہ ہیں کہ "ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے" ان کا یہ منشا نہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے، خوشخبری سنانے والا نہیں، ہشیار و بیدار کرنے والا نہیں، پیغامِ الٰہی کے الفاظ سنانے کے بعد اُن کی تعلیم دینے والا نہیں، آیاتِ الٰہی کی تبیین و تشریح کرنے والا نہیں، رہنما اور ہادی نہیں، نجاستوں سے پاک وصاف کرنے والا نہیں، ایسا کہنا قرآن کا انکار اور عقل و فہم کا ماتم ہے، قرآن میں کئی جگہ ہے،

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ (ص۔ رعد۔ نازعات) تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے،

ایک جگہ ہے،

اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ (ص۔ ۵) میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں،

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈر سنانے کے سوا، رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہیں، اور وہ صرف منذر ہے، مبشر نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں

اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (مائدہ ۲) ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے،

کامفہوم یہ نہین ہے کہ وہ صرف پیغام رسان اور قاصد ہے، مبیّن اور شارح نہین، بلکہ یہ ہے کہ اسکا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگون کے دلون مین اس پیغام کا اتار دینا نہین، بزور لوگون کو مسلمان بنا دینا نہین، جبراً منوا لینا نہین، اور نہ پیغام پہنچا دینے کے بعد لوگون کے کفر و انکار اور عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن مین جہان جہان اس معنی کی آیتین آئی ہین، ان کا منشا یہی اور صرف یہی ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتون مین یہ بات کہی گئی ہے، اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے،

| | |
|---|---|
| ۱- وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ | کتاب والون اور اَن پڑھون سے کہدے کیا |
| الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا | تم نے اسلام قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت پائی اور |
| فَقَدِ اهْتَدَوْا، وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا | اگر منہ پھیرا تو تجھ پر (اے رسول) صرف |
| عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ | پیام پہنچانا ہے، اور اللہ بندون کا دیکھنے |
| (آل عمران - ۲) | والا ہے، |

مفہوم بالکل ظاہر ہے، کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے مین کوئی زبردستی نہین، اگر لوگ قبول کرین تو انھون نے حق کی راہ پائی، اور اگر انکار کرین تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا تھا، وہ اس نے پہنچا دیا اس کا فرض ادا ہو چکا، اب خدا جانے، اور اس کے بندے جانین،

| | |
|---|---|
| فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ، | تو تیرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہمارا |
| (رعد - ۶) | فرض اُن سے حساب لینا ہے، |

اس کی مزید تفصیل سورۂ غاشیہ مین ہے،

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ، إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ، فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ، إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ، (غاشیہ-۱)

تو (اے پیغمبر!) تو نصیحت کر، تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے، اُن پر داروغہ نہین، لیکن جس نے منھ پھیرا، اور انکار کیا، تو خدا اُس کو بڑی سزا دے گا، بے شک پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہی اور ہمین پر اُن کا حساب لینا ہے،

یہی مفہوم سورۂ شوریٰ مین ہے، کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان کارفرما، داروغہ اور فرمانروا بنا کر نہین بھیجا گیا، کہ لوگون سے بزور اپنی بات منوالے،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا، إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شوریٰ-۵)

تو اگر وہ انکار کرین تو ہم نے تجھ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہین بھیجا، تیرا کام صرف پہنچا دینا ہی،

کافرون نے جب کبھی رسولون کو جھٹلایا، انھون نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ماننے نہ ماننے کا تھین اختیار ہے،

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ، قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ، وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ، (یٰسین-۲)

کافرون نے کہا تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، خدا نے کچھ نہین اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو، رسولون نے جواب دیا ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے، کہ ہم بے شبہ تمھاری طرف بھیجے گئے ہین اور ہمارا فرض صرف کھول کر پہنچا دینا ہے،

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولون کو تسلی دی ہے، کہ ان منکرون کے انکار سے دل شکستہ

نہ ہون، اگلے پیغمبرون کے منکرون نے بھی یہی کیا تھا پیغمبرون کا فرض لوگون سے منوانا نہین؛ بلکہ اُن تک خدا کا پیام پہنچانا ہے،

| | |
|---|---|
| وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ | اور مشرکون نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے |
| مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ | سوا کسی اور کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ |
| وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ | دادا، اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام |
| مِنْ شَيْءٍ، كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ | کرتے، (خدا کہتا ہے کہ) ایسا ہی کیا تھا اُن کے |
| قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ | پہلون نے تو کیا ہمارے پیغمبرون پر کھول کر |
| الْمُبِيْنُ، (نحل - ۵) | پہنچا دینے کے سوا کچھ ہے؟ |
| وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ | اگر تم جھٹلاؤ تو (کیا ہے) تم سے پہلے بھی تو |
| مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا | مین جھٹلا چکی ہین، اور رسول پر نہین لیکن کھول کر |
| الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ، (عنکبوت ۲) | پہنچا دینا، |

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے،

| | |
|---|---|
| مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ | رسول پر نہین ہے لیکن پہنچا دینا، اور اللہ |
| يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ (مائدہ ۱۳) | جانتا ہے، جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، |

بقیہ آیتین حسب ذیل ہین، جو ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہین،

| | |
|---|---|
| وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ | اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور |
| وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا | بچو، اور اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے |

| | |
|---|---|
| عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ، (مائدہ-۱۲) | رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے، |
| قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ | کہدے اے پیغمبر! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول |
| فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَ | کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ پھیرین، تو رسول |
| عَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ | پر وہ ہے جسکا بوجھ اس پر ہے، اور تم پر وہ ہی |
| تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا | جسکا بوجھ تم پر ہے، اور اگر اُس کی اطاعت کروگے |
| الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ، (نور-۷) | تو ہدایت پاؤگے، اور رسول پر نہین لیکن کھولکر پہنچا دینا |
| كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ | اسی طرح اللہ تمپر اپنا احسان پورا کرے گا، تاکہ |
| تُسْلِمُوْنَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا | تم مسلمان ہوجاؤ، اور اگر انھون نے منہ پھیرا تو |
| عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ، (نحل-۱۱) | تجھپر کچھ نہین ہی مگر کھول کر پہنچا دینا، |
| وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ | اور خدا کا کہا مانو، اور رسول کی فرمانبرداری |
| فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا | کرو، اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول پر صرف |
| الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ، (تغابن-۲) | کھولکر پہنچا دینا ہے، |

پیغمبر کا قول ہے،

| | |
|---|---|
| فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّا | تو اگر تم منہ پھیرو تو مین جو پیام دیکر تمھارے پاس بھیجا گیا تھا |
| اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ، (ھود-۵) | وہ مین نے تمکو پہنچا دیا، (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا) |

ان تمام آیتون کا تعلق نبوت کے منکرون سے ہی، یہان پر یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہون، اُن سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت، پند و موعظت، اور

سمجھانے کا ہے، لیکن جو خوش قسمت اقرارِ نبوت کی سعادت حاصل کرلیں، تو پھر اُن کا تعلق رسول سے اتباع و پیروی اور اطاعت کا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد رسول اُن کو تبلیغ ہی نہیں، بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت، دوسرے ملک کے کسی باشندہ کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بنجائے تو پھر اس کو اس کے قانون کی پیروی پر بزور مجبور کیا جائے گا، کہ رعایا بننے کے معنی ہی اُس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں،

**انبیاؑ کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ**

دنیا میں جسقدر پیغمبر آئے، وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لے کر آئے، وہی توحید، وہی نبوت، وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جزا و سزا، اور عمل کی پرسش، اس لحاظ سے انبیاؑ کی تعلیم میں کوئی اصولی فرق نہیں، اسیلئے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا الآیہ، "یعنی خدا نے تمہارے لیے وہی دین مشروع کیا، جو نوحؑ وغیرہ دوسرے پیغمبروں کو دیا تھا، اور اسی کا نام اسلام ہے، لیکن انبیاؑ کی تعلیم کا اہم الاصول اور سب سے ضروری جزو توحید ہے، اور وہی نبوت کے ساز کا اصلی اور ازلی ترانہ ہے،

ممکن ہے کہ دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گذرے ہوں اور انکی دعوت بھی مفید ہو، ان کے اخلاقی وعظ بھی دلپسند ہوں، وہ یونان کے حکیم ہوں، یا ہندوستان کے اوتار، لیکن اُن کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں، تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہیں، کہ پیغمبرانہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت ہے، اگر یہ نہیں تو نبوت بھی نہیں، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ | اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا، |
| اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا | لیکن اس کو یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں |

فَاعْبُدُوْنَ ، (انبیا-۲) میری ہی پرستش کرو،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اور ہر قوم مین ہمنے ایک رسول بھیجا، کہ خدا کی عبادت

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (نحل ۵) کرو، اور بتون سے پرہیز کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے، اسلام سے پہلے جس مدعیِ نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہین اس کو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہین،

**نبوت کی غرض و غایت** انبیا (علیہم السلام) کی آمد کی غرض و غایت کو شاعرانہ زبان، اور خطیبانہ جوشِ بیان مین بہت کچھ بتایا جا سکتا ہے، لیکن یہان مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنایا جائے، جو محمد رسول اللہ صلعم کی وحیِ مبارک کی زبان سے ادا ہوئے ہین، اصل دعویٰ وہی ہے جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو، نہ کہ گواہ،

انبیا کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اُس روزِ الست کے بھولے ہوئے ازلی عہد و پیمانِ بندگی کی یاد دہانی ہے،

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ، (اعراف-۲۲)

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھون سے انکی نسلون سے عہد لیا، اور اُن کو خود اپنے اوپر آپ گواہ کیا، کہ کیا مین تمھارا پروردگار نہین ہون، انھون نے کہا کیون نہین تو ہے، ہم نے گواہی دی، کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اسکو بھول گئے تھے

اس لیے ضرور ہوا کہ ان کو موقع بموقع ان کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے،

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے، کہ اُس کا وجود بنی آدم پر اتمامِ حجت ہے، ممکن ہے کہ آدم کے فرزند یہ بجا عذر کرین، کہ ہمارے پاس کوئی یاد دلانے والا نہین آیا اس لیے فرمایا،

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء - ۲۳)

رسول خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے تاکہ رسولون کی آمد کے بعد لوگون کے لئے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے،

تذکیر کے بعد نبی کا فرضِ اولین **ہدایت** اور رہنمائی ہے، کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کا مظہر اور مورد ہے، اسی لیے ایک آیت مین نبی اور رسول کے لیے ہادی کا لفظ آیا ہے، فرمایا،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ، (رعد - ۱)

اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا،

سورۂ شوریٰ مین فرمایا،

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ - ۵)

اور تو اے پیغمبر سیدھی راہ دکھاتا ہے،

سورۂ انبیا مین بہت سے پیغمبرون کے ذکر کے بعد ہے،

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا، (انبیا - ۵)

اور ہم نے اُن پیغمبرون کو ایسا پیشوا بنایا، جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے،

اسی طرح اُن آسمانی کتابون کو جو اُن کو دیگئی تھین، بار بار ھُدًی (ہدایت) کہا گیا ہے، اور کہین اُن کو ضیا، اور نور (روشنی) کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے،

اس ہدایت اور رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے، کہ وہ بندگانِ الٰہی کو باطل کے اندھیرے

سے نکال کر حق کی روشنی میں لاتے ہیں، لوگ جب فاسد خیالات، بیہودہ افکار، بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہوجاتے ہیں، انبیا ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر اُن کو ظلمات سے انوار میں لاتے ہیں، اُن کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، اور ظلمت کے بجائے نور عطا کرتے ہیں،

| | |
|---|---|
| هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (حدید-۱) | وہی اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے، تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نور میں لائے، |

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے، جب کبھی مزاج انسانی کی طرح اس کے ادنیٰ عناصر میں جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے، افراط و تفریط پیدا ہوگی، روئے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی کبھی دونوں پلے برابر نہ ہوں گے، آسمان سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو میں تُلا ہوا ہے، **کیمسٹری اور علم الفلک** کا واقفکار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور حیرت کرتا ہے، کہ کہیں ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں ہے، جس طرح اس مادی دنیا میں حیرت انگیز توازن ہے، ٹھیک اسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس توازن کی ضرورت ہے، عقائد ہوں کہ عبادات، اخلاق ہوں کہ معاملات، اسی توازن کا نام حق اور عدل ہے فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ، وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ، (رحمٰن-۱) | اور آسمان کو اونچا کیا، اور ترازو رکھی کہ اس ترازو میں کمی بیشی نہ کرو، اور تول کو ٹھیک رکھو اور ترازو کو گھٹاؤ نہیں، |

یہ توازن اور برابر تول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام مین خالقِ فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے، یہی توازن اور برابر کی تول رسولون کے ذریعہ آئی ہوئی میزانِ شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانون کی ایک ایک حرکت، اور ایک ایک جنبش مین ہونی چاہئے، بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ فطرت** ہے، اور باارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ شریعت** ہے، بے ارادہ دنیا کا نام نظامِ عدل اسی خدائی میزانِ فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان مین ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے، تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طمانیت، اور امن وامان کا نظام اسی میزانِ شریعت کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کے نظام کا درہم برہم ہونا بھی لازمی ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ، (حدید - ۳) | ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبرون کو کھلی دلیلین دے کر بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ عدل کو قائم کرین، |

انبیاؑ کی بعثت کی یہ غرض وغایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق **عدل** اور توازن کو قائم رکھین، اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن وسلامتی کے لیے ہے، آج یورپ کے الحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پرشور بنا دیا ہے، آج رسولون کی اہمیت اور اُن کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک وشبہات کی ژالہ باری ہو رہی ہے، لیکن وہمی وخیالی مباحث سے قطع نظر کرکے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک اقلیم، اور ایک ایک آبادی کا جائزہ لو، آج جہان کہین بھی سچائی

کی کوئی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن چمکتی ہے، وہ اسی مطلعِ خورشید سے چھنکر نکلی ہے، کوئی دیندار ہو یا ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکیم ہو یا افریقہ کا جاہل، یورپ کا متمدن ہو یا صحرا کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موحد، مجوسی ہو یا ہندو، مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو یا دیہاتی، ہمالیہ کی چوٹی پر آباد ہو، یا زمین کی گہرائی مین، کہین بھی ہو، کوئی بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے، اور نیکی و بدی کی تمیز سے آشنا ہے، تو وہ خدائی رسولون اور ربانی پیغمبرون کے علاوہ کس معلم کی کوششون کا ممنون ہے؟ آج جہان بھی عدل و میزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم، یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف اور تقریر و خطبہ کا اثر نہین ہے، بلکہ طبقۂ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ مین کیسے ہی بدترین مبلغ سہی، مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نکوکاری، حسنِ خلق کی تعلیم تبلیغ اور دعوت انھین کی زبانون سے ہو رہی ہے، جو رسولون کے پیرو، اور پیغمبرون کے تابع ہین، جو عقیدہ کے ملحد ہین، اُن کی بھی نکوکاری انھین پیغمبرون کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور سے پیغمبرون کے منکر ہین، وہ بھی عملی طور سے اُن کی تعلیم کے مقر اور معترف ہین، اسلیے انبیاءؑ کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر ظاہر ہوا ہے، اور قرآن نے آسمانی کتابون کو بار بار رحمۃً وھدیً، رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجنے کا جو اعلان کیا ہے، وہ تمامتر اسی غرض و غایت کی تشریح ہے، اور اسی لیے خاتمِ نبوت محمد رسول اللہ صلعم کی ذاتِ والاصفات تمام عالم کے لیے رحمت بنکر آئی، خدا نے فرمایا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، — اور ہم نے تجکو (اے محمد!) تمام دنیا کے لئے

(انبیاء - ۷) رحمت بنا کر بھیجا ہے،

تائید و نصرت | انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہین، خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئین کتنی ہی رکاوٹین ہون کتنی ہی تکلیفون اور زحمتون کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے، پیغمبرون کی سیرت، اور اُن کی دعوت کی تاریخ خود اس دعویٰ پر گواہِ صادق ہے، قرآن نے کہا،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ، (الصّٰفّٰت - ۵)

اور ہماری بات اپنے رسول بندون کے لیے پہلی ہی طے ہو چکی ہے، کہ یقیناً انھین کی مدد ہوتی ہو اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوتا ہے،

نہ صرف اس دنیا مین بلکہ حشر کے دن بھی انھین کو اور اُن کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی،

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (مومن - ۶)

بے شبہہ ہم اپنے رسولون کی اور ایمان والون کی مدد اس دنیا مین کرتے ہین، اور اُس دن بھی جب گواہ کھڑے ہونگے جس دن گنہگارون کو اُن کے بہانے کام نہ دین گے، اُن پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کے لیے بُرا گھر ہوگا،

پیغمبرون پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہین، جب اُن کو اپنی قوم کے قبولِ ہدایت کی طرف سے پوری مایوسی ہو جاتی ہے، اور امید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہین دیتی اور عذاب مین دیر ہونے کے سبب سے اُن کے منکر یہ سمجھنے لگتے ہین، کہ اُن کو عذاب کی دھمکی جھوٹ دی گئی، تو دفعۃً امید کا دروازہ کھلتا ہے، اور خدا کی تائید و نصرت کے پردے اسطرح

آنے دکھائی دیتے ہین، کہ صالح لوگون کے دل قبول کے لیے کھول دیئے جاتے ہین، اور معاندون پر کسی نہ کسی طرح عذاب آکر اُن کا استیصال ہوجاتا ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| حَتّٰٓى اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا، (یوسف - ۱۲) | یہانتک کہ جب پیغمبرون کو (اپنی قوم کے ایمان سے) مایوسی ہونے لگی اور انکے منکرون کو یہ خیال ہونے لگا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا، تو ہماری مدد آگئی، |

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظتِ دعوت کا یہ یقین اُن کو ہوتا ہے، کہ وہ ہر مشکل کو اس راہ مین جھیل لیتے ہین، اور اپنے سرون کو ہتھیلیون پر لیے پھرتے ہین، مخالفون کی فوج و لشکر تیغ و خنجر اور خوف و خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہین آتے، اور کسی دام پر بھی مخالفون سے صلح پر آمادہ نہین ہوتے، منکرون کو شروع شروع مین ان کی ظاہری بیچارگی اور تنہائی کو دیکھکر اُن کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے سوءظن کی تردید کرکے فرماتا ہے،

| | |
|---|---|
| فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ، (ابراهیم - ۷) | سو مت خیال کر کہ اللہ اپنے رسولون سے وعدہ خلافی کرے گا، |

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے، کہ سچائی کے ان پکارنے والون ہی کی آخر جیت ہوگی،

| | |
|---|---|
| كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ، (مجادلہ ۳) | اللہ لکھ چکا کہ مین ہی غالب ہونگا، اور میرے رسول |

<u>خاتمہ</u> اس تفصیل اور تشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا،

فلسفی راز پیمبر واشناس — آبگینہ راز گوہر واشناس

آبگینہ را نہ پنداری بدست — جز دمے کہ گوہرے آری بدست
چون گہر آمد بدستت شب چراغ — آبگینہ شد سیہ چون پرِ زاغ
فلسفی اندر بنِ چاہِ نژند — زد بان دارد بخورشیدِ بلند
زد بانش می برد تا چند ارش — پس بچاہ افتد نگون گشتہ سرش
وان پیمبر خود ز بامِ آسمان — رشتۂ افگندہ سوئے خاکیان
رشتۂ جان را بدین رشتہ بتاب — پس برآ تا بارگاہِ آفتاب
ز آسمان پیغمبر آوازت دہد — فلسفی از خاک پروازت دہد

این ز دورت رہ نماید سوئے جان
وان بخواند خود ترا از کوئے جان[1]

---

[1] از دیوانِ فارسی مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء

# شبِ ظلمت

## پیمبرِ اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خنکی سخت اس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شب تاریک مین ہوتی ہے، اور فضا جسقدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشان نظر آتی ہے، تو اس مین شبہہ نہین کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے مین یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی مین مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی جس کے لیے پیغمبرانہ دست وبازو کی حاجت تھی، اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست وبازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرما سکے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (فتح - ۱) | جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہین، وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہین، اور ان کے ہاتھون کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے، |

اسلام یا محمد رسول اللہ صلعم کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی واخلاقی ومعاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہمین دیکھنا چاہئے کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اُس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک ایسا

کرۂ ارضی تھا جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا مین سچے اور صحیح عقیدہ کا کہین وجود نہ تھا، توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا، مصر و یونان و روم مین، سورج، چاند، اور مختلف سیارون اور ستارون کی خدائی تھی، انہین کے معبد تھے، اور انہین کے نامون پر بے گناہ انسانون اور جانورون کی قربانیان چڑھائی جاتی تھین، ہر جگہ پتھر کی مورتون اور مٹی کی صورتون اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتون کی پوجا کیجاتی تھی،

اس وقت کی دنیا مین اخلاق کے تین معلم تھے، رواقی، عیسائی اور بودھ مت کے پیرو، اور یہ تینون کے تینون تجرّد، رہبانیت، اور جوگی پن مین مبتلا ہوکر اس طرح عضوِ معطل ہو گئے تھے کہ دنیا کا دستِ ترقی شل ہو کر رہ گیا تھا، اور ایسی سخت سنگدلانہ ریاضتون کو نیکی اور عبادت کا مرادف سمجھ رکھا تھا، کہ آج اُن کی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہین،

یہ سچ ہے کہ مسیحؑ نے چھ صدی قبل تزکیۂ نفس کے کچھ درس دیئے تھے، لیکن مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی، یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰؑ نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن فتنون اور ہنگامون کی آندھی مین یہ چراغِ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا، اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کے چھینٹون سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ اس سے بھی پہلے بودھ نے آریہ ورت کے پہاڑون اور غارون مین روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑون کو بے نام و نشان صحرا، اور ان غارون کو درندون کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون

کی گرم بازاری تھی نفسِ انسانی کی ملکوتی طاقت جذباتِ خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل، راستی، اور پاکبازی و پارسائی کے عطرِ عنبر کی خوشبو انسان کے جامۂ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤن، دیبیون، ستارون، شہیدون، ولیون، اور مجسمون کی پرستش کی عالمگیر تاریکی مین چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، بنی نوع کا نجات دہندہ، آخری بار وجود مین آئے، اور انسانیت کے شیرازہ مین، جو عرصۂ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا، پھر نظم و انتظام پیدا کر دے، اور روحانیت و خداپرستی کے خزان رسیدہ باغ کو از سرِ نو پُربہار بلکہ سدا بہار، اور دنیا کے ظلمتکدہ کو پھر مطلع الانوار بنا دے،

یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لیے ہمین مختلف قومون اور اُنکے مذہبون کی تاریخ پر ایک ایک کر کے نظر کرنی چاہیے،

**ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟**

محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کے وقت مصر، یونان، کلدانیا، اسیریا، اور بابل کی عظمت افسانۂ پارینہ بن چکی تھی، خود عرب و مضافاتِ عرب مین جو نامور حکومتین کبھی تھین، مثلاً نابتی، حمیری، سبائی وغیرہ، مدت گذری کہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا،

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صبحِ سعادت کے طلوع کے وقت کون کون قومین دنیا مین حکمران تھین، اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی، اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی حالت کے سنبھالنے کی کہانتک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتین دو ہی تھین، فارس، اور روم، فارس کا مذہب مجوسیت تھا، جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا، اور روم کا مذہب عیسوی تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینون بڑا عظمون

کو گھیرے تھا لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں بھی ذکر کے قابل ہیں جنمیں سے ہرایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعوی ہے، اور وہ یہود اور ہندو ہیں،

مجوس فارس | عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ مین اوج کمال پر تھا، مگر عہد بعثت سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے سے ساسانی شان وشوکت اور کیانی جاہ وجلال گھٹتے گھٹتے سایہ سا رہ گیا تھا، مسلسل بغاوتون، سفاکانہ خونریزیون اور سیاسی بدامنیون نے اس کو تہ و بالا کر ڈالا تھا، بادشاہون کے ظلم وستم اور امراء کی عیاشیون اور خود غرضیون نے صداقت، اخلاص، اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے، فنا کر دیا تھا،

ایران مین بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اُسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر مین افلاک اور ستارون کی کارفرمائی آج تک نمایان ہے، زردشت نے اس تاریکی مین اپنی آگ روشن کی، اور نور و ظلمت یا خیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرمن اُس کے دو خدا اور آگ اُسکی مسجود بنی، اسلام سے کچھ صدیان پیشتر مانی[1] نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک مرقع تیار کیا تھا جسمین نور و ظلمت کے فلسفہ کا ایسا گورکھ دھندا بنایا تھا جس سے اخیر اخیر تک اس قوم کو نکلنا نصیب[2] نہ ہوا، اُس کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا سے گوشہ گیری کر کے اس کو ویران و برباد، اور ترک ازدواج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے، تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے، اخلاقی حیثیت سے محرکات کا وجود ہمیشہ اُن کے ہان مختلف فیہ رہا، باپ کا بیٹی کو، اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت مین لینا وہان کوئی غیر معمولی بات

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی، وکتاب البدء والتاریخ مقدسی فرقۂ مانویہ،

[2] تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی، مطبوعہ پیرس صفحہ ۵۰۲،

نہ تھی[1]، یہ سنکر کس قدر حیرت ہوگی کہ یزدگرد ثانی جو پانچوین صدی عیسوی کے وسط مین وہان کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا، اور پھر اُس کو قتل کرڈالا، عورتون کو اس قوم اور اس مذہب مین جو حیثیت حاصل تھی، وہ اُن افسانون اور مقولون سے ظاہر ہے جو ایرانی ادبیات کا اب بھی جزر ہین اور جو شاہنامہ کے اوراق مین اب بھی ہر شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتون کی بیوفائی، بداخلاقی اور اُن پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا،

سلاطین اور امرا درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے، جن کو سجدے کئے جاتے تھے[2]، انکی اُلوہیت کے گیت گائے جاتے تھے، اُن کے دربار مین کوئی بیٹھ نہین سکتا تھا، اُن کے خلاف کوئی لب کشائی کی جرأت نہین کرسکتا تھا، اُن کے جرائم پر اُن کو سزا نہین دیجاسکتی تھی، رعایا اُن کے مظالم کے سامنے دم نہین مارسکتی تھی،

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیون کی دائمی جنگ سے پریشان حال تھا، اور گرجاؤن اور آتشکدون کی باہمی آویزش کا غیر مختتم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیسے بنجاتے اور جب ایرانی غالب آتے تو کلیسے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے معبد اور آتش خانے تعمیر ہوجاتے، یہودیون پر جو مظالم توڑے جاتے تھے انکا ایک مختصر سا نقشہ توراۃ کے قصہ ایستر مین نظر آتا ہے، اور بعد کو مفتوح عیسائیون پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے، اُس کی تفصیل گبن کے

---

[1] تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس صفحہ ۲۷، ابوداؤد مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین حکم دیا کہ مجوسیون کو اس فعل شنیع سے باز رکھا جائے (کتاب الخراج والامارة والفئی جلد دوم صفحہ ۲۶) [2] مورخون کی تاریخ عالم ج ۸ صفحہ ۸۴،

[3] غرر اخبار الفرس ثعالبی ص ۵ پیرس،

اوراق مین منتشر طور پر ملے گی،

بعثت سے پہلے جہانبانی کا قرعہ قباد اول بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملون اور اندرونی بدنظمیون کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قباد کو قید کردیا، قباد نے قید خانہ سے بھاگ کر تاتاریون کے پاس پناہ لی، اور اُن کی اعانت سے دوبارہ تاج حاصل کیا، لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اس کے عہد مین مزدک نام ایک شخص پیدا ہوا، جو اس امر کی تعلیم دیتا تھا، کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہین، بلکہ اُن کو تمام جماعت مین مشترک ہونا چاہیے، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی رو سے، ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہوسکتی تھی؛ عیش پرست اور ہوس ران امراء اور عوام دونون نے اس کو خوشی خوشی قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ مین ترقی حاصل کی، اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت مین نمایان حصہ لیا، قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑسکتا ہے وہ ظاہر ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ مین سرشار ہوگیا،

۵۳۱ء مین قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی، ایرانیون مین اس کی عدل پروری ابتک مشہور ہے، مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزون اور افسرون اور ہزارون بے گناہون کے قتل کے بدولت ملا، مزدکی فتنہ کو اُس نے تلوار کے زور سے دبانا اور کیشِ زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا، مگر خود اس کا بیٹا نوشزاد تثلیث پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پاداش مین قید ہوا، اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لے کر زردشتیون سے صف آرا ہوا اور مارا گیا،

لہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۱ص ۲۲۳، ۲ غرر اخبار الفرس ثعالبی صفحہ ۵۹۰، پیرس،

۵۷۹ء مین نوشیروان نے وفات پائی، اور ایران کا تخت ہرمز چہارم کے حصہ مین آیا، اغیار کی دست اندازیون کے ساتھ اندرونی بدنظمی اور باہمی خانہ جنگی، بادشاہون کی تغافل شعاری، امرا کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط مین برابر ترقی ہی ہوتی گئی، یہانتک کہ ۶۳۶ء مین مجاہدین اسلام کی فتحمندی کے طوفانی صرصر کے سامنے ملک فارس کی یہ ٹمٹماتی ہوئی شمع ہمیشہ کیلئے بجھ گئی،

اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین نغمۂ توحید سے کبھی گوش آشنا نہین ہوئی، اخلاق کے متعدد ابواب ہین جو اُن کے آئین مین کبھی داخل نہین ہوئے، یزدان واہرمن، نور وظلمت اور خیر وشر کی بھول بھلیون نے ان کو ہمیشہ سرگردان رکھا، حکومت اور شاہی کے متعلق اُن کا تخیل خدائی کا مرتبہ تھا، اسلام وفارس کی جنگ مین مغیرہؓ بن شعبہ مسلمانون کی طرف سے سفیر بنکر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ مین گئے، اور آزادی کے ساتھ جاکر اُس کے برابر بیٹھ گئے، تو ایرانی امیرون کو اس مین اپنے نائب السلطنت کی توہین نظر آئی، اور مغیرہؓ کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا، انھون نے جواب مین کہا "ہم عربون کا یہ دستور نہین کہ ایک خدا بنکر بیٹھے اور دوسرے اُس کے سامنے غلامی اور بندگی کرین"[1]

آنحضرت صلعم کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران مین جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہوگیا تھا، وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ فارس کے روحانی آتشکدہ مین اب زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہین رہ گئی تھی، اسی لیے جب اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس کے شیوع کے لیے کوئی دوسرا پردہ بیچ مین حائل نہ ہوا، ہرجان ملکم جیکا مسیحی تعصب، عساکرِ اسلامی کو انکی

[1] تاریخ طبری واقعات ۱۴ھ صفحہ ۲۲۷۰ مطبع بریل،

زبان سے "قزاقانِ عرب" کا لقب دلواتا ہے۔ فتحِ فارس کے متعلق حسب ذیل رائے دیتے ہیں:

"یزدجرد ثالث کا عہدِ حکومت اس لیے یادگار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی قدیم شہنشاہی کا تختہ برہنہ تن "سوسمار خواروں" کے ایک دستہ نے الٹ دیا کہ اسی تحقیر آمیز لقب کیساتھ عرب قبائل کے یہ مغرور ہمسایہ اُن کا ذکر کرتے تھے۔ اس انقلابِ عظیم کی علت کوئی معمولی سبب نہیں ہو سکتا۔ (مسلمان فارسی مورخین کچھ تو اپنے حبِ وطن اور کچھ اپنی وہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک معجزۂ عظیم خیال کرتے ہیں، جس کے ذریعہ سے خدا نے محمد کی صداقت کو ظاہر کر دیا۔ لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں انھیں فوراً نظر آجاتا ہے کہ فارس کی ایسی سلطنت جو عیش پرستی کے ہاتھوں لاغر و نحیف ہو چکی ہو جس میں اندرونی مناقشات کے باعث بدنظمیاں پھیل ہوئی ہوں جو بیرونی محاربات سے یکسر خستہ و ناتوان ہو، اور جو اپنی کبرسنی اور نقاہت سے قعرِ زوال کی جانب خمیدہ پشت ہو اس کے لیے پرجوش "قزاقانِ عرب" کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا۔"[1]

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نژاد ساسانیوں کی خستگی و ناتوانی، نقاہت و کمزوری "قزاقانِ عرب" ہی کی ترقی کی کیوں تمہید بنی؟ کیا نہتے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامانِ جنگ اور سپاہی تھے، جو عراق و ایران کے اخیر اخیر معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابلہ میں لاتے رہے؟ واقعہ یہ ہے کہ زرتشت کی آگ میں اب گرمی نہیں باقی رہی تھی، نور و ظلمت، خیر و شر، نیکی و بدی کے فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی عملی طاقت فنا کر دی تھی، "یزدان" اور "اہرمن" کی دوعملی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی، بیسیوں چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذہبی فرقے

---

[1] ملکم صاحب کی تاریخ ایران، جلد اول صفحہ ۱۳۴۔

پیدا ہوگئے تھے، جنمین سب سے اہم مانوی فرقہ تھا، جو عیسائیت اور مجوسیت کا معجون مرکب تھا، آخرمین مزدکی فرقہ کی بہیمانہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی رُوح کو اور بھی موت کے قریب کردیا،[1] نوشیروان نے تلوار کی نوک سے اس فتنہ کو دبایا، اور اس کے صلہ مین "بادشاہ عادل و دادگر" کا خطاب بھی پایا، تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کی چھینٹون کے بعد بھی اسی طرح تشنہ لب رہی جس طرح پہلے تھی، اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمۂ اُبل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے

عیسائی روم | آغازِ اسلام کے وقت جسقدر ایران کی جسمانی و روحانی شہنشاہی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے، روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی، حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی، اور جس کے ایک تاجدار جولیس سیزر کا نام ہمیشہ کے لیے قیصر کی صورت مین بادشاہ و شہنشاہ کا مرادف بنگیا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سلطنت مین مبعوث ہوکر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سنا کر رخصت ہوئے، اُن کے رفع و صعود کے بعد ہی اُن کے شاگردون مین فرقہ آرائیان شروع ہوئین، اور بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا، اس طرح عیسائیون پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی خاک مین اصلی عیسویت ہمیشہ کے لیے دفن ہوگئی، اور باپ، بیٹے روح القدس کا مشرکانہ عقیدہ اس مین داخل ہوگیا، اور توراۃ جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰؑ بھی مٹا نہین سکتے تھے،[2] وہ اُن کی روحانی شاگردی کے مدعی (پال) کے ہاتھون ہمیشہ کے لیے لعنت[3] قرار پائی، ۳۲۵ء مین رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہوگئے، مشرقی

---

[1] تفصیل کے لیے فہرست ابن ندیم دیکھو صفحہ ۴۴۲، مصر، [2] انجیل متی - ۵- ۱۷ - ۱۸،

[3] یہ مضامین عیسائیون کی انجیل کے حصۂ اعمال اور خطوط مین جابجا بتصریح مذکور ہین،

حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت مین یہ مذہب پھیل گیا، مگر درحقیقت اس مشرقی تاجدارِ روم کے اس قبولِ مذہب کا جذبہ، اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ، بیٹے، اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت مین ہر نیا ملک جو فتح ہوتا، اس کا دیوتا کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب مین شامل ہو جاتا، تختِ سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی خاکسارون مین یہ حوصلہ پیدا کر دیا کہ کلیساؤن نے مذہبی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا، اس کے لیے عقائد کی وہ لڑائیان لڑی کی گئین کہ شاہانہ سایہ مین بیٹھکر کونسلون نے خدا کے دین کا خاکہ تیار کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر بیسیون فرقون مین تقسیم ہو گیا،

۳۳۷ء مین قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگیون کے ساتھ ساتھ رومیون کی سیاسی خانہ جنگیون کی زیرِ خاکستر آگ بھی زور شور سے شعلہ زن ہوئی، اعیانِ سلطنت مین مختلف گروہ بندیان ہوگئین، اور باہمی نفاق اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا، بالآخر سلطنتِ روم مختلف صوبون مین تقسیم ہو کر مختلف دعویدارانِ حکومت کے حصہ مین آئی[1]، ناقابل فرمانرواؤن کی کمزوری دیکھکر ایک طرف، گوتھ، ونڈال وغیرہ بعض وحشی قومون نے حملے شروع کئے، اور دوسری طرف خود دور افتادہ صوبون کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ پانچوین صدی عیسوی کے آخر مین سلطنت روم کا مغربی بازو، جو برطانیہ، فرانس وغیرہ پر مشتمل تھا، بالکل کٹ گیا، اور خود روم کا دار الحکومت

[1] گبن کی تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم، جلد اول صفحہ ۴۸۸-۴۹۱،

دشمنون کے حملے سے محفوظ نہ رہ سکا۔[1] اس وقت یعنی پانچوین صدی کے بیچ مین، لوگون کو صاف نظر آرہا تھا کہ ان کے مورث اعلیٰ نے جو بارہ کرگسون کو خواب مین دیکھا تھا، اور جس کی بنا پر اس زمانہ کے کاہنون نے یہ پیشینگوئی کی تھی کہ یہ سلطنت بارہ صدیون تک قائم رہیگی، اب اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا، مورخ گبن اس زمانہ کی تصویر ان لفظون مین کھینچتا ہے،

"اس پیشینگوئی نے جس پر اس قوم نے اپنے عروج واقبال کے زمانہ مین کبھی اعتنا بھی نہ کی تھی اب بارہ صدیون کے خاتمہ پر جب کہ ہر طرف سے ذلت و بدقسمتی کا سامنا تھا، اہل روم کو یاس آمیز جذبات سے پر کر دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ان کے زوال کی علامتین کرگسون کے خواب سے زیادہ واضح ونمایان موجود تھین، رومن حکومت، مخالفین کی نظرون مین روز بروز زیادہ کمزور، اور خود اپنی رعایا کی نظر مین زیادہ ظالمانہ اور ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی، کفایت شعاری جتنی زیادہ ضروری ہوتی جاتی تھی، اسی نسبت سے اس کی جانب سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی، اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزون تھے اسی نسبت سے ٹکس مین اضافہ ہوتا جاتا تھا۔"[2]

امرا نے اپنے مصارف کا بار بھی عام رعایا پر ڈالنا شروع کیا، جس کے باعث وہ اپنی قلیل آمدنی سے بھی محروم ہوگئی، محصول کی عدم ادائیگی کی صورت مین رعایا پر اس قدر جبر کیا جاتا تھا کہ اس کے دل مین حکومت کی طرف سے نفرت و عداوت پیدا ہوگئی، یہانتک کہ وہی رومن قوم جو کبھی اپنے اس نقب پر فخر کرتی تھی، اب اپنے کو اس قوم کی طرف منسوب کرتے شرمانے لگی، اور رومن حکومت پر ہر وحشی سے وحشی سلطنت کی محکومیت کو ترجیح دینے لگی، امرا، وزرا، اور سلاطین خود

---

[1] گبن کی تاریخ زوال وانحطاط سلطنت روم، جلد دوم باب ۳۶ و باب[2] ایضاً ص ۲۶۱

اپنی ناعاقبت اندیشیون سے رعایا کو اپنا دشمن بناتے، اور جب بغاوت ہوتی تو فوجکشی کرتے، اور ناکام رہتے۔ غرض اندرونی بدنظمیون سے ملک کی یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ گبن کے الفاظ مین

"اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو اُن کی مجموعی معدومیت بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال و بربادی سے نہین بچا سکتی تھی"[1]

پانچوین صدی کے خاتمہ پر مغربی حصہ کے نکل جانے کے بعد مشرقی صوبون تک یعنی ڈنیوب سے لے کر دجلہ و نیل تک کی سرزمین، روم کے ماتحت رہگئی تھی لیکن اس کی حالت بھی روز بروز نازک سے نازک تر ہوتی جاتی تھی، مورخین کا بیان ہے کہ رومن فوج کی مجموعی تعداد جو ایک زمانہ مین ۶۴۵۰۰۰ تھی اب شاہ جسٹینین کے زمانہ مین (یعنی ۵۲۷ء) گھٹکر ایک چوتھائی سے بھی کم یعنی کل ۱۵۰۰۰۰ رہ گئی تھی، اور وہ بھی نہایت متفرق و ابتر حالت مین، رعایا کی جیبین خالی تھین، فوج کی تنخواہین چڑھی ہوئی تھین، اور امراء و اعیانِ سلطنت اپنے ذاتی مصارف کے لئے ہر طرح کے جعل و فریب، رشوت ستانی اور لوٹ مار کو جائز رکھتے تھے، فوج مین یون تو بہت سے سپاہیون کے نام لکھے ہوئے تھے، لیکن میدانِ جنگ مین جانے کے وقت بہت تھوڑے سے لوگ تیار ہوتے، فوجی افسر فنِ جنگ کے بجائے اپنا وقت باہمی حسد و رقابت مین صرف کرتے، اور ہر افسر کی یہ کوشش رہتی کہ دوسرے افسر کی بدنامی و ذلت سے فائدہ اٹھا کر خود ترقی و منصب حاصل کرے[2]،

اندرونی بدنظمیون پر مستزاد یہ تھا کہ بیرونی غنیم اہلِ روم کو ایک دم کے لیے چین سے بیٹھنے

---

[1] گبن کی تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم جلد ۲، صفحہ ۱۰۴ [2] حوالۂ مذکور جلد ۳ - صفحہ ۱۳۱،

نہین دیتے تھے، روم وفارس کے درمیان مدت سے لڑائیون کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا، پھر لومبارڈس، گوتھس، ونڈالس، وغیرہ کے پیہم حملے، روم کی رہی سہی قوت کو اور بھی پامال کر رہے تھے۔

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین صلعم کی ولادت سے دو چار سال بعد، روم بقول گبن کے، اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اور (گبن کی زبان مین) اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہوگئی تھی جس کے سایہ مین ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھین، مگر اس پر ایسی خزان آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخین اور ٹہنیان بھی رخصت ہوگئی تھین، اور اب خالی تنہ خشک ہورہا تھا، خود پایۂ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا کہ تقریبًا کل کاروبار بند ہوگئے تھے، وہ بازار اور تماشاگاہین جہان دن رات چہل پہل رہتی تھی، اب ویران اور سنسان پڑی تھین، عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تاہل کے بجاے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کرسکین۔[1]

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کرکے جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہین تو اس سے بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے، بت پرست رعایا کو چھوڑ کر جو ستارون، دیوتاؤن اور بتون کی پوجا مین بدستور مصروف تھی، اور لوگ جنھون نے عیسائیت قبول بھی کرلی تھی، وہ بھی باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدائی کے معتقد تھے، حضرت عیسیٰ اور مریم و روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعیین نے بیسیون فرقے پیدا کردیئے تھے، جنہین زبانی مناظرون سے گذر کر جنگ وجدل

---

[1] گبن، جلد ۳ ص ۲۰۷،

کی نوبت آگئی تھی، یہانتک کہ ۴۱۵ء مین خود عیسائیون کے دو گروہون کے درمیان ایک عظیم الشان مذہبی جنگ چھڑی جس مین ۰۰۰ ۵۰ عیسائیون کو خارج البلد ہونا پڑا[1]، اس جنگِ عظیم کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا، اور بارہا چھوٹی چھوٹی باتون پر کشت و خون کی نوبت آجاتی، پادریون نے اپنے منصبِ مذہبی کو حصولِ جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے لیا تھا، اور اس بنا پر محض حبِ جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششون مین مصروف رہتے، ان پادریون کے ایک اسقفِ اعظم سینٹ سرل نے جو جو سفاکیان کی ہین، ان کی تفصیل کیلئے ایک پوری کتاب درکار ہے، ایک مرتبہ اُس نے اپنے مریدون کو ہمراہ لیکر غیر مسلح یہودیون پر دھاوا کیا، اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، اُن کا مال اسباب سرل کے مریدون کے ہاتھ لگا، اور ان کے معابد زمین کے برابر کر دیئے گئے، سرل کا حریف ارسٹس نامی پادری تھا، ایک روز جب ارسٹس راستہ سے گذر رہا تھا، تو ۵۰۰ راہبون کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور اپنی سنگباری سے اُس کو خون مین نہلا دیا[2]، سرل کی ایک خاتون دوست ہپیشیا نامی تھی، ایک روز وہ اپنی درسگاہ سے واپس آرہی تھی کہ راہبون کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا، گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت مین تمام شہر کی سڑکون پر گھسیٹتے ہوئے اُسے کلیسا مین لائے جہان پہنچکر پادری پیٹر کے گرز سے اس کا خاتمہ کر دیا گیا، قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیون سے جدا کیا گیا، نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور آلایشِ جسم کو آگ مین ڈال دیا گیا[3]، یہ واقعات ایسے ہین جنکے ذکر سے آج قلم لرزتا ہے، مگر یہ عیسائی مذہب کے علمبردارون کا سب سے روشن کارنامہ ہے،

[1] گبن، جلد ۳ ص ۴۴۳، [2] ایضاً ص ۲۲۰، [3] ایضاً ،، ،، نیز ڈریپر تاریخ معرکہ آرائی مذہب و سائنس، صفحہ ۵۵،

یہی حالت ان تمام ملکون کی تھی جہان رومیون کے زیرسایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا یعقوبی نسطوری اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز صوبون اور ملکون مین اپنی پناہ ڈھونڈھتے تھے، نائیس کی کونسل کے بعد آریوس اور اُس کے حریفون مین جو معرکہ آرائیان ہوئین انھون نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شہزادۂ امن کا مذہب ان جنگ جویون کے ہاتھون تباہ و برباد ہونے سے بچ نہین سکتا،

مسٹر مارس، جو پیغمبر اسلام کو نعوذ باللہ بہت بڑا مکار قرار دیتے ہین، اپنی تاریخ ہندوستان مین ضمناً ایک موقع پر تحریر کرتے ہین:-

"اس نازک موقع پر (یعنی ظہور اسلام کے وقت) ان بے باکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ کو نجس کر رہے تھے، اور اختلافات کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان، جو چرچ مین ایک ہلچل ڈالے ہوئے تھے، اگرچہ مشرق مین اصلی مسیحیت کی شعاع نظر آتی تھی لیکن بہت ہی مدہم اور روم کے قیصرون کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعون اور کچھ بیرونی حملون کے باعث اپنی بنیاد سے اکھڑ کر قعرِ فنا کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھی، یہود بے صبری کے ساتھ گلیلی کے اس حقیر شخص کے مذہب پر نظر کر رہے تھے، جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد پوری شان و شوکت اور شاہی عظمت حاصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لیے تیار تھے، جو ایسے قابل نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے . . . . اہل فارس نہایت غیظ و غضب کے ساتھ ان پرجوش دنادار فتحمند عیسائیون کو دیکھ رہے تھے، جنھون نے اُن کے معبود "آتش شمسی" کی بے حرمتی کی تھی، اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ معبودون، اور ڈھے ہوئے معبدون پر ماتم کر رہی تھی؛

اُن کے انتقام کے لیے آمادہ اور مستعد تھی[۱]۔

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مسیحی رنگ بھریں لیکن نفس واقعات کی صحت ان کو شاید ہم سے بھی زیادہ مسلم ہے،

بہرحال مورخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی سے لیکر ساتوین صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے وہ اس کے لیے باعث ننگ ہے، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، اہل روم بت پرستانہ عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا حضرت مسیح کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصروں کی تحلیل اہل مصر کو قابو میں لانے کے لیے لگئی، جس سے حضرت مسیح کے "وہی ایک ہے" کی تعلیم ہمیشہ کے لیے اُن کے مذہب سے مٹ گئی ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قبر پرستی عام ہو گئی تھی، اور ہر بڑے پادری سے اُنکی وفات کے بعد دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، اُن کے معتقد اُن کو سجدے کرتے تھے[۲]، مسیح و مریم، روح القدس، اور حواریین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر اُن کی پرستش اس کثرت سے ہونے لگی کہ اس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی[۳]،

سیل صاحب ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"گرجا کے پادریوں (CLERGY) نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کروائے تھے، اور امن محبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا، اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں

---

۱ مارس کی "تاریخ ہندوستان" جلد اول صفحہ ۱۸۱، ۲ سنن ابن ماجہ باب حق الزوج علی المرأۃ،
۳ سیل صاحب کا انگریزی ترجمۂ قرآن، مقدمہ صفحہ ۲۵ و ۲۶،

پر جھگڑتے تھے، اسی تاریک زمانہ مین اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لیے باعث ننگ ہیں، مذہبی صورت مین قائم کیے گئے، خصوصًا ولیون اور مجسمون کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی، نیس کی کاونسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات مین مشغول ہوگیا، اور ایرینس بلینس، نسطورنیس اور یوٹیکیس کے جھگڑون مین ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، لقب علانیہ فروخت کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی بدعنوانیان ہوتی تھین مغربی چرچ مین ڈمیسس اور اِرسی سی نَس نے بشپ کی جگہ حاصل کرنے کے لیے قتل تک نوبت پہنچا دی اور آخر ڈمیسس کی فتح ہوئی، اس موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ سسی نینس (SICININUS) کے گرجا مین ایک روز مین ۱۳۰ آدمی قتل کیے ہوئے پائے گئے، اور کوئی حیرت نہین کہ یہ لوگ ان جگہون کے اس قدر خواہان ہوتے تھے، اس لئے اس ذریعہ سے ان کو گران بہا تحفے ملتے تھے، اپنی گاڑیون پر نہایت تزک و احتشام سے نکلتے تھے، اور اُن کے دسترخوان پر بادشاہون سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی،

ان مناقشات کا سبب زیادہ تر شہنشاہ ہوا کرتے تھے، جسٹینین کے وقت مین حالت اور زیادہ خراب ہوگئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفون کو مار ڈالنا کوئی جرم ہی نہ تھا،

بادشاہون اور پادریون مین عقائد اور اخلاق کی جو خرابیان پھیلی ہوئی تھین اُس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی مبتذل ہوگئی، اُن کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا، خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی مین اڑاتے تھے،

عقائد کی خرابی کے علاوہ روم اور فارس کی سلطنتین بھی کمزور ہوگئی تھین، شہنشاہ قسطنطین کے بعد روم کی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی، عام طور سے اس کے جانشین بزدلی اور مظالم کیلئے

مشہور تھے، انحضرت صلعم کے وقت تک ملک کا مغربی حصہ گاتھ لوگون (GOTHS) نے روند ڈالا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یونانیون کی عیش پسندی اور اخلاقی خرابیون نے اُن کی قوت کو زائل کر دیا تھا"۔

رومیون نے عیسوی مذہب کو جس صورت مین قبول کیا تھا، اس کی تصویر ڈریپر کے الفاظ مین حسب ذیل ہے:۔

"دونون (عیسائیت اور بت پرستی) کی باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونون کے اصول شیر و شکر ہو گئے، اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا، جسمین بت پرستی و عیسائیت دونون کی شانین پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھین[1]۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جون جون زمانہ گذرتا گیا وہ مذہبی عقائد جنکی تفصیل ٹرٹلین نے بیان کی ہے، متغیر ہو کر ایک عام پسند مگر پایۂ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے، ان عقائد مین قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عقیدۂ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچہ مین ڈھال لیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مریم عذرا کو تو "خدا کی ان" کا لقب دیا گیا"[2]

اسی زمانہ مین ایک گروہ "مریمی" کے نام سے پیدا ہوا، جو حضرت مریم کو بھی شریک الوہیت کر کے بجائے اقانیم ثلثہ کے اقانیم اربعہ کا اعتقاد رکھتا تھا، جس کی تردید قرآن پاک نے سورۂ آل عمران مین فرمائی ہے، اسی کے ساتھ اور بہت سے معتقدات رومی بت پرستون سے لیکر عیسائیت مین داخل کئے گئے، اور نام بدل بدل کر رومی بت پرستون کے دیوتاؤن کے رسوم مقدس عیسائی کلیساؤن مین جگہ پانے لگے، اور ان مسائل مین بھی مختلف فرقون کے اندر اختلافات باہمی نہایت

---

[1] معرکۂ مذہب و سائنس ڈریپر صفحہ ۶۲۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۵ و ۶۶۔

شدومد سے پیدا ہوئے، یہانتک کہ ان مذہبی مناقشات کے تصفیہ کے لیے حکومت کو بارہا دست اندازی کرنا پڑتی تھی، رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہوگیا، اور یہ حالت ہوگئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کرسکتا اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت مل جاتی[1]،

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا، مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی، یہان رومن امپائر کی ماتحتی مین مذہبی مناصب کے لیے کشت و خون ایک عام و معمولی واقعہ تھا، یہانتک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی سخت خونریز جنگ کے مقتولون کے مساوی پہنچ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ، جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے دو[2] پادریون کے درمیان مقابلہ ہوا، تو صرف ایک دن مین ۱۳۷ - آدمی کام آئے[3]، اس سفاکانہ جدوجہد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے اکتساب زر، حصولِ لذائذ، اور کسبِ جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے، چنانچہ جتنی نفیس غذائین پادریون کے دسترخوان پر رہتی تھین، اتنی بادشاہون کو بھی نصیب نہین ہوتی تھین[4]،

سلاطین اور مذہب کے حاملین کے اخلاق کا پرتو عام رعایا اور پیروون پر لازمی طور پر پڑتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی، اسراف اور ہوس پرستی مسیحی دنیا کی آب و ہوا مین سرایت کرگئی، لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے، اور کمالِ بیدردی کے ساتھ اپنے مسرفانہ لہو و لعب اور عیاشی مین اڑا ڈالتے[5]،

پوپون نے اور اُن کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ دارون نے اپنی اپنی جگہ پر شہنشاہانہ بلکہ خدائی

---

[1] سیل صاحب کا انگریزی ترجمۂ قرآن، مقدمہ صفحہ ۲۶ [2] ایضاً صفحہ ۲۶ [3] ایضاً صفحہ ۲۶ [4] ایضاً صفحہ ۲۷-۲۸،

کے اختیارات اپنے ہاتھ مین لے لیے تھے جو وہ زمین پر کھولتے تھے وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا، اور جو یہان بند کرتے تھے وہ وہان بھی بند ہو جاتا تھا، قرآن مجید نے اُن کی اسی حالت کا ذکر اس آیت مین کیا ہے، کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انھون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالمون اور درویشون کو اپنا خدا بنا لیا تھا،

دینداری کا سب سے اہم جزو تجرّد کی زندگی اور رہبانیت تھی، ہر قسم کے آرام و آسایش سے جسم کو محروم کر کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب مین اپنے کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی، کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، کسی نے اپنے کو دلدل مین ڈال دیا تھا، کوئی اپنے کو بوجھل زنجیرون مین جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ مین بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، کسی نے اپنے کو اندھیری کوٹھری مین بند کر لیا تھا، مان باپ، عزیز و قریب، اہل و عیال، دینداری و تقویٰ شعاری کی راہ کے کانٹے تھے، ان سے پرہیز بلکہ اُن سے نفرت کمالِ تقویٰ سمجھا جاتا تھا، اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔[1]

**ہندوستان** دنیا کے اُن متمدن ملکون مین جہان کوئی با اثر مذہب قائم تھا، ایک ہندوستان بھی ہے، ہندوستان کے تمدن کے پانچ مختلف دور گذرے ہین، ایک اصلی ہندو ویدک عہد جو دو ہزار سال ق م سے لیکر تقریباً چودہ سو سال ق م تک رہا، دوسرا دورِ جنگ یعنی جسمین کورون اور پانڈون وغیرہ کے مناقشات رہے، اور جو چودہ سو ق م سے لیکر تقریباً ایک ہزار قبل مسیح تک رہا، تیسرا دورِ عقلیت جسمین حکمار و عقلیین کا دور دورہ تھا، اور جو ایک ہزار قبل مسیح سے لے کر تقریباً تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا دورِ بودھ، جس مین اس مذہب کا عروج تقریباً

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ لیکی کی دوسری جلد مین یہ واقعات مفصل لکھے ہین،

دو سو پچاس قبل مسیح سے لیکر پانچوین صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا، پانچوان دور پُرانک جس مین بجائے وید یا گوتم بدھ کی تعلیمات کے پرانون کی تلقین پر عمل درآمد تھا، اور یہ عہد تقریبًا پانچوین صدی عیسوی کے اواخر سے لیکر مسلمانون کے داخلۂ ہند تک قائم رہا،

مورخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ مین سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور آخری دور ہے، جو تقریبًا سنہ ۸۰۰ء سے شروع ہوتا ہے، اس دور کے نمایان خصوصیات حسب ذیل تھے

(۱) شرک، جو ابتدا ہی سے ہندوستان کے خمیر مین داخل تھا، اب وہ حدِ اعتدال سے باہر ہو گیا، چنانچہ وید مین جو ۳۳ دیوتاؤن کی تعداد تھی، وہ اب بڑھتے بڑھتے ۳۳ کرور دیوتاؤن تک پہنچگئی،[1]

(۲) ویدک عہد مین اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا لیکن اس زمانہ مین مندرون کے اندر بت پرستی علی العموم رائج ہو گئی،[2]

(۳) مندرون کے محافظین بداخلاقی کے سرچشمہ تھے، جو لاکھون کرورون ناواقف پرستش کرنے والون کو مذہب کے نام سے خوب لوٹتے،[3]

(۴) ویدک عہد مین ساری ہندو قوم مین یگانگی تھی، لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہو گئی، جو نظامِ معاشرت کی تباہ کن تھی،[4]

(۵) عورتون کو محکومیت و غلامی کا درجہ دیا گیا،[5]

(۶) قوانین اس قدر غیر معقول و نامنصفانہ وضع کئے گئے، جن سے علانیہ بعض ذاتون کی پاسداری

---

[1] آر، سی، دت کی "ہندوستانِ قدیم" جلد ۲ صفحہ ۲۷۶، [2] ایضًا صفحہ ۲۸۱، [3] ایضًا صفحہ ۲۸۳،
[4] ایضًا صفحہ ۳۰۲، [5] ایضًا صفحہ ۳۳۱؛

وحمایت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا۔ مثال کے لیے چند قوانین درج ذیل ہین،

(الف) برہمن کو کسی حالت مین، خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزائے موت نہین دیجا سکتی،

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہین،

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا مین کچھ جرمانہ کافی تھا،

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھوئے تو اُسکی سزا موت ہے،

(ہ) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے، تو اُس کے اعضا قطع کرڈالنا چاہئے، اگر اُسے گالی دے تو اُس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہئے، اور اگر اُسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اُس کے منھ مین ڈالنا چاہئے[1]،

(۷) راجاؤن کے محل مین بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی، اور رانیان اسی حالتِ خمار مین جامۂ عصمت اتار ڈالتی تھین[2]،

(۸) شاہراہون پر آوارہ گرد و جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا[3]،

(۹) خدا کی تلاش آبادیون اور بازارون مین کرنے کے بجائے جنگلون اور پہاڑون مین کیجاتی تھی جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف اُن کی بہترین عبادت تھی،

(۱۰) اوہام و خیالات فاسدہ، بھوتون، پلیتون، اور سینکڑون قسم کے ظنون و اوہام اُن کا مذہب تھا، اور آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز ان کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سربسجود ہونا اُن کا

---

[1] آر، سی، دت کی ہندوستان قدیم صفحہ ۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴، [2][3] ایضاً صفحہ ۴۶۹،

دھرم تھا، بھوتون، دیوتاؤن، دیبیون کا شمار اندازۂ قیاس سے باہر تھا، اور ان کے افسانون کا گیت اُن کا ترانۂ حمد تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہان آتے رہے، انھون نے تپسیا کرنے والے جوگیون کے وہ دردناک حالات لکھے ہین، جنکو پڑھکر اُن کی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے[1]، اور اسی طرح وہ عرب سیاح جو سندھ اور دکن کے شہرون اور ساحلون سے گذرے ہین، انھون نے معبدون مین پجاری عورتون اور دیوداسیون کی جو اخلاقی کیفیتین لکھی ہین[2]، وہ حد درجہ شرمناک ہین، اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے کہ یہ سب خدا کی خوشنودی اور مذہبی عقیدہ کے رو سے انجام دیا جاتا تھا،

عورتین جوؤن مین ہاری جاتی تھین، ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے[3]، وہ بیوہ ہوکر زندگی کی ہر لذت سے عمر بھر کے لیے قانوناً محروم کردیجاتی تھین، اور اسی لیے شوہر کے مرنے پر بعض عورتین زندہ درآتش ہونا پسند کرتی تھین، لڑائی مین شکست کے خوف کی صورت مین انکو خود اُن کے باپ بھائی اپنے ہاتھون سے قتل کرڈالتے تھے، یہان کے بعض فرقون مین عورتین مردکو، اور مرد عورتون کو ننگا کرکے اُن کی پوجا کرتے تھے، اور مذہبی تہوارون مین شراب پی پیکر ایسے بدمست ہوتے تھے، کہ پھر انھین مان، بہن، بیٹی اور اپنی اور پرائی کی تمیز باقی نہین رہتی تھی، اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شودرون کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم ایسی غلامی مین مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض تھا،

[1] دیکھو ابو زید سیرافی کا سفرنامہ صفحہ ۱۱۵ و ۱۲۰ اپیرس و آثار البلاد قزوینی صفحہ ۸۱ [2] سفرنامہ ابو زید صفحہ ۱۳۰ و احسن التقاسیم مقدسی صفحہ ۴۸۳

[3] مہابھارت کے قصہ کا آغاز پڑھو کے ستیارتھ پرکاش سمولاس گیارہ صفحہ ۳۲۸ و ۳۲۹ مطبوعہ سیوک سٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۱۲ء

وید کی آواز بھی اس کے کان مین پڑجائے تو اس مین سیسہ پگھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا،

راجاؤن کی بیویون کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہین بلکہ ذاتون پر تھی، عورتین فروخت کیجاتی تھین،

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ بدر اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤن کی یہ جنم بھومی بھی شیطانون کے اُس جال مین گرفتار تھی جس کے شکار فارس و روم ہو رہے تھے،

**یہود** دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اُس قوم سے ہو سکتی ہے، جو سام کی اولاد مین سب سے پہلے وحیِ الٰہی کی امانت دار بنی، اسی لیے قرآن نے اُن سے کہا وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ (بقرہ ۵) اور سب سے پہلے تم ہی پیغامِ الٰہی کے منکر نہ بنو، مگر یہ قوم سخت جانی کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اس نے پتھرون کے سینون کو پھٹتے، اور اُن کی چھاتیون سے میٹھے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پیا مگر پھر بھی اُس کے سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ مین اُسکو طعنہ دیا،

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً، (بقرہ ۹) — اُن کے دل پتھرون کے مانند بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر سخت ہین،

اُس نے مختلف زمانون مین اپنے پیغمبرون کو جھٹلایا، اُن کو تکلیفین دین بلکہ اُنکو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰ اور اُن کے بعد کوئی پیغمبر اُن مین ایسا نہ آیا جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو، اور اُن کی سرکشی پر اُن کے حق مین بد دعا نہ کی ہو، چنانچہ قرآن مجید نے کہا،

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ — بنی اسرائیل مین سے جنھون نے کفر کیا، اُن پر

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ — داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان سے لعنت

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

(مائدہ - ۱۱)

کی گئی، یہ اس لیے کہ انھون نے نافرمانی کی، اور حد سے آگے بڑھتے تھے، اور ایک دوسرے کو اُس برائی سے جو وہ کرتے تھے، منع نہین کرتے، اُن کا کام کتنا برا ہے،

حضرت داوٗدؑ نے زبور مین کئی دفعہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کا ماتم اپنے سوز وگداز کی لَے مین کیا ہے، زبور ۸، مین ہے،

" اے میرے گروہ! میری تعلیم پر کان رکھ، میرے منھ کی باتین کان دھر کے سنو . . . . . . . . . تاکہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہون سیکھین، اور وہ خدا پر توکل کرین اور خدا کے کامون کو بھلا نہ دین، بلکہ اُس کے حکمون کو حفظ کرین، اور اپنے باپ دادون کی طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہون، نہ ایسی نسل کہ جس نے اپنا دل مستعد نہ کیا، اور اُن کے جی خدا سے لگے نہ رہے . . . . . . . . باوجود اس سب کے پھر انھون نے گناہ کیے اور اس کے عجائب قدرتون کے سبب اعتقاد نہ کیا . . . . . لیکن انھون نے اپنے منھ سے اُس کے (خدا کے) ساتھ ریاکاری کی، اور اپنی زبانون سے اس سے جھوٹ بولے، اور وہ اس کے عہد مین وفادار نہ رہے، کیونکہ اُن کے دل اُن کے ساتھ قائم نہ رہے . . . . . کتنی بار انھون نے بیابان مین اس (خدا) سے بغاوت کی اور ویرانہ مین اُسے بیزار کیا . . . . . . تس پر بھی انھون نے خدا تعالیٰ کو آزمایا اور اُسے بیزار کیا، اور اسکی شہادتون کو حفظ نہ کیا، بلکہ برگشتہ ہوئے، اور اپنے باپ دادون کے مانند بیوفائی کی، وہ ٹیڑھی کمان کے مانند الٹے پھر گئے"

زبور ۸۱ مین ہے،

"اے میرے لوگو! سنو کہ مین تجھ پر گواہی دونگا، اے اسرائیل اگر تو میری سُنے گا تو تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود نہ ہو تو کسی اجنبی معبود کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا مین ہون، جو تجھے مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منھ کھول کہ اُسے بھر دونگا، پر میرے لوگون نے میری آواز پر کان نہ دھرا، اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب مین نے اُن کے دلوں کی سرکشی کے بس مین چھوڑ دیا"۔

بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤدؑ سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤدؑ نے اُن کے متعلق یہ بددعا کی کہ

"تو وہ خدا نہیں جو شرارت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا، وہ جو شیخی باز ہین تیری آنکھون کے سامنے کھڑے نہین رہ سکتے، تو سب بدکردارون سے عداوت رکھتا ہے، تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہین نابود کر دیگا . . . . . . اے خداوند اپنی صداقت مین میرا رہبر ہو، میرے دشمنون کے سبب سے میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر . . . . . . اُن کے باطن مین سراسر کھوٹا پن ہے . . . . . . اے خدا تو انھین ملزم جان، ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتون سے آپ ہی گر جائین، اُن کو اُن کے گناہون کی کثرت کے سبب نکال پھینک، کہ انھون نے تجھ سے سرکشی کی ہے" (زبور - ۵)

حضرت عیسیٰؑ نے بھی انجیل مین بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا،

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھیری ہوئی قبرون کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہین، پر بھیتر مُردون کی ہڈیون اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہین"

اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے پر باطن میں ریاکاری اور شرارت سے بھرے ہو،

اے ریاکار فقیہو! اور فریسیو! تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے، اور راست بازوں

کی گوریں سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے

خون میں ان کے شریک نہ ہوتے، اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں

کے فرزند ہو پس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھرو، اے سانپو! اور اے سانپوں کے بچو!

تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگوگے؟ (متی ۲۳ - ۲۷ - ۳۳)

بعینہٖ یہی الزام قرآن نے بھی اُن کو دیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ، ذٰلِكَ | اور وہ ناحق پیغمبروں کو مار ڈالتے ہیں، اسلئے |
| بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ، (بقرہ-۷) | کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں، |
| قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ | کہہ کہ پھر کیوں اللہ کے نبیوں کو پہلے تم قتل کرتے |
| مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، (بقرہ-۱۱) | رہے، اگر تم مومن تھے، |

آلِ عمران میں اس سے بھی بڑھکر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا اُن پر

بجا الزام ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ | بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور |
| وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ | پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے، اور ہر اُس شخص کی زندگی کے |
| الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ | دشمن بنجاتے ہیں جو اُن کو عدل و نیکی کی بات سمجھائے |
| فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، (آلِ عمران-۳) | تو انکو دردناک سزا کی خوشخبری سنادے، |

سورۂ بقرہ اور آل عمران مین یہودیون کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دین وملت کا قوام کتنا بگڑ گیا تھا، اُن کی مذہبی سنگدلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے ۵۰، ۶۰ برس پہلے یمن مین پیش آیا کہ یہودی حمیریون نے نجران کے عیسائیون کو گڈھون مین آگ جلا کر اُن مین جھونک دیا، اور وہ کنارے بیٹھے اس حسرتناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے، چنانچہ قرآن مجید نے اس پر درد داستان کو ان لفظون مین ادا کیا،

| | |
|---|---|
| قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ | گڈھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے |
| الْوَقُوْدِ، اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ | گڈھے، جب وہ ظالم اُن کے کنارے بیٹھے ایمان |
| عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ، | والون کیساتھ جو کر رہے تھے، اس کو دیکھ رہے تھے |
| وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ | اُن کا گناہ یہی تھا کہ وہ غالب اور خوبیون والے |
| الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ، (بروج - ۱) | خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ |

جزئیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے اُن مین حسب ذیل نقائص تھے،

۱- ان کو اپنے محبوب خدا، اور خاص خدا کے کنبہ ہونے پر بے انتہا غرور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کرین ہم سے قیامت مین مواخذہ نہ ہوگا،

| | |
|---|---|
| نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ۳) | ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہین، |
| وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً | اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہین چھوئیگی؛ |
| (بقرہ - ۹) | لیکن چندروز، |

وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی نعمتین صرف انھین کے لیے خاص ہین، قرآن نے کہا،

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ (بقرہ ۴-۱۱)

کہدے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگون کو چھوڑ کر صرف تمھارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کیون نہین کرتے اگر تم سچے ہو،

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف اُن کے گھر کی چیز ہے، کسی دوسرے کا اسمین حق نہین، قرآن نے اُن کے جواب مین کہا،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (جمعہ-۱)

یہ خدا کی مہربانی ہے، وہ جس کو چاہے دے،

جو اُن مین پڑھے لکھے عالم تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دولتمندون کی خوشنودی کے لیے اپنی باطل تاویلون سے ادلتے بدلتے رہتے تھے، اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الٰہی کا درجہ دیتے تھے،

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۔ (مائدہ-۶)

وہ لفظون کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہین

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۔ (بقرہ ۲-۹)

تو پھٹکار ہو اُن پر جو اپنے ہاتھون سے کتاب لکھتے ہین، پھر کہتے ہین یہ خدا کی طرف سے ہے، تاکہ وہ اس سے دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائین تو پھٹکار ہے اُن پر جو وہ لکھتے ہین۔ اور پھٹکار ہو اُن پر جو وہ کماتے ہین،

جو اُن مین اَن پڑھ اور جاہل تھے، وہ اپنے سنے سنائے قصون پر ایمان رکھتے تھے،

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ

اور اُن مین بعض اَن پڑھ ہین، جنکو تورات کا

| | |
|---|---|
| اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ، | علم نہین، لیکن بناوٹی باتین معلوم ہین، وہ صرف |
| (بقرہ ۹-) | اُن کے خیالات ہین، |

احکام الٰہی مین سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق حکم ہوتا، اُس کو قبول کرتے اور دوسرے حکمون کو پسِ پشت ڈالتے،

| | |
|---|---|
| نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ | جنکو خدا کی کتاب دی گئی تھی، ان مین سے ایک |
| کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ کَاَنَّهُمْ | فریق اللہ کی کتاب پس پشت ڈالتا ہے، گویا کہ |
| لَا یَعْلَمُوْنَ، (بقرہ ۱۲-) | وہ جانتا ہی نہین، |
| اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا | کیا جب جب کوئی رسول تمھارے پاس وہ لیکر |
| لَا تَهْوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا | آیا جو تمھاری نفسانی خواہش کے موافق نہوا، تم نے |
| کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ، (بقرہ ۱۱-) | غرور کیا، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو مار ڈالتے ہو، |

ایک دفعہ جب آنحضرت صلعم مدینہ تشریف لاچکے تھے، اور یہود نے بھی آپ کی ملکی سرداری کو یک گونہ قبول کر لیا تھا، تو ایک زنا کا مقدمہ آپ کی عدالت مین لائے، آپنے پوچھا کہ تمھارے مذہب مین اس جرم کی سزا کیا ہے، بولے ہم مجرم کو کوڑے مارتے ہین، اور اسکی تشہیر کرتے ہین، آپ نے اُن سے توراۃ طلب فرمائی، جب وہ لائے اور اس جرم کے متعلقہ حکم کی آیتون کو پڑھکر سنانے لگے تو بیچ سے سنگساری کا حکم چھپا دیا، مگر ایک نومسلم یہودی عالم نے اس حکم کو پڑھکر بتا دیا، آپ نے فرمایا خداوندا مین پہلا شخص ہونگا جو تیرے مردہ حکم کو زندہ کریگا، (صحیح بخاری ومسلم کتاب الحدود، وابوداؤد باب رجم الیہودیین)

آپس مین قتل وخونریزی کا بازار اُن مین گرم تھا، ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے بے گھر کر دیتا تھا، اور پھر کوئی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر اُس کو چھڑا بھی لیتے تھے، قرآن نے کہا،

| | |
|---|---|
| ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ | پھر تم ہی لوگ آپس مین ایک دوسرے کو قتل |
| وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ | کرتے اور ایک گروہ کو اُن کے گھرون سے |
| تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ | نکالتے ہو، اُن کے برخلاف گناہ اور ظلم سے |
| وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ | مدد کرتے ہو اور اگر وہ تمھارے پاس قیدی |
| هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ | بنکر آتے تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ انکا |
| بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ | نکالنا تم پر حرام تھا، کیا تم کتاب کے کچھ حکمون کو |
| (بقرہ ۷-۱۰) | مانتے، اور کچھ کا انکار کرتے ہو، |

۲- دوسری چیز مال ودولت کی حرص وطمع تھی، اس کی وجہ سے ان مین ہر قسم کی لالچ اور اخلاقی کمزوری پیدا ہو گئی تھی، کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت وآرام اور جسم وجان کو قربان نہین کر سکتے تھے،

| | |
|---|---|
| وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى | اُن کو سب لوگون سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤ گے |
| حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ | مشرکون سے بھی زیادہ، اُن مین ایک ایک چاہتا |
| اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ (بقرہ ۹-۱۱) | ہے کہ اُسکو ہزار برس کی زندگی ملے، |

عربون کے ساتھ اُن کے لین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہند

تھے، اور سمجھتے تھے کہ عربون کے ساتھ جس قدر سختی اور بد دیانتی کا برتاؤ کیا جائے وہ مذہبًا منع نہین، قرآن نے اس معاملہ مین عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا،

وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۔ (آل عمران - ۸)

کتاب والون مین بعض ایسے ہین کہ اگر اُن کو ایک دینار بھی امانت رکھنے کے لیے دو، وہ تم کو اسوقت تک واپس نہ دین جب تک تم اُن کے سرپر کھڑے نہ رہو، یہ اسلیے کہ وہ کہتے ہین کہ ان جاہل عربون کا ہمپر حق نہین، اور وہ جان بوجھکر خدا پر جھوٹ بولتے ہین،

توراۃ مین "اپنے بھائی" کے علاوہ "اجنبی" سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہود یہود سے نہ لین، اور اہل عرب جو یہود نہ تھے اُن سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جائز سمجھتے تھے، اور تعجب پر تعجب یہ تھا کہ اُن کے علماء اُن کو اس سے باز نہین رکھتے تھے، اس حرام خوری اور اُن کے علماء کی اس خاموشی پر ان کو قرآن نے بار بار ٹوکا،

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۔ (مائدہ ۹)

اور ان مین سے بہتون کو تو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے مین ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہین، اُن کے کرتوت کتنے برے ہین، اُن کے درویش اور عالم گناہ کی بات بولنے اور حرام کھانے سے کیون نہین باز رکھتے، ان کے کام درحقیقت کتنے خراب ہین،

| | |
|---|---|
| سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ ۷) | جھوٹ کو سننے والے، اور حرام کھانے والے ہین' |
| وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ | اور اُن کے سود لینے کے سبب سے، حالانکہ وہ |
| وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ، | اس سے روکے گئے تھے، اور لوگون کا مال ناجائز |
| (نساء - ۲۲) | طریقون سے کھاجانے کی وجہ سے، |

اسی لیے وہ تورات کی آیتون مین تحریف، اور اُن کے معنون مین تاویل کرکے ایسے فقہی حیلے تراشتے تھے کہ اُن سے ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنالیتے تھے، خدا نے فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ | ہم نے تورات اتاری جس مین ہدایت اور روشنی |
| يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا | ہے، اسی کے مطابق نبی جو تابعدار تھے، یہودیون کا |
| لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ | فیصلہ کرتے تھے، اور ان کے درویش وعالم بھی خدا |
| بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ ..... | کی کتاب کے جن حصون کو انھون نے بچا رکھا تھا' |
| ..... (مائدہ - ۷) | اُن مین سے فیصلہ کرتے، |

اس کے بعد اس کے احکام کے اجرا، اور خاصکر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ | اور جو خدا کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ |
| هُمُ الْكٰفِرُوْنَ، (مائدہ - ۷) | نہ کرے وہی لوگ کافر ہین، |

ان مین مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہوگئے، وہ جبت اور طاغوت کی پرستش مین مبتلا تھے، قرآن اُن کو خطاب کرکے کہتا ہے،

| | |
|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا | اے کتاب والو! ہم نے جو اتارا جو تمھاری کتا |

| | |
|---|---|
| بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ۔ ۔ ۔ ۔ | کی تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ |
| اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ (نساء - ۷) | خدا شرک کو معاف نہین کرتا، اور اس کے سوا جسکو چاہے معاف کرے، |
| ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (نساء - ۸) | ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا تو نے ان کو نہین دیکھا جنکو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتون اور شیطانون پر ایمان رکھتے ہین، اور کہتے ہین کہ یہ کافر مسلمانون سے زیادہ صحیح راستہ پر ہین، |

اوہام وخرافات پر ان کا ایمان تھا، تعویذ گنڈا، جادو اور عملیات پر فریفتہ تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان کی تعلیم ہے، (بقرہ - ۱۲) لبید اعصم وغیرہ مدینہ مین بہت سے عامل تھے، جو کنگھیون اور بالون مین منتر پڑھکر پھونکتے تھے[1]،

عرب سے باہر یہودی، یونانیون اور رومیون کی حکومتون مین یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکون اور شہرون مین اسطرح پراگندہ اور منتشر تھے کہ عرب سے باہر دنیا کی قومون مین انکا کوئی شمار نہ تھا، عرب کے اندر جو یہود زمانۂ دراز سے آباد تھے، ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا، سودی کاروبار کرتے تھے، غریب عربون کو اپنے گران شرحِ سود اور قرضون کے بار مین اسطرح دبائے تھے کہ ان کی حالت اُن کے سامنے غلامون کی سی تھی، اس سلسلہ مین صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لئے کافی ہوگا،

[1] صحیح بخاری، جلد دوم کتاب الطب، باب السحر صفحہ ۸۵۸،

محمد بن مسلمہ انصاری اور اُن کے رفقا، جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے، وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، انھون نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلعم) نے تو صدقہ وصول کر کے ہم کو دق کر ڈالا، اب مین تم سے کچھ قرض لینے آیا ہون، اس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اس سے آخر بیزار ہو جاؤ گے، انھون نے کہا مین نے اسکی پیروی اختیار کی ہے، لیکن مین اس کو چھوڑنا نہین چاہتا، انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس رخ پلٹتی ہے، ؟ مین تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہون، اس نے کہا، مگر تم کفالت مین کیا چیز رہن رکھوگے، انھون نے کہا تم بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا اپنی بیویان گرو رکھو، انھون نے جواب دیا، ہم اپنی بیویان کیسے گرو رکھ سکتے ہین، کہ تمام عرب مین تمہارے حسن کا جواب نہین، بولا اچھا تو اپنے لڑکون کو گرو رکھو، کہا ہم اپنے لڑکون کو کیسے گرو رکھین، اُن کی کوئی بے عزتی نہ کرے، یہ ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہے، ہان ہم اپنے ہتھیار گرو رکھ سکتے ہین[1]"

اس سوال و جواب سے اندازہ ہوگا کہ یہود کی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی[2] کوئی غیر عورت اگر اُن کے بازار کی طرف جا نکلتی تو اس کی عزت بچنی مشکل ہو جاتی[3] کسی بچہ کو ذرا سے زیور کی لالچ مین موقع پاتے تو بیدردی سے قتل کر کے زیور اتار لیتے[4] علما اور پیشوایان دین کی وہی کیفیت تھی جس کا ماتم اس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰؑ نے کیا تھا، لفظی موشگافیون، اور ظاہری دینداری کے سوا روح و اخلاق کا جوہر اُن سے کھو گیا تھا، اسلام جو ابراہیم حنیف کے تراث

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم قتل کعب بن اشرف صفحہ ۵۷۶، [2] دیکھو کتب سیر مین غزوہ بنی نضیر کے اسباب، [3] صحیح بخاری جلد دوم باب من اقاد بحجر، صفحہ ۱۰۱۶،

توحید اور موسیٰؑ کی صدائے طور کی آواز بازگشت تھا، وہ اُن کے نزدیک عرب کے بت پرستون کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ برا تھا، وہ کہتے تھے کہ ان مسلمانون سے یہ مشرک زیادہ راہِ راست پر ہین[1]۔ اسلام کی اس مصالحانہ دعوت،

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ
سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ
وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ،
(آل عمران - ۷)

اے کتاب والو! آؤ اُس ایک بات پر ہم سب
متحد ہوجائین، جو ہم مین تم مین مشترک ہے کہ ہم خدا
کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنائین، اور اس کے ساتھ
کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائین، اور نہ ہم خدا کو چھوڑ کر ایک
دوسرے کو اپنا رب بنائین،

مین بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک دکھائی دیتی تھی، اس لیے مدینہ مین اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو وہ ٹھکراتے رہے، کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلہ مین اس دعوت کے قبول مین اُن کو اپنی قومی، مالی و تجارتی عظمت کی بربادی نظر آتی تھی،

عیسائیون کی نقل مین وہ بھی عُزیر (عزرا) کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ ۣابْنُ اللّٰہِ (توبہ - ۵) اپنی دولت و ثروت کے غرور مین وہ کہتے تھے، یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ (مائدہ - ۹) "خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہین" قرآن کی دعوت کے جواب مین کہتے تھے کہ "ہم پر اس دعوت کا اثر نہین ہو سکتا کہ ہمارے دل نامختون ہین" وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (بقرہ - ۱۱) ان فقرون سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب دنیا مین نیابتِ الٰہی کے منصب کے قابل نہین رہے تھے،

عرب کے باہر یہودیون کی پراگندہ ٹولیان مختلف سلطنتون کے سایہ مین پناہ گزین تھین اُن کا مذہبی

[1] سورۂ نساء

مرکز اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے، ابراہیمؑ و یعقوبؑ کے خدا کے بجاے، ہر جگہ وہ سونے چاندی کے ڈھیر ہی کو خدا بنائے تھے، اُن کے مذہبی فرقون کی تعداد بڑھتی جاتی تھی جنمین باہمی عداوت قائم تھی، اور اُس وقت سے چھ سوٓ برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبیِ اعظم کی بعثت کا بیتابانہ انتظار کر رہے تھے، (بقرہ۔۱۱) خود عرب مین یہود اس وقت اُس نبی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسون مین تذکرہ کرتے رہتے تھے، جسکی پشین گوئیوں سے توراۃ کے صحیفے بھرے تھے، اور انھین سے سُن سُنکر یثرب کے اوس و خزرج ایک نبی کی آمد کی پشین گوئی سے باخبر تھے[۱]،

دنیا کی ان مختلف قومون کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اُس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے جس کے افقِ نبوت سے صبحِ سعادت طلوع ہونیوالی تھی؛

## ظہورِ اسلام کیوقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت؛

یمن مین جب وہ مشہور سیلاب آیا جس کی بلندی سطحِ زمین سے ایک سو بیس[۲] فیٹ تھی، تو پایۂ تخت یعنی مآرب اور اس کے اضلاع دفعۃً برباد ہوگئے، یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو سَیلُ العَرِم کہا ہے، اس سیلاب کا ایک یہ نتیجہ ہوا کہ آٹھ بڑے بڑے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ،

[۲] اس بند کے انہدام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہی، اور اسی لیے اسکی تعیین مین کئی تفرقے ہین، ایک اسکو دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے، تو دوسرا پانچوین صدی عیسوی کا، اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانون مین منہدم ہوتے رہے اور بنتے رہے، آخری دفعہ پانچوین صدی عیسوی مین بالکل برباد ہوگیا۔ (سلیمان)

خاندان، جلا وطن ہو کر ادھر اُدھر نکل گئے، جس سے نظامِ سلطنت مین ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی مین، یمان کے فرمانروا، ذونواس سے جو مذہبًا یہودی تھا، رعایا نے بغاوت کی اور شاہِ حبش سے اعانت چاہی، اس نے ۵۲۹ء مین ایک فوج بھیجی جس نے ذونواس کو معزول کر دیا، اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، ۶۰۳ء مین قبیلۂ حمیر کے ایک باحوصلہ شخص **ذویزن** نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا، اور یمن شاہنشاہیِ فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا،

جو قبیلے یمن سے نکلے ان مین سے ایک نے دوسری صدی عیسوی مین حیرۃ مین، جہان اب کوفہ آباد ہے، ایک سلطنت قائم کی لیکن وہ فارس کے زیرِ اثر اور مذہبی خیالات مین مجوس سے متاثر تھی، دوسرا قبیلہ شام مین جاکر آباد ہوا جو غسانی خاندان کہلاتا ہے[1]، چونکہ یہ خاندان رومیون کے زیرِ اثر تھا، اس لیے رفتہ رفتہ وہ عیسائی ہو گیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا،

غرض عرب کے اصلی تمدّن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا، یہودی معتقدات اور خیالات کا اثر بھی بہت کچھ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیبر و فدک تمامتر یہودی آبادی تھی، اور خود مدینہ مین یہودی ہی صاحبِ اقتدار اور صاحبِ حکومت تھے، باقی تمام ملک مین مشرکانہ رسوم جاری اور جاہلانہ مذاہب پھیلے تھے، لوگ بتون، پتھرون، درختون، ستارون، فرشتون اور جنون کی پرستش کرتے تھے،

**خدا کا اعتقاد** تاہم اس مین شبہہ نہین کہ عرب زمانۂ دراز سے ایک خدائے برتر پر اعتقاد رکھتے تھے،

---

[1] اکثر علمائے انساب کا بیان یہی ہو کہ یہ قبائل یمن سے آئے تھے لیکن مین نے ارض القرآن مین بدلائل اس سے اختلاف کیا ہو۔ (سلیمان)

آجکل عرب کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوئے ہیں، ان پر اللہ کا لفظ خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے، البتہ اسکا املا اللہ نہیں بلکہ ھلٰہ ہے، عرب شمال کے عرب جو نابتی کہلاتے ہیں، ان کے ناموں کیساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا، مثلاً زید اللٰہی، عبد اللٰہی، خود قرآن مجید میں خدا کفار کی نسبت کہتا ہے؛

| | |
|---|---|
| وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ (لقمٰن - ۳) | اور جو تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو بول اٹھینگے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے، |

یہ اصل میں حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم تھی، لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا، یعنی یہ کہ خدائے اعظم کے سوا، اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں، گو اللہ ان سب میں بڑا ہے، یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہوگیا کہ اور معبودوں کے انکار سے ان کو اسی قدر رنج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہوسکتا تھا، بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا کاروبار، اور روزمرہ کی ضرورتیں انہی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجام پاتی تھیں، اور کام اکثر انہی خداؤں سے پڑتا تھا، اس لئے اللہ کا خیال کچھ یونہی سا رہ گیا تھا، انہی خداؤں کی پرستش کرتے تھے، انہی پر قربانی چڑھاتے تھے، انہی سے حاجتیں مانگتے تھے، اللہ تو زمین آسمان بنا کر بے کار سا ہو چکا تھا، جو کچھ کرتے تھے یہی خدایان اصغر کرتے تھے، یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا خالی نام لیتا تھا تو لوگ بہت کبیدہ ہوتے تھے،

| | |
|---|---|
| وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ | اور جب خالی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو کہ قیامت کے معتقد نہیں ہیں، ناک بھوں چڑھاتے ہیں، لیکن جب خدا کے سوا اوروں (معبودوں) |

له دیکھو مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ ۶۶۴ بحوالہ پروفیسر نولڈیکی

يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۞ (سورۂ زمر-۵) — کا بھی ذکر کیا جائے تو دفعۃً وہ کھل جاتے ہیں،

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے معبودوں کی نذر و نیاز و قربانی سے خدا خوش ہوگا، اور وہ اُس کے دربار میں سفارش کریں گے، چنانچہ وہ کہتے تھے،

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ (زمر-۱) — ہم ان بتوں کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں،

ملائکہ کی الوہیت | شرک کے علاوہ خدائے اعظم کی نسبت یہ مانتے تھے کہ اُس کے بال بچے بھی ہیں، چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے،

اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِكَةَ تَسۡمِيَةَ الۡاُنۡثٰى (سورۂ نجم-۲) — جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں،

اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ۞ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ۞ (سورۂ نجم-۱) — تمھارے تو لڑکے ہوں اور خدا کے لڑکیاں یہ تو کچھ اچھی تقسیم نہیں،

اس لیے جس طرح بعض یہود عزیرؑ کو، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدائی کا مستحق سمجھتے تھے، وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی الوہیت کے بھی قائل تھے،

وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ؕ (آل عمران-۸) — اور نہ خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ،

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَـكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ — اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا ایک حصہ بنایا، بیشک انسان، کھلا ناشکرا ہے،

| | |
|---|---|
| أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّأَصْفٰكُمْ | ہے، کیا خدا جو پیدا کرتا ہے وہ اپنے لیے لڑکیان لے |
| بِالْبَنِيْنَ ...... وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ | اور تمکو لڑکے دیکر عزت دے، ...... |
| الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوْا | اور ان مشرکون نے فرشتون کو جو رحمت والے خدا |
| خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ | کے بندے ہین لڑکیان قرار دیا، کیا وہ انکی پیدایش کے |
| وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ | وقت موجود تھے، انکی گواہی لکھی اور بازپرس کیجائیگی |
| (زخرف-۱-۲) | اور کہتے ہین کہ اگر خدا نہ چاہتا تو ہم انکی پرستش نہ کرتے، |
| فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَلَهُمُ | تو ان سے پوچھ کہ کیا تیرے رب کی لڑکیان ہون |
| الْبَنُوْنَ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَّ | اور ان کے لڑکے ہون، کیا ہم نے فرشتون کو لڑکیان |
| هُمْ شٰهِدُوْنَ، أَلَآ إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ | پیدا کیا اور وہ حاضر تھے، ہان یہ ان مشرکون کی |
| لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ | بناوٹ ہے، وہ کہتے ہین کہ خدا کے اولاد ہوئی |
| (صٰفّٰت-۵) | اور وہ جھوٹے ہین، |

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہان اپنے پرستارون کے سفارشی بنین گے، خدا نے اسکی تردید مین کہا،

| | |
|---|---|
| وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا | اور آسمانون مین کتنے فرشتے ہین، کہ انکی سفارش |
| تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا، الآیہ (نجم-۲) | خدا کی اجازت کے بغیر کچھ فائدہ نہین پہنچا سکتی، |

قیامت مین فرشتون سے پرسش ہوگی کہ یہ مشرک تمہاری پوجا کرتے تھے،

| | |
|---|---|
| ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ | پھر خدا فرشتون سے کہیگا کہ کیا یہ انسان تمہین کو |

كَانُوا يَعْبُدُوْنَ ، (سبا-۵) پوجتے تھے،

جنات کی الوہیت | فرشتون کی طرح وہ جنات کو بھی خدا کا عزیز و قریب سمجھتے تھے اور خدا کے ان سے رشتے لگاتے تھے،

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صفّٰت-۵) — اور مشرکون نے خدا اور جنون کے درمیان رشتہ داری بنائی،

اسی لیے وہ جنات کو خدا کی خدائی مین شریک کرتے تھے،

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ، (انعام-۱۲) — اور انھون نے جنون کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی مخلوق ہین، اور بن جانے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیان گھڑین،

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے، تو اُن کی عبادت اور پرستش بھی ضروری ہوئی، چنانچہ جاہلیت مین اہل عرب ان جنون کی بھی پوجا کرتے تھے بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ، (سبا-۵) بلکہ یہ جن کو پوجتے تھے اور ان مین سے اکثر انھین پر ایمان رکھتے تھے، مسافر جب راستہ مین کہین قیام کرتے تھے، تو پہلے وہان کے جنون کی دہائی پکار لیتے تھے قرآن مین ہے، وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (جن-۱) اور بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنون کی دہائی پکارا کرتے تھے، اور انھون نے اُن کو اور مغرور بنایا، چنانچہ بعض خوفناک مقامات مین خاص طور سے اُن کے نام کی قربانی کیجاتی تھی، اُن مین سے ایک

لہ صحیح مسلم کتاب التفسیر،

مشہور مقام دراہم تھا جہان کے رہنے والے جنون (سکان الدراہم) پر جانور ذبح کرکے چڑھائے جاتے تھے، تاکہ قربانی کرنے والے ان کی شرارت سے محفوظ رہین[1]، قبیلۂ خزاعہ کی شاخ بنو ملیح خاص طور سے جنون کی پوجا کرتی تھی، اور کلبی کا بیان ہے کہ انھین کے متعلق یہ آیت اتری ہے[2]،

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ، (اعراف - ۲۴) — خدا کو چھوڑ کر تم جنکو پکارتے ہو وہ تمھاری ہی طرح بندے ہین،

**بت پرستی** جن خداؤن کو یہ لوگ مانتے تھے اُن کے بُت بنالیے تھے، اور جابجا عظیم الشان بتکدے قائم ہوگئے تھے، یہ رواج اس قدر عام ہوگیا تھا کہ جہان کوئی خوبصورت پتھر مل گیا اٹھا لیا اور اسکی پرستش شروع کردی، اس سے زیادہ خوبصورت ملگیا تو اُسکو پھینکدیا اور اُسکی پرستش کرنے لگے، جہان کوئی پتھر نہ ہاتھ آیا خاک کا ایک تودہ بنالیا، ایک بکری لاکر، اس کا دودھ اس پر دوہا پھر اُس کے گرد طواف کیا، اور اب وہ ایک معبود بنجاتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ مین یہ پوری تفصیل مذکور ہے،

اس بت پرستی کی ابتدا یون ہوئی کہ قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص جسکا نام عمرو بن لُحَی تھا، اور جو قبیلۂ جرہم کو شکست دے کر کعبہ کا متولی بنگیا تھا، ایک دفعہ بلقا رگیا، وہان لوگون کو بت پرست دیکھکر، بت پرستی کی طرف مائل ہوا، اور وہان سے ایک بت لاکر کعبہ مین نصب کیا، چونکہ اسکا اثر تمام عرب پر تھا، اس لیے تمام عرب نے بت پرستی قبول کرلی، اور گھر گھر بتخانے بنگئے، ان مین ہبل سب سے بڑا تھا، اس سے اتر کر منات، لات، اور عزیٰ تھے،

[1] لسان العرب لغة "سکن"، [2] کتاب الاصنام ہشام الکلبی مطبوعۂ مصر صفحہ ۳۴،

**منات** مدینۂ منورہ سے سات میل پر تھا، انصار کے قبیلے یعنی اوس وخزرج اور اور پاس پاس کے قبائل، اسی کا حج کرتے تھے، کعبہ کا حج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام یہین آکر اتارتے تھے، حلفیہ معاہدے بھی یہین ہوتے تھے، عبد العزی مزنی کہتا ہے[1]،

| | |
|---|---|
| انی حلفت یمین صدق برۃ | مین نے منات کی سچی قسم کھائی |
| بمناۃ عند محل آل الخزرج | اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پاس |

**لات**، قبیلۂ ثقیف کا معبود تھا جو مقام طائف مین نصب تھا، اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر تسلیم کرتے تھے،

**عزیٰ** ایک درخت تھا، اس کے پاس ایک بت تھا، یہ قبیلۂ غطفان کا بت تھا، لیکن قریش بھی اسکی نہایت عزت کرتے تھے اور اسکی زیارت کو جاتے تھے، قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پڑھتے تھے[2]،

| | |
|---|---|
| وَاللّٰاتَ وَالْعُزّٰی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ | لات، عزیٰ، اور تیسرا مناۃ، یہ بڑے برگزیدہ |
| الاخریٰ، انّھن الغرانیق العُلیٰ وانّ | ہین، اور اون کی سفارش کی خدا کے ہان |
| شفاعتھن لترتجیٰ، | امید ہے، |

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی برائیان پیدا کر دین، جانورون سے گذر کر انسانی قربانیان اُن پر چڑھائی جانے لگین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جدّ امجد عبد المطلب نے جو اپنے صاحبزادہ (عبد اللہ) کی قربانی کرنی چاہی تھی، اسی رسم کی تقلید تھی،

---

[1] یہ پوری تفصیل معجم البلدان، لفظ مناۃ مین ہے [2] معجم البلدان، لفظ لات وکتاب الاصنام للکلبی مطبوعہ دار الکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ ص ۱۹

بحیرۃ، سائبۃ، حام کے نام سے بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے، کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے اس کا خون کعبہ کی دیواروں پر ملتے تھے، بتوں کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے، انمین سے ایک پر "ہان" ایک پر "نان" لکھا رہتا تھا، جو کام کرنا چاہتے پجاری سے کہتے کہ فال نکالے "ہان" کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے ورنہ باز رہتے،

جاہلیت مین جن چیزون کی پرستش کیجاتی تھی، وہ مختلف قسمون کی تھین، اصنام و اوثان انصاب اور بیوت، اصنام و اوثان جنکا واحد صنم اور وثن ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے، اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو تعیم کہلاتے، اور اگر رنگ اور مسالے سے بنتے تو ان کو دُمیہ کہتے، انصاب اور نصب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے، جنکو کھڑا کرکے اُن پر چڑھاوے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے، بیوت جس کا واحد بیت ہے، چند گھر تھے، جیسے رضا، رئام، قلیس، وغیرہ، جنمین بت پرستانہ رسوم ادا کئے جاتے تھے، جن بتون کے اردگرد چکر لگاتے تھے، ان کو دوار کہتے تھے، اور ان پر جو قربانی کیجاتی تھی اُس کو عتیرہ کہتے تھے، پتھرون کا ڈھیر لگا کر اس کے چارون طرف چکر لگاتے تھے، اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے،

کما طاف بالرجمۃ المرتجمِ — جیسے پتھرون کے ڈھیر کا طواف کرنے والا طواف کرتا ہے[۲]

جن بتون کی پرستش کیجاتی تھی، اُن کی کوئی انتہا نہ تھی ع

"قبیلہ قبیلہ کا اک بت جدا تھا"

خاص خانۂ کعبہ اور اس کے اطراف مین تین سو ساٹھ بت[۳] تھے، ان مین سے قرآن پاک مین جنکے

---

[۱] نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ [۲] ان الفاظ کے لیے دیکھو لسان العرب [۳] صحیح بخاری باب فتح مکہ

نام بتائے گئے ہین وہ یہ ہین لاتؔ، عزّیٰ، مناۃ، یغوث، یعوق، نسر، وُدّ، سواع، بعل، لیکن جاہلیت کے پرانے مورخون اور لغت نویسون نے جاہلیت کے شخصی نامون اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کئے ہین، ہشام کلبی کی کتاب الاصنام مین جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے، اور جو اب مصر مین چھپ بھی گئی ہے، تقریباً تیس بتون کے نام ہین، علامہ زکی پاشا جنھون نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء مین تحشیہ اور تکملہ کے بعد شائع کیا ہے، اپنے تکملہ مین چھیالیس نام اور بڑھائے ہین، یمن اور حجاز مین آثار قدیمہ کے محققون نے عہدِ جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہین، ان مین المقہ، عشتار، نکرہ، قینان وغیرہ بہت سے اور نامون کا پتہ لگایا ہے، مین نے ارض القرآن کی دوسری جلد مین جو ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء مین چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے،

ذیل مین ہم اُن بتون کی فہرست درج کرتے ہین، جنکے نام ابتک معلوم ہو چکے ہین،

| بتون کے نام | قبیلون کے نام جو اُن کو خاص طور سے پوجتے تھے، |
|---|---|
| لات | ثقیف |
| عزّٰے | قریش، و بنو شیبان بن جابر، |
| مناۃ | اوس و خزرج اور عام عرب |
| یغوث | بنو مذحج و اہل جرش، |
| یعوق | بنو ہمدان و اہل خیوان، |
| نسر | حمیر |
| ودّ | بنو کلب |

| | |
|---|---|
| سواع | بنو لحیان |
| اساف | بُت، جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی، |
| نائلہ | بت، جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی، |
| اُقیصر | قضاعہ ولخم و جذام، و عاملہ و غطفان، |
| باجر | ازد و طی و قضاعہ، |
| ذوالخلصہ | بنو امامہ، خثعم، بجالہ، ازد السراۃ، |
| رُضا یا رُضی | بنو ربیعہ کا بتخانہ، |
| ریام | حمیر کا بتخانہ، |
| سجہ | |
| سعد | بنی ملکان بن کنانہ، |
| سُعَیر | عنزہ، |
| ذوالشری | بنو حارث، |
| عائم | ازد السراۃ، |
| عم انس (یا) عمیانس | خولان، |
| فلس | طی، |
| ذوالکفین | بنو دوس، |
| منات | قریش، |

نُہْم، مزینہ،

ہُبل، قریش،

بَعْل، قبائل بنی عدنان،

یعبوب، جدیلہ (بنی طی)

اشہل، بنو عبدالاشہل،

اوال، بکر و تغلب،

بس، غطفان کا بُت خانہ،

بعیم، ایک لکڑی کا بُت،

بلج، ایک بُت،

ج

جُرَیش یا جُرَیش، ایک بُت جس کی طرف عبد جریش کی نسبت ہے،

جَلسد، ایک بُت کا نام،

جہار، ہوازن کا معبود،

دار، بنو عبدالدار،

دوار، ایک بت کا نام،

ذوالرجل، حجاز کا ایک بُت،

شارق، ایک بُت کا نام جس کی طرف عبدالشارق کی نسبت ہے،

| | |
|---|---|
| شمس ، | بنو عبد شمس ، |
| صدا ، | عاد کا بت ، |
| صمود ، | " |
| ضمار ، | عباس بن مرداس سلمی کا قبیلہ ، |
| ضیزن ، | منذر اکبر ، |
| عبعب ، | قضاعہ ، |
| عوض ، | بکر بن وائل ، |
| عوف ، | ایک بت کا نام ، |
| غبغب ، | اس پر جانور ذبح کیے جاتے تھے ، |
| فراض ، | سعد العشیرہ ، |
| کثریٰ ، | جدیس وطسم ، |
| کسعہ ، | ایک بت کا نام ، |
| محرق ، | بکر بن وائل ، |
| مدان ، | عبد المدان ، |
| مرحب ، | حضر موت ، |
| منہب ، | ایک بت کا نام ، |
| ہبا ، | عاد ، |

ذات الودع، ایک بت کا نام،

یالیل، عبد یالیل،

ستارہ پرستی | عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا، مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے تھے، اُن میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے، اسی لیے قرآنِ پاک نے خصوصیت کیساتھ کہا،

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حٰم السجدہ ۵) نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو،

یمن میں سبا کی قوم سورج ہی کو دیبی مانتی تھی، (نمل ۳) یمن کے بادشاہ شمر یرعش نے سورج دیبی کا مندر بنوایا تھا،[1] سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شعریٰ کی بڑی قدر و منزلت تھی، اسی لئے قرآنِ پاک نے کہا،

وَاَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی، (نجم ۳) اور وہی خدا شعریٰ کا مالک ہے،

صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں عرب کے حسب ذیل قبیلوں کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے،

قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا، کنانہ چاند کو، تمیم دبران کو، لخم اور جذام مشتری کو، طی سہیل کو، قیس شعری العبور کو، اور اسد عطارد کو،[2]

جن اور شیاطین اور بھوت پلیت | جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب اعتقاد تھے، وہ جن، شیطان، اور بھوت پلیت، سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشغال کی وجہ سے اُن کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے، جو اجنہ جنگلوں اور میدانوں میں رہتے تھے،

---

[1] تاریخ ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۱۱۱ کلکتہ [2] طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی صفحہ ۴۳ بیروت،

اور مسافرون کو اپنی صورتین یا لباس، بدل بدلکر دھوکا دیتے تھے اُن کا نام غول تھا، یہ مذکر بھی ہوتے تھے اور مؤنث بھی،

عبید بن ایوب الغیری،

| | |
|---|---|
| وغولا قفرۃ ذکر وانثی | اور بیابان کے دو غول مرد بھی، اور عورت بھی |
| کان علیھما قطع البجاد | گویا کہ اُن دونون پر کمل کے ٹکڑے پڑے ہیں، |

مؤنث کو سعلاۃ کہتے تھے،

| | |
|---|---|
| اذل وسعلاۃ وغول بقفرۃ | مین بھسلتا ہون اور چڑیل اور غول بیابان مین |
| اذا اللیل وادی الجن فیہ ارنت | جب رات پردہ پوش ہوتی تھی تو بھوت اُسمین آواز دیتے تھے |

عمرو بن یربوع ایک ممتاز شخص تھا، اس نے سعلاۃ سے نکاح بھی کیا تھا، اور اس سے اولاد بھی ہوئی تھی؛ راجز کہتا ہے،

| | |
|---|---|
| یا قاتل اللہ بنی السعلاۃ | خدا سعلاۃ کے فرزندون کو مارے، |

بلقیس ملکہ یمن (اُنکے زعم مین) سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی،

یہ اکثر گاتے بجاتے تھے اور اہل عرب اُن کے نغمون سے محظوظ ہوتے تھے،

| | |
|---|---|
| کم جبت دونک من یھماء مظلمۃ | کتنی اندھیری گھپ راتون مین مین نے |
| تیہ اذا ما مغنی جنہ سمرا | صحرا کو قطع کیا جب ان کے جنات کا مغنی افسانہ گوئی کرتا تھا |

یہ صحرانشین بدؤون کی صحبتون مین شریک ہوتے تھے، جاڑون مین جب بدو آگ جلا کر بیٹھتے تھے، تو یہ بھی آگ تاپنے کو آجاتے تھے، لیکن جب ان کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر

کرتے تھے کہ ہم آدمیون کی غذا نہین کھا سکتے،

| | |
|---|---|
| اتوا ناری فقلت منون انتم | وہ لوگ آگ کو میرے پاس آئے، تو مین نے کہا تم کون ہو، |
| فقالوا الجن قلت عموا ظلاما | انھون نے کہا ہم جن ہیں مین نے کہا تاریکی مین خوش رہو |
| دعوت الی الطعام فقال منهم | مین نے اُن کو کھانے کیلئے بلایا، تو ان مین سے ایک سردار نے کہا |
| زعیم نحسد الانس الطعاما | ہم انسانون کے کھانے پر حسد کرتے ہین، |

یہ زیادہ تر جہان آباد تھے ان موضعون کے نام، بدی، بقار، اور عبقر تھے،

| | |
|---|---|
| ع جن البدی رواسیا اقدامها | بدی کے جن، جن کے قدم جمے تھے، |
| ع تحت السنور جنة البقار | زرہون کے نیچے بقار کے بھوت تھے، |
| ع علیهن فتیان کجنة عبقر | اور انپر شہسوار جوان عبقر کے بھوت معلوم ہوتے تھے، |

ان کے اقسام حسب ذیل تھے،

جو آدمیون کے ساتھ مِل جُل کر رہتے تھے اُن کو عامر کہتے تھے،

جو بچون کو ستاتے تھے ان کا نام روح تھا،

جو زیادہ شریر تھے اُن کو شیطان کہتے تھے،

اس درجہ سے بڑھ کے جو شریر ہوتا تھا اس کو عفریت کہتے تھے،

یہ اکثر بچون اور جوانون کو اٹھا لیجاتے تھے، حضرت علیؓ کے ایک بھائی طالب تھے، یہ اُن کو اٹھالے گئے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا، عمرو بن عدی لخمی جو عرب کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھالے گئے تھے لیکن کئی برس کے بعد جذیمۃ ابرش کو لا کر دے گئے،

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھا لے گئے تھے، مدت کے بعد وہ واپس آیا تو عجیب عجیب باتیں[1] بیان کرتا تھا،

ان اجنہ یا شیاطین سے جن لوگون کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان مین سے تأبط شرا اور ابوالبلاد طہوی زیادہ مشہور ہین، طہوی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا، اس کے واقعات ایک نظم مین لکھے ہین،

| | |
|---|---|
| لقیت الغول تسری فی ظلام | مین غول بیابانی سے ملا جو رات کو اندھیرے مین چلتی ہین |
| . . . . . . . | . . . . . . . |
| فصلت وانتحیت لہا بعضب | تو اُسنے روکا، اور مین اُن کی نبی ہوئی اصیل تلوار |
| حسام غیر مؤتشب یمانی | لے کر اُس کی طرف بڑھا، |
| فقد سراتہا والبرد منہا | تو اُسنے اُسکے سر کو اور اسکی زرہون کو کاٹ ڈالا[2] |
| فخرت للیدین وللجران | اور وہ دونون ہاتھون اور سینہ کے بل زمین پر گر پڑا |

انھین اجنہ اور شیاطین کا زور توڑنے کے لیے قرآن نے قیامت کے اس سوال وجواب کا انداز اختیار کیا، کہ اُن کے دوست انسان وہان بھی اُن کی دوستی کا دم بھرتے جائین گے، اس سے اندازہ ہوگا کہ جاہل عربون پر ان کا کس قدر استیلا تھا،

| | |
|---|---|
| یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ | اے جنون کے گروہ، تم نے انسانون سے بہت کچھ |

---

[1] شمائل ترمذی باب السمر، [2] یہ تمام تفصیل کتاب الحیوان، جاحظ سے ماخوذ ہے، اس نے کئی ورق مین نہایت تفصیل سے یہ واقعات لکھے ہین، دیکھو کتاب مذکور از صفحہ ۴۰ تا صفحہ ۸۰، جزء ششم، مطبوعۂ مطبع سعادت، مصر،

| | |
|---|---|
| وَقَالَ اَوْلِیٰٓئُھُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا | وصول کیا، اور اُن کے دوست انسان بولے |
| اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ، (انعام-۱۵) | اے ہمارے رب! ہم میں سے ایک نے دوسرے کا کام نکالا |

**کہانت** کہانت ایک سخت بلا تھی، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے، جو آیندہ واقعات کی پیشین گوئیاں کرتے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے، اہل عرب کا اعتقاد اور خود کاہنوں کا دعویٰ تھا کہ اُن کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے، اور وہی ان کو القا کرتا ہے، وہ اپنی شکل وصورت ایسی بناتے تھے کہ پہچان لئے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گذرا، انھوں نے قیافہ سے پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے، اُس کو بلا کر پوچھا کہ تیرے جن نے تجھ سے سب سے عجیب تر بات کیا بیان کی؟ اُس نے کہا کہ میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرایا ہوا آیا، اور کہا،

| | |
|---|---|
| الم تر الی الجن وابلاسها، و | کیا تم جنوں کی سراسیمگی، اون کی نا امیدی |
| یاسها من بعد انکاسها ولحوقها | اور اُن کے کاروبار کی ابتری نہیں |
| بالقلاص واحلاسها، | دیکھتے، |

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے، میں ایک روز زمانۂ جاہلیت میں توں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لاکر ذبح کیا، اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا،

| | |
|---|---|
| یا جلیح، امر نجیح رجل فصیح یقول | اے جلیح! کامیاب امر ایک فصیح شخص |

لہ کتاب البیان والتبیین للجاحظ جلد اول صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مطبع علمیہ مصر،

| | |
|---|---|
| لا الٰہ الا اللّٰہ ، | لا الٰہ الا اللّٰہ کہتا ہے ، |

اس کے چند ہی دنون کے بعد آنحضرت صلعم کی بعثت[1] ہوئی، صحیح بخاری (تفسیر سورۂ والضحیٰ) مین روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ علیل ہو گئے اور دو تین دن رات کو عبادت کے لیے نہین اٹھے، اس پر ایک عورت (یہ ابولہب کی زوجہ تھی) نے آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا،

| | |
|---|---|
| انی ارجو ان یکون شیطانک | میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے |
| قد ترکک ، | تجھ کو چھوڑ دیا ، |

یہ وہی خیال تھا، چونکہ کفار آپ کو کاہن خیال کرتے تھے، اس لیے اُن کا خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی جن یا شیطان رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت مین کی ہے،

| | |
|---|---|
| هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ | کیا مین تمھین بتاؤن کہ شیطان کس پر |
| تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ | اترتے ہین ؟ شیطان ہر جھوٹے گنہگار پر |
| السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝ | اترتے ہین، وہ سنی سنائی بات القا کرتے |
| (شعراء - ۱۱) | ہین، اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہین ، |

یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس بنا پر تمام ملک پر اُن کا اثر چھایا ہوا تھا، ان مین سے حازی، شق، سطیح، عزی بہت مشہور تھے، جاحظ نے اُن کے کاہنانہ فقرے، کتاب البیان مین نقل کیے ہین،

---

[1] صحیح بخاری جلد اول ص۶۹۵ ،

| | |
|---|---|
| ولاارض والسماء، والعقاب | قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب |
| والصقعاء واقعة ببقعاء، لقد | اور آفتاب کی، ایک واقعہ میدان میں |
| نفر المجد بنی العشراء للمجد | واقع ہوا کہ بزرگی بنو عشراء پر غالب آگئی |
| والسناء، | بوجہ بڑائی اور بلندی کے، |

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا تلقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفّٰی اور مسجع فقرے ہوتے اسلیے جب ایک دفعہ آنحضرت صلعم کے سامنے ایک ساقط الحمل بچہ کا مقدمہ پیش ہوا، اور آپ نے اوسکی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے عرب کے دستور کے مطابق اعتراضاً کہا،

| | |
|---|---|
| ارأیت من لاشرب ولا اکل | غور فرمائیے کہ جس بچہ نے نہ کھایا نہ پیا، |
| ولاصاح فاستهل الیس مثله یطل | نہ چیخا، نہ رویا کیا اس کا خون معاف نہوگا، |

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے، (صحیح مسلم دیۃ الجنین وصحیح بخاری باب الکہانۃ)

یہ کاہن بتخانوں میں رہتے تھے، اور کسی خاص بت کے پجاری ہوتے تھے، جب لوگ اُنسے غیب کی بات پوچھتے، یا وہ خود آیندہ کے متعلق پیشینگوئی کرنے لگتے، تو ایک خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے، مرد بھی کاہن ہوتے تھے اور بعض عورتیں بھی ہوتی تھیں، جو کاہنہ کہلاتی تھیں، یہ مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر بتاتے تھے، یہ اپنی کہانت کی اجرت میں بڑی بڑی رقمیں اور نذرانے وصول کرتے تھے، اسلام کے بعد ان میں جو مسلمان ہوگئے تھے، وہ علانیہ اپنے خدع و فریب کا اعتراف کرتے تھے[1]، اُن کو نذر و نیاز اور

[1] بخاری جلد اول ص ۵۴۲ کتاب الطب باب الکہانۃ،

اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا، اس کا نام حلوان الکاہن تھا یعنی کاہن کے منہ میٹھا کرنے کے لئے تحفہ، اسلام نے آکر اس کو روک دیا[1]،

غرض ان کاہنون نے عوام فریب کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا، اور یہ انھی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سیکڑون قسم کی وہم پرستیون مین مبتلا ہو گیا تھا،

شعراء کی نسبت بھی عرب کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اس کو اشعار القا کرتا ہے، چنانچہ مخبل شاعر کی شیطانہ، عمرو کی بیٹی تھی، اور اعشیٰ جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اس کے شیطان کا نام مسحل تھا، اعشیٰ خود کہتا ہے،

| | |
|---|---|
| دعوت خلیلی مسحلا و دعواله | مین نے اپنے دوست مسحل کو پکارا اور انھون نے |
| بجهنام جدعی للهجین المذمم | اس کیلئے جہنام کو پکارا، اور یہ کمینہ بدطوار کیلئے بلایا جاتا ہے |
| حبانی اخی الجنی نفسی فداءه | مجھکو میرے جن دوست نے میری جان اس پر فدا ہو |
| بافیح جیاش العشیات مرجم[2] | شامون کو تقت سے پر جوش بازو لے اور بحث پھر وکر ہوئے |

جو اعلیٰ درجے کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن مذکر ہوتا تھا، ابو النجم کہتا ہے،

| | |
|---|---|
| انی وکل شاعر من البشر | ہر شاعر کا شیطان تو مؤنث ہے |
| شیطانه انثی وشیطانی ذکر | مگر میرا شیطان مذکر ہے، |

شنقنان اور شیصبان، روسائے شیاطین تھے جو شاعری سکھلاتے تھے، ایک شاعر کو

---

[1] صحیح بخاری جلد اول ص۸۵۲ کتاب الطب باب الکہانۃ [2] اعشیٰ کے دیوان مطبوعۂ ویانا ص۶۵ مین صرف پہلا شعر ہے، اور اس کا بھی دوسرا مصرع اس طرح ہے جهنام جدعا للهجین المذمم،

اس پر فخر تھا کہ اس کا معلم اسی شیصبان کی اولاد سے ہے،

ولی صاحب من بنی الشیصبان — میرا ساتھی شیصبان کی اولاد ہے

فطوراً اقول وطوراً ھوہ[۱] — تو کبھی میں شعر کہتا ہوں کبھی وہ

**اوہام پرستی** سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اُس کا جوڑا اُ کر بدلہ لیتا ہے[۲]، یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرند بنکر اُڑتی رہتی ہے اسکو **ہامہ** کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے، جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے، مثلاً اس وقت کوئی پرند داہنی جانب سے اڑا تو مبارک سمجھتے تھے اور بائیں جانب سے اڑا تو اس وقت اُس کام سے باز رہتے تھے، بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر نر ہوتا تو بُت پر چڑھا دیتے، اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اسکو چھوڑ دیتے وہ سانڈ کیطرح چھوٹی پھرتی کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے، کہ نظر نہ لگ جائے، جب کبھی قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھانس پھونس باندھکر آگ لگا دیتے، اور سمجھتے کہ اس سے پانی برسیگا، سفر میں جاتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھکر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھل گئی ہے تو سمجھتے کہ اُن کی بیوی نے بدکاری کی، سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹکر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جاتا ہے[۳]، یہ خیال تھا کہ جو شخص لات و عزّیٰ کو گالی دیتا ہے اس کو برص یا جذام ہو جاتا ہے[۳]، ہاتھوں میں پیتل کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے[۴]،

---

۱؎ ابوداؤد مطبوعہ مجتبائی جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ ۲؎ یہ باتیں بلوغ الارب وارطوار العرب وغیرہ کتابوں میں مذکور ہیں، ۳؎ مسند دارمی صفحہ ۹ ۴؎ ابن ماجہ صفحہ ۱۸۸، تعلیق التمائم، ابواب الطب،

اس قسم کے سیکڑون اوہام پھیلے ہوئے تھے، جنکا شمار نہین ہو سکتا،

یہ تو اُن کے مذہبی حالات وخیالات تھے، ان کی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی پست تھی؛ اُن کے اخلاقی معائب مین سب سے نمایان چیز ان کی جنگجوئی تھی، جس نے اُن کو حد درجہ خونخوار، سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا،

جنگجوئی — ذرا ذرا سی بات پر لڑمرنا، اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے، اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرپیکار رہتا، ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزون کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ مین پرورش پاتا تھا، اور جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا، اور اس طرح ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسون تک قائم رہتا تھا، انھین لڑائیون کو مورخین اور اہلِ ادب **ایام العرب** کہتے ہین، جنکی تعداد سینکڑون سے متجاوز ہے، میدانی نیشاپوری المتوفی ۵۱۸ھ نے کتاب الامثال مین ان مین سے ۱۳۲ لڑائیون کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے،

| | |
|---|---|
| ھذا الفن لا یستقصاہ الاحصاً | یہ فن شمار کا استقصار نہین کر سکتا، |
| فاقتصرت علی ما ذکرت (جلد ۲ | اس لئے جو کچھ مین نے بیان کیا ہے |
| صفحہ ۳۷۰ خیریہ مصر) | اسی پر مین نے قناعت کی، |

یہ تمام لڑائیان وہ ہین جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئین، اُن مین سب سے مشہور لڑائی عبس و ذبیان کی ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دو قبیلون کے دو گھوڑے **داحس** اور **غبراء** کا باہمی مقابلہ تھا، ان مین سے ایک فریق نے گھوڑدوڑ کے قوا

کی خلاف ورزی کی، اور لڑائی ہو پڑی، یہ لڑائی ان دونوں قبیلون مین پورے چالیس برس تک قائم رہی، دوسری مشہور لڑائی حرب بسوس ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ بسوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی، کلیب بن وائل کے چراگاہ مین جا پڑی، کلیب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ مین آگ لگا دی، کلیب جان سے مارا گیا، اور بکر و تغلب مین خونریز جنگ ہوئی، عکاظ کے میلہ مین سلیم اور غطفان کے سردارون مین کچھ مناقشہ ہوا، چند روز کے بعد موقع پاکر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام مین خون کی ندیان بہ گئین، بکر و تمیم مین ایک چراگاہ کے معاملہ مین خونریز لڑائی ہوئی، اوس و خزرج مدینہ کے دو قبیلون مین جو ہولناک لڑائیان ہوتی رہین، ان مین سب سے مشہور یوم بعاث ہے جسمین دونون قبیلون کے اکثر سردار کام آئے اس لڑائی کا خاتمہ انصار مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیون کا نام ایام فجار ہے، ایک اور مشہور لڑائی کا نام ذی قار ہے،

الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی، قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور لڑائیون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا[۱]، ان مین لڑنا، اور مرنا اور مارنا جاہلیت کا شرف، اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی، اور اس خون آشامی کا ذوق اُن کی فطرت ثانیہ بنگئی تھی، ان لڑائیون مین سفاکی، بیرحمی، اور قتل و غارت کی بدترین مثالین پیش آتی رہتی تھین،

**شراب خواری** شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور مظالم اور بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربون مین اسکا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکدہ بنگیا تھا، اس کا نہ پینا اس قدر نامانوس بات تھی کہ جن چند آدمیون

---

[۱] ان لڑائیون کے مفصل حالات کیلئے دیکھو عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد ۳ اور امثال میدانی لفظ "یوم"

سنے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا اُن کے نام یاد رکھے گئے ہین، دوست احباب کسی گھر مین جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، ساتھ ہی جوا کھیلتے، اُس مین اونٹون کی ہار جیت ہوتی جو جیتا وہ جیتے ہوئے اونٹون کو اسی وقت ذبح کر کے لوگون کو کھلا دیتا، کبھی نشہ مین سرشار ہو کر خود صاحب خانہ اٹھ کھڑا ہوتا، اور اپنے اونٹون کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا، لوگ گوشت بھونتے، کباب لگاتے، اور کھاتے اور کھلاتے، اور اپنی اس بیجا فیاضی پر فخر کرتے، سامنے فاحشہ مغنیہ عورتین گاتین بجاتین، اور وہ اُسی مخموری کے عالم مین بے شرمی کی باتین کرتے، جاہلیت کا مشہور شاعر طرفہ کہتا ہے،

فان تبغنی فی حلقة القوم تلقنی　　　وان تقتنصنی فی الحوانیت تصطد

پس اگر تو مجھے لوگون کے حلقہ میں ڈھونڈے تو پائیگا　　　اور اگر شراب خانون مین مجھے شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

متی تاتنی اصبحک کاسًا رویّة　　　وان کنت عنہا غانیًا فاغن وازدد

جب بھی تو میرے پاس آئے مین تجھے شراب کا سیراب پیالہ پلاؤنگا　　　اور اگر تو اس سے بے نیاز ہو کر آئے تو جا اور بے نیازی کر

ندامای بیض کالنجوم وقینةٌ　　　تروح الینا بین برد ومُجسد

میری محفلِ شراب کے ہمنشین ستارون کیطرح گورے چٹے ہین، اور ایک مغنیہ ہے جو شام کو ہمارے پاس مینی چادر اور زعفرانی کپڑون مین آتی ہے

رحیب قطاب الجیب منہا رفیقة　　　بجس الندامی بضة المتجرد

اسکے گریبان کا شگاف بڑا ہے شرابی رفیقون کی دست درازی سے مانوس اور اس کے بدن کے برہنہ حصے لطیف ہین

اذا نحن قلنا اسمعینا انبرت لنا　　　علی رسلہا مطروفة لم تشدد

جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ، تو آہستہ آہستہ . . . . نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے،

وما زال تشرابي الخمور ولذّتي — وبيعي وانفاقي طريفي ومتلدي

اور میری شراب نوشی، اور لذت اندوزی، اور اپنی حاصل کردہ اور موروثی دولت کو خرچ کرنا میرا شعار رہا،

فلولا ثلاث هنّ من لذة الفتى — وجدّك لم احفل متى قام عوّدي

اور اگر تین باتیں نہ ہوتیں جو ایک شریف کا لطفِ ذوق ہیں، تو تیری قسم میں اپنی موت کی پروا نہ کرتا،

فمنهن سبقي العاذلات بشربة — كميتٍ متى ما تعل بالماء تزبد

انہیں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بات کا خیال کئے بغیر سرخ و سیاہ رنگ شراب کا پیالہ پی لینا کہ جس میں پانی ملانے سے جوش آئے،

وتقصير يوم الدجن والدجن معجبٌ — ببهكنة تحت الخباء المعمّد

اور دوسری بات گھنگھور گھٹا کے دن کو اور وہ کیسا پُر لطف دن ہوتا ہے کسی بلند خیمہ کے نیچے حسین معشوقہ سے لطف اندوزی میں چھوٹا کرنا ہے،

كريمٌ يروّي نفسه في حياته — ستعلم ان متنا غدًا ايّنا الصدي

میں وہ فیاض ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کر سیراب کرتا ہے، موت کے بعد معلوم ہوگا کہ ہم میں پیاسا کون ہے؛

وبركٍ هجودٍ قد اثارت مخافتي — بوادِيها امشي بعضبٍ مجرّد

اور کتنے بیٹھے ہوئے سوتے اونٹ تھے کہ میرے خوف نے ان کے اگلوں کو بھڑکا دیا جب میں ننگی تلوار لیکر چلا

فمرّت كهاةٌ ذات خيفٍ جلالةٌ — عقيلةُ شيخٍ كالوبيل يلندد

تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڈھے کی جو لٹھ کی طرح جھگڑالو تھا، قیمتی چیز تھی، سامنے آگئی۔

وقال الا ماذا ترون بشاربٍ — شديدٍ علينا بغيه متعمّد

(جب میں نے تلوار سے کونچیں کاٹ کر اونٹنی کو گرا دیا) تو اس بڈھے نے کہا کہ اس بدمست کو دیکھو جو جان بوجھکر ہم پر ظلم کر رہا ہے۔

فظلّ الاماء يمتللن حوارها — ويسعى علينا بالسديف المسرهد

تو لونڈیان اونٹنی کے بچہ کو (جو اسکے پیٹ سے نکلا تھا) بھوننے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لیکر ہمارے پاس دوڑا جانے لگا

لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر، اور سبعہ معلقہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے،

بل انت لا تدرین کم من لیلۃ　　　طلق لذیذ لھو ھا وندامھا

بلکہ تو نہین جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتین، جن کی دلچسپی اور ہم نوشی پر لطف تھی

قد بتّ سامرھا وغایۃ تاجر　　　وافیتُ اذ رفعت وعزّ مدامھا

مین اُن کا قصہ گو تھا، اور شراب فروش کی منزل مین آتا جاتا رہا جب اسکا جھنڈا بلند ہوا، اور اسکی شراب گران گئی،

اغلی السباء بکلّ ادکن عاتق　　　اوجون قدحت وفضّ ختامھا

مین اسکی قیمت کو اور گران کر رہا تھا پرانی خاکی رنگ کی مشک یا خم کو خرید کر جو پیالون مین بھری جاتی اور اسکی مہر توڑی جاتی؛

وصبوح صافیۃٍ وجذب کرینۃ　　　بموتّرٍ تأتالہ ابھامھا

اور کتنی صبح کی صاف شراب، اور مغنیہ کا عود کو کھینچکر، اپنے انگوٹھے سے دبانا

بادرتُ حاجتھا الدجاج بسحرۃٍ　　　لاُعلّ منھا حین ھبّ نیامھا

مین نے شراب کی ضرورت مرغ سحر کی آواز سے پہلے پوری کی، تاکہ مین اُسکے سونے والون کے جاگنے سے پہلے دہراؤن'

تغلب اُن قبیلون مین تھا جنھون نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا لیکن اس مذہب نے بھی عربون کو اس بری عادت سے باز نہین رکھا تھا، بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انھین عیسائیون کے ملک شام سے ہوتی تھی تغلب کا سب سے بڑا شاعر، اپنے فخریہ مین کہتا ہے،

الا ھبّی بصحنك فاصبحینا　　　ولا تبقی خمور الاندرینا

ہان اپنا پیالہ لیکر اٹھ جا، اور مجھے صبح کی شراب پلا، اور اندرین (شامی گانون) کی کوئی شراب چھوٹنے نہ پائے'

مشعشعة کأن الحص فیہا ... اذا ما الماء خالطہا سخینا

پانی مین ملی ہوئی گویا اہمین کسم کے پھول پڑے ہین، جب گرم پانی اُس مین ملا دیا

تجور بذی اللبانۃ عن ھواہ ... اذا ما ذاقہا حتی یلینا

غرضمند کو اسکی غرض بھلادے، اگر اوس کو چکھ لے، یہانتک کہ اوس کو نرم کر دے

تری اللحز الشحیح اذا امرّت ... علیہ لمالہ فیہا مھینا

تنگ دل بخیل پر بھی اگر اس کا ایک دور گذار دیا جائے تو وہ اپنی دولت کو لٹا دے

صبنتِ الکاس عنا امّ عمرٍو ... وکان الکاس مجراہا الیمینا

اے عمرو کی ماں! تو نے ہم سے پیالہ ہٹالیا، حالانکہ پیالہ کا دور داہنی طرف تھا

وما شرّ الثلثۃ ام عمرو ... بصاحبک الذی لا تصبحینا

حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہین پلاتی، تین مین سب سے بدتر نہین

وکاس قد شربت ببعلبک ... واخری فی دمشق وقاصرینا

اور کتنے پیالے بعلبک مین پئے، اور کتنے دمشق اور قاصرین مین

ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ جاہلیت مین شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب فروشون کی دوکانین کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھین، اور نشان کے لیے وہان جھنڈا اوڑا کرتا تھا جس کو غایۃ کہتے تھے، (دیکھو اوپر لبید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا لفظ "شراب فروشی" کا مرادف بنگیا تھا، ایک جاہلی شاعر عمرو بن قمۂ کہتا ہے،

اذا سحب الربیط والمروط الی ... ادنی تجاری وانفض اللمما

(حماسہ)

یاد ہے وہ دن جب مین اپنی چادر گھسیٹتا ہوا قریب مین شراب خانہ مین جاتا تھا اور اپنے گیسوؤن کو جھاڑتا تھا،

بدر مین قریش کے دولتمند رؤسا، مارے گئے تھے، اُن کے مرثیہ مین قریش کا ایک شاعر خاص طور سے ان کی بزم شراب، اور مجلس رقص و سرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے،

وماذا بالقلیب قلیب بدر
من القینات والشرب الکرام[1]

بدر کے گڈھے مین (جسمین مقتولین کی لاشین ڈالی گئی تھین) ناچنے والیون اور فیاض شرابیون کا ماتم ہے،

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان مین شراب کے ڈھائی سو نام ہین، اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے خاص ان نامون پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، تمام گھرون مین شراب کی مجلسین قائم ہوتین، گھر کی عورتین اور چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے، یہ شعر اوپر گذر چکا ہے، جس مین شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے،

صبنت الکاس عنا ام عمرو
اے ام عمرو! تو نے شراب کا پیالہ مجھے ہٹا لیا

وکان الکاس مجراھا الیمینا
حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہین کہ اسلام لانے سے پہلے مین اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کم سنی مین یہ سنا کرتا تھا، اسقنا کاسا دھاقا "شراب کا ایک لبریز پیالہ ہم کو پلاؤ"[2]

صحیح بخاری کتاب الاشربۃ مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی ہے، تو اس وقت ایک مجلس قائم تھی، جسمین حضرت ابو دجانہؓ، ابو طلحہؓ، سہیل بن بیضا، شریک تھے اور مین جو کہ سب سے کمسن تھا، ساقی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا،

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ، جلد اول ص۵۵۵ [2] صحیح بخاری باب ایام الجاہلیۃ جلد اول ص۵۴۵

شراب کس بے تکلفی سے پی جاتی تھی، کس درجہ کے لوگ پیتے تھے، کس قسم کے افعال اس حالت میں سرزد ہوتے تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت[1] سے ہوگا جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے،

غزوۂ بدر میں حضرت علیؓ کو مالِ غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی، خمس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عطا فرمائی، حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا اور وہ دعوتِ ولیمہ کی تیاری کر رہے تھے، ارادہ تھا کہ جنگل میں جا کر اذخر (ایک گھانس کا نام ہے) لائیں اور زرگروں کے ہاتھ فروخت کریں، اس ارادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ اُن کی اونٹنیوں کے کوہان کسی نے کاٹ لئے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر میں حضرت حمزہؓ چند انصار کے ساتھ شراب پی رہے تھے، ایک مغنیہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا،

الا یا حمز للشرف النواء    اے حمزہ! موٹی اونٹنیوں کے لیے۔

حضرت حمزہؓ تلوار لیکر اٹھے اور اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے، اُن کے کلیجے نکال لیے، حضرت علیؓ نے جا کر، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ اور زیدؓ کو لیکر حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، حضرت حمزہؓ مخمور تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اور کہا تم سب میرے باپ کے غلام ہو، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حالت دیکھکر چلے آئے،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الغزوات، غزوۂ بدر، ص۵۷۰،

حضرت حمزہؓ نے ۳ھ میں شہادت پائی ہے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کسطرح اس میں مبتلا تھا، کس طرح وہ مقبول عام ہو چکی تھی کہ اسکی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا اور کنایہ اور اشارہ سے گذر کر جبتک صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ نہیں سکے،

ابو داؤد، کتاب الاشربہ میں روایت ہے کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا، "اے خدا! شراب کے بارہ میں ہم کو صاف صاف بتادے"، انکے اصلی الفاظ یہ ہیں،

| | |
|---|---|
| اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شفاء، | اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان کرد ے، |

اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت اُتری،

| | |
|---|---|
| يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا، (بقرہ ۲۷) | لوگ تم سے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے ہیں، تو کہدو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگون کے لیے فائدے بھی ہیں لیکن فائدہ سے گناہ بڑھکر ہے، |

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہانتک کہ ایکدفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی، شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا، ایک صاحبؓ نے امامت کی، مگر نشہ کے خمار میں قُلْ

---

لہ شراب کی حرمت کی یہ تدریجی صورت حضرت عمرؓ (ترمذی تفسیر مائدہ و ابوداؤد کتاب الاشربہ) حضرت ابوہریرہ رضہ

یا ایھا الکفرون کے سورہ کو کچھ کا کچھ پڑھ گئے، اس پر یہ آیت اتری،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء-۷)

نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، یہانتک کہ تم جو کہو اُس کو سمجھ بھی سکو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶) (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۳۵۱) اور حضرت علیؓ (ابو داؤد کتاب الاشربہ) سے مروی ہے، یہ بات کہ وہ کون صحابی تھے جنھون نے نشہ کی حالت میں غلط سلط سورہ پڑھ دی تھی، روایات سے صاف طور سے ظاہر نہین ہوتی، ایک روایت مین حضرت علیؓ کا نام ہے، دوسری مین عبدالرحمان بن عوفؓ کا نام اور تیسری مین کوئی مہاجر مذکور ہے، حضرت الاستاذ نے سیرت جلد دوم (تاریخ احکام ذکر حرمت شراب) مین ابو داؤد کتاب الاشربہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا نام لکھدیا تھا مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطار بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی ہے، ابو عبدالرحمن سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اُس سے یہ روایت مختلف طریقون سے آتی ہے، اور ہر ایک مین شراب پینے والون، اور حالت نشہ مین نماز پڑھانے والے کے نام کا اختلاف ہے، چنانچہ ہر روایت کے اصل الفاظ یہ ہین،

وہ روایتین جنمین حضرت علیؓ کا نام ہے،

۱- عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان السلمی عن علی بن ابی طالب قال صنع لنا عبد الرحمن بن عوف طعاما فدعانا وسقانا من الخمر فاخذت الخمر منا وحضرت الصلوٰۃ فقدمونی فقرأت قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون فانزل اللہ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری (ترمذی تفسیر نساء)

ابو جعفر رازی نے عطار بن سائب سے، عطار نے ابو عبدالرحمان سلمی سے، ابو عبدالرحمن سلمی نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انھون نے فرمایا کہ عبدالرحمان بن عوف نے ہمارے لیے کھانا تیار کرایا اور ہمکو مدعو کیا اور شراب پلائی جب ہم شراب کے نشہ مین چور ہوگئے، اور نماز کا وقت آیا، تو لوگون نے مجھکو امام بنایا اور مین نے قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون پڑھی اسپر خدا نے آیت اتاری یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل ہونے پائے
لیکن چونکہ اب بھی ممانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے علاوہ اور اوقات میں لوگ
پیتے پلاتے رہتے تھے حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت سعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ۲- عن سفیان حدثنا عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی علیہ السلام ان رجلا من الانصار دعاہ وعبد الرحمن بن عوف فسقاھما قبل ان تحرم الخمر فامھم علی فی المغرب فقرء قل یا ایھا الکفرون فخلط فیھا فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون، (ابو داؤد کتاب الاشربہ)

۲- سفیان نے عطاء بن سائب سے، عطاء نے ابو عبد الرحمان سلمی سے، ابو عبد الرحمان سلمی نے حضرت علی علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو اور عبد الرحمن بن عوف کو مدعو کیا اور تحریم شراب سے پہلے ان دونوں کو شراب پلائی، پھر علی نے نماز مغرب کی امامت کی اور قل یا ایھا الکافرون" پڑھی لیکن اسمیں گڈمڈ کردیا، اس پر یہ آیت اتری "لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون" نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ یہانتک کہ جو کچھ کہتے ہو اس کو جان لو،

وہ روایتیں جنمیں عبد الرحمٰن بن عوف کا نام ہے،

۳- عن سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعانا رجل من الانصار قبل ان تحرم الخمر فقدم عبد الرحمن بن عوف وصلی بھم المغرب فقرء قل یا ایھا الکفرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری، (مستدرک حاکم کتاب الاشربہ)

۳- سفیان نے عطاء بن سائب سے، عطاء نے ابو عبد الرحمان سلمی سے ابو عبد الرحمن سلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تحریم شراب سے پہلے انصار کے ایک شخص نے ہمکو مدعو کیا تو عبد الرحمن بن عوف نے امامت کی اور انکو مغرب کی نماز پڑھائی اور قل یا ایھا الکافرون" پڑھی لیکن اس میں خلط ہوگیا، اس پر یہ آیت اتری "لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری" الآیۃ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

وقاص کی دعوت کی، اس مین شراب کا دور بھی چلا، یہ پی کر بدمستی مین کہنے لگے کہ مہاجر انصار سے بہتر ہین، اس پر بات بڑھی، اور مارپیٹ تک نوبت پہنچی، اس پر یہ حکم آیا، (صحیح مسلم فضائل سعد وقاص)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸) ۴ - سفیان عن عطاء بن السائب عن بن (؟) عبد الرحمان عن علی رضی اللہ عنہ انہ کان ھو وعبد الرحمان و رجل اٰخر یشربون الخمر فصلی بھم عبد الرحمان بن عوف فقرء قل یا ایھا الکٰفرون فخلط فیھا فنزلت لاتقربوا الصلٰوۃ، الا (مستدرک حاکم کتاب الاشربہ)

۴ - سفیان نے عطاء بن السائب سے عطاء نے ابن عبد الرحمٰن سے ابن عبد الرحمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اور عبد الرحمان بن عوف اور ایک دوسرے آدمی شراب پی رہے تھے اور ان کو عبد الرحمان بن عوف نے نماز پڑھائی اور "قُل یا ایھا الکافرون" پڑھی جس مین خلط ملط کر دیا، اس پر یہ آیت اتری، "لاتقربوا الصلٰوۃ" الآیۃ

۵ - خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان ان عبد الرحمان صنع طعاماً فدعا ناسا من اصحاب النبی صلعم فیھم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فقرء قل یا ایھا الکٰفرون لا اعبد ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدتم فنزلت لاتقربوا الصلٰوۃ، الآیۃ (مستدرک حاکم، کتاب الاشربہ)

۵ - خالد بن عبد اللہ عطاء بن سائب سے عطاء ابی عبد الرحمان سے روایت کرتے ہیں، کہ عبد الرحمان نے کھانا تیار کرایا اور صحابہ مین سے چند لوگون کو جنمین علی بن ابی طالب بھی تھے، بلایا، پھر انھون نے "قل یا ایھا الکٰفرون لا اعبدُ ما تعبدُون ونحن عابدون ما عبدتم" پڑھی، اس پر یہ آیت اتری، "لاتقربوا الصلٰوۃ" الآیۃ

وہ روایت جسمین نام کی تعیین نہین،

۶ - سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمان عن علی رضی اللہ عنہ

۶ - سفیان عطاء بن سائب سے عطاء ابو عبد الرحمان سے وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہین کہ انھون

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ | اے ایمان والو! بیشک شراب، |
| وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ | جوا، بُت اور پانسے ناپاک اور شیطان |
| رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ | کے کام ہیں، تو اُن سے بچو تاکہ |
| لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (مائدہ ۷-۱۱) | فلاح پاؤ، |

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی، حرمتِ شراب کی یہ آخری آیت جو وقت اتری ہے،

---

| | |
|---|---|
| (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹) قال دعانا رجل من الانصار قبل تحریم الخمر فحضرت صلوۃ المغرب فتقدم رجل فقرء قل یا ایہا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوۃ الآیہ (مستدرک حاکم تفسیر نساء) | نے فرمایا کہ تحریم شراب سے پہلے ہم کو انصار کے ایک شخص نے مدعو کیا، نماز مغرب کا وقت آیا تو ایک آدمی نے امامت کی، اور قل یا ایہا الکفرون پڑھی لیکن اس میں خلط ملط کر دیا، اس پر یہ آیت اتری، لا تقربوا الصلوۃ، الآیہ، |

ان چھ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں،

۱۔ پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبد الرحمانؓ بن عوف تھے، دوسری، تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،

۲۔ پہلی اور دوسری میں ہے کہ امام حضرت علیؓ تھے جنھوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری چوتھی اور پانچویں میں ہے، کہ وہ امام عبد الرحمان بن عوفؓ تھے، اور چھٹی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا،

۳۔ اور روایتوں میں ہے کہ اس دعوت کی مجلس میں شراب تھی، چھٹی میں شراب کا مطلق ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ شخص جو امام بنا تھا، وہی شاید کہیں سے پی کر آیا ہو، گو کہ حرمت شراب سے پہلے پینا کوئی شرعی جرم نہیں تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پینا جو بچپن سے آنحضرت صلعم کی صحبت و تربیت میں پل کر جوان ہوئے، قیاس کے خلاف ہے، خصوصاً اس آیت کے بعد، قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ (کہدے کہ شراب اور جوے میں بڑا گناہ ہے) حضرت علیؓ کا پینا اور بھی زیادہ واقعہ کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے، پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس روایت میں مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہیں جو ناقابل تطبیق ہیں،

حضرت ابوعبیدۃ امین اور ابی بن کعبؓ جو سید القراء تھے، ابوطلحہؓ کے گھر مین مہمان تھے اور شراب کا دور چل رہا تھا، ساقی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب الاشربہ مین خود حضرت انسؓ کی زبانی روایت ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے جب ان کے راویون پر نظر ڈالیجاتی ہے، سب سے پہلا راوی ابو عبدالرحمان سلمی جسکا نام عبداللہ بن حبیب ہے، وہ پہلے حضرت علیؓ کا طرفدار وحامی (شیعہ) تھا، بعد کو عثمانی (بنی امیہ کا طرفدار) اور حضرت علیؓ کا مخالف ہوگیا، پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اس نے حضرت علیؓ سے سنا ہے، محدثین مین مسلّم نہین بخاری نے اس کو مانا ہے، لیکن ابن ابی حاتم نے اس سے انکار کیا ہے، روایت کے دوسرے راوی عطاء بن السائب کا حافظہ خراب ہوگیا تھا، اس لیے لوگون نے اس کو چھوڑ دیا تھا، گو سفیان کی اس سے روایتین حافظہ کی خرابی سے پہلے کی سمجھی جاتی تھین، مگر اوپر کی روایتون مین دیکھو کہ خود سفیان کی روایتون مین بھی وہی ناقابل تطبیق اختلاف موجود ہے، ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فیہ جزئیات غیر مسلّم ہین، اور واقعہ کی اصلی صورت وہی ہے جو چھٹی روایت مین ہے، کہ وہ مجلس محض دعوت کی تھی، جسمین حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ موجود تھے، کہ نماز کا وقت آگیا، اور ایک صاحب جو مخمور تھے، نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے اور آیتین غلط سلط پڑھدین، چونکہ اس واقعہ کے راوی حضرت علیؓ تھے، اور وہ دعوت مین بھی شریک تھے، اس لئے یا تو ابو عبدالرحمان سلمی عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ مین یا عطاء نے ذرا سی بھول مین، واقعہ کی نسبت ادھر سے ادھر کر دی،

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت سے ہوتی ہے، جس کی سند اس پورے سلسلہ سے الگ اور مستقل ہے،

۷ - عن ابی هريرة قال حرمت الخمر ثلاث مرات قدم رسول الله صلعم المدينة وهم يشربون الخمر ويأكلون الميسر فسألوا رسول الله صلعم عنهما فانزل الله على نبيه صلعم يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ انھون نے کہا کہ شراب تین بار مین حرام ہوگئی، رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے، اور جوے کا مال کھاتے تھے لوگون نے آپ سے ان دونون کے متعلق سوال کیا تو خدا نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی یسألونک عن الخمر والمیسر قل فیہما

کنت اسقی اباعبیدۃ وابا طلحۃ و
اُبَیّ بن کعب، فجاءھم اٰت فقال
انّ الخمر حرّمت،

میں، ابوعبیدۃ اور ابی بن کعب اور
ابوطلحہ کو شراب پلارہا تھا کہ ایک شخص نے
آکر کہا کہ شراب حرام ہوگئی،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے،

(بقیہ حاشیہ ۲) وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ
نَفْعِهِمَا، الآیۃ فقال الناس ماحرم علینا
انما قال فیھما اثم کبیر وکانوا یشربون
الخمر حتی اذا کان یوم من الایام صلی
رجل من المہاجرین ام اصحابہ فی
المغرب خلط فی قراءتہ فانزل اللہ فیھا
اٰیۃ اغلظ منھا یا اَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا
مَا تَقُوْلُوْنَ، وکان الناس یشربون حتی
یاتی احدھم الصلوۃ وھو مفیق، ثم
انزلت اٰیۃ اغلظ من ذالک یا اَیُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، فقالوا
انتھینا ربنا، (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۱)

اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر
من نفعھما، الآیۃ لیکن لوگوں نے کہا خدا نے
ہم پر حرام نہیں کی صرف یہ کہا کہ ان دونوں میں بہت
بڑا گناہ ہے، اب بھی لوگ شراب پیتے رہے، یہانتک
کہ ایک دن ایک مہاجر نے نماز مغرب پڑھائی اور اپنی
قرأت میں خلط کردیا، اسلیے خدا نے شراب کے متعلق اس
سے زیادہ سخت آیت اتاری، یا ایھا الذین اٰمنوا
لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما
تقولون، اب بھی لوگ شراب پیتے رہے، البتہ جب
کوئی نماز پڑھنے جاتا تھا تو ہوش کی حالت میں جاتا
تھا، پھر اس سے زیادہ سخت آیت نازل ہوئی
یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب
والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم
تفلحون، اب لوگوں نے کہا کہ خداوندا
ہم باز آئے،

اس میں حضرت علیؓ کا کہیں ذکر بھی نہیں، حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے اشارہ سے وہ شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے، قبول کے قابل نہیں، محدثین میں حاکم نے مستدرک میں جھوٹی روایت کو لکھکر

کہ اس جلسہ مین گیارہ بزرگ شریک تھے جنمین حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے، اس موقع پر لحاظ کے قابل یہ بات ہے، کہ اگرچہ یہ مدتون کی عادت تھی، اور اُس وقت بھی سب خمار مین جھوم رہے تھے، تاہم جون ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی ممانعت کردی کسی نے پوچھا گچھا تک نہین، اور دفعۃً جام و سبو توڑ ڈالے، یہ صرف ابوطلحہؓ کے گھر کا حال تھا بلکہ تمام مدینہ کے گلی کوچون مین شراب کی ندیان بہ گئین، بخاری باب المظالم مین ہے،

| | |
|---|---|
| فجرت فی سکک المدینۃ | مدینہ کی گلیون مین شراب بہتی پھرتی تھی |

ان ندیون کی روانی سے اندازہ ہوگا کہ عرب مین شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا،

قماربازی — شرابخواری کے ساتھ ساتھ ان مین قماربازی کا بھی عام رواج ہوگیا تھا، عرب کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۲) بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خوارج کی کارستانی ہے، جس کی تردید اس روایت سے ہوجاتی ہے، جس کو خود حضرت علیؓ روایت فرماتے ہین، حاکم کہتے ہین:-

| | |
|---|---|
| وفی هذا الحدیث فائدۃ کثیرۃ | اور اس حدیث مین بہت بڑا نکتہ ہے، |
| وهی ان الخوارج تنسب هذا | اور وہ یہ ہے کہ خوارج نے اس نشہ |
| السکر وهذه القراءۃ الی | اور اس غلط قرأت کو امیرالمومنین |
| امیرالمومنین علیؓ بن ابی طالب | علیؓ بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب |
| دون غیرہ وقد برأہ اللہ منها | کیا تھا، تو خدا نے اُن کو اس الزام |
| فانہ راوی هذا الحدیث، | سے بری کردیا، کہ وہی اس حدیث |
| (مستدرک تفسیر نساء ج ۲ ص ۳۰۷) | کے راوی ہین، |

درحقیقت وہ واقعہ کے صرف راوی تھے، لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علیؓ کو صاحب واقعہ بنادیا،

۱؎ فتح الباری جلد (۱۰) مطبوعہ مصر طبع اوّل صفحہ ۱۳۱ بحوالۂ روایت ابی عاصم،

مال و دولت کا تمام تر سرمایہ اونٹون کے چند گلّون تک محدود تھا، اس لیے جوا بھی انھین کے ذریعہ سے کھیلا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے،

أَعَيَّرتنا البانها ولحومها　　　وذلك عار یا ابن ریطة ظاهر

تُو ہم پر عیب لگاتا ہی کہ ہم اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہین اے ابن ریطہ ہم پر یہ عیب نہین لگ سکتا،

نحابی بها اکفاءنا ونهینها　　　ونشرب فی اثمانها ونقامر

ہم انکو اپنے ہمسرون کو بطور عطیہ کے دیتے ہین اور انکو مہانی مین صرف کرتے ہین اور انکی قیمت سے شراب پیتے اور جوا کھیلتے ہین

اس غرض سے اونٹون کو ذبح کرکے ان کے گوشت کو دس ٹکڑون مین تقسیم کر دیتے تھے، اور اُن ہی ٹکڑون پر پانسے ڈالتے تھے، ان پانسون کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لیے تھے، جن کے نام یہ ہین، فذ، توام، رقیب، حلس، مسبل، معلی، منافس، نیح، سفیح، وغد، ان مین ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیے تھے، اور جب جوا کھیلتے تھے تو اُن کو ایک تھیلے مین ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ مین دیدیتے تھے، وہ اُن کو گڈمڈ کر کے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر نکالتا جاتا تھا، جنکے نام پر وہ تیر نکلتے تھے جن جن کے حصے مقرر تھے، وہ کامیاب ہوتے تھے اور جن تین تیرون کا کوئی حصہ نہ تھا، وہ جن کے نام پر نکلتے اُن کو ناکامیابی ہوتی تھی، اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہو جاتے تھے، اُن کو فقیرون اور محتاجون اور دوستون مین تقسیم کر دیتے تھے، چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لیے قمار بازی کی مجلسون مین شریک ہونا ایک قومی عار تھا، اور اس قسم کے لوگون کو نہایت بخیل خیال کرتے تھے، اور ان کو "برم" کا خطاب دے رکھا تھا، جو لوگ یہ خطاب حاصل کر لیتے

[1] یہ پوری تفصیل تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ مین ہے،

تھے، ان سے شادی بیاہ کرنا ننگ و عار خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنی بی بی کو وصیت کرتا ہے[۱]

وَاِذَا هَلَکْتُ فَلَا تُرِیْدِیْ عَاجِزًا　　غُسًّا وَلَا بَرَمًا وَلَا مِعْزَالًا

اور اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو عاجز، کمزور، اور جوے میں نہ شریک ہونے والے اور سفر میں قوم کے علحدہ رہنے والے سے نکاح کرنا۔

جوے کی ایک صورت جس کو "رہان" کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے، اور جب وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی اسکو لے لیتے تھے، چنانچہ جب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی اور باوجود رومیوں کی شکست کے قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ ان کو چند سال میں ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا، تو کفار نے حضرت ابوبکرؓ سے اسی قسم کی شرط لگائی، اور اس فتح کے لیے چھ برس کی مدت مقرر کی، چنانچہ جب یہ مدت گذر چکی اور رومیوں کو فتح و ظفر نصیب نہیں ہوئی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بازی ہار جانا پڑی[۱]، رفتہ رفتہ اس قمار بازی کا مذاق ان میں اسقدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ مال و دولت کھو چکنے کے بعد بی بی اور بال بچوں پر بازی لگا دیتے تھے[۲]، یہ قمار بازی اور وہ بھی شراب کی بدمستی کے عالم میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی، عبس و ذبیان کی چہل سالہ جنگ گھوڑ دوڑ ہی کی قمار بازی کا نتیجہ تھی، حصولِ دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے،

**سودخواری** عرب میں سودخواری کا عام رواج تھا، تمام دولتمند سود پر لین دین کرتے تھے، حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت صلعم کے چچا تھے، تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانے پر پھیلا رکھا تھا، اور اس تعلق سے سودخواری میں نہایت شہرت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ترمذی صفحہ ۱۹۰ جوے کی اس صورت کو رہان کہتے تھے اور اب تک وہ حرام نہیں ہوئی تھی، [۲] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۱؛

نے جب حجۃ الوداع میں سود کی حرمت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے اُن ہی کے سود کو باطل قرار دیا، حضرت عثمانؓ اور خالد بن ولیدؓ سود پر قرض دیتے تھے، مسعود ثقفی طائف کا مشہور رئیس تھا، اور اس کے بھائی عبد یا لیل، حبیب بن ربیعہ نہایت دولتمند تھے، بنو مغیرہ ان ہی لوگوں سے سود پر داد و ستد کرتے تھے چنانچہ جب طائف فتح ہوا، اور یہ چاروں بھائی اسلام لائے، تو انھوں نے مغیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]

| | |
|---|---|
| یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا | مسلمانو! خدا سے ڈرو، اور بقیہ سود |
| مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِینَ (بقرہ - ۳۸) | کو، اگر تم مسلمان ہو، تو چھوڑ دو، |

ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دولتمند شہر تھا، اس لیے وہاں کے لوگ عموماً سود پر بیوپار کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جن شرائط پر مصالحت کی اُن میں ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کریں گے[2] اسی طرح یمن کے نجرانی سوداگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے اُن سے بھی یہی شرط کی گئی[3]

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے، اور راس المال کے ادا کرنے کے لیے میعاد مقرر کر دیتے تھے، جب میعاد گذر جاتی تھی تو اس کا تقاضا کرتے تھے، اگر مدیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا، تو میعاد میں اور اضافہ کر دیتے تھے، اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھا لیتے تھے، لیکن اس نے ترقی کر کے ایک نہایت ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی جو سود در سود سے بھی زیادہ خطرناک تھی، یعنی ایک میعاد متعینہ کے لیے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے، لیکن مدت گذر چکنے اور تقاضا کرنے پر

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۲ [2] فتوح البلدان بلاذری فتح طائف، [3] ابوداؤد کتاب الامارۃ،

مدیون اس رقم کو ادا نہین کرسکتا تھا تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے، لیکن اس کے معاوضہ مین راس المال مین بھی اضافہ کروا لیتے تھے، یہانتک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دوگنی چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا، اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے مدیون کی کل جائداد مستغرق ہوجاتی تھی، یہ معاملہ زیادہ تر غریبون اور کاشتکارون کیساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبون اور کاشتکارون کا تمام طبقہ چند دولتمندون، اور خصوصاً یہودیون کے ہاتھ مین گرو تھا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی طریقۂ سود کو مٹانے کے لیے نازل ہوئی،

| | |
|---|---|
| يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا | مسلمانو! دونا، چارگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے |
| الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ | ڈرو، یقین ہے کہ تم کامیاب ہوجاؤ، |
| لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ (آل عمران - ۱۴) | |

سود کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز سختیان پیدا ہوگئی تھین، مثلاً اگر راہن میعاد معینہ پر مال مرہونہ کو چھڑا نہ سکتا تھا، تو مرتہن اُس کا مالک ہوجاتا تھا[1]، مال و دولت سے گذر کر عورتون اور بال بچون تک کو رہن رکھواتے[2]،

**لوٹ مار** عرب مین روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو غارت گر او رہزن بنا دیا تھا، تاہم بعض قبائل مین اس قسم کے خاص خاص جتھے قائم ہوگئے تھے، جنھون نے رہزنی کو اپنا ذریعۂ معاش اور عام مشغلہ بنا لیا تھا، اس قسم کے لوگون کو "لصوص" کہتے تھے، اور قبیلۂ طے کو عرب مین عام طور پر جو شہرت حاصل تھی وہ اسی گروہ کی بدولت تھی،

یہ گروہ شہر سے باہر میدانون مین جنگلون مین، پہاڑ کے کھوؤن مین رہتا تھا، اور ادھر سے جو

---

[1] موطا امام مالک صفحہ ۳۰۳، [2] بخاری، قتل کعب بن اشرف،

مسافر یا قافلے گذرتے تھے ان کو لوٹ لیتا تھا، اس کا استیصال صرف ایک پرزور نظام حکومت ہی سے ہو سکتا تھا جو عرب مین مفقود تھا، چنانچہ قبیلۂ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپ سے ملنے آئے اور آپ نے اُن سے یہ پیشین گوئی کی کہ وہ دن آئیگا جب حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت بے خوف وخطر حضر موت کا سفر کریگی تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور ان کو اس قبیلہ کے ڈاکوؤن کا حال معلوم تھا، اس لیے ان کو تعجب ہوا کہ مین! طے کے لصوص کیا ہو جائین گے؟

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، بلکہ اہل وعیال تک پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا، تاجرون اور سوداگرون کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے بسلامت گذر نہین سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتون اور بچون کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا، اور مویشیون کو ہانک کر لیجاتا تھا، صبح کا وقت جب کہ رات بھر چلنے کے بعد مسافر آرام کرتے تھے، اس کام کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، چنانچہ "صبح" کا لفظ عربی مین لوٹنے کے معنی مین جاہلیت مین عام طور سے بولا جاتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارنامون کو نظم کرتے تھے، اور فخریہ پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر حارث نامی ڈاکو کے سلامت نکل جانے پر کہتا ہے،

یا لہف زیابۃ للحارث　　　الصابح فالغانم فالآئب

"اے زیابہ کا افسوس حارث کیلئے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا، پھر لوٹنے والا، پھر بسلامت واپس جانے والا ہے"

حج کے تین مہینون مین البتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ صبر نہین کرتے تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا، اس لیے وہ اس کو عیب نہین، بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے، اور اس طرح ملک مین

مسلسل قتل وغارت اور لوٹ مار کا طریقہ جاری تھا،

چوری ڈاکہ کے علاوہ اقتصادی حالات کی مجبوری سے بدوءن مین چوری کا رواج بھی تھا مختلف قبیلون کے ایسے بہادر جو قبیلہ مین کوئی نمایان حیثیت نہین رکھتے تھے، وہ خصوصیت کیساتھ اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے، وہ تنہا بڑے بڑے خطرناک موقعون پر جاکر اس کام کو انجام دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، ان مین سے سلیک بن السلکہ اور تابط شرا شہرت عام رکھتے تھے تابط شرا کا ایک قطعہ حماسہ مین ہے جس مین اپنی چوری اور حیلہ گری کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔

قریش مین تجارت کے سبب سے دولت بھی تھی، اور خود خانۂ کعبہ مین تحفون اور نذرانون کا خزانہ جمع رہتا تھا، اس لئے ان مین چوری کے مواقع بھی زیادہ تھے، چنانچہ کلبی نے متعدد ممتاز قریشیون کے نام بتائے ہین، جنھون نے اس خزانہ سے سونے کا ہرن چرالیا[1] تھا، بلکہ اس کے لیے خاص طور سے ابولہب کا نام لیا جاتا ہے[2]،

عام بدوعربون مین یہ برائی جتنی عام ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ آنحضرت صلعم ان مردون اور عورتون سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے، دوسری باتون کے ساتھ یہ معاہدہ بھی لیتے تھے کہ وہ آیندہ چوری نہ کرینگے[3]. بلکہ خود قرآن پاک نے آپ کو اس کا معاہدہ لینے کا حکم دیا[4] تھا۔

چوری کرنے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کرلیے تھے، ایک شخص نے اپنی چھڑی کے کنارے ایک ٹیڑھا لوہا (محجن) لگا رکھا تھا، حج کے زمانہ مین آتا، اور جب حاجیون کو غافل پاتا تو اس لوہے کے سہارے سے اُن کے اسباب کو کھینچ لیتا[5]۔

---

[1] فتح الباری جلد ۱۲ ص ۷۲، [2] کتاب المعارف لابن قتیبہ [3] صحیح بخاری کتاب الحدود ص ۱۰۲۳ [4] سورۂ ممتحنہ رکوع ۲ [5] مسلم باب فی صلوٰۃ الکسوف

جس طرح عرب مین بطے کے ڈاکو لوٹ مار مین مشہور تھے، اسی طرح بعض قبائل چوری مین شہرت عام رکھتے تھے، چنانچہ اسلم، غفار، مزینہ، اور جہینہ کے قبیلے تمام عرب مین اس بنا پر بدنام تھے کہ وہ خاص طور پر حاجیون کے مال واسباب کی چوری کیا کرتے تھے[1]،

چونکہ یہ چوری عربون کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی، اس لیے اس کے لیے غیر و بیگانہ کی تخصیص نہ تھی، بلکہ اسکا اثر اعزہ و اقارب، ہمسایہ، دوست و آشنا، خاندان، غرض سب پر پڑتا تھا، چنانچہ مدینہ مین بشر، بُشیر، مبشر تین آدمی تھے، جنکو بنو ابیرق کہا جاتا تھا، ان مین بشر منافق تھا اور آنحضرت صلعم کی ہجو مین شعر کہکر دوسرون کی طرف منسوب کر دیتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگدست اور فاقہ مست تھے، انھون نے رفاعہ نامی ایک شخص کے بالاخانہ سے جسمین ہتھیار (تلوار) اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی، نقب لگا کر چوری کی، آپ نے رفاعہ کے ہتھیار واپس دلائے، لیکن رفاعہ نے اُن کو خدا کی راہ مین وقف کر دیا اور بشیر بھاگ کر مشرکین سے جا ملا[2]،

مردون کے علاوہ عورتین بھی اس مرض مین گرفتار تھین، اسی لیے قرآن پاک نے عورتون سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لینے کی بھی تاکید کی کہ وَلَا یَسْرِقْنَ (ممتحنہ ۲) یعنی وہ چوری نہ کرینگی، شرفا اگر اس الزام مین پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیئے جاتے تھے، اس لیے یہ برائی رکنے نہین پاتی تھی، چنانچہ اسلام کے بعد بھی جب قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا، اور لوگون نے کہا، اس کے متعلق آنحضرت صلعم کی خدمت مین کون سفارش کریگا؟ لوگون نے اسامہ بن زیدؓ کو منتخب کیا، جنکو آپ بہت پیار کرتے تھے، انھون نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا "تم حدود اللہ کے

---

[1] مسلم و بخاری، کتاب المناقب، باب اسلم و غفار، [2] ترمذی صفحہ ۴۹۴ کتاب التفسیر سورۂ ن،

متعلق سفارش کرتے ہو" پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور اس مین فرمایا کہ "گذشتہ قومین صرف اسی لئے ہلاک ہو گئین کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور ضعیف چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو مین اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا[1]

خود شہر کے اندر اس قسم کی وارداتون کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن امیہ ایک روز ایک بیش قیمت چادر اوڑھ کر سو رہے تھے، ایک شخص نے موقع پاکر اُس کو اڑا لیا، وہ گرفتار کر کے آنحضرت صلعم کی خدمت مین لایا گیا، تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، صفوان کو اس پر رحم آیا، اور آکر عرض کی کہ یارسول اللہ! ایک چادر کے لیے ایک عرب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، آپ نے فرمایا، میرے پاس لانے سے پہلے ہی اسکا خیال رکھنا تھا، حاکم تک معاملہ پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہین[2]،

سفاکی وبیرحمی ودحشت | رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے اُن مین درندون کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے، زندہ اونٹ اور دنبہ کے کوہان اور چکیان کاٹ کر کباب لگاتے، اور یہ اون کی بڑی مرغوب غذا تھی،

زندہ جانورون کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور اُن پر تیراندازی کی مشق کرتے، لڑائیون مین حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کر ڈالتے، مقتولون کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتین اُن کے ہار بنا کر پہنتین، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کرین گے تو اس کی کھوپڑی مین شراب پئین گے،

سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درختون کی ٹہنیان جھکا کر اس کے اعضا ان مین باندھ دیتے اور پھر ٹہنیون کو چھوڑ دیتے، مجرم کا بدن چر کر ٹہنیون کے ساتھ رہجاتا،

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۳ کتاب الحدود [2] دارقطنی صفحہ ۳۶۳ کتاب الحدود،

کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ ڈالدیتے، اُن کے بدن کے ٹکڑے اڑجاتے، اس قسم کی سزائین اکثر عرب کے سلاطین اور رؤسا دیا کرتے تھے،

کبھی آدمی کو کسی کوٹھری مین قید کر کے اُس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے، یہانتک کہ وہ اسیطرح بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجاتا تھا، اس طریقۂ سزا کا نام اُن کے ہان "صبر" تھا، مردون کی قبر پر اونٹ باندھ دیتے تھے، اور اس کو کھانے کو نہین دیتے تھے، وہ چند روز مین مرجاتا تھا، سمجھتے تھے کہ یہ مردے کی سواری بنیگا، اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے،

زنا اور فواحش | زنا اور فسق و فجور عام تھا، اور یہ واقعات، فخریہ اشعار مین بیان کیے جاتے تھے، امرالقیس عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کے ساتھ شاہزادہ اور والیِ ملک بھی تھا، اس نے اپنی پھوپھی زاد بہن عنیزہ اور اور عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیعہ اور بیحیائیان کین، قصیدۂ لامیہ مین فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہین، باوجود اس کے اس قصیدہ کے اشعار عرب مین بچہ بچہ کی زبان پر تھے،

ابن عباس سے روایت ہو کہ اہل جاہلیت گو بالاعلان زنا کو جائز نہین سمجھتے تھے لیکن چھپے چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو کمینہ پن ہے، لیکن چھپکر کرنے مین مضائقہ نہین[1]، فاحشہ عورتین، گھرون کے سامنے جھنڈیان لگا کر بیٹھتی تھین[2] اور صاحب الرایات کہلاتی تھین ان کی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتین خود مکہ معظمہ مین تھین ان مین سے ایک کا نام عناق تھا، مرثد غنوی نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگی کہ مین عناق سے نکاح کرلون؟ اُسپر یہ آیت[3] اتری،

---

[1] تفسیر طبری آیت محصنٰت غیر مسافحات ج ۵ ص۱۱ ، مصر۔ [2] صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ ص۲۶ ۔ [3] ابوداؤد کتاب النکاح،

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ، (نور-۱) — اور زانیہ عورت سے زانی یا مشرک ہی نکاح کرتے ہیں،

بڑے بڑے رؤسا گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعہ سے جاکر کچھ کما لائیں اور اُن کی نذر کریں، عبداللہ بن اُبی، مدینہ کا رئیس تھا، اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تاج بنوا لیا تھا، کہ اس کو بادشاہ بناکر پہنائیں گے، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے، عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام مسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا، وہ ان دونوں کو زناکاری کرانے پر مجبور کرتا تھا، اسپر قرآن مجید کی یہ آیت اتری[1]،

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (سورۂ نور) — اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو،

موجودہ طریقہ کے علاوہ، نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں، جو حقیقت میں بدکاری ہی کی قسمیں تھیں، مثلاً ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر شخص ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پاس بھیجدیتے کہ اس سے ہمبستر ہو، بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ اس میں بھی وہی اوصاف آجائیں گے جسکا یہ نطفہ ہے،

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جنکی تعداد ایک وقت میں دس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، کسی عورت کے پاس جاتے اور سب اس سے ہم صحبت ہوتے، جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو سب کو بلوا بھیجتی اور کسی ایک سے کہتی کہ یہ بچہ تمھارا ہے، اس کو قبول کرنا پڑتا، اور پھر وہ اس کا بیٹا سمجھا جاتا،

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ فاحشہ عورتیں جو سر بازار جھنڈیاں لگاکر بیٹھتی تھیں، اُن کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلوا بھیجتیں وہ صورت شکل دیکھکر بتاتا کہ فلاں شخص کا نطفہ ہے، عورت اس کو بلاکر کہتی کہ یہ

[1] صحیح مسلم، باب التفسیر،

تمارا بچہ ہے، صحیح بخاری کتاب النکاح مین یہ تینون طریقے تفصیل سے مذکور ہین،

ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی، اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت متعینہ کے لیئے نکاح کر لیتے تھے، اس مدت کے گذرنے کے بعد اسکی اجرت دیکر اس کو الگ کر دیتے تھے، اس کو متعہ کہتے تھے، اسلام نے شروع مین اسکو ضرورۃً چندے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا،

بے شرمی و بیحیائی | شرم و حیا کا وجود نہ تھا، حج کعبہ مین ہزارون لاکھون آدمی جمع ہوتے لیکن دو قریش کے سوا باقی سب مادرزاد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتین جب ننگی ہو کر طواف کرتین تو لوگون سے کہتین کہ کوئی ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ ستر عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتین،

| | |
|---|---|
| الیوم یبدُ و بعضہ او کلّہ | آج بدن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا |
| فما بدا منہ فلا اُحلّہ | اور جو کھلا اُس سے لطف اٹھانے کی مین اجازت نہین دیتی |

صحیح مسلم باب التفسیر مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے،

نہاتے وقت اوٹ نہین کرتے تھے، کھلے میدان مین بے ستر ہو کر نہاتے تھے[1]،

پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہین کرتے تھے[2]، جلسون مین بیٹھتے تو بیویون سے ہم صحبتی کے تمام واقعات بیان کرتے[3]،

سوتیلی ماؤن پر وراثۃً قبضہ کر کے اُن کو بیوی بناتے،

عورتون پر ظلم | عورتون کی حالت نہایت خراب تھی، مورث کے متروکہ مین سے اُن کو کچھ نہین ملتا تھا،

---

[1] نسائی باب الاستتار عند الغسل [2] ابو داؤد کتاب الطہارۃ، [3] ابو داؤد کتاب النکاح باب مایکرہ من ذکر الرجل مایکون من اصابتہ اہلہ،

عرب کا قول تھا کہ میراث اس کا حق ہے جو تلوار پکڑ سکتا ہو، اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے،

لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں عین میدانِ جنگ میں، فاتحین کے تصرف میں آجاتیں اگر صلح ہوجاتی اور عورتیں واپس دیدیجاتیں، تو باوجود اس کے کہ سب کے ناموس برباد ہوچکے ہوتے بدستور گھروں میں لیجاتیں، اور یہ کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے اور اسکو اشعار میں ظاہر کرتے، بنو ضبہ نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو اُن کی عورتوں کو عین میدانِ جنگ میں رسوا کیا فرزدق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

| | |
|---|---|
| فظلت وظلت یرکبون ھبیرھا | تو لوگ عورتوں پر متصرف ہوگئے، |
| ولیس لهشد الّا عوالیها ستر | اور اگر کوئی پردہ بیچ میں تھا تو صرف نیزے تھے |

قبیلۂ قیس اور بنو دارم میں جو معرکہ ہوا جو رحرحان کے نام سے مشہور ہے، اسکی نسبت جریر کہتا ہے

| | |
|---|---|
| نکحت نساء ھم بغیر مھور | اُن کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کیا، |

عمرو معدیکرب، عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے، ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمرو نے کہا،

| | |
|---|---|
| امن ریحانة الداعی السمیع | کیا ریحانہ کیطرف سے کوئی پکارنے والا سننے والا ہے، |
| یؤرّقنی واصحابی ھجوع | جس نے کو مجھے بیخواب کیا ہے، لیکن میرے احباب سوتے ہیں |
| اذا لم تستطع امرا فدعه | اگر تم کسی کام کو نہ کر سکو تو اس کو چھوڑ کر، |
| وجاوزه الی ما تستطیع | وہ کرو جو کر سکتے ہو، |

طلاق کے لئے کوئی مدت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے، عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کرسکتی تھی،

نکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھین، وہب اسدی نے اسلام قبول کیا تو آٹھ بیویاں اُن کے عقدِ نکاح مین تھین[1]،

دو حقیقی بہنون سے ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مرجاتا تو اسکی کل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کے تصرف مین آتین اور اسکی جائز بیویاں سمجھی جاتین،

ایام کے زمانہ مین، عورتون کو الگ کردیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے،

عورت جب بیوہ ہوجاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑے پہننے کو دیے جاتے، خوشبو وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کرسکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدھا لاتے، اس سے وہ اپنے جسم یا . . . . کو مس کرتی پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اس کے ہات مین مینگنی دیجاتی، وہ مینگنی کو پھینکدیتی، اسوقت سوگ سے نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی، عورت کا جو مہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا،

غرض مجموعی حیثیت سے، عورت، بدترین مخلوق، اور ہر قسم کی جبر و تعدی کا تختہ گاہ مشق تھی، رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جس کے گھر مین لڑکی پیدا ہوتی، اس کو سخت رنج ہوتا، اور شرم کے مارے لوگون سے چھپتا پھرتا،

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى — اور جب اُن مین سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری

---

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح [2] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب احداد المتوفی عنہا زوجہا،

ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ — سنائی جاتی ہے، تو اس کا منھ کالا پڑ جاتا ہے

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ — اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے

مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ — اس خوشخبری کے رنج سے لوگوں سے

أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ — چھپتا پھرتا ہے، (اور سوچتا ہے) کہ

(سورۂ نحل - ۷) — ذلت کے ساتھ اسکو قبول کرے یا زندہ زمین میں گاڑ دے

ابو حمزہ ایک رئیس تھا، اس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا، اس پر اس کی بیوی یہ اشعار پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریاں دیتی تھی،

ما لابی حمزۃ لا یاتینا — ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس نہیں آتا،

یبیت فی بیت التی تلینا — اور ہمسایہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے،

غضبان ان لا نلد البنینا — اسپر ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے

تاللہ ما ذاک بایدینا — خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں

ونحن کالزرع لزارعینا — ہم بطور کھیت کے ہیں،

ننبت ما قد زرعوہ فینا — ہم میں جو بویا جائے گا وہی اُگیگا،

رفتہ رفتہ دخترکشی کی رسم جاری ہوگئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو میدان میں لیجا کر زمین کھودتے اور زندہ گاڑ دیتے، اس کو عربی میں وأد کہتے ہیں،

ایک صاحب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آکر ظاہر کیا تھا کہ انھوں نے اپنے ہات سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کیں[۱]،

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہین ملتا تھا، اُن کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اسی کو ہے جو تلوار چلائے[1]، عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثون کی ملک سمجھی جاتی تھی، وہ اگر آکر بیوہ پر چادر ڈالدیتا تو وہ اسکی جائز مدخولہ بنجاتی[2]،

**وحشت وجہالت** حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور جو کھا سکتے تھے کھاتے تھے، حشرات الارض عام غذا تھی، چھپکلی تک کھا جاتے تھے، خون کو جما لیتے اور قاشین تراش کر کھاتے، مردہ جانور کھانا عام بات تھی[3]، چمڑے کو آگ مین بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کاٹکر کھا لیتے تھے، گردن مروڑ کر، ڈنڈے مار کر، درندون کا مارا ہوا، سب کھاتے تھے[4]، گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے[5]،

عرب کا مشہور جاہلی شاعر اعشیٰ میمون جس نے آغازِ اسلام کا زمانہ پایا ہے، اور اہلِ ادب نے آنحضرت صلعم کی مدح مین اسکا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، اس مین وہ اسلام کی تائید مین اہلِ عرب کو جن باتون کی طرف متوجہ کرتا ہے، وہ یہ ہین،

| | |
|---|---|
| وایاک والمیتات لا تاکلنها[6] | ولا تاخذن سهما حدیدا لتفصدا |
| مرداروں سے پرہیز کر اور اُن کو نہ کھا | اور نہ تیز تیر سے جانور کو فصد دے کر مار کر کھا |
| وذا النصب المنصوب لا تنسکنه | ولا تعبد الاوثان والله فاعبدا |
| اور نہ کھڑے کئے ہوے بتون پر قربانی کر | اور نہ بتون کی پوجا کر بلکہ اللہ کی عبادت کر، |

---

[1] تفسیر یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین، [2] تفسیر ولا تعضلوھن، [3] اسباب النزول سیوطی آیت حرمت علیکم المیتة، [4] تفسیر طبری سورۂ مائدہ بیانِ ماکولات، [5] صحیح نسائی کتاب الصید والذبائح [6] دیوان اعشیٰ مطبوعۂ ویانا ۱۹۲۶ء، صـ ۱۰۳،

ولا السائل المحروم لا تترکنه ۔۔۔ لعاقبة ولا الاسیر المقیدا

اور محروم بھیک مانگنے والے کو کسی انجام کیلئے نہ چھوڑ ۔۔۔ اور نہ زنجیر میں بندھے ہوئے قیدی کو،

ولا تسخرن من بائس ذی ضرارة ۔۔۔ ولا تحسبن المرء یوماً مخلدا

اور نہ کسی مصیبت زدہ مفلس سے ٹھٹھا کر، ۔۔۔ اور نہ کبھی یہ سمجھ کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا ہے

ولا تقربن جارةً ان سرّها ۔۔۔ علیك حرام فانکحن او تأبدا

اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر ۔۔۔ وہ تجھ پر حرام ہے تو یا نکاح کر اور یا کنوارا رہ جا،

# عربون کے خصوصیات،

## خیر الامم بننے کی اہلیت،

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیون کے باوجود اہلِ عرب مین کچھ ایسی خصوصیتین بھی تھین جو دنیا کی تمام قومون مین انھین کے ساتھ مخصوص تھین اور اُن کی انھین فطری اور طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا، کہ خلاقِ فطرت نے اُن کو اپنی نبوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا اور اُن کو اپنے اس خلعتِ خاص سے سرفراز کیا،

**صحتِ نسب** ان خصوصیات مین سب سے پہلی چیز اُن کی صحیح النسبی ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور انکی نسل سے تھے، اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتون سے ثابت تھی کہ کسی نے انکی تردید کی ہمت نہین کی، توراۃ نے حضرت ابراہیمؑ کی جن اولادون کے نام بتائے ہین ان مین سے ایک ایک نام کا سراغ عرب کی پرانی آبادیون مین ملتا ہے، چنانچہ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء مین عرب کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اس مین پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتون کیساتھ ان آبادیون کا پتہ لگایا ہے، اور اُن کی جگہین متعین کی ہین، قدیم یہودی مورخ یوسیفوس نے بھی یہی لکھا ہے[1]، اور آجکل ایک یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون نے تاریخ الیہود فی بلاد العرب

[1] ترجمۂ انگریزی ۱۸۶۶ء جلد اول صفحہ ۲۵،

ایک کتاب لکھی ہے، اسمین بھی اس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اور اسکی صحت پر دلیلین مہیّا کی ہین[۱]

اور بعض حال کے مناظر عیسائیون کے علاوہ اس واقعہ کے تواتر مین کسی نے شک نہین کیا ہے،

اور غالبًا اسی لیے سینٹ پال نے اپنے خطوط مین عرب کی ہاجرہ" کی تمثیل استعمال کی ہے[۲]، اور

قرآن پاک نے اہلِ عرب اور قریش کو خطاب کرکے صاف کہا ہے،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ، (حج) تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب،

حضرت ابراہیمؑ تک نام بنام سلسلۂ نسب کے پہنچنے مین پشتون کی کمی بیشی، یا نامون کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے، کسی حیثیت سے مشکوک نہین ہے، خصوصًا جب اُس کے ساتھ خارجی قرائن پر بھی نظر کرلیجائے کہ وہی تمدن اور طرزِ معاشرت جو توراۃ مین حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے اہل وعیال کا نظر آتا ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربون مین قائم وباقی ہے، وہی خیمے ہین، وہی صحرا ہین، وہی مویشی ہین وہی بدویانہ زندگی ہے، وہی رسوم ورواج ہین جنکو اسلام نے آکر اور زیادہ نکھار دیا، وہی بیت اللہ حج اور قربانی کی عبادتین ہین، اور یہ ایسا کھلا قرینہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققون کی نگاہون کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق نولڈیک کہتا ہے،

"اور نیز عربون مین قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ مین باقی سمجھا جاتا ہے، اور اُن کی زبان اصل زبان کے بہت قریب ہے[۳]"

---

[۱] تاریخ الیہود فی بلاد العرب لاسرائیل ولفنسون مطبوعہ مطبعۃ الاعتماد مصر ۱۹۲۷ء [۲] سینٹ پال گلیتیون کے نام باب ۴-۲۵
[۳] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون "السنۃ سامیۃ" مین نے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۰۰ سے صفحہ ۱۱۶ تک اسپر مدلل بحث کی ہے اور علمائے یورپ کے حوالے یکجا کردیئے ہین،

اہلِ عرب کو اپنے حسب ونسب کی حفاظت کا جو خیال ولحاظ تھا اس کے ذکر سے عرب کی تاریخین معمور ہین، چنانچہ نسب پر فخر کرنا اونکی شاعری کا اور نسبی مفاخرت اُن کی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ دادون کے مسلسل نامون کو یاد رکھنا اُن کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا یہانتک کہ انسانون سے ہٹ کر جانورون (گھوڑون) تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے، قبائل کے نسبی تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص لوگ ہر قبیلہ مین موجود رہتے تھے، اور یہی سبب ہے کہ آج بھی اُن کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلۂ نسب آپ کو معلوم ہوسکتا ہے، اور اس پر بہت سی اہم کتابین لکھی گئی ہین، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا مین صرف اہلِ عرب کیساتھ مخصوص ہے، یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیمؑ ہی کی نسل سے تھے، مگر وہ بھی اس خصوصیت مین اُن کی برابری نہین کرسکتے، کہ دوسری قومون کے اختلاط اور میل جول، اور کسی خاص وطن نہ ہونے کے سبب سے اُن کی اکثر خاندانی خصوصیتین مٹ گئین،

نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہین، اسی لیے محمد رسول اللہ صلعم نے عمل کے مقابلہ مین نسبی فخر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی، اور اُن کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی، اور اُن مین ایک نبی کی بعثت کی جو دعا مانگی تھی، اور خدا نے اُن کی نسل کو دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا اُن سے جو عہد کیا تھا، ان سب کے پورا ہونے اور اُن کے حقیقی مصداق بننے کے لیے نسلِ ابراہیمؑ کی صحیح النسبی کی ضرورت تھی، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کیساتھ مخصوص کیا،

کسی پہلے مذہب مین داخل نہ تھے، | اسی طرح اُن کو اُن تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قومون کے عادات و اخلاق

اور استعدادات کو بدل دیتے ہین، مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چہار طرف سے مختلف بڑے بڑے مذہبون سے ٹکرا رہے تھے، مگر کوئی مذہب اُن کو فتح نہین کر سکا تھا، مجوسیت خلیج فارس سے لے کر یمن تک حکمران تھی، یہودیت یمن اور حجاز کے تجارتگاہون پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج و لشکر اور راہبون اور قسیسون کے دل بادل کیساتھ یمن سے لیکر شام کے حدود تک پھیلی تھی، اور بعض افراد اور بعض قبیلون کو وہ برائے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خالص حالت پر باقی تھا، عرب مین جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے، وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجاے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے، اور اسی لیے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا کہ خاتم الانبیا صلعم کے ذریعہ دین ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا راستہ کھلا رہے،

**محکوم نہ تھے**

عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا، شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہین کی، بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر و زبر کر دیا مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا، یونانیون اور رومیون نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد تک صدیون تک حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے اور اُس کے بعد کے رومی سپہ سالارون نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ ان کو شکست دی، عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم الشان حکومتون یعنی ایران اور روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونون اپنی حرص دراز کا ہاتھ اسکی طرف بڑھانے سے قاصر رہین، گستاخ عیسائی حبشیون نے یمن فتح کرنے کے بعد ہاتھیون کے رسالے کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، مگر قدرت الٰہی نے اُن کو تباہ کر دیا، یہ تمام اہتمام و انتظام اس لیے تھا

اگر کوئی دوسری جابرانہ قوت اُن کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے، اُن کی آزادی کی روح برقرار، اور اُن کی فاتحانہ طاقت بدستور قائم رہے، تاکہ یہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقا میں کارآمد ہو،

کتابی فاسد تعلیم سے ناآشنا تھے جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے، اسی طرح صحیفۂ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتابی علم سے وہ ناآشنا تھے، یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی جاہلانہ اور کج بحثانہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ اُمی تھے، تاکہ ایک اُمی معلم کی ربانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح تیار رہیں،

وہ زمین کے وسط میں آباد تھے عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اُس سے قریب ہے، پھر بحری جائے وقوع نے اسکو جزائر اور دور دراز ملکوں سے قریب کر دیا تھا، اسلئے عرب سے نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو کر، ایران، ترکستان، خراسان، سیستان، کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے، اور دوسری طرف شام ہو کر مصر، افریقہ، الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور اسپین تک جا پہنچے، اور بحری راستوں سے ایک طرف تمام جزائر افریقہ حبشہ، زنجبار، پھر ادھر جزائر ہند، جاوہ، سماترا، اور چین تک ان کا گذر ہوا، اور دوسری طرف سائپرس، کریٹ اور سسلی تک ان کا پرچم لہرایا، یہ تمام مواقع اس لیے میسر آئے کہ عرب کا جائے وقوع اس دعوت کے لیے مناسب مرکز تھا، فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتی تو اسپین اور سسلی تک پہنچنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اس وقت تک دنیا جن دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے

کے لیے عرب کے سوا دنیا مین کوئی جگہ موزون نہ تھی، جہان سے دونون پر ایک ساتھ حملہ کرنا، اور دنیا کو اُن کے خون آشام پنجون سے نجات دنیا آسانی ممکن ہوا،

**بعض اخلاقی خوبیان** اُن کے علاوہ اہلِ عرب کو خیر الامم بننے اور عالم کیلئے شاہد، نمونہ اور مصلح ہونے کے لیے کچھ اور اخلاقی خوبیون کی بھی ضرورت تھی، اور وہ ان مین بدرجۂ اتم موجود تھین، ان خوبیون کے بغیر وہ اسلام کی عظیم الشان تحریک کے علم بردار نہین ہو سکتے تھے، اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دیسکتے تھے،

**شجاع وبہادر تھے** وہ حد سے زیادہ شجاع وبہادر تھے، وہ خطرات سے بیخوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ وقعت نہین دیتے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قومون اور سلطنتون کے مقابلہ مین تنہا کھڑے ہوئے، اور کسریٰ اور قیصر کو انھون نے ایک ساتھ چیلنج دیا، اور اس تحریک کے پھیلانے مین تھوڑی تھوڑی غیر مسلح جمعیتون سے ہزارون اور لاکھون کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا، اور کامیاب ہوئے،

**پرجوش تھے** ساتھ ہی وہ پرجوش بھی تھے، اس لیے جس دعوت اور تحریک کو لے کر اٹھے، اُس کو پوری کوشش، عزم، اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ مین پھیلایا، اُن کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ سمندر اس سے ٹکرا سکا، ہر جگہ وہ توحید کا علم لیے بحر و بر، دشت وجبل مین پھیل گئے اور اپنے عزمِ راسخ سے ارکانِ عالم کو متزلزل کر دیا،

**حق گو تھے** اُن کی جسمانی شجاعت وبہادری نے اُن کو دل کا شجاع اور بہادر بھی بنا دیا تھا، جو بات اُن کے دل مین ہوتی تھی، وہی اُن کی زبان پر تھی، اہلِ مدینہ مین جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا، تو

یہود کے اثر کا نتیجہ تھا ورنہ قریش اور عام اہل عرب مین یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے، یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے، اُس کے ظاہر کرنے مین اُن کو کسی کا باک نہین ہوتا تھا،

**عقل و دانش والے تھے**

باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری نوشت وخواند سے عاری تھے، مگر فطرت کے عطیہ عقل و دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ طلحہؓ، زبیرؓ، خالدؓ، ابوعبیدہؓ بن جراح، وغیرہ سینکڑون ہزارون صحابہؓ نے علم، مذہب، اخلاق اور سیاست مین جو نکتہ سنجیان کین، وہ خود اُن کی عقل و دانش کی گواہ ہین، روم وایران کی متمدن قومون سے جس طرح انھون نے معاملہ، مراسلہ اور نامہ و پیام کیا، اور علم سیاست کے الجھے سے الجھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے، اُن کے شعراء کے کلام، اُن کے مقررون کی تقریرین اُن کے فصحاء کے مقولے سنئے تو اُن کی اس فطری صلاحیت کا اندازہ ہوگا، کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کیونکر یہ لعل و گہر وہ اپنے منہ سے اگل سکے،

**ذہن اور حافظہ کے تیز تھے**

فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اُس کے بعض قویٰ بیکار ہین، تو اُن کی قوت دوسرے زیر عمل قویٰ کو وہ منتقل کر دیتی ہے، اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اسکی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند سے محروم ہونے کے سبب جہان عرب کے بعض قویٰ بیکار ہو رہے تھے، وہان اُن کو اپنی یادداشت کے لیے تحریری اوراق اور سفینون پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا یہی سبب ہے کہ اُن کے شعراء اپنے بڑے بڑے قصیدون

کو زبانی پڑھتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اس کو برزبان یاد رکھتے تھے، اور اُن کی اسی قوت کا یہ فیض تھا کہ اُن مین کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتون کو یاد رکھتا تھا، اور بہتیرے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے، اور یہ انھین کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ مین ایسے ہزارون مسلمان پائے جاتے ہین، جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہین، اور اہلِ عرب کی اسی خصوصیت کا مظہر یہ بھی تھا کہ احادیث وسیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کیساتھ منتقل ہوتا رہا، اور سینکڑون اصحاب ایسے تھے جو ہزارون لاکھون احادیث کو حرف حرف اور لفظ لفظ کی پابندی کیساتھ یاد رکھتے تھے، اہلِ عرب کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا،

**فیاض تھے** اہلِ عرب کی ایک خاص امتیازی صفت ان کی فیاضی تھی، مہمان نوازی اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایون اور پناہ گزینون کی امداد مین وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے اپنی شہرت اور ناموری کے لیے اونٹون کو ذبح کرکے کھلا دینا، یا جوے مین جیتی ہوئی دولت کو احباب کے جلسۂ دعوت مین اڑا دینا، اور اس پر فخر کرنا، ان کی قومی رسم تھی، اور یہی اوصاف اُن کی شاعرانہ مدح مین سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہین،، اسلام نے ان کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ مین خیرات وصدقات وزکوٰۃ سے بدلدیا، اور اسلام کی مشکل کشائی مین اُسنے سب سے زیادہ مدد دی،

**مساوات پسند تھے،** چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہین ہوئے تھے، اور نہ وہ کسی ایک مطلق العنان شخصی بادشاہ کے تابعِ فرمان بنے تھے، اس لیے ان کی خودداری کا جذبہ بیدار تھا، وہ غلام بننا نہین جانتے تھے، وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہین کرتے تھے۔ اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے

سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ بیٹھکر باتین کرتے تھے،

عرب مین بیسیون لڑائیان صرف اسی خودداری کی حفاظت مین پیش آئی تھین جسکا ایک منظر سبعہ معلقہ کے آخری قصیدہ مین نظر آتا ہے، اہل عرب کے اس جذبہ نے حقگوئی مساوات اور جمہوریت پسندی، وغیرہ اسلامی تعلیمات کے پھیلانے مین بڑی مدد دی،

عملی تھے | اہل عرب کے فطری اخلاق وکردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعًا عملی اور عملیت پسند تھے، وہ اہل ایران اور اہل ہند کیطرح محض تخیل پسند، خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے، وہ مجسم عمل تھے، اور عملیت کو پسند کرتے تھے، وہ چون وچرا اور کیسے اور کیونکر کی فلسفیانہ الجھنون سے پاک تھے، وہ دنیا کے کاروباری آدمیون اور سپاہیون کے طرح چند اچھی باتون کو قبول کرکے اُن پر فورًا عامل بنجاتے تھے، یہی سبب ہے کہ عجمیانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکال کر اس کی الجھنون کے سلجھانے مین وہ کبھی گرفتار نہین ہوئے، وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے اُن کے سامنے ایک عملی مذہب کو پیش کرکے اُن کو سراپا عملی بنا دیا، اور جو کچھ وہ تعلیم لائے تھے، اس کا مجسم پیکر بنکر چند سال مین دنیا کے سامنے پیش کردیا، دور دور سے بدوی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آتے تھے، اور شک وحجت اور مناظرہ وقیل وقال کے بغیر فرائض واخلاق کی عملی تعلیم حاصل کرکے اپنے قبیلہ مین واپس چلے جاتے تھے اور بالآخر اپنی عملی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے، وہ اگر مگر، اور ممکن وناممکن کی بحث مین نہین پڑتے تھے، وہ تعلیم کو دیکھتے تھے، اور سنتے تھے، وہ اچھی معلوم ہوتی تو اس کو قبول کرتے، اور اُس پر عمل کرکے دینی اور دنیاوی فوائد اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے، اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے بھروسہ پر وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کر گذرتے تھے، اہل عرب

کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار، اور عجمی فلسفیت ونظریت سے پاک ومبرا رکھا، اور ساتھ ہی چند ہی سال کے اندر اندر مغرب ومشرق، شمال وجنوب مین اسلام کا پھریرا آسمان پر اڑنے لگا۔

**ان اوصاف کی مصلحت**

اہلِ عرب کے ان تمام فطری وطبعی اوصاف واخلاق کو دیکھکر یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا، وہ ازل سے اس کے لیے منتخب ہوچکی تھی باوجود انکی ہرقسم کی گمراہیون کے یہ چند اچھے اوصاف اس لئے اُن مین ودیعت کئے گئے تھے، تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو اُن کی فطری استعداد کا یہ سرمایہ، اونکی امداد واعانت کے لیے خزانۂ غیب کا کام دے یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہند وعجم مین تھا، نہ روم وفرنگ مین نہ ترک مین تھا، نہ زنگ مین وہ عرب اور صرف عرب مین تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لیے اسی قوم کو برگزیدہ کرکے، یہ امانت اُس کے سپرد کی؛ آنحضرت صلعم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد مین اسمٰعیل کو پسند کیا، اور اسمٰعیل کی اولاد مین بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ مین سے قریش کو، اور قریش مین سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم مین سے مجھکو" ایک اور روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مین عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہون، اللہ نے تمام لوگون کو پیدا کیا تو مجھے اس نے اُن سب مین سب سے بہتر نسل مین رکھا، اُن کو دو حصون مین (عرب وعجم مین) تقسیم کیا، تو مجھے اس حصہ مین (یعنی عرب مین) بنایا، جو سب سے بہتر تھا، اس حصّے کو بھی قبیلون مین تقسیم کیا تو مجھے اس قبیلہ مین پیدا کیا جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانون مین تقسیم کیا، تو مجھے سب سے بہتر گھرانے مین پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا۔"[۱]

[۱] یہ دونون حدیثین ترمذی ابواب المناقب مین ہین۔

# صبحِ سعادت

دنیا اور عرب کی سرزمین اس ظلمت میں تھی کہ صبحِ سعادت نمودار ہوئی اور خورشیدِ نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا، ظلمتِ شب کافور ہوئی، اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پرنور ہو گیا، یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج گو دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا، لیکن وہ نکلا عرب ہی کے افق سے تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نور سے پہلے اسی ملک کی سرزمین روشن ہو،

**ایک قوم کا انتخاب** سرورِ کائنات کو گو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا اور اس بنا پر ایک ایسی شریعتِ کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لیے ابد تک کافی ہے، لیکن کوئی شریعت، کوئی قانون، کوئی دستور العمل اسوقت تک مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو اور جس کی ہر بات، ہر ادا، ہر جنبش عملی خطیب بنکر گرد و پیش کو اپنا ہم زبان اور ہم عمل بنالے،

اس بنا پر خاتم انبیاء کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دیکر اصلاحِ عالم کے لیے تیار کرنا تھا[1]، دنیا کی اور قومیں باری باری اس منصب پر ممتاز ہو چکی تھیں، ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا میں خوار و ذلیل ہے، إِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ، (ہم نے تمکو تمام دنیا کی

[1] شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوتا ہے وہ علاوہ ان اصول کے جو اور مذاہب میں ہیں

قومون پر فضیلت دی) کا تاج پہن چکی تھی، لیکن اوپر یہ تفصیل گذر چکا کہ اب تمام قومون مین صلاحیت کا مادہ مفقود ہو چکا تھا، ایران تین ہزار برس تک ناز و نعمت مین پل کر ترقی کی رُوح فنا کر چکا تھا، رومیون کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤن کا دل و دماغ صرف وہم پرستی کا کام دینے کے قابل رہ گیا تھا، صرف ایک عرب تھا جو بن جتی زمین کی طرح مادہ ہائے نشو و نما سے لبریز تھا اور ایک لوحِ سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آرائیون کے قابل تھا، مشیتِ ایزدی نے اسی کو تاکا اور چند روز مین وہی عرب جو سرتاپا جہل، سرتاپا وحشت، اور سرتاپا درندہ پن تھا، کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ[1] اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا مظہر بنگیا،

ان لوگون کا حلیہ و جمال اور خط و خال یہ تھا،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، (حج ۶)

ایسے لوگ کہ ہم اگر اُن کو دنیا مین اقتدار دین تو وہ نماز قائم کرین، زکوٰۃ دین، اچھی باتون کا حکم دین، اور بری باتون سے روکین،

**اصلاح و ہدایت کی مشکلات،**

ہر قوم کی اصلاح و ہدایت مین اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہین، لیکن اُن کی نوعیت ایک دو سے زیادہ نہین ہوتی لیکن عرب کی اصلاح مین ہر نوع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۰) چند اور نئے اصول اختیار کرتا ہے جنمین سے ایک یہ ہے،

يدعوهم الى السنة الراشدة ويزكيهم ويصلح شانهم ثم يتخذهم بمنزلة جوارحه فيجاهد بهم اهل الارض ويفرقهم في البلاد وهو قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ ہند)

وہ ایک قوم کو سنت راشدہ کیطرف دعوت دیتا ہے، ان کو پاک اور درست کرتا ہے پھر ان کو اپنا دست و بازو بناتا ہے اور ان کو دنیا مین پھیلا دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے جہاد کرتا ہے، جیسا کہ خدا نے کہا ہے، "تم بہترین امت ہو جو دنیا کے لیے پیدا کیے گئے ہو"

[1] تم بہترین قوم ہو جو انسانون کے لیے (پردۂ عدم سے) باہر لائی گئی جو نیکیون کا حکم دیتی اور برائیون سے روکتی ہے،

ہر حیثیت، ہر جہت کی گوناگون اور لاعلاج مشکلات تھین، اور ایسی تھین جنہین سے ایک کا حل کرنا بھی قدرت انسانی سے بالاتر تھا، بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر مین، قبطیون کی غلامی کر رہے تھے، اور قبطیون کے جور و ظلم کا طوفان ان کے سر سے گذر چکا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسان عظیم کیا کہ فرعون کے پنجۂ ستم سے اُن کو چھڑا کر مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی مین رہتے رہتے اُن کی طبیعت مین اسقدر ذلت پسندی آگئی تھی کہ جب اُنسے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے، اس کو لڑ کر لو، اور اسی پر تخت سلطنت بچھاؤ تو انھون نے حضرت موسیٰؑ سے صاف کہدیا کہ تم اور تمھارا خدا، دونون جاکر لڑو، ہم تو یہان سے آگے قدم نہین بڑھاتے، یہ ایک امتداد معاشرت کا اثر تھا، جو مرتے مرتے ان لوگون کی طبیعت سے نہین گیا، اور جب تک یہ نسل پوری اپنی موت سے مرکر منقرض نہین ہوگئی، بنو اسرائیل کو کنعان کی زمین مین قدم رکھنا نصیب نہین ہوا،

یہ صرف ایک مشکل کی مثال تھی، اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو،

جہالت | عرب کی قوم اُمّی محض تھی، الوہیت، رسالت، کتاب، معاد، عبادت ان مین سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے اُن کے کان آشنا ہون، اسلام کا ہر لفظ جو اُن کے کان مین پڑتا تھا، ان کو ایک تعجب انگیز اور بالکل بیگانہ آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے اُن کی اس جاہلانہ حیرت و استعجاب کو متعدد آیتون مین ذکر کیا ہے،

| | |
|---|---|
| یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ اِنَّکَ | قرآن حکیم کی قسم، تو بیشبہہ پیغمبرون مین سے ہی، |
| لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ | راہ راست پر ہے، یہ قرآن رحمت والے غالب |
| تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ لِتُنْذِرَ | خدا کے پاس سے اترا ہے، تاکہ تو اُس قوم کو آگاہ |

قَوۡمًا مَّآ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غٰفِلُوۡنَ

(یٰسٓ - ۱)

کرے، جنکے اسلاف کو آگاہ نہین کیا گیا، اور اسلئے وہ غفلت مین پڑے ہین،

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی،

وَعَجِبُوۡٓا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ وَ
قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ
اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ
هٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ۔ وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ
مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰٓى
اٰلِهَتِكُمۡ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۔ مَا
سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۔
اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ، (ص - ۱)

اور انھون نے تعجب کیا کہ ان مین ایک پیغمبر جو کہ ان کے پاس آیا، کافرون نے کہا یہ دروغگو جادوگر ہے، اس نے اتنے خداؤن کو ایک خدا بنا دیا یہ عجیب بات ہے، انکے پنچ اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودون پر جمے رہو اس مین انکی (پیغمبر کی) کوئی غرض ہے، ہم نے تو سابق مذہب مین یہ نہین سُنا، یہ سب گھڑی ہوئی بات ہے،

بَلۡ عَجِبُوۡٓا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ
فَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ
(ق - ۱)

بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ انہین مین سے ایک ان کے پاس پیغمبر بنکر آیا، کافرون نے کہا یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے،

صفاتِ الٰہی، آثارِ نبوت، احوالِ معاد، ان مین سے ہر بات کو سنکر وہ اسی طرح سرتاپا حیرت بنجاتے تھے، نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہین، اس منصب پر تو فرشتون کو ممتاز ہونا چاہئے تھا،

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰئِكَةُ (فرقان ۳)

جو ایک دن ہمارے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیوں نہ اتارے گئے

إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللّٰهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلٰئِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ (فصلت ۲)

پیغمبر جب اُن کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہیں کہ ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا اگر کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا ہم تو تمہاری باتوں کا انکار ہی کرینگے،

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَسُولًا قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (بنی اسرائیل ۱۱)

ہدایت آنے کے بعد صرف اس شبہہ نے لوگوں کو ایمان لانے سے باز رکھا ہے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جواب میں کہدو کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے،

نبی کا تخیل اگر اُن کے ذہن میں کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماورا صورت میں یعنی یہ کہ وہ انسانی ضروریات سے منزہ ہو اس کے پیچھے خدا کا اور فرشتوں کا پرا ہو آسمان اور زمین کے خزانے اسکے دست قدرت میں ہوں،

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ

انھوں نے کہا اے پیغمبر ہم تجھ پر اسوقت تک ایمان نہ لائینگے جب تک زمین سے ہمارے لیے تو چشمہ نہ بہا دے، یا تیری ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں

خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا، اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ
بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا، اَوْ يَكُوْنَ
لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي
السَّمَآءِ، (بنی اسرائیل ۱۰)

کا کوئی باغ ہو جس میں نہریں جاری کر دی ہوں،
یا جیسا کہ تو نے کہا ہم پر بادل کا کوئی ٹکڑا گرا دے،
یا خدا اور فرشتوں کو پرا بنا کر لے آئے، یا تیرے
پاس کوئی سونے کا گھر نہ ہو یا تو آسمان پر نہ
چڑھ جائے،

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ، لَوْلَآ
اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ
نَذِيْرًا، اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ
لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا، (فرقان ۱)

انہوں نے کہا عجیب پیغمبر ہے، یہ تو کھاتا پیتا
ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس پر کوئی فرشتہ
کیوں نہ اترا جو اس کیساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا
یا اس کے پاس کوئی خزانہ کیوں نہیں ڈالدیا گیا
یا اس کیلئے خاص کوئی باغ کیوں نہوا جس سے کھاتا،

پیغمبر کے لیے اُن کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولتمند ہو، اُس کے قبضہ میں کوئی بڑی جائداد ہو، میووں کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اُس کے پاس ہوں، چنانچہ گذشتہ آیت میں کفار کے اس خیال کیطرف بھی اشارہ ہے، اسی لیے مکہ اور طائف کے جو رؤسا دولتمند تھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف ۳)

وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے
آدمی پر کیوں نہیں اترا،

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی اُن کے خیال میں یہ سمجھے کہ آسمان سے کاغذوں

ہین ایک لکھی لکھائی، ترشی ترشائی، جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع مین اتر آئے،

| | |
|---|---|
| وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً، (فرقان - ۳) | کافرون نے کہا اس پر قرآن یکبارگی کیون نہین اُترا، |
| وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ، (بنی اسرائیل - ۱۰) | اور (کافرون نے کہا) ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی اسوقت تک قائل نہین ہونگے جبتک ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار لائے جسکو ہم لیکر پڑھنے لگین، |
| وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ، (انعام - ۱) | اور اگر کاغذون مین لکھی ہوئی کوئی کتاب ہم آسمان سے تمپر اتارتے جسکو وہ اپنے ہاتھون سے چھو بھی سکتے تو کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، |

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، الوہیت اور صفات الٰہی کے اسرار، نبوت کے خصائص، نزول کتاب کی حقیقت، ہر چیز اُن کے لیے حیرت اور استعجاب کا سرمایہ تھی،

| | |
|---|---|
| اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (مومنون - ۴) | کیا انھون نے بات پر غور نہین کیا، یا اُن کے پاس وہ تعلیم آئی ہے جو اُن کے اسلاف کے پاس نہین آئی، یا انھون نے اپنے رسول کو نہین پہچانا، تو اُس کے منکر ہین، |

اس بنا پر عرب کے مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور اس مین کئی برس صرف ہوگئے، لیکن وہ لوگ جو اس صدا سے نامانوس نہ تھے اُن تک

آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ وہ سرتاپا لبیک تھے، حصہ اوّل مین گذر چکا ہے کہ سابقین اسلام عموماً وہی لوگ تھے جو اہلِ کتاب یا حنفاء کے آغوش پروردہ تھے، اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا مشرکین کلامِ الٰہی کا جواب خندۂ تحقیر سے دیتے تھے اور رموزِ نبوت کے دانا چشم پرنم اور دلِ پرکیف سے،

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ
إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ
سُجَّدًا، وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ
كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا، وَيَخِرُّونَ
لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ
خُشُوعًا، (بنی اسرائیل - ۱۲)

جنکو اس سے پہلے علم دیا گیا ہو (یہود و نصاریٰ)
جب اُن کو قرآن کی آیتین سنائی جاتی ہین تو منہ کے
بل وہ سجدے مین گر پڑتے ہین اور کہتے ہین کہ پاک
ہے ہمارا پروردگار ہم سے (ایک پیغمبر آخر الزمان کے
بھیجنے کا) جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوا، روکر
وہ منہ کے بل گرتے ہین اور یہ اُنکے خشوع کو اور بڑھاتا ہے،

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ
آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ، ذَٰلِكَ
بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ
لَا يَسْتَكْبِرُونَ، وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ
إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ
يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ
(مائدہ - ۱۱)

ان مین سب سے زیادہ مسلمانون کیساتھ محبت
رکھنے والے وہ ہین جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہین
سبب یہ ہے کہ اُن مین قسیس اور راہب ہین اور
وہ تکبر نہین کرتے، اور جب وہ کلام سنتے ہین جو پیغمبر
پر اترا ہے، تو اُن کی آنکھون کو تو دیکھیگا کہ حق کو
پہچانکر آنسو بہاتی ہین، اور کہتے ہین کہ خدایا ہم
ایمان لائے ہم کو بھی حق کی شہادت دینے
والون مین لکھ لے۔

مدینہ کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ مین زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، وہ بھی چشم دل کو بینش حق سے باز نہین رکھ سکتے تھے،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ، (بقرہ - ۱۷) | جنکو ہم کتاب دیچکے ہین وہ اس پیغمبر کو اسیطرح پہچانتے ہین جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہین، ان مین سے کچھ لوگ جان کر حق پوشی کرتے ہین، |
| وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ (بقرہ - ۱۱) | اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لیکر آیا جو خود انکی آسمانی کتابون کو سچ کر رہی ہے تو باوجود اس کے کہ وہ کافرون کو اس سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے، اب حق پہچانکر اس کا انکار کرتے ہین، |

قرآن مجید کی شہادتون سے قطع نظر کرکے، اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی مجرد دعوت حق سُننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا، اُن کے حالات پیش نظر کرلینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل اور ذوق آشنا نگاہ کا جویان تھا، حضرت سعید بن زیدؓ، عثمان بن مظعونؓ صہیب رومیؓ، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ وغیرہ جو سابقین اسلام مین، اسی قسم کے لوگ تھے،

ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ، قریش کے مشرکین خدا کا کلام تیرہ برس تک متصل سنتے رہے، لیکن اُن کے دل کی سنگینی مین کوئی فرق نہ آیا، ورقہ مکہ کا قریشی عیسائی صرف ایکبار قرآن سنتا ہے اور ناموس اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، مکہ کے مشرک تریپن برس تک آپ کے چہرہ کو دیکھتے رہے لیکن نورالٰہی کو نہ پہچان سکے، اور عبداللہ بن سلام یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جمال پُرانوار کو دیکھا اور پکار اُٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے، رؤسائے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزول وحی کا تماشا دیکھتے ہین، اور جنبش نہین کرتے، اور نجاشی حکومت کی مسند پر اور ہرقل شہنشاہی کے تخت پر بیٹھکر غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتین سنتے ہین، اور تڑپ جاتے ہین قریش کے گھر یہ دولت خود اترتی ہے، اور وہ اس کو ٹھکرا دیتے ہین، لیکن مدینہ سے بنی اسرائیل کے پڑوسی جو اُن کی زبان سے آخری نبوت کی بشارت سُن چکے تھے، اتفاقاً مکہ آتے ہین اور اس دولت ابدی کو اپنے گھر اٹھا لیجاتے ہین، طائف کے سنگدل جاہل نبیؐ پر پتھر برساتے ہین اور اسکی ہنسی اڑاتے ہین، اور نجران کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہین، لیکن چہرہ پر پیغمبری کی معصومیت دیکھ کر دہل جاتے ہین اور صلح کا ہدیہ پیش کرتے ہین،

قریش اور حجاز کے راز نبوت کے نامحرم دعوت حق کا جواب اکیس برس تک تیغ وسنان سے دیتے ہین لیکن، یثرب، ہجر، یمن، عمان، اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود، نصاریٰ اور مجوسیون کے اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہوچکے تھے، وہ آواز حق پہنچنے کیساتھ دفعۃً مسلمان تھے،

**آبائی دین ورسوم کی پابندی**

ہر نئی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اُس کے قبول کرنے مین جو

چیز سب سے پہلے عائق ہوتی ہے، وہ قومی رسم ورواج اور آبائی دین ومذہب کی پابندی ہے انسانیت کے پانون مین اس سے بھاری کوئی زنجیر نہین، دوست وآشنا کا چھوٹنا، مان باپ سے علٰحدگی، آل واولاد سے کنارہ کشی، مال وجائداد سے دست برداری، جماعت کی مخالفت، قوم سے انقطاع، وطن سے دوری، ایسی چیزین نہین ہین جنکو ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکے، ملکی رسم ورواج کی دیرینہ محبت، اور آبائی کیش وآئین کی موروثی الفت، حق وباطل کی تمیز، اور نیک وبد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ، عرب کی قوم، قدامت پسندی، اور قدیم حالت پر بقا اور استحکام مین خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کہان سے کہان بدلتی چلی گئی، پرانی سامی نسل کی بدویانہ خصوصیتین جو توراۃ مین پڑھتے ہین، وہ تمام سامی قومون سے مٹ گئین، مگر عرب مین اسوقت بھی نمایان تھین، اور آج بھی نظر کے سامنے ہین، دین ابراہیم کے چند اصول حج، ختنہ اور قربانی وغیرہ ہزارون برس کے بعد بھی عرب مین مٹ مٹا کر باقی رہ گئے تھے، اور اُن سے نہین چھوٹے تھے، اُن کے شعر وشاعری اور فخر ومباہات کا سب سے پرجوش مضمون آباؤ اجداد اور نام ونسب پر فخر وغرور تھا، جسکو چھوڑنا اُن کے نزدیک اپنی پرانی عزت وعظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا،

آنحضرت صلعم نے جب مکہ مین دین حق کی منادی شروع کی، تو اسکی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کیگئی، وہ یہی دینِ آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا، اور یہی دینِ جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل اُن کے پاس تھی، چنانچہ قرآن مجید نے بار بار اُن کے اس قول کو دہرایا ہے، اور اسکی لغویت کو ظاہر کیا ہے،

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللهُ
قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا
أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا
وَلَا يَهْتَدُونَ،

(بقرہ ۲-۲۱)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ
وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ، وَكَذَٰلِكَ
مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن
نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا
آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم
مُّقْتَدُونَ ۝ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ
مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۝ قَالُوا
إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ،

(زخرف -۳۰)

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا
عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ
اللهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا
ہے اسکی پیروی کرو، کہتے ہین (نہین) بلکہ ہم اوسکی
پیروی کرینگے جسپر اپنے باپ دادون کو ہمنے
پایا کیا اگرچہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہون
اور نہ راہ راست پر ہون (تب بھی)،

بلکہ وہ کہتے ہین کہ ہم نے اپنے بزرگون کو ایک
روش پر پایا ہے، اور ہم انھین کے نقش قدم
پر چلکر رہنمائی پائین گے، اور اسی طرح ہم نے
اے پیغمبر تمسے پہلے کسی آبادی مین کوئی پیغمبر نہین
بھیجا لیکن اُس کے دولتمندون نے یہی کہا کہ
ہم نے اپنے بزرگون کو ایک روش پر پایا ہے،
اور ہم انھین کے نقش قدم کے پیرو ہین کہو اے
پیغمبر کیا اگرچہ مین اس روش سے جسپر تم نے اپنے
بزرگون کو پایا زیادہ سیدھا راستہ لیکر تمھاری پاس
ہو کیون نہ لاؤن (تب بھی تم انھین کی پیروی کروگے) انھون نے کہا کہ ہم تو جو دیکر تم بھیجے گئے ہو اسکا انکار ہی کرتے رہین گے،

اور جب وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہین
تو کہتے ہین کہ ہم نے اپنے بزرگون کو اسی پر پایا اور
اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے الحمد و اے پیغمبر کہ

| | |
|---|---|
| عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، | اللہ تو بے شرمی کی بات کا کبھی حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ پر |
| (اعراف - ۳) | وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے، |
| وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ | اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اُسکے |
| وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا | پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں ہمنے اپنے باپ |
| عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ | دادوں کو جسپر پایا ہے وہی ہمکو کافی ہے کیا اُنکے باپ |
| لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ | دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ سیدھے راستہ پر ہوں |
| (مائدہ - ۱۴) | (تب بھی وہ انہیں کی پیروی کرینگے) |
| وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ | کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم و ہدایت، اور روشن کتاب |
| عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ | کے بغیر اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں، اور جب |
| وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا | اُنسے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے، اسکی پیروی کرو |
| بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ | تو کہتے ہیں، بلکہ ہم اسی کی پیروی کرینگے جسپر ہمنے اپنے |
| كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى | باپ دادوں کو پایا کیا اگرچہ اُنکو شیطان دوزخ کے |
| عَذَابِ السَّعِيْرِ، | عذاب ہی کی طرف کیوں نہ پکارے (تو وہ |
| (لقمان - ۳) | اسی کی پیروی کرینگے) |

کفار کے یہ سوال و جواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا، آپ نے بعثت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤں کی تحقیر، بزرگوں کی توہین،

اور آبائی رسم ورواج کی مذمت کرتے ہین، مکہ مین جب آپ نے علی الاعلان لوگون کو اسلام کی دعوت دی، اور بہت سے نیک لوگون نے اس دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسون نے ابوطالب کے پاس جاکر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کیے، وہ یہ تھے "اے ابوطالب! تمھارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤن کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے، ہم کو بے وقوف اور نادان کہتا ہے، اور ہمارے باپ دادون کو گمراہ بتاتا ہے، تو یا تو تم اس کو روکو، یا ہم کو اور اُس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لین۔"

یہ اُن کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے اُن کو سمجھا بجھا کر واپس کیا، تو کچھ دنون کے بعد انھون نے پھر اپنا مطالبہ ان الفاظ مین پیش کیا "اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو ابتک منع نہین کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگون کی برائی، اپنی نادانی، اور اپنے دیوتاؤن کی ہجو نہین سُن سکتے، تو یا تو اس کو باز رکھو ورنہ ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ" اس اعلانِ جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہین، اور کہتے ہین "اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عمارہ کیسا خوشرو جوان ہے، تم اس کو متبنّٰی بنا لو، اور اپنے بھتیجے کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، کہ اُس نے تمھارے اور تمھارے بزرگون کے دین ومذہب کی مخالفت کی ہے، تمھاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے، اور انکو بے وقوف اور نادان کہتا ہے" سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسون نے خود آنحضرت صلعم سے مل کر گفتگو کی اور کہا، کہ اے محمد! تمھارے سوا کسی قوم مین ایسا آدمی نہین ملا، جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو، تم نے باپ دادون کو برا کہا، ہمارے مذہب کی تحقیر کی، دیوتاؤن کو گالی دی، ہم کو بے وقوف اور نادان بنایا، اور جماعت مین تفرقہ ڈالا، غرض کوئی برائی نہ تھی جو تم نے ہمارے ساتھ

نہین کی[1]،

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو معلوم ہوگا کہ آبائی دین موروثی رسم ورواج اور خاندانی دیوتاؤن کی غلامی سے آزاد ہونا ان پر کتنا بار تھا؟ اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج مین آنحضرت صلعم جب لوگون کے پاس جاجا کر توحید کا پیغام سناتے تھے، تو ابولہب آپ کے اثر کو باطل کرنے کے لیے آپکی تقریر کے بعد آپکے پیچھے پیچھے صرف یہ کہتا جاتا تھا "لوگو! یہ وہی ہے جو تم کو تمھارے باپ دادون کے مذہب سے برگشتہ کرتا پھرتا ہے[2]"

ابوطالب جنھون نے ہر موقع پر آنحضرت صلعم کی حمایت کی تھی، اور وہ آپ کو اپنے جان ودل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، وہ بھی آپ کی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ مین پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، بھتیجے نے بار بار کہا "چچا جان! کلمہ شہادت ایک دفعہ پڑھ لیجیے، کہ قیامت مین آپ کی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے" ابوطالب نے جواب دیا "جان پدر! سب کچھ تم پر نثار، لیکن بزرگون کے مذہب کو نہین چھوڑ سکتا" عین اُسوقت جب ابوطالب دنیا سے رخصت ہورہے تھے، اور نزع کی حالت تھی، آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "چچا جان اب تو لا الٰہ الا اللہ کہدیجئے کہ مین خدا کے ہان آپکے ایمان کی شہادت دون" ابوجہل اور عبداللہ بن اُمیہ نے جو اُن کے پاس بیٹھے تھے کہا "ابوطالب کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤگے" آپ بار بار لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونون اُن کو وہی عبدالمطلب کے دین سے علٰحدگی پر شرم دلاتے تھے، بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ "مین عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہون"

[1] یہ تمام واقعات ابن اسحاق اور سیرۃ کی تمام کتابون مین بتفصیل مذکور ہین، [2] مستدرک حاکم ج ۱-ص۱۵ کتاب الایمان،

اور لاالٰہ الا اللہ نہین کہا، یہ صحیح بخاری کی روایت[1] ہے صحیح مسلم مین اس کے بعد ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ "بھتیجے! جو فقرہ تم کہتے ہو مین کہکر تمہاری آنکھین ٹھنڈی کر دیتا، لیکن قریش کہینگے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا"[2] ابن اسحاق مین ہے کہ انھون نے آہستہ سے وہ فقرہ کہدیا،[3] بہرحال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے کہ اس حالت مین بھی مخالفین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لیے اس سے زیادہ پرزور اور پراثر دلیل نہ تھی کہ "ابوطالب کیا آبائی مذہب کو چھوڑ دوگے"؟ اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ مین یہ تخیل کتنا بڑا پتھر تھا،

توہم پرستی | عرب کی اصلاح و ہدایت کی راہ مین ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی، ہر قوم مین جاہلون کا جس طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلان دیوتا یا فلان پیر کے خلاف اگر کچھ زبان سے نکلا تو فوراً بلائین آکر ہم کو لپٹ جائینگی، عرب مین گھر گھر سینکڑون بت اور بیسیون صنم خانے تھے، دنیا کے تمام کام انھین اصنام اور بتون سے متعلق سمجھے جاتے تھے، مدتون سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلان بت کی پرستش یا خدمتگذاری مین اگر کوتاہی کیگئی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، فرزند نرینہ پیدا نہ ہوگا، باغون مین پھل نہ آئین گے اسی بنا پر اسلام کے نام سے اُن کو لرزہ آتا تھا، اور یہ تخیل صرف اسی وقت پیدا نہین ہوا تھا بلکہ ایک مدت سے عرب مین چلا آتا تھا، حضرت ہودؑ کی دعوت کے جواب مین ثمود نے کہا،

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ ... ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہین گے کہ ہمارے

---

[1] کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت، لاالٰہ الا اللہ، [2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۹،
[3] ابن ہشام، وفات ابی طالب،

اٰلِهَتِنَا بِسُوْءٍ[۱] (ھود ۵) کسی دیوتا نے تم کو آکے ستایا ہے،

ابتداءً جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتون کے خلاف وعظ کہنا شروع کیا تو اکثر لوگون نے (نعوذ باللہ) پاگل سمجھ لیا[۲]، جاہلیت کے زمانہ کے بعض کا فر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے آئے[۳]، ضمام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہوکر اپنے قبیلہ مین جب واپس گئے اور لات وعزیٰ کی مذمت شروع کی، تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ ضمام! ان کو برا نہ کہو، دیکھو تہین تم کو برص، جنون یا جذام نہ ہوجائے[۴]، حضرت زنیرۃؓ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہوگئی تھین، کفار نے کہنا شروع کیا کہ لات وعزیٰ نے اُن کو اندھا کردیا ہے[۵]، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی مسلمان ہوکر جب اپنے وطن تشریف لے گئے اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی، تو انھون نے کہا "دیکھو ذوالشریٰ (بت) کہین برباد نہ کردے[۶]"

فتح مکہ کے بعد جبکہ دیوتاؤن کے زور وقوت کا راز افشا ہوچکا تھا، اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کرلیا تھا، تاہم لات، عزیٰ، مناۃ، ذی الکفین، سواع کے تیجانون کو وہ اپنے ہات سے نہ توڑ سکے، خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے، جنھون نے اس فرض کو انجام دیا، پوجاریون نے کوئی مزاحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤن کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کریگا وہ خود تباہ وبرباد ہوجائیگا[۷]،

---

[۱] ابن کثیر، زمخشری، ابن جریر، بغوی وغیرہ تمام مفسرین نے لکھا ہے۔ [۲] دیکھو تفسیر آیہ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ و نیز مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ، [۳] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ، [۴] مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ،
[۵] اسد الغابہ ترجمہ حضرت زنیرۃؓ، وسیرۃ ابن ہشام ذکر مستضعفین مسلمین، [۶] اسد الغابہ ذکر طفیل بن عمرو دوسیؓ،
[۷] ابن سعد وطبری، ذکر ہدم اصنام،

توہم پرستوں میں کسی مذہب کی صحت وبطلان کی دلیل شواہد عقلی نہیں بلکہ دنیا کے ظاہری مادی فوائد، اور جانی ومالی خیر وبرکت ہوتی ہے، لیکن قوانین گاہ عالم میں ایک مذہب پرست بھی اسی طرح آلام ومصائب میں گرفتار ہو سکتا ہے جس طرح ایک غیر مسلمان، عرب کے بدو اور اعراب ابتدائً مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے تو معاً یہ توقع بھی کر لیتے تھے کہ اب وہ ہر قسم کے آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہیں، اس بنا پر اگر کبھی اُن کی اس توقع کو صدمہ پہنچتا تو دفعۃً متزلزل ہو جاتے تھے، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں [۱] ہے،

| | |
|---|---|
| کان الرجل یقدم المدینة | باہر کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آتا تھا اوسکی یہ حالت |
| فان ولدت امرأته غلاما و | تھی کہ اگر اسکی بیوی لڑکا جنتی اور اس کی گھوڑی |
| نتجت خیله قال هذا دین صالح | بچہ دیتی تو وہ کہتا کہ یہ نہایت عمدہ مذہب ہے |
| وان لم تلد امرأته ولم تنتج | لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت |
| خیله قال هذا دین سوء، | برا مذہب ہے، |

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی [۲] ہے،

| | |
|---|---|
| وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی | اور بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کی بندگی کنارہ کنارے کو |
| حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ اِطْمَاَنَّ | کرتے ہیں (یعنی دل سے نہیں کرتے) اگر انکو فائدہ پہنچا تو |
| بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ | انکو اطمینان ہو جاتا ہے، لیکن اگر مبتلائے مصیبت |
| عَلٰی وَجْهِهٖ، (حج - ۲) | ہوئے تو فوراً روگرداں ہو جاتے ہیں، |

[۱] تفسیر سورۂ حج جلد ثانی صفحہ ۶۹۴، [۲] صحیح بخاری تفسیر سورۂ حج،

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے مین کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بددعاؤن کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے،[1] سوءِ اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ مین آتے تھے ان کو وہان کی آب و ہوا راس نہین آتی تھی، ابتدائے ہجرت مین جب حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہو گئے[2] حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو اُن کو بھی مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی[3] اگرچہ مخلصین اور ارباب فہم پر اس قسم کی عارضی ناگواریون کا کوئی اثر نہین پڑ سکتا تھا، تاہم عام لوگ جنکی وہم پرستی فطرت ثانیہ ہو گئی تھی وہ اس قسم کے اتفاقی واقعات سے بیحد متاثر ہوتے تھے، چنانچہ جب عکل و عرینہ کے چند لوگون نے مدینہ مین آکر اسلام قبول کیا اور آب و ہوا کی ناموافقت کے سبب سے بیمار ہو گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے اُن کو اونٹون کی چراگاہ مین بھیجدیا تو گو وہ صحیح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے،[4] اسی طرح ایک بدو نے آکر آپکے دست مبارک پر بیعت کی لیکن سوءِ اتفاق سے دوسرے دن بخار مین مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپنے تین بار منع فرمایا لیکن اس کے اصرار سے آخر بیعت فسخ کر دی اور فرمایا،[5]

المدینة کالکیر تنفی خبثها — مدینہ آگ کی بھٹی ہے، جو میل کو الگ کر دیتا ہے،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ و اصابہ ذکر عبداللہ بن زبیرؓ [2] صحیح بخاری کتاب المرضی و باب مقدم النبی صلعم المدینة،
[3] صحیح مسلم کتاب الایمان، [4] صحیح بخاری کتاب المحاربین،
[5] بخاری جلد ا صفحہ ۲۵۲، کتاب الحج، فضائل مدینہ، و باب اعتصام السنة،

تنصع طیبھا، — اور حقیقی جوہر کو خالص کر دیتا ہے،

انھین اسباب کی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی،

| | |
|---|---|
| اللھم حبب الینا المدینة کحبنا | خداوندا مکہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے لئے |
| مکة او اشد، اللھم وصححھا وبارک | مدینہ کو محبوب بنا دے، اسکو امراض سے صحیح کر دے، اسکے |
| لنا فی مدھا وصاعھا وانقل حماھا | پیمانے مین برکت دے، اور اسکے بخار کو جحفہ مین |
| فاجعلھا بالجحفة[1] | منتقل کر دے، |

**قبائل کی خانہ جنگیان** اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیان تھین، جو عرب کے خصائص قومی کا عنصر اعظم بن گئی تھی، یہ خانہ جنگیان ہزارون برس سے چلی آتی تھین، اور اُن کی وجہ سے قبائل مین ایسے مستمر اور ثابت الاساس انتقامی جذبات پیدا ہو گئے تھے، جنکا مٹنا قریبا محال تھا، انھی لڑائیون نے ثار (انتقام خون) کی رسم پیدا کر دی تھی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لیے قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا تھا، ہزارون برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درج رجسٹر ہوتے رہتے تھے، اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے ثار کا لفظ سنتا تھا، یعنی خاندان مین فلان شخص قتل کیا گیا ہے اور اُس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے، اس لیے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی ثار ہوتا تھا،

اس بنا پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدتمندی کے ساتھ اسلام کی طرف

[1] صحیح بخاری باب مقدم النبی صلعم المدینة،

جھکتا تھا، معاً اوسی زور اور قوت کیساتھ دوسرا فریق اسلام کی مخالفت اور اُس سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتا تھا، مکہ مین اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا، کہ خدا نے نبوت کے لیے ہاشم کا گھرانا چن لیا تھا، بنوامیہ کی مخالفت اس کے لیے لامحالہ ہوئی تھی،

مدینہ مین اوس و خزرج دو قبیلے تھے، اسلام سے پہلے دونون لڑ لڑ کر تھک گئے تھے[1] اسلام کی آواز آئی تو گو دونون نے ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر ہمہ تن اخلاص و جوش تھا، تو خزرج مین بیسیون منافق تھے، انتہا یہ ہے کہ ابتدائے اسلام مین ہجرت سے پہلے دونون قبیلون کی نماز کی امامت کے لیے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے عار تھا[1]،

خزاعہ اور بنوبکر باہم شدید دشمن تھے، اور ان مین باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ آنے کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاعہ نے اسلام کی دعوت قبول کی، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بنوبکر قریش کے حلیف بنگئے،

خوب غور کرو، انصار اسلام لا کر ہمہ تن نیکوکاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بنگئے، لیکن ثار کے جذبات کس طرح آسانی سے دفعۃً مشتعل ہو جاتے تھے، ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو انصار کے دونون قبیلون (اوس اور خزرج) کی تلوارین میان سے نکل آئین[2]، اور بڑی مشکل سے آنحضرت صلعم نے اُن کے جوش کو فرو کیا،

---

[1] ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ، [2] اصابہ جلد ۱، مطبوعہ مصر صفحہ ۸۸، معجم صغیر طبرانی مین بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبداللہ،

حضرت عائشہؓ کے واقعۂ افک مین جب آنحضرت صلعم نے منبر پر کھڑے ہو کر اسکی شکایت کی اور حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا "یا رسول اللہ! اگر وہ (تہمت لگانے والا) ہمارے قبیلہ کا ہے تو مین اسکی گردن اڑا دیتا ہون، اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہے تو آپ حکم دین، مین بجا لاؤنگا" اسپر سعدؓ بن عبادہ جو قبیلۂ خزرج کے رئیس تھے، دفعۃً کھڑے ہو گئے، اور کہا،

| | |
|---|---|
| کذبت لعمر اللہ لا تقتلہ ولا | خدا کی قسم، تو جھوٹ کہتا ہے، تو اس کو نہ قتل کریگا: |
| تقدر علی قتلہ ولو کان من | کر سکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو |
| رھطک ما احببت ان یقتل[1] | اسکو قتل کیا جانا پسند نہ کرتا، |

اس پر اوس اور خزرج دونون قبیلون کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہانتک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، چنانچہ صحیح بخاری حدیث افک مین ہے،

| | |
|---|---|
| فثار الحیان الاوس والخزرج حتی | پس دونون قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے، |
| ھموا ان یقتتلوا ورسول اللہ | یہانتک کہ دونون کشت وخون پر آمادہ ہو گئے |
| قائم علی المنبر، | اور آنحضرت صلعم اُسوقت منبر پر کھڑے تھے، |

ایک بار محلم بن جثامہ لیثی نے عہد اسلام مین قبیلۂ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلعم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور اقرع بن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی، اور سخت شور وشغب ہوا، تو آپ نے عیینہ سے فرمایا "دیت کیون نہین قبول کر لیتے" اُس نے کہا "خدا کی قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کرونگا جبتک

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک،

اسکی بی بیون کو اسقدر نہ ستاؤن، جسقدر اُس نے ہماری بی بیون کو ستایا ہے"؛ اس پر اور شور وغل ہوا، آپنے پھر یہی الفاظ فرمائے اور عیینہ نے وہی پہلا جواب دیا، چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا، جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین پیش ہوا تھا، اس لیے قبیلۂ بنو لیث کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہا کہ "ابتدائے اسلام مین اس واقعہ کی مثال بکری کے اس ریوڑ کی سی ہے کہ اُس کے پہلے حصہ کو تیر مار اگیا، تو دوسرا بدک کے بھاگ گیا، یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھین گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا ہے، اور چونکہ دلون مین ابتک انتقام کے جذبات تازہ ہین اور لوگ دیت لینا پسند نہین کرتے اس لیے اُن کو اسلام کے قبول کرنے مین تامل ہوگا لیکن آنحضرت صلعم چونکہ سفر مین تھے، اس لیے دیت مین ۵۰ اونٹ اسی وقت دیئے اور مدینہ پہنچکر ۵۰ اونٹ کا وعدہ فرمایا،

اہل عرب مین یہ جذبہ اسقدر ترقی کر گیا تھا کہ گو آپنے فتح مکہ مین امن عام کی منادی کر دی اور تلوار کے میان مین کر لینے کا حکم دیا، تاہم انتقام کا جوش ابتک تازہ تھا،

قبیلۂ ہذیل کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلعم کی خدمت مین جا رہا تھا اس نے زمانۂ جاہلیت مین قبیلۂ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لیے اس کو ڈھونڈ رہے تھے، سوء اتفاق سے وہ راہ مین مل گیا، اور اُن لوگون نے اس کو فوراً قتل کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت مین وہ پہنچگیا تو پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، آپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے، ان لوگون نے حضرت عمر، حضرت ابو بکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے سفارش کی درخواست کی،

---

لہ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۵ ۷ کتاب الدیات،

آنحضرت صلعم نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جسکے الفاظ یہ تھے :-

"خدا نے مکہ کو دارالحرام بنایا ہے، آدمیون نے نہین بنایا ہے، خدا نے کل چند گھنٹون کے لیے اسکو میرے لیے حلال کر دیا تھا لیکن آج اسکی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے، اور خدا کے سب نافرمان بندے تین آدمی ہین، ایک وہ جس نے حدودِ حرم مین کسی کو قتل کیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا، تیسرا وہ جس نے زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے مین اسکی دیت دونگا"

چنانچہ آپ نے اسکی دیت ادا فرمائی،

بنو ثعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت مین اوس و خزرج کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، بنو ثعلبہ اسلام لاکر جب مدینہ آئے تو آنحضرت صلعم خطبہ دے رہے تھے، ایک انصاری بے اختیار چلا اٹھے کہ یارسول اللہ صلعم یہ ہمارے مجرم ہین، اُن سے قصاص دلوایئے، آنحضرت صلعم نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا الالا یجنی والد علی ولدہ[1] یعنی لڑکے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہین لیا جائیگا،

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ثار کا جذبہ کس طرح رگ رگ مین سرایت کر گیا تھا، اور اس جذبہ کا مشتعل ہو جانا کس قدر آسان ہوتا تھا،

خانہ جنگیون پر ختم نہین، یون بھی تمام قبائل رقیب اور حریف مقابل تھے، دو مختلف قبیلون کے آدمیون مین کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی اور ان مین کوئی اپنے قبیلہ کا نام پکارتا تھا تو قومی جنگ کا سامان ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱، [2] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸،

نے یاللانصار (انصار کی دہائی) پکارا، مہاجر نے بھی یاللمہاجرین کا نعرہ مارا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی آپنے نکل کر فرمایا کہ یہ کیا جہالت کی پکار ہے؛

مابال دعوى الجاهلية[1] — یہ کیا جہالت کا دعویٰ ہے،

لوگون کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا سخت دشمن ہے اس لیے جبتک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے ان کو اسلام لانے مین تامل ہوتا تھا، عمرو بن اقیش ایک صاحب تھے وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر اور اُس کے قبول کرنے کے لئے ہر طرح آمادہ تھے لیکن ایک عائق تھا جو اس راہ مین حائل تھا یعنی ثار، وہ جانتے تھے کہ اسلام لاکر اس خاندانی فرض کے ادا کرنے کی ان کو اجازت نہین ملسکتی، ابن مندہ نے اُن کے حال مین لکھا ہے،

وكان له ثار فی الجاهلية وكره — ان کا انتقام زمانۂ جاہلیت مین باقی رہ گیا تھا جبتک

ان يسلم حتى ياخذه[2]، — وہ نہ لے لین انھون نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا،

اسی طرح حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت صلعم کی خدمت مین اسلام لاکر اپنے قبیلہ مین واپس گئے، اور اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والون نے کہا، بنو عقیل پر ہمارا ثار (انتقام) باقی ہے وہ لے لین تو اسلام لائین چنانچہ انھون نے اسی وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہو چکے تھے حملہ کیا اور اس فرض سے سبکدوش[3] ہوئے،

**سیاسی مشکلات** جہالت، وحشت، پابندی رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان مین سے ایک چیز بھی مانع اصلاح نہ ہوتی، تاہم صرف سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل عرب کبھی اسلام کے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۹، ذکر نہی دعوت جاہلیۃ، [2] اسد الغابہ صفحہ ۸۰، جلد ۴، [3] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک،

آگے سر نہین جھکا سکتے تھے، مکہ مین دو خاندان برابر کے رقیب تھے اُمیہ اور ہاشم، اور آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے اُمیہ کا پلہ ترجیح علانیہ گران ہوچکا تھا، آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا اظہار کیا، تو سب سے پہلے امیہ کے خاندان نے سرکشی کی، اور فتح مکہ تک یہی خاندان تھا، جو تمام لڑائیون اور معرکہ آرائیون کا علمبردار تھا، بنو امیہ کے بعد اور اور خاندان تھے اور وہ بھی حرم کے مناصب وجاہ (رفادہ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان مین سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب مین ان فوائد اور اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے، ابوجہل سے جب ایک شخص نے کہا کہ "محمد کی دعوتِ اسلام کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے" تو اُس نے صاف کہا کہ "مین کیا کہون، محمد کے خاندان نے سوت و شرف مین برتری کا دعوی کیا، اور نبوت مین دعوتین کھلائین، اس کے جواب مین ہم نے اسی شان کی دعوتین دین، انھون نے خون بہا دیئے، ہم نے بھی دیئے، انھون نے زرپاشیان کین، ہم نے بھی کین، ہم دونون دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعۃً اُن کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان مین نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہان تک برداشت کرین، خدا کی قسم ہم کبھی محمد پر ایمان نہین لا سکتے"[1] یہی ابوجہل جب انصار کے ہات سے قتل ہوا تو اس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کہ کاش مجھکو کاشتکارون کے سوا، کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا،[2]

خوب غور سے دیکھو بدر، اُحد، حمرا، الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیون مین یہی اموی عنصر تھا جو کام کر رہا تھا، قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے، مثل غطفان، اسد، وغیرہ وہ

[1] ابن ہشام حصہ اول ص۱ مطبوعہ مصر طبع اول، [2] صحیح بخاری واقعہ بدر،

یا اہل مکہ ہی کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف و ہمعہد تھے، خیبر مین یہود تھے جو قوم کے لحاظ سے قریش سے الگ تھے، لیکن عرب تجارتی حیثیت سے تمامتر انھی کے زیر بار تھے، انھی سے قرض وام لیتے تھے، انھی کے ہان مال و متاع رہن رکھتے تھے[1]، خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لیکر خیبر اور نجد تک ایک سلسلۂ اتحاد مین مربوط تھا،

کعبہ۔ تمام عرب مین قبلہ گاہِ اعظم تھا، ہرسال تمام ملک حج کرنے کے لیے آتا تھا، اور آستانۂ کعبہ پر سر جھکاتا تھا، کعبہ کے مجاور معمولی پنڈوے نہ تھے، بلکہ خیمہ و خرگاہ، تیغ و سپر، جاہ و حشم غرض ریاست و امارت کے تمام سروسامان رکھتے تھے، اس لیے تمام عرب مین اُن کی شہنشاہی قائم تھی، یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہین ہوا، اسلام چین سے نہین بیٹھ سکا، لیکن اسلام کی مخالفت، صرف قریش کی متابعت تک محدود نہ تھی، بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہِ راست وہی تمام روسائے قبائل کو پہنچتا تھا، عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک مین قبائل پھیلے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ کا ایک رئیس اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر حکمران ہوتا تھا اور مالِ غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا جس کو مرباع کہتے تھے، اس کے علاوہ، غنائم مین سے جو عورت، یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی اس کو چھانٹ لیتا تھا، اسکا نام صفی تھا، یہ گویا چھوٹی چھوٹی حکومتین تھین جو تمام ملک مین پھیلی ہوئی تھین، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی، باپ کے مرنے کے بعد بیٹا رئیس منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات، ذاتی نزاعین، قصاص یا خون بہا کے فیصلے سب، رئیس کے ہات سے فیصل ہوتے تھے، یہ رؤسا، عام قوم سے بہت

[1] طبری واقعہ خیبر

حقوق مین ممتاز ہوتے تھے،

قبائل مین یہی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے اُن مین سے ایک آدمی کو اگر کوئی دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا، تو اس کا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اس لئے ایک کے بدلہ مین دو کو قتل کرتے تھے، یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوۂ بدر مین قریش کی فوج مین سے عتبہ و شیبہ میدان مین آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عتبہ نے اس بنا پر اُن کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ قریش اور انصار کا جوڑ نہین،

حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جبلہ بن الایہم خاندان غسان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا، اور مکہ مین آیا، ایک دن طواف مین اوسکی چادر کسی شخص کے پانون کے نیچے آگئی، جبلہ نے اس کے گال پر تھپڑ کھینچ مارا، اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی حضرت عمرؓ نے واقعہ سنکر کہا اس کا کیا قصور ہے، تم نے جو کیا اسکی جزا پائی، جبلہ نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ کوئی مجھ پر ہاتھ اٹھاتا تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہان زمانۂ جاہلیت مین یہی قاعدہ تھا، لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جبلہ نے کہا جو مذہب شرفا کو ذلیل کر دیتا ہے مین اس سے باز آتا ہون، یہ کہکر چوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا،

عرب کا ہر رئیس قبیلہ درحقیقت جبلہ تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار مین شاہ و گدا رئیس و عامی، شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لئے عرب مین تمام روسائے قبائل کو صاف

نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا، اُن کے ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا ہی،

عرب مین ایک دوسری حریف طاقت یہودیون کی تھی، جو حجاز سے لیکر شام کے دروازون تک پھیلے تھے، اُن کے ہاتھ مین بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی بہتات تھی، باغون اور زمینون پر اُن کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے، پھر اسلام آیا تو اس طرح کہ اس نے یہودیون کی ایک ایک برائی کو طشت از بام کیا، اور اُن کے مذہبی وقار کے کھوکھلے پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لیے انھین صاف نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک مین جڑ پکڑ کر اون کو بیخ و بنیاد سے اوکھاڑ دیگی، چنانچہ قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، اور یثرب، خیبر، فدک، تیما، وادی القری وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوداگر، مہاجن، اور قلعہ نشین دل سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دین، اور آخر لڑائیان پیش آئین اور دین توحید کے مقابلہ مین انھونے اہل شرک کا ساتھ دیکر، خندق و احزاب و غطفان کے معرکے پیش کئے، عرب کے مختلف قبیلون اور سرحدی صوبون پر ایران اور روم کی سلطنتین فرمانروائی کرتی تھین، عراق، یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی، اور حجاز کے شامی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انھین دو مین کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے، اور یہ دونون سلطنتین اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھین، اس لیے اس ملک مین ایک اتنی بڑی عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا اُن کو کسی طرح پسند نہین آسکتا تھا، اسی لیے عرب مین اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا، تو انھون نے اسکی دار و گیر کرنی چاہی، کسرای ایران

نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا، کہ اس نئے مدّعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو، اور قیصر نے تو کھلم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی، اور آخر آنحضرت صلعم کے بعد اسلام کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا،

ذریعۂ معاش | اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعۂ معاش عموماً قافلوں پر حملہ آوری اور سلب اموال اور رہزنی تھا، اوپر ہم امالی قالی سے نقل کر آئے ہیں کہ عرب کا ذریعۂ معاش غارتگری تھا اور چونکہ حج کے چار مہینوں میں جنگ وغارت سے باز رہتے ہیں اُن کے ذرائعِ معاش مسدود ہو جاتے تھے، اس ضرورت سے وہ حج کے مہینوں کو ادل بدل کر لیا کرتے تھے،

اندرونی عرب، تمامتر دشت وصحرا اور بالکل ویرانہ ہے، زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لئے اُن کو غارتگری کرنی پڑی اور امتدادِ زمانہ سے یہ عادت اُن میں راسخ ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ ٹھگی، رہزنی، اور سرقہ تمام ملک میں پھیل گیا تھا، یہانتک کہ بڑے بڑے نامور شعرا، چور اور رہزن ہوتے تھے،

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لیے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر غلہ کی تجارت کرتے تھے اونکو لوٹ لیا کریں، آنحضرت صلعم نے دومۃ الجندل پر جو سریّہ بھیجا تھا، اسی کے انسداد کی غرض سے بھیجا تھا، دومۃ الجندل مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر ہے، تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپا مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظِ ماتقدم کے لیے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے ان اطراف کا بندوبست کیا،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے اُن کا مال

چھین لیا تھا، چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت صلعم کی خدمت مین پیش کیا تو آپنے فرمایا کہ

اما الاسلام فاقبل واما المال | اسلام تو مین نے قبول کیا لیکن مال سے مجھکو
فلست منه فی شئ (صحیح بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ) | کسی قسم کا واسطہ نہین،

ایک نکتہ یہان خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، حدیثون مین جو یہ وارد ہے کہ آنحضرت صلعم اکثر بیعت اسلام کے وقت جن باتون کا اقرار لیتے تھے، ان مین ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ "چوری نہ کرینگے" اس کی یہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا ورنہ آج اگر شرفا سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگون کو تعجب ہوگا کہ یہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے،

اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لیے عرب کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے مجبور ہو جاتے ہین یعنی وہ قافلون پر حملہ نہین کر سکتے کہین ڈاکہ نہین ڈال سکتے، کسی کا مال نہین چھین سکتے، تو اب ان کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے،

قریش خود رہزن اور غارتگر نہ تھے، وہ شہر کی متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر اسباب کیساتھ اُن کے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی، کہ قبولِ اسلام کا اثر اُن کے وسائل معاش پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعہ معاش صرف اُن تجارتی تعلقات تک محدود تھا، جو انھون نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے، اور یہ تمام قبائل اور ممالک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے، اس بنا پر قریش کو خوف تھا، کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ مین داخل

ہوجائیں گے تو دفعۃً یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہوجائیں گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح (صفحہ ۱۳۰ جلد ۲) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں،

قال الشافعی کانت قریش تنتاب الشام انتیاباً کثیراً وکان کثیر من معاشها منه، وتأتی العراق فيقال لما دخلت فی الاسلام ذکرت للنبی صلعم خوفها من انقطاع معاشها بالتجارة من الشام والعراق اذا فارقت الکفر ودخلت فی الاسلام، وخلاف ملك الشام والعراق لاهل الاسلام، فقال النبی صلی الله علیه وسلم اذا هلك کسریٰ فلا کسریٰ بعده فلم یبق بارض العراق کسریٰ یثبت له امر بعده وقال اذا هلك قیصر فلا قیصر بعده فلم یکن بارض الشام قیصر فاجابهم علی ما قالوا،

امام شافعی کا بیان ہے، کہ قریش شام میں اکثر تجارتی حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے، اور انکی معاش کا تعلق زیادہ تر اوسی سے تھا، اور اسی غرض سے وہ عراق میں بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش کے لوگ اسلام لائے تو آنحضرتؐ سے ان ذرائعِ معاش کے منقطع ہوجانے کا خوف ظاہر کیا، اور شام و عراق کے بادشاہوں کی اس مخالفت کا ذکر کیا جو اُن کو اہلِ اسلام کیساتھ تھی، اس پر آپنے فرمایا کہ جب کسریٰ ہلاک ہوجائے گا تو پھر اس کے بعد دوسرا کسریٰ نہ ہوگا، چنانچہ عراق سے کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اور آپنے فرمایا کہ جب قیصر ہلاک ہوجائیگا، تو پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا چنانچہ ارض شام میں پھر کوئی قیصر نہیں ہوا جسکی وہاں حکومت ہو، اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ جواب ان مسلمانوں کے عراق و شام...

رفع شک | اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے جو عام طور پر یورپ مین پھیلی ہوئی ہے اہلِ مغرب کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس مین عرب کی ہر قسم کی خواہش ہاے نفسانی کے پورے کرنے کا سامان موجود تھا، عرب جنگ جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے انہی چیزون کو جہاد و غنیمت کی صورت میں بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے اسلام نے چار بیویان، اور غیر محدود لونڈیون کی اجازت دیدی، اہلِ عرب زاہدانہ زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے، اسلام نے بھی رہبانیت کی تحقیر کی، اب کیا چیز تھی جو اہلِ عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہے، جہاد، اور تعددِ ازدواج اور سراری کی بحث کتاب کے دوسرے حصون مین آئے گی، یہان اسقدر بیان کردینا کافی ہے کہ جہاد یا تعددِ ازواج جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت نہین رکھتا تھا، جہاد صرف کافرون سے جائز تھا، فرض کرو ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی شخص ہتھیار نہین اٹھا سکتا تھا، اور اس کے مال و متاع سے تعرض نہین کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ سے اتحادِ مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی مین متحد تھے لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو لوٹتے رہتے تھے، جہاد کے لیے اور بہت سی پابندیان تھین جو پہلے بالکل نہ تھین، جہاد مین صرف پاس پاس کے قبائل شریک ہوتے تھے، دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد مین جو لونڈیان گرفتار ہوتی تھین، اُن سے اسوقت تمتع جائز ہوتا تھا جب ایک مہینہ کی مدت گذر جائے یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکے لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتون کو تصرف مین لے آتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، پہلے نکاح کے لیے تعداد کی کوئی قید نہ تھی، ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیان کرتے تھے، اب چار کی قید ہوگئی، اور وہ بھی

اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب مین عدل اور مساوات رہے، اس لیے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھنا تھا تمامتر غلط ہے، برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز، روایاتِ قدیمہ، جہالت، عادات، رسوم، نفس پرستی ہر چیز اسلام کے قبول کرنے کی مانع تھی،

ہر قوم پر جو چیز سب سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہے، وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہین آج یورپ علوم وفنون اور آزادیِ خیال مین اس حد تک ترقی کر گیا ہے، لیکن جو بیہودہ تعجب انگیز رسمین پہلے قائم تھین اب بھی قائم ہین، یا تو تعوّد کی وجہ سے ان کی برائیان سرے سے نظر ہی نہین آتین یا آتی ہین تو عادت کی حکومت کے مقابلہ مین آزادیِ خیال اور علوم وفنون سب عاجز ہو کر رہجاتے ہین

عرب مین جسقدر رسمین قومی عادتین تھین جو ان کی ہستی کی عناصر بنگئی تھین، اسلام ایک ایک کا دشمن تھا، ثار یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا مظہر تھا، اسلام نے اس کو بالکل مٹادیا، خاندانی فخر ومباہات اُن کی قومی زندگی کی رُوح تھی جو فنا کر دیگئی، ابوسفیان رئیس العرب کو بلالؓ (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بیٹھنا پڑا، یا تو قریش کو انصار کے مقابلہ مین تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا یا اب قریش کی لڑکیان غلامون (زید وسالم وغیرہ) کے گھر مین آگئین، عکاظ وغیرہ کے میلے جہان عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانین سناتے تھے، سرد پڑگئے،

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک مین ملاتا تھا دوسری طرف خود اس مین ہوائے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کیساتھ پانچ وقت کی نماز گلے کا ہار بنجاتی تھی، جو آزاد مزاجون پر سخت گران تھی،

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ، اور وہ (نماز) خاشعین کے سوا اورون پر

(بقرہ - ۵) یقیناً گران ہے،

روزہ یعنی تیس دن تک متصل کھانا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوۃ ایسا سخت ٹکس تھا کہ محض اس کے ادا کرنے پر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین عام بغاوت ہوگئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بظاہر زندہ دلی کا سامان رکھتا تھا، لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہین رہا تھا، طواف عریان کی اجازت نہین رہی تھی، بڑی دلچسپی کی چیز بت تھے، وہ ایک ایک کرکے حرم سے نکال دیئے گئے، مقام منیٰ مین خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا بند کر دیا گیا، یہ فرائض اور اوامر کا حال تھا، اسی کیساتھ محرمات اور نواہی کی وہ عالمگیری تھی کہ اُنکے جاہلانہ خیال کے مطابق زندگی زندگی نہین بلکہ زندان بنگئی تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، اطلس و حریر حرام، چنگ و عود حرام، تصویر حرام، پھر زندہ دلی اور لطف زندگی کے لیے باقی کیا رہجاتا ہے،

خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتون مین بھی دلچسپی کا سامان رکھا ہو، عیسائیون کی نماز گا کر ادا کیجاتی ہے، پارسیون مین زمزمہ ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کیوقت بھجن گاتے ہین، اور سامنے دلفریب بت ہوتے ہین، لیکن اسلام مین بظاہر دلآویزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہین،

مذکورۂ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کسقدر غلط اور تمامتر بے سر و پا ہے کہ اسلام اسلیے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مہیا کرتا تھا،

پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے؟

# تبلیغِ نبوی

## اور

## اس کے اصول اور اوسکی کامیابی کے اسباب

تمام گذشتہ موانع، عوائق، مشکلات، اور دشواریون کی دیوارین آہستہ آہستہ ایک ایک کرکے ٹوٹتی گئین، اسلام پھیلا، اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلعم نے جب دنیا کو چھوڑا، تو تمام عرب مین ایک بھی بت پرست نہ تھا، اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کارلائل کے بقول نہتے اور یکہ و تنہا اسلام کے ہاتھ مین تلوار کس تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھین، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کردینا مناسب ہے،

**فریضۂ تبلیغ** "تبلیغ" کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہین، اور اصطلاح مین اس کے معنی یہ ہین کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہین، اسکی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگون اور دوسری قومون اور ملکون تک پہنچائین، اور ان کو اُس کے قبول کرنے کی دعوت دین، قرآن پاک مین تبلیغ کے ہم معنی چند

---

[1] ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (محمدؐ)

اور الفاظ بھی ہین جنمین سے ایک لفظ اِنذار ہے، جس کے معنی ہشیار اور آگاہ کرنے کے ہین دوسرا
لفظ دعوۃ ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہین، اور تیسرا لفظ تذکیر ہے، جس کے معنی
یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہین، بعثت نبوی کے وقت دنیا مین دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے
جو تبلیغی تھے، یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہین، جیسے یہودیت
مجوسیت، ہندویت، جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، اُن کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ
اُن کے اصل مذہب کا حکم تھا، یا بعد کے پیرؤن کا عمل ہے؟ کیونکہ اُن کے مذہبی صحیفون مین اس
تعمیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتین، اور اُن کے بانیون کی زندگی مین اوسکی عملی مثالین نہین ملتین، تمام
مذاہب مین صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا، اور اُس کے متعلق
اپنے صحیفہ مین کھلے احکام دیئے، اور اُس کے داعی وحامل علیہ السلام نے اپنی زندگی مین اوس کی
عملی مثالین پیش کین،

جن مذہبون نے تبلیغ کو اپنا اصول نہین ٹھہرایا، اُن کے ایسا کرنے کی اصلی وجہین دو ہین،
ایک یہ کہ اُن کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدایش سے حاصل ہوتا
ہے، کوشش سے نہین، دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق اُن کے پاس ہے، وہ ان کے نزدیک اتنا
پاک ومقدس ہے، کہ انکی خاص پاک وبزرگ ومحترم نسل وقوم کے علاوہ دوسری تمام قومین جو ناپاک
ونجس وکمتر ہین، اُن تک اپنے پاک مذہب کو لیجانا، خود اس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے،
یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (متی ۱۵) یا یونانی
(مرقس ۷) عورت نے اُن سے برکت چاہی تو فرمایا، "مین اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑون کے

سوا اور کسی کے پاس نہین بھیجا گیا" (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا "مناسب نہین کہ لڑکون کی روٹی (یعنی اسرائیل کا مذہب) کتون (غیر اسرائیلی قومون) کو پھینک دین" (۲۷) پھر فرمایا "غیر قومون کی طرف نہ جانا، اور سامریون کے کسی شہر مین داخل نہ ہونا، بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑون کے پاس جاؤ، اور چلتے ہوئے منادی کرو" (متی ۱۰-۶) پھر ارشاد فرمایا "وہ چیز جو پاک ہے، کتون کو مت دو، اور اپنے موتی سورون کے آگے نہ پھیکو" (متی ۷-۶)

ہندؤن نے اپنے مذہب کو تمام قومون سے جو چھپا کر رکھا، اسکا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک دھرم ملچھون اور اچھوتون کو سکھا کر اس کو ناپاک نہین کرنا چاہتے تھے، یہودیون کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہین،

تبلیغ کی اہمیت

آنحضرت صلعم نے دنیا کی تمام قومون کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا، اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکسان مستحق قرار دیا، اسلئے اپنی تبلیغ کے لیے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن، عرب و عجم، ہند و روم کی تخصیص نہین فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان، اور ہر گوشہ مین صدائے الٰہی کا پہنچانا فرض قرار دیا، ابتدائی وحی مین انجانون کو ہشیار، اور بیخبرون کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا، يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ (مدثر) "اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو، اور ہشیار و آگاہ کر" پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ، "جو تیری طرف اتارا گیا اوسکو اورون تک پہنچا" فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (شوریٰ) "لوگون کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا" فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (اعلیٰ) "لوگون کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو" وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ذاریات ۳) "اور نصیحت کر

کہ نصیحت اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے" فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ (ق-٣) قرآن سے سمجھاؤ اس کو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہو" اور ان کے علاوہ بیسیون آیتون مین اس فرض کی اہمیت ظاہر کیگئی، حضرت علیؓ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ" اے علی! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دینِ حق کو قبول کرلینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھکر ہے[1]"

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پیرو پر خیر کی دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور تواصی بالحق یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا، ضروری قرار دیا ہے، اور مسلمانون کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسرون کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کرین،

آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر پیامِ الٰہی لوگون تک پہنچائیے، اور اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا فرض انجام نہین دیا،

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ | اے خدا کے پیغام پہنچانے والے، تیرے پروردگار |
| إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ | کے پاس سے جو کچھ تیری طرف اترا ہے اسکو پہنچادے، اگر |
| فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ | تونے ایسا نہین کیا تو تونے خدا کا پیغام نہین پہنچایا |
| مِنَ النَّاسِ، (مائدہ-١٠) | اور تجھکو خدا لوگون سے بچالیگا، |

**اس کی وسعت** اس کے بعد اس فریضۂ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے، پیغامِ الٰہی، سچائی کا ایک بہتا چشمہ ہے، جو آہستہ آہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو، پھر آگے کو، پھر اس سے آگے کو، سیراب کرتا چلا جاتا ہے، یہانتک کہ وہ زمین کے کنارون تک پہنچ جاتا ہے، آنحضرت صلعم

[1] صحیح مسلم باب خیبر،

کو اس تبلیغ کا حکم اسی تدریج کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا،

| | |
|---|---|
| وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء) | اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر |

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھکر شہر مکہ اور اس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے،

| | |
|---|---|
| لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا | تاکہ تو مکہ اور جو اس کے آس پاس (کے بدوی) |
| (شوریٰ - ۱) | ہیں ان کو آگاہ و ہشیار کرے، |

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے، اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ، احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جسمیں موجود ہوں اسکی مخاطب ہوتی ہے،

| | |
|---|---|
| اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ | یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا |
| لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (یٰس - ۵) | کا کلام ہے، تاکہ وہ اسکو ہشیار کرے، جو زندہ ہو، |

پھر جس تک بھی وہ آواز پہنچ جائے، سب سے اس کا خطاب ہے،

| | |
|---|---|
| لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ | تاکہ میں تمہیں آگاہ و ہشیار کروں، اور ان کو جن تک |
| (انعام - ۲) | میری یہ آگاہ و ہشیار کرنے والی آواز پہنچے، |

پھر تمام انسانوں تک اسکی وسعت ہوتی ہے،

| | |
|---|---|
| هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (ابراہیم - ۷) | یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے، |

آنحضرت صلعم کو خطاب ہوا،

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ | اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری |

| | |
|---|---|
| بَشِيرًا وَّنَذِيرًا ، (سبا - ۳) | سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بناکر بھیجا، |

آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسانوں کو خطاب کرکے یہ اعلان فرمادین،

| | |
|---|---|
| قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ | اے لوگو! مین تم سب کی طرف خدا کا پیغام دیکر |
| اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ، (اعراف - ۲۰) | بھیجا گیا ہون، |

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپکی دعوت و تبلیغ کے دائرہ مین داخل ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى | برکت والا ہو وہ خدا جس نے حق اور باطل مین امتیاز |
| عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ | بتانے والی کتاب اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کی تا کہ |
| الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | وہ دنیا جہان کیلئے ہشیار و آگاہ کرنے والا ہو، وہ |
| (فرقان - ۱) | خدا جسکی ملکیت مین آسمانون کی اور زمین کی سلطنت ہے، |

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت، اور اسمین کامیابی کی خوشخبری عین اسی وقت دیدیگئی تھی جب مسلمانون کے دلون مین ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی چنانچہ آیت ذیل نازل ہوئی،

| | |
|---|---|
| اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ، وَ | یہ قرآن تو دنیا کے لیے نصیحت ہے، اور تم ایک |
| لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (ص - ۵) | زمانہ کے بعد اوسکی خبر جانوگے، |

انبیا، اور بانیان مذاہب کے عملی نمونون اور مثالون کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجائے گی، کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہین، وہ حقیقت مین تبلیغی نہین، خود بودھ نے ہندؤن کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہین بتایا، اور نہ اس کا

حکم دیا، حضرت عیسیٰ نے اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا وعظ سنایا، اور نہ اُن کو اپنا مخاطب بنایا، اور نہ اُن میں سے کسی کو اپنا شاگرد کیا، نہ کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا واعظ اور مبلغ بھیجا، حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں کی بڑی جماعت موجود تھی،

آنحضرت صلعم نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اُس کے آس پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کے پاس جاکر حق کا پیغام پہنچایا اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک آپ کی آواز پہنچ گئی، اور لوگ تلاشِ حق کے لیے آپ کے پاس آئے، مدینہ منورہ آئے تو قریش کو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پہنچنے میں سدِ راہ بنے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج بھیجکر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی، اور بالآخر قریش کے خلاف اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پُرامن آزادی ملے، چھ برس کے جنگ و جدل کے بعد حدیبیہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا، اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس روحانی فتح کو **فتح مبین** قرار دیا اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا، نازل ہوئی، اس کے بعد ہی عرب اور بیرونِ عرب میں اسلام کے واعظ، قاصد، اور مبلغ بھیجے گئے، اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے اور عربوں کے علاوہ دیلم، ایران، حبش اور روم کے طالب آئے اور فیضانِ حق سے سیراب ہوئے، مشرکینِ عرب، یہود، عیسائی اور پارسی سب نے آپ کے زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی،

لیکن نفسِ تبلیغ کی ذہنیت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں،

---

سلہ صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ،

تبلیغ کے اصول | یہ نکتہ کہ کس طرح لوگون کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے، دنیا مین پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلعم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہین، یہ نہین کہہ سکتے کہ اُن کے صحیفون نے اُن کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے لیکن صحیفۂ محمدی نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کیساتھ اپنے پیروون کو یہ بتایا ہے کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگون تک پہنچایا جائے، اور اُن کو قبولِ حق کی دعوت کس طرح دیجائے،

| | |
|---|---|
| اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ | اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگون کو دانائی |
| وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ | اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ سے بُلا، اور اُن سے |
| بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ (نحل - ۱۶) | مناظرہ خوش آیند طریق سے کر، |

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانون کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظۂ حسنہ اور مناظرہ بطریقِ احسن، مسلمان متکلمون نے بیان کیا ہے، کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینون اصول وہی ہین، جو منطقی استدلال مین عموماً کام مین لائے جاتے ہین، یعنی ایک تو **برہانیات** جنمین یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلین لائی جاتی ہین، دوسرے **خطابیات** جنمین مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے، اور تیسرے **جدلیات** جنمین مقبول عام اقوال اور فریقین کے مسلّم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو **حکمت**، دوسرے کو **موعظتِ حسنہ** اور تیسرے کو **جدال** سے تعبیر کیا ہے، اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہین، جنسے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے،

خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات

پیش کرکے اُس کے قبول کی دعوت دیتے ہین، تو عموماً تین طریقے برتتے ہین، یا تو اُس بات کے ثبوت اور تائید مین کچھ دلنشین دلیلین پیش کرتے ہین، یا اُس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہین اور موثر انداز سے اُسکو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہین، یا یہ کرتے ہین کہ اوسکی دلیلون کو مناسب طریقہ سے رد کرکے اسکی غلطی کو اُس پر واضح کرتے ہین، پہلے طریقہ کا نام **حکمت**، دوسرے کا نام **موعظہ حسنہ** اور تیسرے کا نام **جدال بطریقِ احسن** ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہین،

قولِ لین حکیمانہ استدلال ہو، یا وعظ و نصیحت ہو، یا جدال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی اور خیر خواہی سے باتین کرے، کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل مین نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کیسی ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اسکے قبول کی استعداد اس سے سلب کرلیتے، اور سننے والے مین اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کردیتے ہین، جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہوجاتا ہے، اسی لیے قرآنِ پاک نے اپنے پیغمبرون کو اپنے مخالف دشمن سے بھی نرمی ہی سے باتین کرنے کی تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو، فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغامِ ربانی لیکر جانے کی ہدایت ہوتی ہے، تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ، فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ، (طٰہٰ - ۲) | تم دونون فرعون کے پاس جاؤ، اُس نے سرکشی کی ہے، تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے، |

دعوت و تبلیغ مین رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہین ہو سکتی، کہ نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبرون سے بہتر ہو سکتا ہے، اور نہ فرعون سے بڑھکر کوئی مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبرون کو ہوتی ہے، تو عام داعیون، مبلغون، اور واعظون کو عام مخالفون، مجرمون اور سرکشون کیساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملاطفت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے،

اعراض اور قول بلیغ | آنحضرت صلعم کو اُن منافقون کے بارہ مین جو آپ کی نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے، یہ حکم ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ | تو اُنسے درگذر کر، اور اُن کو نصیحت کر، اور اُن سے |
| فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا، (نساء-۹) | ایسی بات کہ جو اُنکے دلون مین اثر کرے، |

اس تعلیم مین تین ہدایتین ہین، اوّل یہ کہ دعوت و تبلیغ مین مخالف کی بدسلیقگی، بدتہذیبی، اور درشتی سے درگذر اور ان کو برداشت کرنا چاہئے، دوسرے یہ کہ اُن کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہئے، اور تیسرے یہ کہ گفتگو کا وہ مؤثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہئے جو دل مین گھر کرے،

تیسیر و تبشیر | انھین ربانی ہدایتون کی تعمیل مین جب آنحضرت صلعم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن مین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے متعین فرمایا، تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی، "یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا"[1] دینِ الٰہی کو آسان کر کے پیش کرنا، سخت بنا کر نہین، لوگون کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا" یہ وہ تبلیغی اصول ہین، جو ایک داعی و مبلغ کی

[1] صحیح بخاری بعث معاذ الی الیمن جلد دوم صفحہ ۶۲۲،

کامیابی کی جان ہین، آنحضرت صلعم نے صحابہ کے سامنے اور صحابہؓ نے عام مسلمانون کے سامنے اسی اصول کے مطابق دینِ الٰہی کو پیش کیا، اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا، اور اُس کو سخت، درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اس کے قبول عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالےٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی دلنواز صداؤن سے دلون کو پرامید اور مسرور بنانا اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی قہاری و جباری، اور ہیبت و جلال کا ذکر کر کے دلون کو خوفزدہ اور مایوس بنایا جائے،

تدریج | تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت صلعم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اسکی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اُس کے سامنے پیش کئے جائین، پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات مین بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے، عبادات مین سب سے اہم نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے، پھر دوسرے فرائض ہین، حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آپ نے فرمایا تم یہودیون اور عیسائیون کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو اُن کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہین، اور محمد اس کا رسول ہے، جب وہ یہ مان لین تو اُن کو بتاؤ کہ اللہ تعالےٰ نے اُن پر دن رات مین پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہین، اور جب وہ یہ بھی مان لین تو اُن کو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ اُن کے دولتمندون سے لے کر اُن کے غریبون کو دیدیا جائے، جب وہ اسکو تسلیم کر لین تو دیکھو صدقہ مین چن چنکر اُن کے بڑھیا مال کو نہ لینا، اور ہان مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہین ہے[1]

[1] صحیح بخاری باب ... جلد دوم صفحہ ۶۲۲

تالیفِ قلب | تبلیغ و دعوت کے سلسلہ مین اسلام نے ایک اور طریقہ بھی پیش کیا ہے، جسکو تالیفِ قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ (توبہ - ۸) اس کے لفظی معنی ہین "دلون کو ملانا" اور اس سے مقصود اُس شخص کے ساتھ جسکو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، امداد و اعانت، اور غمخواری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعًا شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے، اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور کر کے قبولِ حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

آنحضرت صلعم نے بہت سے لوگون کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا تھا، چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے، آنحضرت صلعم نے حنین کی غنیمت کا سارا مال انھین مین تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف اُن کی گردنین نہ اُٹھ سکین، صفوان جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلعم سے نہایت بغض رکھتے تھے، وہ کہتے ہین:- کہ مجھکو آنحضرت صلعم نے دیا، جتنا دیا، اور مجھے اُن سے سخت بغض تھا، لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا، کہ اب میری نگاہ مین اُن سے زیادہ کوئی پیارا نہین ہے[1]، ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا کہ ان دونون پہاڑون کے درمیان بکریون کے جتنے ریوڑ ہین، مجھکو عنایت کیجئے، آپنے اس کو وہ سب دیدیئے، یہ فیاضی دیکھکر ایسا اُس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ سے جاکر کہا "بھائیو! اسلام قبول کرو، محمد اتنا دیتے ہین کہ اُن کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہین رہتا"[2]

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلعم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلعم اس کی عیادت کیلئے

---

[1] صحیح مسلم باب جودہ صلعم جلد دوم صفحہ ۲۹۰ مصر، [2] ایضًا،

تشریف لے گئے اور جا کر اُس کے سرھانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کرے، اُس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اُس نے کہا ابو القاسم (آپکی کنیت) کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، اور جب آنحضرت صلعم وہان سے اٹھے تو زبانِ مبارک پر یہ فقرہ تھا، کہ اُس خدا کی حمد جس نے اس کو دوزخ سے بچالیا[1]،

دعوتِ عقل | اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہین، اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک استدلالی، اور عقلی مذہب ہو، کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعظ و نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہین رہسکتی، اس بنا پر مذاہبِ عالم کی تاریخ مین نبوتِ محمدیہ سب سے پہلی ربانی آواز ہے جسنے حاکمانہ قانون (توراۃ) یا صرف لفظون کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤن کے احکام (وید) کے بجائے عقلِ انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی، فہم و تدبر کا مطالبہ کیا، اُس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی، اور بار بار مخالفون کو آیاتِ الٰہی مین غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ، قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام ۱۸) | کہہ اے پیغمبر کہ تمھارے پاس کوئی (یقینی) علم ہو کہ اسکو تم ہمارے لئے ظاہر کرو، تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم تو اٹکل ہی کرتے ہو، کہہ کہ اللہ ہی کی ہے پہنچی ہوئی دلیل، |

نیز ارشاد ہوا،

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز،

| | |
|---|---|
| لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ (انفال ۵) | تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو، اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جئے، اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا، |

غفلت شعار کافرون کی نسبت فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۔ (یوسف ۱۲) | اور آسمانون مین اور زمین مین (خدا کی توحید کی) کتنی نشانیان (دلیلین) ہین، جنپر وہ گذر جاتے ہین اور اُن پر غور نہین کرتے، |

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف مین فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران ۔ ۲۰) | بے شبہ آسمانون اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کے الٹ پھیر مین عقل والون کے لئے نشانیان ہین، جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹون پر یاد کرتے ہین، آسمانون اور زمین کی بناوٹ مین غور کرتے ہین (اور کہتے ہین کہ) اے ہمارے پروردگار تو نے (یہ عالم) بیکار نہین بنایا، |

اس سے زیادہ عقلی، اور علمی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہرحال یہ خارجی استدلال تھا، اندرونی استدلال کی بھی اُس نے دعوت دی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ، (ذاریات-۱) | اور خود تمھارے اندر نشانیاں ہیں، تم دیکھتے نہیں |

صحیفۂ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے،

| | |
|---|---|
| تَبۡصِرَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ، (ق۱) | یہ بصیرت اور نصیحت ہے، ہر رجوع ہونے والے بندہ کے لیے، |
| ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ (اعراف-۲۴) | یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہیں، |
| ھٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ (جاثیہ-۲) | یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں، |
| اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ (نساء-۱۱) | کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے، |
| اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُھَا - (محمد-۳) | کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر اُن کے تالے ہیں، |
| وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ، (یٰس-۱) | حکمت والے قرآن کی قسم، |
| تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ (یونس و لقمان-۱) | یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، |

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود، توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اُس نے اوسکی صداقت کی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں، اور ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں، آیندہ صفحوں میں ہر قدم پر اسکی دلیلیں آپ کو ملیں گی،

**مذہب میں زبردستی نہیں** یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا آج ہر در و دیوار سے آتی ہے لیکن شاید لوگوں کو معلوم نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم ہی کی زبانِ مبارک

سے ہوا، اور ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو، جس نے اس کے اصول بتائے ہوں جس نے عقل و بصیرت، اور فہم و تدبر کا ہر معاملہ میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریقہ کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا، بلکہ اسکا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، اسلام میں مذہب کا اولین جزایمان ہے ایمان یقین کا نام ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوحِ دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی، فرمایا،

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ - ۳۴) — دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی،

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے ہوئی، دوسری جگہ فرمایا،

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف - ۴) — اور کہدے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، تو جو چاہے قبول کرے، اور جو چاہے انکار کرے،

ایمان اور کفران دونوں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے، عقل و بصیرت والے اسے خود قبول کرینگے، اور نافہم اس سے محروم رہیں گے، اسی لیے بار بار یہ واضح کیا گیا، کہ رسول کا کام لوگوں تک خدا کا پیام پہنچا دینا ہے، زبردستی منوانا نہیں،

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ، | ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف |
| (مائدہ - ۱۲) | صاف ہمارا پیام پہنچا دے ، |

آنحضرت صلعم کو جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے، تسکین دیگئی ،

| | |
|---|---|
| اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ، (شوریٰ - ۵) | اے پیغمبر تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے ، |
| اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ، لَسْتَ عَلَیْهِمْ | اے پیغمبر، تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے، تو |
| بِمُصَیْطِرٍ (غاشیہ - ۱) | ان پر داروغہ بنا کر نہین بھیجا گیا ، |
| فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ | پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کرین تو اے |
| حَفِیْظًا ، اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ، | پیغمبر ہمنے تجھکو اُنپر نگہداشتہ بنا کر نہین بھیجا، تیرے |
| (شوریٰ - ۵) | ذمہ صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے ، |

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ مین ایک ایسا فعل ہے، جس سے رسول کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے ، فرمایا ،

| | |
|---|---|
| وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ | اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگون کو زبردستی |
| کُلُّهُمْ جَمِیْعًا ، اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ | مومن بنا دے) تو زمین کے سب لوگ ایمان |
| حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ، | لے آتے، تو کیا اے پیغمبر تو لوگون پر زبردستی |
| (یونس - ۱۰) | کریگا کہ وہ ایمان لے آئین ، |

اسلام مین حق کی حمایت اور باطل کی شکست کیلئے لڑنا جائز ہے، اور آنحضرت صلعم کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا، اس سے مخالفون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار

کے زور سے لوگون مین پھیلایا جائے، حالانکہ قرآن مین ایک آیت بھی ایسی نہین جسمین کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو، اور نہ آنحضرت صلعم کی سیرت مین کوئی واقعہ ایسا ہے، جسمین کسی کافر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے،

| | |
|---|---|
| وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ | اور اگر (لڑائی مین) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب |
| فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ | ہو تو اسکو پناہ دے، یہانتک کہ وہ خدا کا کلام |
| اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ | سُن لے پھر اسکو وہان پہنچا دے جہان وہ بےخوف |
| لَّا يَعْلَمُوْنَ، (توبہ-۱) | ہو کہ یہ بےعلم لوگ ہین، |

یہ نہین کہا کہ جبتک وہ مسلمان نہ ہو جائے اُسکو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اسکو پناہ دیکر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے، اور اسکو کلام الٰہی سنایا جائے، تاکہ اسکو غور و فکر کرنے کا موقع ملے ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا، اسکے تبدیلِ مذہب کا محرک تلوار کے بجائے کوئی اور چیز (پیامِ حق) ہوگی،

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی مشروعیت، مظلومون کی حمایت، جلاوطنون کے حق دلانے، حج کا راستہ کھولنے، اور عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے ہوئی تھی جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب مین کہین آئیگا، قرآن کی اس آیت مین

| | |
|---|---|
| وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ | اور ان کافرون سے لڑو یہانتک کہ فتنہ نہ رہے |
| وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ، ج (انفال) | اور دین پورا اللہ کے لیے ہو جائے، |

"فتنہ" سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمرؓ صحابہ کی خانہ جنگیون

مین شریک نہ تھے، ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ کیا خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہین دیا، اور اوپر کی آیت پیش کی، انھون نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسان اپنے دین کے سبب سے فتنہ مین مبتلا کیا جاتا تھا، اسکو لوگ یا مار ڈالتے تھے، یا قید کر لیتے تھے، یہانتک کہ مسلمانون کی تعداد بہت بڑھ گئی، تو پھر فتنہ باقی نہ رہا[1]

میدان جنگ مین تبلیغ | ناواقفون نے ایک اور مسئلہ کی بھی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے، کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ مین پہنچکر بھی صلح و آشتی کا خیال دور نہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلے سے پہلے دو باتین اُن کے سامنے پیش کرنی چاہئین اوّل یہ کہ تم کلمۂ شہادت پڑھکر مسلمان ہو جاؤ، اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بنجاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق مین ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت مین تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو مین سے کوئی بات قبول کر لین تو اُن سے لڑنا جائز نہین، اسلام کی تاریخ مین ایسے کتنے منظر ہین کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور خونریزی رُک گئی ہے، اور لڑائی کا میدان محبت و آشتی کی بزم بنگئی ہے،

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی، سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے اس کو مخالفون نے اس صورت مین پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے لوگون کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت صلعم کا دستور تھا کہ جب کسی فوج کو متعین کرتے تو اوس کے سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

[1] صحیح بخاری تفسیر جلد دوم ص ...

سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

"جب تو مشرکون مین سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو اس کو تین باتون مین سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان مین سے جو بات بھی وہ مان لے اس کو قبول کرلے اور اس پر حملہ کرنے سے رک جا، اسکو اسلام کی دعوت دے اگر وہ قبول کرلے تو پھر اس سے رک جا، اس کے بعد اس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانون کے ملک مین آجائے تو اس کا وہی حق ہوگا، جو مسلمانون کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو اس کی حالت بدو مسلمانون کی سی ہوگی، قانون اس پر مسلمانون کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فئی مین اوسکا حصہ نہ ہوگا جبتک وہ جہاد مین شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیہ دے کر ذمی بننے کو کہہ، اگر وہ اسکو مان لے تو اس سے بھی رک جا، اگر وہ اسکو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ، اور لڑائی شروع کردے[1]"

یہ وہ اصولِ جنگ ہے جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کرکے بزورِ شمشیر مسلمان بنالینا صحابۂ کرامؓ کے زمانہ مین ایرانیون سے جب لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانون نے تین روز تک میدانِ جنگ مین تلوار نہین اٹھائی حضرت سلمان فارسیؓ تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ "مین تمھاری قوم سے ہون، لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیرِ فرمان ہین، اگر تم بھی مسلمان ہوجاؤ، تو تم کو بھی وہی حقوق ملین گے جو ہمارے ہین، اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو تو جزیہ دیکر رہ سکتے ہو، لیکن محکوم ہوکر رہوگے[2]" اس سے معلوم ہوا کہ جنگ

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر [2] جامع ترمذی ابواب السیر،

جو دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہین کیا گیا، بلکہ اس کے سامنے دوسری راہین بھی کھلی تھین،

ثمامہ بن اثال قبیلۂ بنی حنیفہ مین سے تھے، اور یمامہ کے رئیس تھے، یہ وہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا، اور اسی مین آنحضرت صلعم کے آخر زمانہ مین مسیلمہ پیدا ہوا تھا، ثمامہ اتفاق سے مسلمانون کے ایک لشکر کے ہاتھ مین گرفتار ہوگئے، اور مدینہ لاکر مسجد نبوی کے کھمبے مین باندھ دیئے گئے، آنحضرت صلعم نماز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثمامہ تمھاری کیا رائے ہے، جواب دیا، محمدؐ میری رائے اچھی ہے، اگر مجھے قتل کروگے تو ایک خون والے کو قتل کروگے، اور اگر احسان کروگے تو ایک شکر گذار پر احسان ہوگا اور اگر زرِ فدیہ چاہتے ہو، تو مانگو، جو مانگو گے دیا جائیگا، آنحضرت صلعم نے کچھ نہین فرمایا، پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا، پھر تیسرے دن ہوا، تیسرے دن آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو، لوگون نے کھولدیا وہ رسی سے کھل کر آزاد ہوگئے، مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤن مین پڑگئی، مسجد نبویؐ کے قریب ایک نخلستان مین جاکر غسل کیا، اور پھر مسجد مین آکر کلمۂ شہادت پڑھکر[1] مسلمان ہوگئے، کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے اس سے بہتر موقع ہوسکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہوکر آئے، لیکن ان سے یہ نہین کہا گیا، کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیون کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے جنگ کے قیدیون کے متعلق کہا، فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً (محمد - ۱) لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیون کو احسان دھر کر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو" یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار!

غزوۂ خیبر مین مسلمان روزانہ بعض قلعون پر حملہ کرتے مین، اور ناکام رہتے ہین، بالآخر شیر خدا

---

[1] صحیح بخاری وسنن ترمذی ربط الاسیر [2] صحیح بخاری غزوۂ خیبر،

علی مرتضیٰؓ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لیکر جائین، وہ پوچھتے ہین یارسول اللہ کیا مین اُن سے لڑون، یہانتک کہ وہ ہماری طرح ہوجائین، فرمایا: آہستگی سے روانہ ہو، یہانتک کہ اُن کے میدان مین پہنچ جاؤ، پھر اُن کو اسلام کی طرف بلاؤ اور انہین ان کا جو حق ہوگا وہ اُن کو بتاؤ، خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمھارے ذریعہ سے ہدایت دیدے تو اس سے بہتر ہے کہ تمھاری ملکیت مین سرخ اونٹ ہون[1]، لیکن خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہین کیا، بلکہ اسلام کی حکومت قبول کرلی، اور مصالحت ہوکر تلوار نیام مین کرلیگئی،

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہین بلکہ کفر کا موجب ہے، کفار کو مسلمانون کا یہ طرزِ عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیون مین جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا تو اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک بھرے ہوئے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کرکے ہاتھ روک لینا پڑتا تھا،

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ اگر لڑائی مین میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اوڑادے اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پکڑ کر کہے "مین مسلمان ہوتا ہون" تو اے خدا کے رسول مین کیا کرون، اسکو قتل کرون؟ فرمایا نہین اسکا قتل جائز نہین، عرض کی یارسول اللہ میرا ہاتھ اس نے کاٹ ڈالا، فرمایا پھر بھی اسکا قتل جائز نہین، کہ اگر تم نے اب اسکو قتل کیا تو وہ وہ ہوگیا جو تم اُس کے قتل سے پہلے تھے، اور تم وہ ہوجاؤگے جو وہ اس اقرارِ توحید سے پہلے تھا[2]، حضرت اسامہ بن زیدؓ آپ کے بڑے چہیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بنا کر ایک لڑائی

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ خیبر [2] صحیح مسلم کتاب الایمان،

مین بھیجے گئے، جب گھمسان کا رن پڑا، تو ایک کافر اُن کی زد مین آیا، انھون نے حملہ کا قصد کیا، تو وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پکار اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اُسپر جھپٹے تھے وہ تو رک گئے، مگر اسامہ نے اس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اُسکی جان بچانے کے فریب پر محمول کرکے کچھ خیال نہ کیا، اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اسامہ سے سخت آزردہ ہوئے، اسامہ نے عرض کی یارسول اللہ! اُسنے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، فرمایا، اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا: "اے اسامہ! تم نے کیا اسکا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟" پھر برابر یہ فرماتے رہے، "اے اسامہ تم قیامت مین اُس کے لا الٰہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے،" اسامہ کہتے ہین کہ مجھکو اتنی ندامت تھی کہ مین نے دل مین آرزو کی کہ کاش مین آج ہی مسلمان ہوا ہوتا،[1]

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دی گئی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھمسان مین بعض کفار و مشرکین جنکو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ گو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم کے بموجب قتل نہین کرتے، وہ جب مسلمانون کی زد مین پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ دیتے تھے، اور بیان اس صورت مین کیا جاتا ہے، کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلعم کا ایک اور اعلان ہے جس کو اکثر غلط معنی مین پیش کیا گیا ہے آپنے فرمایا، امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ الخ۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مین لوگون سے اس وقت تک لڑائی کرون، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرین، اور جب وہ اقرار کرلین

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان، صفحہ ۵۱، مصر،

تو انھون نے اپنے جان ومال کو مجھ سے بچالیا، اور انکی نیت کی پرسش خدا کا کام ہے۔ اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہین، لیکن کسی غیر مسلم قوم سے بھی لڑنا اسی وقت تک جائز ہے جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے، اور جب اُس نے یہ کرلیا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہین خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لاالٰہ الا اللہ پڑھے، یا سچے دل سے اس نے یہ اقرار کیا ہو اسکی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہین خدا کا ہے، یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے، لیکن لوگ اس کو اس معنی مین پیش کرتے ہین کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان ہر دم تلوار لیے پھرتے اور جس کو پاتے اس کو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کردینگے، غور کرو اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرارِ توحید کئے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے اور ہاری ہوئی قومون سے اسلام نہین صرف چند درہم کا جزیہ لیکر ان کو آزاد کردیا جاتا؟ اور کیا مسلمانون کو یہ اجازت ملتی کہ

| | |
|---|---|
| وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ (انفال-۸) | اگر کفار کا محارب فریق، صلح کے لیے جھکے تو تو بھی جھک جا، |

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائین، اُن سے صلح نہ کرنا، اور نیز کیا مسلمانون کو یہ حکم ہوسکتا تھا کہ

| | |
|---|---|
| وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ (توبہ-۱) | اور اگر (لڑائی کے میدان مین) مشرکون مین سے کوئی تجھے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے، یہانتک کہ وہ خدا کا کلام سُن لے، پھر اس کو اُس کے امن کی جگہ پہنچا دے، یہ اس لیے کہ یہ بے علم لوگ ہین، |

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الٰہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اس کو اوسکی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے اسکو قتل کر کے جہنم مین پہنچادو، مگر ایسا نہین ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے تو اُن مشرکون سے بھی جو ہمارے کسی دوست مشرک قبیلہ کے دوست ہون، اور ہمسے صلح و آشتی کیساتھ رہنا چاہتے ہون لڑنیکو منع کیا ہے

| | |
|---|---|
| فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ | تو اگر وہ تمسے کنارہ پکڑین، پھر نہ لڑین، اور تمھارے |
| وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ | سامنے صلح کیطرح ڈالین، تو اللہ نے تمکو اُن پر |
| اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۔ (نساء-۱۲) | حملہ کرنے کی راہ نہین دی، |

یعنی پھر اُن پر تلوار اٹھانا درست نہین، حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگجوئی کے وہی معنی ہوتے کہ یا تلوار یا اسلام، تو کیا اس امن پسندی، اس صلح جوئی، اور اس ترک جنگ کی صورت ممکن ہو سکتی تھی؟

**مسلح تبلیغی جماعتین** غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لیے جو جماعتین ملک مین بھیجی جاتی تھین وہ مسلح ہوتی تھین، لیکن یہ حقیقت بھلا دیجاتی ہے، کہ یہ عرب کا واقعہ ہے جہان کوئی منتظم اور باضابطہ حکومت نہ تھی، جسپر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو، ایک ایک وادی مین ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی الگ ریاست قائم کئے ہوئے تھا، اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار تھا، راستون پر رہزنون اور ڈاکوؤن کا قبضہ تھا، جن سے اکا دکا آدمی کا صحیح وسالم بچنا ناممکن تھا، اسی لئے جب کہین کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی، تو بدامنی کے ملک مین رہنے والون کے عام دستور کے مطابق وہ اپنی ممکن حفاظت کے لیے مسلح جاتی تھی، اور اس بات کی دلیل کہ اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی مقصد نہ تھا، اس سے ظاہر ہے کہ اُنکی

تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لیے کبھی کافی نہین ہوسکتی تھی،

غزوۂ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا، اور ملک مین اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا، تو آنحضرت صلعم نے بعض بعض قبیلون کی درخواست پر مسلمانون کی مختلف جماعتون کو تبلیغ و تعلیم کے لیے ادھر اودھر بھیجا، تب بھی وہ اکثر راستہ مین جان سے ماری گئین، واقعۂ رجیع مین ستر داعیون کا مارا جانا، واقعۂ بر معونہ مین چھ یا دس داعی مسلمانون کا قتل ہونا، سریۂ ابن ابی العوجار مین پچاس مسلمانون کی شہادت، واقعۂ ذات اطلاح مین چودہ داعی مسلمانون کا تیرون سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی کا تیرون سے چھد جانا، اس دعوی کی شہادت ہے،

**تبلیغ دعوت کی تنظیم** آنحضرت صلعم جب تک مکہ معظمہ مین تشریف فرما رہے، بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے، ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے آس پاس جاتے اور آنے جانے والون کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے، اور وہان بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی، کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا، اور حج کے موسم مین تمام قبیلے خود یہان آجاتے تھے، آپ سالہا سال حج کے موسم مین ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے، اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جسکا نام انصار ہے،

الغرض ان تبلیغی سرگرمیون سے مکہ مین سینکڑون آدمی مسلمان ہوچکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلعم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی، ان مظلوم مسلمانون کی ہجرت نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ

اس مسافرت مین جہان جہان سے گذرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح یمن اور حبشہ دونون ملکون مین اسلام کی تحریک روشناس ہوئی،

مکہ مین آنحضرت صلعم کے بعد عام مسلمانون مین سب سے پہلے مبلّغ اور داعیِ حق حضرت ابوبکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانون کے پرجوش نوجوان انھین کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابوبکرؓ ہی کی کوششون سے دائرۂ اسلام مین آئے، حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلّغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہین، جنکے مؤثر وعظون کو سنکر آنحضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہوگئے تھے

مدینہ منورہ آکر اسلام نے امن واطمینان کی سانس لی، تو آنحضرت صلعم نے اُن نومسلمون کی تعلیم کے لیے جو اطراف ملک سے دارالاسلام مین آتے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشون مین اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی جسکا نام عام طور سے **اصحاب صُفّہ** (چبوترہ والے) مشہور ہے، اسمین بعض اوقات ستّر سے زیادہ آدمی داخل رہے ہین، یہ لوگ ملک مین اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے، اور خود نومسلمون کو تعلیم دیتے، بیر معونہ مین ستّر کے قریب جو داعی اور مبلّغ راہ مین بیدردانہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے،

ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکون، بادشاہون، قومون اور قبیلون مین اسلام کی دعوت لیکر پھیلے، احادیث وسیر کی کتابون مین اُن کے نام متفرق طور سے ملتے ہین، مین نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے چھتیس صحابیون کے نام جمع کیے ہین جنھون نے از خود یا آنحضرت صلعم کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہین، ابوذر غفاریؓ طفیل

بن عمرو دوسیؓ، جعفر طیارؓ، عمرو بنؓ عبسہ سلمیؓ، ضماد بنؓ ثعلبہ، خالد بنؓ ولید، علی بنؓ ابی طالب، مہاجر بنؓ ابی امیہ، زیاد بنؓ لبید، خالد بنؓ سعید، عدی بنؓ حاتم، علاء بنؓ حضرمی، ابو موسیٰؓ اشعری، معاذ بنؓ جبل، جریر بن عبد اللہ بجلیؓ، دحیہ کلبیؓ، عمرو بنؓ امیہ ضمری، منیرہ بنؓ شعبہ، عمرو بن العاصؓ، وبر بنؓ یحنسؓ، عروہؓ بن مسعود ثقفیؓ، عامر بنؓ شہر، منقذ بن حبانؓ، ثمامہ بن اثالؓ، محیصہ بن مسعودؓ، احنفؓ، ابو زید انصاریؓ، عمرو بنؓ مرہ، عیاشؓ بن ربیع مخزومی، واثلہ بنؓ اسقع، عبد اللہؓ بن حذافہ سہمی، حاطب بنؓ ابی بلتعہ، سلیط بن عمرو بن عبد شمس، شجاع بنؓ وہب اسدی، انھین مبلغون اور داعیون اور قاصدون کی پکار تھی جس نے یمن، یمامہ، بحرین، حجاز، نجد، غرض پورے عرب کو بیدار کر دیا، اور عرب سے باہر ایران، شام، مصر، حبش ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا،

**مبلغون کی تعلیم وتربیت** سیرۃ کی دوسری جلد کے آغاز مین اشاعتِ اسلام کی تاریخ اور دعاۃ معلمین کی تعلیم وتربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلۂ بیان کے لیے یہان صرف اسقدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآنِ پاک کی سورتین یاد کرائی جاتی تھین، لکھنا، پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلعم کے شب وروز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درسِ اولین قرآن اور صرف قرآن تھا،

**دعوت بالقرآن** قرآنِ پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونون کا مجموعہ ہے، اور وہی اس کے مذہب کا صحیفہ ہے، خود آنحضرت صلعم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ ودعوت مین صرف قرآن کی سورتین پڑھکر سناتے تھے، اور جہان ان کو اسکا موقع مل جاتا، وہان اس کی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اُس کی تبلیغ کے لیے جہاد کی فرصت

تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں، بلکہ قرآن کی تلوار تھی، جس کی ضرب کی روک خود اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا، (فرقان-۵) | تو اے پیغمبر منکرون کا کہنا نمان، اور اس قرآن سے انکے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر، |

اس پیغام الٰہی کے زمین مین اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندون کو اُن کا عہد یاد دلائے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق-۳) | تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہون قرآن کے ذریعہ سے یاد دلا، |

قرآن رحمتِ عالم کا پیام عمومی ہے، اور یہی اس کے نزول کی غرض و غایت ہی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ (فرقان-۱) | برکت والا ہے، وہ جس نے حق و باطل مین امتیاز کرنے والی کتاب اپنے بندہ پر اسلئے اتاری، تاکہ وہ تمام دنیا کو بیدار اور ہشیار کرے |

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلعم کا اصلی ہتھیار تھا، جس کی کاٹ نے کبھی خطا نہ کی،

**اشاعتِ اسلام کی قدرتی ترتیب**

عرب مین صرف تین قومین تھین، جنکا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا اسلام لانا تھا، یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مشرکین عرب کا مرکز خانۂ کعبہ تھا اور اُن کے مذہبی پیشوا قریش تھے، یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا، نصاریٰ اور مجوس

شام اور یمن کے اطراف مین پھیلے ہوئے تھے،

اس بنا پر الاقرب فالاقرب کے لحاظ سے اشاعتِ اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفارِ مکہ کو پہلے دعوتِ توحید دیجاتی، پھر یہود کو حلقہ بگوشِ اسلام بنایا جاتا، اس کے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت دیجاتی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کے ساتھ اسلام کی اشاعت کی، اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریقِ دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام مکی سورتون کے مخاطب کفارِ مکہ تھے، اس لیے اُن مین بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجائب قدرت کا بیان، عذاب الٰہی سے تخویف، اور صنادیدِ قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہین لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، تو یہود سے سابقہ پڑا، اور اب قرآن مجید کا طرزِ خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی سورتین زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، اُن کی تحریفات، اُن کی اخلاقی کمزوریون اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہین، سب سے اخیر مین نصاریٰ کی باری آئی، اور فتحِ مکہ کے بعد قبائلِ عرب کے وفود کے سلسلہ مین نجران کے عیسائیون کا وفد آیا، اسی زمانہ مین سورۂ آل عمران نازل ہوئی جسمین نصاریٰ کا ذکر ہے،

مجوس عرب مین بہت کم تھے، بحرین اور یمن مین خال خال وہ پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی النسل تھے، خالص عرب نہ تھے، اس لیے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ مین ان سے خطاب نہین کیا ہے، البتہ جابجا مناسب موقعون پر اُن کا نام لیا ہے، اور اُن کے عقائد کی تردید کی اور اُن کو ثنویت یعنی دو خداؤن کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے،

**قبولِ اسلام کیلئے کیا چیز درکار تھی؟** اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب مین اسلام صرف تلوار کے

زور سے پھیلا، لیکن ابتدا مین جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا اُن کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جویان تھا، اور جب یہ آشیانہ مل جاتا تھا، تو اُس کے سامنے یہ طائر قدس اپنے پر ڈالدیتا تھا چنانچہ ابتداے بعثت مین جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے، جو نیک طبع، ایماندار، راستی پسند اور حق جو تھے، اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے، گذشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے، اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیون نے اسلام کے قبول کرنے مین پیشدستی کی وہ بھی وہی تھین جنمین یہ خصوصیتین پائی جاتی تھین، عرب کے دو مختلف حصون جنوبی و شمالی مین سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ، یعنی یمن، عمان، بحرین، یمامہ مین ہوئی، اور شمالی حصہ مین سے مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف مین ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز متمدن قومون ایرانیون اور رومیون سے متاثر تھے، اور مذہبی حیثیت سے یہودیون اور عیسائیون سے اُن کا میل جول اور خلا ملا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیون کے تمدن و معاشرت، روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے،

مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۵ (صحیح علی شرط مسلم)

اسلام کو عربون سے جسقدر لڑائیان پیش آئین وہ سب نجد اور حجاز مین پیش آئین، لیکن مسلمانون کی کوئی جرار فوج مدینہ، یمن، عمان، یمامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہین بھیجی گئی، انصار مدینہ نے خود مکہ مین آکر اسلام کو لبیک کہا، اطراف مدینہ کے قبائل مین غفار نے خود مکہ آکر قریش کی تلوار کی آگ مین کھڑے ہو کر لا الٰہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیون نے خود مکہ معظمہ پہنچکر ایمان کی دولت حاصل کی، اور اُس کے سردار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش

کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ مین غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؓ کی دعوت پر ایک دن مین مسلمان ہو گیا،

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہان بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششون کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا، ایک بار آپ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی بھیجا، وہ لوگ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے، اور اُس کو زدوکوب کیا، اس نے آکر آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیان دیتے نہ مارتے، (مسلم فضائل اہل عمان)

یمامہ کے رئیس ثمامہ قید ہو کر مدینہ لائے، یہان آزاد کر دیے گئے، مگر مدینہ کی مسجد مین جو جلوہ انھون نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اسکی نورانی زنجیر سے انھون نے رہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ مین جاکر اسلام کے داعی بنگئے اور آخر خون کا ایک قطرہ گرے بغیر اسلام نے وہان اکثریت حاصل کر لی،

دیہاتون مین سب سے پہلے قریہ جواثی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مضافات بحرین مین تھا، اسی قریہ جواثی کے باشندے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتون مین سب سے پہلا جمعہ اسی گاؤن مین پڑھا گیا[1]، بارگاہ نبوت مین عرب کے وفود اگرچہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگون نے اس مین تمام قبائل عرب پر پیشدستی کی، چنانچہ ۵ھ مین سب سے پہلا وفد جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا وہ قبیلہ عبد القیس کا تھا، جو بحرین[2] مین سکونت گزین تھا،

---

[1] صحیح بخاری، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن [2] صحیح مسلم کتاب الایمان،

اہل یمن کا شمار اگرچہ مہاجرین اور یمن مین نہین کیا جاتا، لیکن جب آنحضرت صلعم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا، اُسی وقت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی یمن سے ۵۲، آدمیون کو لیکر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہوگئے، بحری سفر تھا، وہ لوگ کشتی مین سوار ہوئے تو بادِ مخالف کے جھونکون نے اُس کو حبشہ مین پہنچا دیا، جو مسلمانون کا سب سے پہلا دارالہجرۃ تھا، وہان حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ملاقات ہوئی تو انھون نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ہم کو یہین اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگون کو بھی یہین ٹھہر جانا چاہیے، چنانچہ وہ لوگ وہین مقیم ہوگئے، اور فتح خیبر کے زمانے مین مہاجرین حبشہ کیساتھ آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے[۱]،

یہ حقیقت کہ اسلام کی راہ مین سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور وحشت اور اسکی اشاعت کی سب سے بڑی محرک چیز تمدن، معاشرت اور اخلاق کی بلندی، اور کتبِ آسمانی اور دیگر مذاہب سے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اُس کو ظاہر کیا ہے،

| | |
|---|---|
| اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا | دیہاتی بدوی کفر و نفاق مین سب سے زیادہ |
| وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ | سخت ہین، اور زیادہ اس کے اہل ہین کہ |
| مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ط وَاللّٰہُ | اُن احکام کو نہ جانین جو خدا نے اپنے رسول |
| عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (توبہ - ۱۲) | پر اتارے ہین، اور اللہ جاننا اور حکمت والا ہے، |

اور بھی اس قسم کی آیتین ہین، جو لوگ بادیہ سے آکر اسلام لائے تھے، اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے، اُن سے جو بیعت لیجاتی تھی، اسکا نام بیعت اعرابی تھا جو کم درجہ سمجھی جاتی

[۱] صحیح مسلم فضائلِ جعفرؓ بن ابی طالب و اسماءؓ بنت عمیس،

تھی، اس بنا پر بادیہ مین الگ تھلگ رہنا صحابہ کے زمانہ مین معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے[1]،

**اشاعت اسلام کے اسباب و ذرائع،** گذشتہ مباحث پر ایک غائر نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دین حق کو عربون مین کسطرح پھیلایا، اور آپ کو کیونکر کامیابی ہوئی، تاہم اگر واقعات کی روشنی مین ایک ایک صحابی کے قبول اسلام کے اسباب کی تلاش کیجائے، تو حسب ذیل اسباب سامنے آئین گے،

۱۔ اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزۂ قرآنی تھا، قرآن مجید جس مؤثر اور دل کپکپا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اس کے سامنے وہ تمام عوائق، اور موانع جنکا ذکر اوپر ہو چکا فنا ہو جاتے تھے، جو لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے، قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی بوقلمونی، مظاہر قدرت کی بوالعجبی، کائنات کی نیرنگی، اجرام فلکی کی جلوہ گری، اور عناصر کی نگار آرائی سے اسطرح استدلال کرتا تھا،

| | |
|---|---|
| كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ، | تم خدا کا انکار کس طرح کرتے ہو، حالانکہ تم کبھی بیجان تھے، تو اس نے تم کو زندگی بخشی، پھر ایک دن تم کو مردہ بنا دیگا، پھر زندہ کریگا، اور پھر اسی کے پاس واپس کئے جاؤگے، |
| (بقرہ ۔۳) | |
| إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ | آسمان و زمین کی پیدائش مین شب و روز کے |

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ، و سنن نسائی کتاب البیعۃ،

وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ
فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ
بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ
الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ،
(بقرہ - ٢٠)

اختلاف مین، اُن کشتیون مین جو سمندر مین انسانون
کے لیے سود مند چیزون کو لے کر چلتی ہین، بادلون
سے پانی برسانے مین، اُس پانی سے مردہ زمین
کو زندہ کرنے مین اور اس زمین مین ہر قسم کے
جاندارون کے پھیلانے مین، ہواؤن کے چلانے
مین، ان بادلون مین جو فضائے آسمانی مین
مسخر ہین، دانشمندون کے لیے یقینا بڑی
نشانیان ہین،

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ
يُرْجَعُونَ (آل عمران - ٩)

آسمان و زمین مین جو بھی ہے برضا یا بجبر
اسی کا اطاعت گذار ہے، اور اسی کی طرف یکدن
سب لوٹائے جائین گے،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ
يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَ
عَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي
خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران - ٢٠)

آسمان و زمین کی خلقت اور شب و روز
کے الٹ پھیر مین، اُن ارباب عقل کے لیے
بے شبہ بڑی نشانیان ہین جو اٹھتے بیٹھتے
لیٹتے (ہر حال مین) خدا کو یاد کرتے ہین
اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرتے
ہین، کہ خدایا تو نے یہ بیکار پیدا نہین کیا،

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
حَتّٰۤی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ
بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا
رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ
مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ
بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ

(یونس - ۳)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ
اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْهَا
وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ
وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ وَ
مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ
وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ، (روم - ۳)

وہ وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا مین سفر کراتا ہے،
یہانتک کہ جب تم کشتی مین ہوتے ہو اور ہوا موافق
ہوا کشتی والون کو لیے جا رہی ہے اور لوگ
خوش ہو رہے ہین کہ (دفعۃً) زور کا جھکڑ
آیا، اور ہر طرف سے موجین اٹھین اور لوگون
کو یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اس وقت
وہ خدا کو مخلص ہو کر پکارنے لگتے ہین،
اور خدا کی نشانیون مین سے یہ ہے کہ تمھارے
لئے تم ہی مین سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے
تسلی ہو اور تم مین باہمی محبت اور ہمدردی
پیدا کی، اس بات مین سوچنے والون کے
لیے نشانیان ہین، اور اس کی نشانیون مین
سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور
تمھاری زبانون اور رنگون کا مختلف ہونا ہے،
اس بات مین جاننے والون کے لیے نشانیان
ہین، اور خدا کی نشانیون مین سے تمھارا رات
اور دن مین سونا، اور خدا کے فضل (روزی) کو
ڈھونڈنا ہے، اس مین سننے والون کے لیے نشانیان ہین،

خدا، یا ایک قوتِ اعظم کا اعتراف، خود انسان کی فطرت ہے، لیکن غفلت شعاری اور آبائی اثر اور دیگر اسباب سے یہ فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی خفتہ حس کو بیدار کرتا تھا،

| | |
|---|---|
| اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، (ابراہیم - ۲) | کیا خدا مین شک ہے جو آسمانون اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، |
| کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ، (بقرہ - ۳) | اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بیجان تھے، تو اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دیگا، پھر وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اُس کیطرت لوٹائے جاؤ گے، |

عرب مین ملحد کم تھے، زیادہ تر بلکہ قریبًا تمامتر مشرکین تھے، جو خدا کو اگرچہ مانتے تھے، لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہین، جو خدا کے شریک ہین، اور نظامِ عالم انھی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ جس سے براہِ راست اُس کو کام پڑتا ہے، اسکو زیادہ مانتا ہے، اسی سے زیادہ محبت کرتا ہے، اسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بادلون کی بارش، غلّہ کی پیداوار، نباتات کی روئیدگی، سب اجرامِ فلکی یا اصنام کا کام ہے، اسلئے اُن کو عبدیت کا جو کچھ تعلق تھا، انھی معبودون سے تھا، وہ انھی کی عبادت کرتے تھے، انھی سے محبت رکھتے تھے، انھی پر نذر چڑھاتے تھے، انھی کے سامنے قربانیان کرتے تھے، معرکون مین انھی کے نام کی جے پکارتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلعم کا اصلی کام، اسی شرک، اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا، یہی وجہ

کہ قرآن مجید مین اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہے، زیادہ تر شرک کا ابطال اور اُسکی تحقیر اور تہجین ہے،

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت موثر پیرایون مین شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا،

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ
خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ
جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ
مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ
اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ
وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ
خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ
قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ
فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ
الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ. اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا

کیا وہ جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا، اور اسکے
بیچ مین نہرین بہائین، اور اس کے لیے پہاڑون
کی میخین گاڑین، اور دونون دریاؤن مین
اوٹ رکھا، کیا خدا کیساتھ کوئی اور بھی خدا ہے؟
بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان مین اکثر لوگ جانتے نہین،
کیا وہ جو پریشان خاطرون کی سنتا ہے جب
وہ اس کو پکارتے ہین اور بلا کو ہٹا دیتا ہے،
اور تم کو دنیا کا حکمران بناتا ہے، کیا خدا کیساتھ
کوئی اور بھی خدا ہے، تم بہت کم سوچتے ہو
کیا وہ جو تم کو خشکی اور تری کی اندھیریون
مین راستہ دکھاتا ہے اور وہ جو کہ اپنی
رحمت (بارش) کے آگے ہواؤن کو بھیجتا
ہے، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے؟
مشرکین جنکو خدا کا شریک کہتے ہین، خدا اونسے

| | |
|---|---|
| بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، | برتر ہے، آیا کون ہے جو آفرنیش کا آغاز کرتا ہے |
| | پھر اسکو لوٹا لاتا ہے، اور وہ کون ہے جو تم کو |
| (نمل - ۵) | آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، کیا خدا |
| | کے سوا کوئی اور ہے، تو کہدے کہ اگر سچے ہو |

کفار اور مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ یعنی جب ہڈیاں سڑگل چکیں، تو اب کون اُن کو جلائیگا، قرآن مجید اُن سے خطاب کرتا تھا،

| | |
|---|---|
| اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، | کیا انسان پہلے منی نہین تھا، پھر گوشت |
| ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى، | کا لوتھڑا بنا، پھر خدا نے اس کو ٹھیک کیا |
| فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ | اور اس سے دو جوڑ مرد اور عورت بنائے |
| وَالْاُنْثٰى، اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ | کیا وہ اسپر قادر نہین کہ مردے کو |
| عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى، (قیامہ-۲) | زندہ کرے، |

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال ہر چیز کو قرآن اس مؤثر اور دلنشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ دل مین گھر کر جاتا تھا، اور رسم و عادت کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہین سکتا تھا، اسپر بھی جو کفر پر ثابت قدم رہے وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا، حقیقی جحود اور انکار نہ تھا،

تمام بڑے بڑے صحابہ، بڑے بڑے روساے قبائل، بڑے بڑے شعراء اور خطباء قرآن ہی سنکر ایمان لائے، حضرت عمرؓ کس ارادہ سے چلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی آیتین سنین تو کانپ اٹھے اور اسلام قبول کر لیا، عتبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر تھا، جب اُسنے

آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے باز آؤ ہم تمھارے لیے سب کچھ مہیا کر دیتے ہین، آپنے حٰم کی ابتدائی آیتین پڑھین جب یہ آیت آئی،

| | |
|---|---|
| فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (حٰم- فصلت ۲) | تو اگر وہ منھ پھیرین تو کہدے کہ مین تم کو اس کڑک سے ڈراتا ہون جو عاد و ثمود کی کڑک کی طرح ہے، |

توعتبہ نے بیتاب ہو کر آنحضرت صلعم کے منھ پر ہات رکھدیا اور کہا خدا کے لیے بس، تم کو قرابت کی قسم دلاتا ہون، پھر واپس جا کر قریش سے کہدیا کہ محمد جو کلام پیش کرتے ہین، وہ نہ تو شعر ہے نہ جادو ہے، اور نہ کہانت ہے،[1] (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شعراے عرب مین تھے، آنحضرت صلعم کی خدمت مین تحقیق حال کیلیے بھیجا تھا، وہ خدمت اقدس مین حاضر ہوے اور قرآن مجید سنا تو جا کر حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ لوگ اُن کو کاہن اور شاعر کہتے ہین، لیکن مین کاہنون اور شاعرون، دونون کے کلام سے واقف ہون، اُن کا کلام دونون سے الگ ہے، انیس کے بعد حضرت ابوذرؓ خود گئے، اور واپس آئے تو اُن کا آدھا قبیلہ اُسیوقت مسلمان ہو گیا،[2]

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا جب آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا اور آپنے یہ آیتین پڑھین،

---

[1] علامہ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح جلد ۴ صفحہ ۴۴ مین مسند ابویعلی وغیرہ سے روایت نقل کی ہے، نیز یہ روایت مستدرک حاکم مین بھی ہے۔ [2] صحیح مسلم فضائل حضرت ابوذرؓ

| | |
|---|---|
| إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ | خدا عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو عطا |
| وَإِيتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ | کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش سے، بری بات سے، |
| وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ | اور ظلم سے منع کرتا ہے، وہ تم کو سمجھاتا ہے کہ شاید |
| تَذَكَّرُوْنَ، (نحل - ۱۳) | تم سمجھ جاؤ، |

ولید نے کہا پھر پڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، وہ واپس گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ انسان کا کلام نہین[1]،

عثمان بن مظعونؓ بڑے پایہ کے صحابی، اور سابقین اسلام مین ہین، یہی آیتین ہین جنکو سنکر اُن کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دیکھا، وہ خانۂ کعبہ کو جا رہے تھے کہ آنحضرت صلعم نے راستہ مین اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اترا ہے، یہ کہکر آپ نے اوپر والی آیتین پڑھین، وہ کہتے ہین یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل مین گھر کیا[2]،

جبیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ مین آنحضرت صلعم کو سورۂ طور پڑھتے سنا جب اس آیت پر پہنچے،

| | |
|---|---|
| أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ | کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے، یا یہ خود خالق ہین، |
| أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ | کیا آسمان اور زمین کو انھین لوگون نے پیدا |
| بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ، أَمْ عِنْدَهُمْ | کیا، بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) ان مین ایمان نہین کیا |
| خَزَآئِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ | اُن کے پاس خدا کے خزانے ہین، کیا یہی لوگ |
| (طور - ۲) | سربراہ کار ہین، |

[1] الجواب الصحیح جلد ۴ صفحہ ۹ بحوالہ عبد الرزاق، [2] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۳۱۸ و ادب المفرد امام بخاری، باب البغی،

تو خود جبیر کا بیان ہے کہ مجھکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا۔

طفیل بن عمرو الدوسی مشہور شاعر اور شرفائے عرب مین تھے، ہجرت سے پہلے وہ مکہ گئے لوگون کو اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو اُن کے پاس گئے، اور آنحضرت صلعم کی نسبت کہا کہ اُن کے پاس نہ جانا وہ لوگون پر جادو کر دیتے ہین لیکن جب حرم مین اتفاقیہ آنحضرت صلعم کی زبان سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور مسلمان ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلعم نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی تو اگرچہ ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پتھر تھا تاہم خالد العدوانی نے جو طائف کے رہنے والے تھے آپ کو،

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ، (طارق) قسم ہے آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارے کی؛

پڑھتے سنا تو وہ اسقدر متاثر ہوئے کہ انھون نے اسی حالت کفر مین پوری سورہ یاد کر لی، اور آخر اسلام لائے،

حضرت ابو بکرؓ کو قیام مکہ کے زمانہ مین بعض مشرکین نے اپنے پناہ مین لے لیا تھا، اسی زمانہ مین انھون نے ایک مسجد بنوالی تھی اور اسمین نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن نماز بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سنکر محلہ کے نوجوان اور عورتین جمع ہو جاتین، اور قرآن سنتین تو اُن کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچتا، چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی کہ قرآن پکار کر نہ پڑھا کرو، اس سے

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ طور، [2] ان کے اسلام کا حال ابن القیم (زاد المعاد) نے بتفصیل لکھا ہے اور ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے [3] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۳۵،

ہمارے بچے اور عورتین مفتون ہوتی جاتی ہین[۱]، انصار اوّل اوّل جب مقام عقبہ مین اسلام لائے تو قرآن ہی سنکر لائے تھے، جو لوگ داعی بناکر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا اور وہ جہان جاتے یہی کارگر آلۂ تسخیر لیکر جاتے، نجاشی کے دربار مین کفار قریش جب سفیر بنکر گئے اور ان کی شکایت پر نجاشی نے مسلمانون کو بلاکر بازپرس کی تو حضرت جعفر طیار رضؓ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین، نجاشی بے اختیار رو پڑا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہین[۲]،

حبش مین جب آپ کی بعثت کا چرچا ہوا تو بیس شخص جو مذہبًا عیسائی تھے تحقیق حال کیلئے مکہ مین آئے، اور آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپنے اُن کے سامنے قرآن مجید کی آیتین پڑھین اُن کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور اسی وقت اسلام لائے، آنحضرت صلعم کے پاس سے یہ لوگ اُٹھے تو ابوجہل نے ان سے ملکر کہا تم سخت احمق ہو، اتنے دور سے سفر کرکے آئے اور دم بھر مین اپنا مذہب بدل دیا، انھون نے کہا ہم تم سے لڑنا نہین چاہتے، لَكُمْ دِينُكُمْ وَلَنَا دِينُنَا[۳]،

قرآن کی پیشین گوئیون کی صداقت نے بھی لوگون کے دلون کو کھینچا، چنانچہ اہلِ ایران کے مقابلہ مین رومیون کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی جسدن یہ پیشنگوئی حرف بحرف پوری ہوئی، صدہا کافر مسلمان[۴] تھے،

**ایک ضروری نکتہ** عام خیال یہ ہے کہ اہلِ عرب جو قرآن مجید سنکر اسلام قبول کرلیتے تھے، وہ صرف فصاحت و بلاغت کا کرشمہ تھا، یعنی چونکہ عرب مین شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا، اور تمام ملک مین شاعری کا مذاق سرایت کرگیا تھا، اسلئے جب وہ دیکھتے تھے کہ کسی اور شاعر یا خطیب کا کلام

---

[۱] بخاری شریف ذکر ہجرت [۲] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۹۱ [۳] ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۱۰ مطبوعہ مصر ذکر ہجرت حبش [۴] صحیح ترمذی تفسیر سورۂ روم،

ایسا فصیح و بلیغ نہین ہے، تو وہ اسلام قبول کر لیتے تھے،

بے شبہہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، لیکن اسکا اعجاز جس قدر عبارت و انشا مین ہے اس سے کہین زیادہ معانی و مطالب مین ہے،

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا جیسا اب ہے، لیکن اسمین صرف تاریخی واقعات یا اسی قسم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا، قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کام دیتا تھا، دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت و جلالت، اصنام کی تحقیر، انسان کا عجز و تعبد، سزا و جزا، البعث و نشر، جور و ظلم کی تقبیح، اخلاق حسنہ کی تحسین، ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دلون مین گھر کرتے جاتے تھے، اور ان کو یہ نظر نہین آتا تھا کہ وہ ان باتون کو اس لیے مان رہے ہین کہ مسلمان ہو چکے ہین، بلکہ یہ باتین براہ راست اُن کے دل مین اتر جاتی تھین اور وہ مسلمان ہوتے جاتے تھے،

موانع کا ازالہ | عرب کو جو چیزین اسلام سے روکتی تھین اُن مین سب سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین) ان کے اوہام و اعتقادات باطلہ تھے، جو سینکڑون ہزارون برس سے چلے آتے تھے، یا سیاسی و معاشی ضرورتین تھین، مقدم الذکر باتون کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا، عرب مین جو لوگ صاحب فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی اسباب سے مجبور نہ تھے، یہ ناممکن تھا کہ وہ قرآن سنتے اور اُن کے تمام عقائد اور اوہام دفعۃً فنا نہ ہو جاتے، یہ ارباب اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو اُن مین سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزارون اشخاص مسلمان ہو جاتے تھے، کیونکہ قبائل پرستی

کی بناپر قبیلہ کا ہر معزز رئیس اپنے پورے قبیلہ کے دل و دماغ کا مالک ہوتا تھا،

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوتِ اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہین چاہتے تھے، انھون نے بار بار دار النبوۃ (مدینہ منورہ) پر چڑھائیان کین لیکن نصرت ایزدی نے ان کو اسقدر شکستین دین کہ بالآخر مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان مین سے کچھ فنا ہو گئے، کچھ چار و ناچار اسلام کے حلقہ مین داخل ہوئے جنہین سے اکثر رفتہ رفتہ بالآخر دل سے مسلمان بنگئے،

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی تھی، اسلام کی جمہوریت جسقدر ریاست کی مخالف تھی، اسی قدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس کی شانِ ریاست و خودسری کو نقصان پہنچتا تھا، تو ہزارون آدمیون کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص رئیس کا ہمسر ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا تو سینکڑون کو رئیس بنا دیتا تھا،

اس کے ساتھ رؤسا کی ریاست بالکل زائل نہین ہو جاتی تھی، بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس باقی رہتے تھے، صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہین رہتی تھی اور اسلامی احکام کا پابند رہنا پڑتا تھا، اس لئے اگر کوئی خودغرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اسکو بھی یہ سودا گران نہین پڑتا تھا، مؤلفۃ القلوب کا گروہ اسکی ایک صریحی نظیر تھا،

اب صرف معاش کی ضرورت سدِ راہ ہو سکتی تھی، لیکن لوگون کو نظر آتا تھا کہ جن حدود مین اسلام کی حکومت قائم ہو جاتی ہے، وہان امن و امان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذرائع معاش کثرت سے ترقی کر جاتے ہین،

۲۔ نبوت کے متعلق اُن کو جو شکوک تھے مشاہدہ اور تجربہ نے اُن کا پردہ چاک کردیا، بڑی سے بڑی انسانیت اور پاک سے پاک زندگی کا جو تخیل ایک انسان کے ذہن میں آسکتا تھا، محمد رسول اللہ کی زندگی اُس سے بھی بدرجہا بالاتر اور ارفع تھی، اُن کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر جامۂ بشریت میں ہے، لیکن اپنی معنوی زندگی، اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت، اپنے ربانی کرشموں کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق ہے، مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ، قرآن مجید نے آنحضرت صلعم کے صدقِ نبوت پر اسی مقدس اور معصوم زندگی سے استدلال کیا ہے،

| | |
|---|---|
| فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ | اے قریش! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں |
| قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، (یونس-۲) | ایک مدت دراز تک زندگی بسر کی ہے، کیا تم نہیں سمجھتے، |

زندگی کا یہی اعجاز تھا جس نے ظہورِ نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب اپنے لیے حاصل کرلیا تھا، بیوی کے برابر انسان کے اصلی حالات و اخلاق کا واقفکار کوئی اور نہیں، نبوتِ محمدی کا معتقدِ اولین دنیا میں کون تھا، ام المومنین خدیجہ بنت خویلد، لیکن اُن کی اس زودِ اعتقادی کا راز کیا تھا، ۱۵ برس کے معجزانہ اخلاق، اور مافوق الفطرۃ اوصاف و حالات کا تجربہ، وہ خود پیغمبر کو خطاب کرکے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں، "محمد! خدا کبھی تمھیں رسوانہ کریگا، تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہو، ناداروں کیطرف سے قرض ادا کرتے ہو، محتاجوں کی خبر لیتے ہو، مہمانوں کے ساتھ بہ مدارات پیش آتے ہو، جو لوگ حقیقت میں مبتلاے آلام ہیں، ان کی اعانت کرتے ہو۔"

صحیح بخاری باب الوحی

سُن چکے ہو کہ عرب میں آپکی نبوت کا جب چرچا پھیلا تو ابوذر غفاریؓ نے انہیں اپنے بھائی کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا، انھون نے واپس آکر پیکرِ نبوت کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچا: "مین ایک ایسے شخص کو دیکھکر آیا ہون جو بھلائیون کا حکم دیتا ہے اور برائیون[1] سے روکتا ہے"

نبوت کے بعد قریش نے ذاتِ نبوی کیساتھ گو عداوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا نہین رکھا، تاہم کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی آپ کی طرف منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اوّل اعلانِ دعوت کے موقع پر جب آپنے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو مخاطب کیا، اور پوچھا کہ اگر مین یہ کہون کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوجِ گران تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا سچ مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا "محمد! تیری بات آج تک ہم نے کبھی جھوٹ نہ پائی[2]"

**ابوسفیان** جو ہجرت کے آٹھوین سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے ۶ھ مین ہرقل قیصرِ روم کے دربار مین کفارِ قریش کی ایک جماعت کیساتھ محمد رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتین پیش کر رہے تھے، تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے، انھون نے شہادت دی کہ "محمدؐ کبھی جھوٹ نہین بولے، انھون نے کبھی بدعہدی نہ کی، شرک سے روکتے ہین، توحید کی تعلیم دیتے ہین، عبادت، صدق، عفت، صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہین" ہرقل ہر فقرہ پر کہتا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہین، یہ سب سے پہلا دن تھا کہ ابوسفیان کے دل نے آنحضرت صلعم کی کامیابی کا یقین کیا[3]،

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۹۹، قصہ اسلام ابی ذرؓ، [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت و صحیح مسلم کتاب الایمان باب وانذر عشیرتک الاقربین، [3] صحیح بخاری بدء الوحی،

کتاب کی دوسری جلد مین آپ کے تمام محاسن اخلاق یعنی رفق، ملاطفت، حسن معاملت، جود و سخا، عدم تشدد، عفو، درگذر وغیرہ کی جو تفصیل بیان کیگئی ہے، اُس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ وہ درحقیقت آنحضرت صلعم کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیرِ قلوب ہی کے لیے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ، (آل عمران۔۷) | اور محمدؐ اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمھارے پاس سے چلدیتے، |

آپ کی یہی معجزانہ کشش تھی جو لوگون کو کھینچ کھینچ کے دائرۂ اسلام مین داخل کرتی تھی، اور کفار کے جاہلانہ شکوک و اوہام کو دم کے دم مین مٹا دیتی تھی، صحیح مسلم مین ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریان مانگین، آپ نے دیدین، اس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے مین جاکر اس نے کہا، لوگو مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ اس قدر دیتے ہین کہ اُن کو خود اپنے تنگدست ہونے کا مطلق خوف نہین ہوتا[1]

فتح مکہ مین جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلعم نے اس کو تین سو اونٹ دیدیے، خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے مجھکو اسقدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک مبغوض ترین خلق تھے، لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بنگئے،[2] ہندہ خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی، جنگ اُحد مین قوتِ بازوے اسلام حضرت حمزہؓ کے شکم کو اُسی نے چاک کیا تھا، اسی نے ان کا جگر نکال کر چبایا تھا جس کو نگل نہ سکی اور پھر اگل دیا تھا، اور اسی نے بعض شہیدون کے ناک

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ باب ماسئل رسول اللہ شیئاً قط فقال لا، و صحیح بخاری باب حسن الخلق و السخاء [2] صحیح مسلم باب مذکور،

کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، وہ فتح مکہ میں بھیس بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئی، اور اب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی، لیکن دربارِ رسالت میں پہنچکر آپ کے حسن خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی، یارسول اللہ! سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا مجھے مبغوض نہ تھا، لیکن آج آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا محبوب نہیں ہے، آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا،[1]

آپ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا، اس نے تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسوقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، اُس نے کہا کہ "میں تو لے ہی کے ٹلونگا" آپ نے کہا "تو اب میں تمھارے ساتھ بیٹھتا ہوں" چنانچہ آپ ظہر سے لیکر فجر کی نماز تک اُس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے اسکی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ "یارسول اللہ آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے" آپ نے فرمایا "ہاں لیکن مجھے خدا نے اس سے منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں" دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ "میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے، میں نے یہ گستاخی صرف اس لیے کی کہ توراۃ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں اُن کا تجربہ کروں"[2]

ثمامہ بن آثال یمامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا مجرم تھا، صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا تھا، حسنِ اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، گرفتار ہو کر مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا گیا، آنحضرت صلعم نماز کے لیے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، آپ نے دریافت کیا کہ

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۵ باب قضیہ ہند۔ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۱ کتاب الفتن فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثمامہ تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ اُس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو آپ قتل کرین گے، اور اگر عفو فرمائیں تو یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہوگا، اگر مال کی خواہش ہے تو فرمایئے جو ارشاد ہوگا حاضر کیا جائے گا، یہ سنکر آپ اسی حالت مین اُس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال وجواب ہوا، تیسرے دن پھر یہی گفتگو کی، آنحضرت صلعم نے اپنے دستِ مبارک سے اس کے بندگرہ کھولدیئے اور رہا کردیا، اس پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے درخت کی آڑ مین گیا اور وہان غسل کیا، غسل کرکے مسجد مین آیا اور کلمۂ توحید پڑھکر آنحضرت صلعم کی طرف مخاطب ہوا، محمد! روے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مجھکو مبغوض نہ تھی، لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھکو آپکے دین سے زیادہ کسی دین سے عداوت نہ تھی، لیکن آج وہ میرے لیے تمام مذاہب سے عزیزتر ہوگیا ہے، مجھے آپکے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی، لیکن وہ آج مجھکو تمام شہرون سے زیادہ خوشنما نظر آتا ہے[1]"

ایک بار آپ کسی سفر مین تھے اور پانی ساتھ نہ تھا اصحابہ نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جستجو مین روانہ فرمایا، راہ مین ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو مشکین بھرے ہوئے لیے جارہی تھی، دونون صاحب اُس کو آنحضرت صلعم کی خدمت مین لے آئے، آپنے برتن منگوائے اور مشکون کے منھ کھول دیئے، صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کردیا، وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی، فراغت کے بعد اسکی محنت کے صلہ مین آنحضرت صلعم نے کھجور، آٹا، اور ستو تھوڑا تھوڑا لوگون سے جمع کرکے ایک کپڑے مین بندھوا کر اُس کے اونٹ پر رکھوادیا، وہ گھر پہنچی تو لوگون نے تاخیر کا سبب پوچھا، اس نے کہا راہ مین مجھکو دو آدمی ملے، اور وہ مجھکو اُس

[1] صحیح مسلم جلد ۲، صفحہ ۹۰، کتاب الجہاد والسیر

شخص کے پاس لے گئے جسکو لوگ بددین کہا کرتے ہین، خدا کی قسم وہ یا تو اس آسمان و زمین کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے، اور یا واقعی خدا کا رسول ہے،[1]

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگانِ نبوت کے فیضِ اثر سے اُس کے تمام قبیلے تک وسیع ہوگیا،

نبیؐ کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اخلاق ہی کا اعجاز نہین، اسکی زبان کا ایک ایک حرف اسکی معصوم شکل و صورت کی ایک ایک ادا اعجاز اور سرتاپا اعجاز ہوتی ہے،

روئے و آواز پیمبر معجزہ است (رومیؒ)

آپ کی صداقت سے لبریز تقریر کا ایک ایک حرف دل مین اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار سامع کے سامنے روشن ہوجاتا تھا،

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ مین غل پڑگیا، حضرت عبداللہؓ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اپنے نخلستان مین کھجور توڑ رہے تھے، آمد آمد کی خبر اُن کے کان مین پہنچی تو فوراً آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ فرما رہے تھے، افشوا السلام، واطعموا الطعام، وصلوا الارحام، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بسلام،[2] واپس گئے تو اس قدر متأثر تھے کہ آنحضرت صلعم اٹھکر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان مین جونہی پہنچے، حضرت عبداللہؓ بن سلام بھی آئے اور کہا کہ مین آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہون اور نیز یہ شہادت دیتا ہون کہ آپ ایک حق مذہب لیکر آئے ہین،[3]

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹ کتاب التیمم [2] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۵۱، [3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۵۵ باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینہ

ضماد ایک شخص تھے جنکے ساتھ زمانۂ جاہلیت مین آپکے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے، وہ جنون کا علاج کرتے تھے، اتفاق سے وہ مکہ مین آئے، تو کفار سے سنا کہ آپ (نعوذ باللہ) مجنون ہوگئے ہین، وہ آپ کے پاس آئے، اور کہا محمد! مین جنون کا علاج کرتا ہون، اس کے جواب مین آپنے ایک تقریر کی اور اس کو ان الفاظ سے شروع کیا،

| | |
|---|---|
| الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ. واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ، | تمام تعریفین خدا کے لئے ہین، مین اس کی حمد کرتا ہون اور اس سے مدد چاہتا ہون، خدا جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو کوئی شخص گمراہ نہین کر سکتا جس کو گمراہ کرتا ہے، اس کو کوئی ہدایت نہین کرسکتا، مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہین ہے، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہین ہے اور مین گواہی دیتا ہون کہ محمدؐ اسکا بندہ اور اس کا رسول ہے |

اُن پر ان فقرون کا یہ اثر پڑا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے آپ نے تین بار ان کلمات کا اعادہ فرمایا، انھون نے کہا کہ مین نے کاہنون، جادوگرون اور شاعرون کا کلام سنا ہے، لیکن آپکے اس کلام کی طرح مؤثر کلام کبھی نہین سنا، وہ سمندر تک پہنچ جائیگا، ہاتھ لائیے مین اسلام پر بیعت کرتا ہون[1]

حضرت حلیمہ کے شوہر حارث یعنی آپکے رضاعی باپ جب مکہ مین تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا ہے، تمھارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگ مر کر پھر زندہ ہونگے، انھون نے آپ سے کہا، بیٹا یہ کیا کہتے ہو،

[1] مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ،

آپ نے نہایت زوردار لہجہ مین فرمایا، ہان اگر وہ دن آیا، تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دونگا کہ جو کچھ مین کہتا تھا سچ تھا، اُن پر اس کا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہوگئے، اور یہ اثر اس قدر دیرپا ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت مین پہنچا ہی کر چھوڑیگا۔[1]

انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے، آپ کی ایک ایک ادا صداقت اور معصومیت کا پیکر تھی، آپ کی شکل نہایت پُر جلال تھی، چہرہ پر نور رہتا، آواز موقر اور پُر رعب تھی، اور ان تمام چیزون کا مجموعی اثر پیغمبرانہ اعجاز کیساتھ دلون کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا، حضرت عبداللہؓ بن سلام نو مسلم یہودی عالم آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھکر اسی اثر سے متأثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے تھے،

وجہہ لیس بوجہ کذاب، (ترمذی صفحہ ۴۰۹) جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہین ہو سکتا،

اور یہی کشش تھی جسکا اظہار حجۃ الوداع مین اعراب بادیہ کی زبان سے ان الفاظ مین ہوا تھا،

ھذا وجہ مبارک (ابوداؤد ج جلد ۱ ص ۱۲۳) یہ مبارک چہرہ ہے،

بارگاہِ نبوت مین پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھون کی راہ سے دل مین پہنچ جاتا تھا، ابو رافع نام ایک شخص قریش کیطرف سے قاصد بنکر آپ کی خدمت مین آئے تھے، جون ہی چہرۂ اقدس پر نظر پڑی وہ بہزار جان شیدا اٹھے، اسلام قبول کیا[2] اور آپ کی غلامی کو فخر سمجھا،[3]

---

[1] اصابہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۷، تذکرہ حارث، [2] ابوداؤد کتاب الجہاد، باب یستجن بالامام فی العہود، [3] اصابہ و استیعاب،

# اسلام

یا

## محمد رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام

آنحضرت صلعم جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لیے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اُس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن وہ بھی جنکے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پر اثر دعوت، اعجاز، معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف وشفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی تو بر تو ظلمتین اور تاریکیان رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئین اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کیساتھ عرب کے افق پر درخشان اور تابان ہوتا گیا، یہانتک کہ ۲۳ برس کی مدت مین ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاص، ایثار، تدین، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی جسکی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع مین (حجۃ الوداع) اپنی

اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا،

| | |
|---|---|
| الا اِنَّ الزمان قد استدار کھیئۃ | ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آگیا جس |
| یوم خلق اللہ السمٰوات والارض | حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے آسمان و |
| (بخاری) | زمین کو پیدا کیا، |

اور یہی حقیقت تھی جسکی نسبت آپنے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پر درد دعا
تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے[۱]،

| | |
|---|---|
| قد ترکتم علی البیضاء لیلھا | میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جسکی |
| کنھارھا، | روشنی کا یہ حال ہے کہ اسکی رات بھی دن کے مانند ہے، |

اور آخر حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ

| | |
|---|---|
| اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ | آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت |
| اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ، (مائدہ-۱) | تم پر ختم کر دی، |

پروفیسر مارگولیتھ جنکی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں:-

"محمد کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جسکا ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپنے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپنے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا[۲]۔

[۱] سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۹۶ و مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ [۲] لائف آف محمد مارگولیتھ صفحہ ۴۷۱

ایک دُور (یورپ) کے بیگانہ مستشرق کی بہ نسبت جسکا علم عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابون سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہلِ قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق حاصل ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ئہ مین لاکھون عرب عیسائیون کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب مین ایک عیسائی عالم (داؤد مجاعص) نے لکھا،

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس[1] کے مختصر زمانہ مین ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدلدیا، اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کردی، لیکن ان تمام کارنامون کے باوجود وہ اُمّی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کردیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤن کے لیے اور اس سلطنت کے لیے جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کردیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہین، جنکی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات مین پیش آسکتی ہے، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوامِ انسانی مین اہلِ استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات مین باہم مشورے کرسکین، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کرکے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا، کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بنجائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اسطرح عنایت کیا کہ یہ کہدیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے، اس بنا

[1] مدینہ منورہ مین آپ دس برس زندہ رہے تھے،

اسلام ایک حقیقی جمہوریت بنگیا جسکا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے، مسلمانون نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہکر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہین، اسلام مین داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کردیا، نامسلمون کے لیے اسلامی ملکون مین عیش و آرام اور امن واطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہکر اپنے اوپر لے لی کہ "تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اسکی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے" خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اوسکی نظر سے پوشیدہ نہ رہین، اُس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کیے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلہ کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اسکی کوششون کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانون نے اپنی ترقی کے زمانہ مین ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارنامون کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا؟"

انگلستان کے مشہور انشاپرداز کارلائل نے اپنے "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لاکھون پیغمبرون اور مذہب کے بانیون مین صرف محمد عربی (صلعم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار، "محمد" آپ کی نسبت کہتا ہے:

"قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقا کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیون اور مذہبی لوگون مین سب سے زیادہ کامیاب رہا"[1]

الغرض دوست و دشمن، سب کو اسکا اعتراف ہے کہ انبیاء مین یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون "قرآن" ج ۵ ا ص ۹۰۸،

کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کیے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اپنی تعلیم اور عمل سے نہ ہو گئی ہو، اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین، اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی علمی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا، تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہجاتی، حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ "میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہون[1]"۔

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکون نے حضرت سلمان فارسی سے مذاقاً کہا کہ "تمھارے پیغمبر تمکو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہین، یہانتک کہ اسکی بھی کہ تم کو قضاے حاجت کیونکر کرنی چاہیے" حضرت سلمان نے کہا ہان یہ سچ ہے، آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت مین قبلہ رُخ نہ بیٹھین، نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کرین، اور نہ تین ڈھیلون سے کم استعمال کرین، جن مین کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو[2]" نبوت محمدی کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اسکی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن سے متمدن اقوام سے لیکر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قومون تک کے لیے یکسان تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے، عرب کے بدویون اور قریش کے رئیسون دونون کے لیے آپ کی بعثت تھی، اس لیے آپ کی تعلیمات مین پست کو بلند، اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہین، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیون مین اسلام اپنی تعلیمات کیساتھ

[1] صحیح بخاری جلد اول باب خاتم النبیین وجامع ترمذی کتاب الامثال [2] جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ کتاب الطہارت

سمجھا جاتا ہے، اور اُن کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہین آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر کہ جنکا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریون کی کونسلون سے دعائین اور عبادات کلیساؤن کے حکمرانون سے، اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینون اور ملحدون سے حاصل کرنی پڑتی ہین، لیکن اسلام مین محمد رسول اللہ صلعم کے علاوہ کچھ نہین، عقائد ہون کہ عبادات اور دعائین اخلاق ہون کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہون یا لین دین کے کاروبار، انسانون کیساتھ معاملہ ہو، یا خدا کیساتھ، سب کا ماخذ صرف محمد رسول اللہ صلعم کی ہمہ گیر تعلیمات ہین،

آپکی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے، اور انہین کے مجموعہ کا نام اسلام ہے،

آپ نے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ، اسی مفہوم کو دوسری عبارت مین یون کہو کہ اُسکا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کیساتھ ہے، اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلامون کے ساتھ، یا یون کہو کہ اُسکا ایک رُخ تو آسمان کی طرف ہے، اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے، اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کے ساتھ اسکا تعلق ایک مہربان آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسرون کے ساتھ اسکا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قوی اور قلبی حالات سے ہے، تو اُسکا نام عقیدہ ہے، اور اگر اُن قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے

باہم انسانون انسانون مین، یا انسانون اور دوسری مخلوقات مین جو علاقہ ورابطہ ہے، اسکی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہین اگر اُن کی حیثیت محض قانون کی ہے، تو اوسکا نام **معاملہ** ہے، اور اگر انکی حیثیت قانون کی نہین، بلکہ روحانی نصیحتون اور برادرانہ ہدایتون کی ہے تو اسکا نام **اخلاق** ہے،

قرآن پاک کی اصطلاح مین پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام **ایمان** ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام **عمل صالح** ہے، اور انھین دونون کے مجموعہ پر کامل نجات کا انحصار ہے، عملِ صالح کی تین قسمین ہین، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اُس کے احکام کی تعمیل، بندون کے ساتھ کاروبار اور معاملہ مین قانونِ الٰہی کی پابندی، اور اُن کے ساتھ محبت، الفت، اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گو اس لحاظ سے کہ ان مین سے ہر ایک عمل کو جسمین خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو اسلام **عبادت** کہتا ہے، لیکن اصطلاح مین پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ صلعم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لیکر آئے وہ انھین چارون عنوانون کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، انھین کی اصلاح تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپکے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہین،

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

# سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

## سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

### جلد چہارم

مشتمل بر منصب نبوت،

اولاً

مقدمہ میں منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے، پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً ملک عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے، اور اس کے بعد نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی ذکر ہے، پھر اسلامی عقائد کا تفصیلی بیان ہے۔

تالیف

## سید سلیمان ندوی،

باہتمام مسعود علی، ندوی،

سنہ ۱۳۵۴ھ | در مطبع معارف اعظم گڈھ مطبوع گردید، | سنہ ۱۹۳۵ء

طبع دوم

# اعلان

سیرۃ النبی کے تین گذشتہ حصوں کے پہلے اڈیشن جو بڑی تقطیع پر چھپے تھے، وہ ختم ہو گئے ہیں، دوبارہ ۲۶×۲۰، کی کتابی تقطیع پر چھاپے گئے ہیں، اور موجود ہیں، یہ دو قسم کے کاغذ پر چھپے ہیں، ولایتی اور دیسی، ان کی قیمتیں حسب ذیل ہیں،

| سیرۃ النبی | ولایتی کاغذ | دیسی کاغذ |
|---|---|---|
| حصۂ اول (چھوٹی تقطیع) | | للعہ ر |
| حصۂ دوم " | صہ ر | ہے ر |
| حصۂ سوم " | سعہ ر | صہ ر |
| حصۂ چہارم " | سعہ ر | صہ ر |
| حصۂ چہارم (بڑی تقطیع) | ہے ر | سے ر |

مسعود علی ندوی (دار المصنفین اعظم گڈھ)

طابع و ناشر محمد اویس وارثی،

# عقائد

**عقائد کی حقیقت اور اہمیت** انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات، کا محور اُس کے خیالات ہیں، یہی اس کو بناتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اُس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، انھیں اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اس کے دائرۂ حیات کا ہر خط اسی پر جاکر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انھیں چیزوں کی تعبیر ہم "دل" کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضا میں اسکا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| الا وان فی الجسد مضغۃً | انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا |
| اذا صلحت صلح الجسد کلہ، | ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے |
| واذا فسدت فسد الجسد کلہ | اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا، ہاں! |
| الا وھی القلب، (صحیح بخاری کتاب الایمان) | وہ ٹکڑا دل ہے، |

قرآنِ پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قَلْبٌ سَلِیْمٌ

(سلامت رَو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اُس کے مقابل قَلْبٌ اٰثِمٌ[1] (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قَلْبٌ مُّنِيْبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے، تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیرنگیاں اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جسکا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا،

انما الاعمال بالنیات (صحیح بخاری آغاز کتاب) تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے،

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا،

| | |
|---|---|
| انما لامرئ ما نوی فمن | ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت |
| کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا | کرے، تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول |
| او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ | یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی |
| الی ما ھاجر الیہ، | ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے |
| (صحیح بخاری آغاز کتاب۔) | ہجرت کی (یعنی اس سے اس کو ثواب حاصل نہ ہوگا)، |

آجکل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہۃً ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کیلئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے، اب صحیح اور صالح عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات

[1] قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے، فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (بقرہ۔۳۹)

کا ہم اس طرح تصوّر کرین کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین، اور غیر متزلزل عقیدہ بنجائین، اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت مین ہم اپنے تمام کام انجام دین،

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصولِ موضوعہ اور اصولِ متعارفہ کے مانے بغیر نہ بن سکتی ہے، نہ ثابت ہوسکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہین ہوسکتا جب تک اُسکے لئے بھی چند مبادی اور چند اصولِ موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کرلین،

بظاہر عقل ہمارے ہرکام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہین، وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات، اور اندرونی جذبات کی زنجیرون مین جکڑی ہوئی ہے، اس لیے اس پابزنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہین پاسکتے، اگر پاسکتے ہین، تو اپنے صحیح دلی یقینیات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک نے "ایمان" کا ذکر ہمیشہ "عملِ صالح" کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے، اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہین سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصًا اُس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہوجاتا ہے، جس پر حسنِ عمل کا دارمدار ہے، عبداللہ بن جدعان ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت مین بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر با اینہمہ مشرک تھا، اسکی نسبت آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہ رضؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ "یارسول اللہ! عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت مین جو نیکی کے کام کئے کیا اُن کا ثواب اس کو ملے گا؟" فرمایا "نہین اے عائشہ! کیونکہ کسی دن اُس نے یہ نہین کیا کہ بارالٰہا! میرے گناہون کو قیامت مین بخشدے[1]"

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، غزوات، نسخہ قلمی دارالمصنفین، و ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۳، مصر،

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جسکی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا کہ "اے محمدؐ! مین بھی تمھاری طرف سے لڑنے کے لیئے چلنا چاہتا ہون، کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے"۔ فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا "نہین" فرمایا واپس جاؤ کہ مین اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہین"۔ دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانون کو اُسکی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اسکی اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کی فوج مین شریک ہو جائے لیکن آنحضرت صلعم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ "کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے"؟ اس نے پھر نفی مین جواب دیا، آنحضرت صلعم نے پھر وہی فرمایا کہ "مین کسی مشرک سے مدد نہ لونگا"۔ غالباً مسلمانون کی تعداد کی کمی اور اسکی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا، تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے دریافت فرمایا کہ "تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے"، تو اس نے اثبات مین جواب دیا، اور نور اسلام سے منور ہو کر لڑائی کی صف مین داخل ہوا[1]،

قرآن پاک نے ان لوگون کے کامون کی مثال جو ایمان سے محروم ہین، اُس راکھ سے دی ہے، جس کو ہوا کے جھونکے اُڑا اُڑا کر فنا کر دیتے ہین، اور اُن کا کوئی وجود نہین رہتا، اسی طرح اُس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہین،

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ — جنھون نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، انکے

[1] صحیح مسلم باب غزوات جلد دوم ص۱۰۲ مصر،

| | |
|---|---|
| كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ (ابراہیم-۳) | کاموں کی مثال اس راکھ کی ہے جس پر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی، وہ اپنے کاموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یہی سب سے بڑی گمراہی ہے، |

سورۂ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دیگئی ہے، کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں،

| | |
|---|---|
| وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا، (نور-۵) | جنھوں نے خدا کا انکار کیا اُنکے کام اس سراب کی طرح ہیں جو میدان میں ہو جسکو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہانتک کہ جب وہ اسکے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اُس کو نظر نہ آئے، |

انکی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دیگئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا، اور جس میں ہوش وحواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود اُن سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے،

| | |
|---|---|
| أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (نور-۵) | یا اُن کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں سخت اندھیرا ہو، اسکے اوپر موج اور موج پر پھر موج ہو اور اسکے اوپر بادل گھرا ہو، اندھیرے میں ایک کے اوپر ایک کہ اسمیں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے جسکو خدا نے نور نہ دیا اس کے لئے نور نہیں |

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہو سکتی، اسی لیے ریا، نمائش اور خود غرضی کے کامون کو کوئی عزت نہیں دیجا سکتی، وہ کام جو گو بظاہر نیک ہون، لیکن نیکی کرنے والے کا اُن سے اصلی مقصد نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، تو اخلاقی نقطۂ نظر سے، تمام دنیا انکو بے وقعت اور ہیچ سمجھتی ہے، اس بنا پر آنحضرت صلعم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو متنبہ کیا، اور فرمایا،

| | |
|---|---|
| يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا | اے ایمان والو! اپنی خیراتون کو احسان رکھکر |
| صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي | اور الٹنے دیکر اس طرح نہ برباد کرو، جس طرح وہ |
| يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ | برباد کرتا ہے جو لوگون کے دکھانے کے لئے |
| بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ | اپنا مال خرچ کرتا ہے، اور خدا پر (جو نیکیون |
| صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ | کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر (جس مین نیکیون |
| وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ | کی جزا ملیگی) یقین نہین کرتا، پس اسکی خیرات کی |
| عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ | مثال اس چٹان جیسی ہے، جسپر کچھ مٹی پڑی ہو |
| لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ | ذرا اسپر پانی برسا، اور مٹی دھل کر پتھر رہگیا، جسپر جو |
| (بقرہ - ۳۶) | کچھ بویا جائیگا وہ اُگے گا نہین اور خدا کافر قوم کو ہدایت |

غرض **ایمان** ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیرابی کا اصلی سرچشمہ ہے، جس کے فقدان سے ہمارے کامون کی حقیقت سراب سے زیادہ نہین رہتی، کیونکہ وہ دیکھنے مین تو کام معلوم ہوتے ہین، مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور

بے نتیجہ ہوتے ہین، خدا کے وجود کا اقرار اور اسکی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہجائین، وہ ہمارے دل کا نور ہے، وہ نہ ہو، تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے، اور ہمارے تمام کامون کی بنیاد ریا، نمایش، جاہ پسندی خود غرضی، اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہجائے،

توراۃ مین بعض عقیدون کا ذکر ہے، مگر ایمان کی حقیقت اور اسکی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے، انجیل مین ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی راستی، اور دل کے اخلاص کے لئے نہین، بلکہ معجزون اور کرامتون کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارقِ عادت پر قدرت اور اختیار پانے کے لیے[1]، اس کے برخلاف فلسفۂ یونان کے بہت سے پیرون اور ہندوستان کے بہت سے مذہبون نے محض ذہنی جولانی، مراقبہ، تصوّر، دھیان اور علم کو انسانی کی نجات کا ذریعہ قرار دیا، اور اخلاق و عمل سے کوئی تعرض نہین کیا، عیسائیون، زردشتیون اور برہمنون نے عقائد کو یہ وسعت دی، اور انکی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بنگئے، جس سے تصوریت عملیت پر غالب آگئی اور انسانون کے قوائے عمل سرد ہوگئے،

محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے علم و عمل، تصور اور فعل، عقلیت اور عملیت مین لزوم ثابت کیا، مگر اصلی زور انسان کی عملیت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا، جو دل کی اصلاح کرے اور عمل کی بنیاد، اور اخلاق و عبادات کی اساس قرار پاسکے، عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ، اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو برباد نہین کیا، چند سیدھے سادے

[1] متی - ۱۷ - ۲۰،

اصول جو تمام ذہنی سچائیون اور واقعی حقیقتون کا جوہر اور خلاصہ ہین، اُن کا نام **عقیدہ**، اور اُن پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، آپنے صریح الفاظ مین عقائد کے صرف پانچ اصول تلقین کئے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتون پر ایمان، خدا کے رسولون پر ایمان، خدا کی کتابون پر ایمان، اور اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان،

یہ تمام وہ حقائق ہین جنپر دل سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے، انکے بغیر خالص عمل کا وجود نہین ہوسکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنہا خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے، تاکہ وہی ہمارے تمام کامون کا قبلۂ مقصود قرار پاسکے، اور اسی کی رضاجوئی اور اسی کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوا خلوت مین بھی گناہون اور برائیون سے بچ سکین، اور ہر نیکی کو اس لیے کرین، اور ہر برائی سے اس لیے بچین کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اسکی مرضی ہے، اس طرح ہمارے اعمال ناپاک اغراض، اور ناجائز خواہشون سے مبرا ہوکر خالص ہوسکین اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضا گناہون سے پاک ہون، ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو، اور اُس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہماری گمراہ خواہشین بھی اُس یقین مین شک اور تذبذب پیدا نہ کرسکین،

خدا کے رسولون پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اسکی مرضی کا علم انھین کے واسطہ سے انسانون کو پہنچا ہے، اگر اُن کی صداقت، سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے، تو پیغامِ ربانی اور احکامِ الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہوجائے، اور انسانون

کے سامنے نیکی، نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے جو انسانوں کے قوائے عمل کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور برے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لیے نہیں ہوگی،

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے، کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، مخلوقات کو قانونِ الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں، اور ہمارے اعمال وافعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم اُن کا اچھا یا برا معاوضہ مل سکے،

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے اُن کو دور دراز ملکوں اور آیندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں بالفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لئے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ اُن میں ہے اس کی سچائی پر ایمان لانا ضرور ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے، اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب یقین کریں،

اعمال کی بازپرس، اور جوابدہی کا خطرہ نہ ہو، اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو، تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیائے انسانیت سراپا درندگی اور بہیمیت بنجائے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کراتا ہے، اس لیے روزِ جزا اور یومِ آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لئے محمد رسول اللہ

صلعم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ کی وحی کا بیشتر حصہ اسکی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے، یہی پانچ باتین اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہین یعنی اللہ تعالیٰ پر، اوس کے تمام رسولون پر، انکی کتابون پر، اُس کے فرشتون پر، اور روزِ جزا پر ایمان لانا، یہ عقائد خمسہ یکجا طور پر سورۂ بقرہ مین متعدد دفعہ کہین مجمل اور کہین مفصل بیان ہوئے ہین،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ . . | جو لوگ غیب (خدا، خدا کی صفات اور ملائکہ) |
| . . . وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ | پر ایمان رکھتے ہین ...... اور جو کچھ تم پر (محمدؐ) |
| بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ | اترا اور تم سے پہلے (پیغمبرون پر) اترا اس پر یقین |
| قَبْلِكَ، (بقرہ-۱) | رکھتے ہین (یعنی انبیاء اور انکی کتابون پر) |
| وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ، (بقرہ-۱) | اور آخرت (روزِ جزا) پر یقین رکھتے ہین، |

یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتین ہین، سورہ کے بیچ مین پھر ارشاد ہوا،

| | |
|---|---|
| وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ | اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر، آخری |
| الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ | دن پر، فرشتون پر، اور کتاب پر، اور |
| وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ، (بقرہ-۲۲) | سب نبیون پر ایمان لائے، |

سورہ کے آخر مین ہے،

| | |
|---|---|
| اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ | پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا، اس پر وہ خود |
| مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، | اور تمام مومن ایمان لائے، سب خدا پر، |
| كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ | اُس کے فرشتون پر، اس کی کتابون پر، |

| | |
|---|---|
| وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ، (بقرہ ۔ ۴۰) | اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے ، |

سورہ نسا میں انھیں عقائد کی تعلیم ہے ،

| | |
|---|---|
| يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا | اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو ایمان لاؤ |
| بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ | خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب |
| الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ | پر جو اُس نے اپنے رسول پر اتاری ، اور اس |
| الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ | کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری ، اور جو شخص |
| وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ | خدا کا ، اس کے فرشتوں کا ، اس کی کتابوں |
| كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | کا ، اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت |
| فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ، | کا انکار کرے گا ، وہ سخت گمراہ ہوا ، |

(نساء ۔ ۲۰)

# اللہ تعالیٰ پر ایمان

## اٰمَنَ بِاللہِ

ایک قادرِ مطلق اور ہمہ صفت موصوف ہستی پر یقین، اوراس کو ایک جاننا تعلیم محمدی کی پہلی ابجد ہے، اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے، باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا اُن کے اصول مین بھی داخل تھا، مگر اُن کی تعلیمات مین ترتیب مفقود تھی، اور یہ نہین معلوم ہوتا کہ اُن کی نگاہ مین توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت صلعم کی تعلیم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی، اوراس کو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف و حقائق اور جسمانی اعمال و اخلاق کا سرِ بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہون سے درگذر کرسکتا ہے، مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جس کو وہ کبھی معاف نہ فرمائیگا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ | یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کرے گا، اور |
| وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ | اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف |
| یَّشَآءُ، (نساء-۱۸) | کردے، |

پھر اس کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسماء و صفات کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی، اور

توحید کے ہر پہلو کی تکمیل تعلیمِ محمدیؐ کی امتیازی شان ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ نبوتِ محمدیہ کی غرض و غایت صرف تخیل، نظریہ آرائی، اور الٰہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جد و جہد اور عمل والی قوم، اخلاص و ایثار اور نیکی و تقویٰ والی قوم کو پیدا کرنا تھا، اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لیے نمونۂ عمل بنانا تھا، اس لئے سب سے پہلے اہلِ عرب کو جو اس کے مخاطبِ اوّل تھے، رموز و اسرارِ توحید کا اس طرح حامل بنانا تھا، کہ اُن کے رگ و ریشہ مین ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے، اس کے لیے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہموار کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد جو عربون مین پھیلے ہوئے تھے، اُن کو مٹا دیا جائے اور جن وجوہ اور اسباب سے شرک کے یہ عقائد پیدا ہوتے ہین، انکی بیخ کنی کیجائے،

**اصلاحِ عقائد** معلوم ہو چکا ہے کہ عرب مین جہالت اور وحشت کی وجہ سے سیکڑون غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے تھے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد مین بھی بہت سی غلطیان داخل ہو گئی تھین، ان مین سب سے زیادہ بدتر، اور تمام برائیون کا اصلی محور **شرک** تھا، اس لئے سب سے پہلے آنحضرت صلعم نے اس کی اصلاح سے آغاز کیا،

شرک اور بت پرستی کا اصلی زینہ اسباب و مؤثرات کا وجود ہے، خدا نے عالم مین ایک سلسلۂ اسباب قائم کر دیا ہے، اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کڑیان ہین لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادر مطلق کے دستِ قدرت مین ہے، اور اس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اس کے اشارہ کے بغیر جنبش نہین کر سکتی، شرک اس طرح شروع ہوتا ہے، کہ پہلے انسان اُن اسباب و علل مین سے بعض نمایان اور قوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، اجرامِ فلکی کی عظمت، آفتاب و ماہتاب کی نور افشانی، سمندر کا پرزور تلاطم، عناصر کی نیرنگ آرائیان، انسان کو مبہوت کر دیتی ہین، وہ اُن کی عظمت و تاثیر سے

متاثر، پھر منفعل، اور بالآخر اُن کا غلام بنجاتا ہے، اعتقاد کے پہلے مرحلہ مین انسان غور رسی کے دعوے سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے، کہ یہ چیزین خود خدا یا معبود نہین ہین لیکن یہ تمیز آخر تک قائم نہین رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقادی کا اثر غالب آتا جاتا ہے، اور یہ چیزین خدا کی شریک بنجاتی ہین یہانتک کہ اصلی مسبب الاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہوجاتا ہے،

شرک کی جو گوناگون صورتین دنیا مین موجود تھین اور جسطرح آنحضرت صلعم نے اُن کا استیصال کیا اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

تعدد خدا کا ابطال

۱- دنیا کی مشہور قومون مین سے عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندو بھی اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبون کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایان اور اہم اوصاف ہین، اُن کا مستقل اور مجسم وجود قائم ہوگیا، مثلاً صفت خلق اور احیا ر و امات برہما، بشن، مہیش کے نام سے موسوم ہین، مجوسیون نے دیکھا کہ دنیا مین جسقدر اشیا ر اور افعال و حرکات ہین سب باہم متضاد ہین، نور و ظلمت، پستی و بلندی، یمین و شمال، نرم و سخت، رات دن، خیر و شر، حلم و غضب، غرور و خاکساری، فسق و صلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد سے خالی نہین، اس لیے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہین ہوسکتا، اس بنا پر انھون نے دو خدا تسلیم کئے اور انکا نام یزدان اور اہرمن یا نور و ظلمت رکھا،

قرآن مجید مین تمام احکام، نہایت تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہین، یہانتک کہ ۱۲ برس کی وسیع مدت تک، روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہین ہوا تھا لیکن شرک کا استیصال کلی نبوت کا پہلا سبق تھا سورۂ زمر مکہ مین نازل ہوئی اور اسی سورہ مین شرک کی تمام صورتین مٹا دیگئین، تمام دیگر سورتون

مین نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک کا ابطال اور رد کیا ہے، اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہین،

مجوسیون کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعالِ خیر و شر کا ایک خالق نہین ہو سکتا، ورنہ لازم آئے گا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے، وہ خود اچھا نہین ہو سکتا، اس لئے قرآن مجید مین نہایت کثرت سے تصریحات آئین کہ جنکو ہم خیر و شر کہتے ہین سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلعم نے نہایت تصریح و تاکید کے ساتھ تعلیم کی، کہ جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بری چیز کا خالق اچھا نہین ہو سکتا، اوّلاً تو یہ مغالطہ آمیز غلطی ہے، ایک صناع مصور اگر ایک نہایت بدصورت جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمالِ مصوری مین اس سے کچھ داغ نہین آئیگا کہ جانور خود برا ہے، دوسرے یہ کہ اسلام نے اس مسئلہ کی جس اصلی گرہ کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہٖ خیر و شر نہین ہین، بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقۂ استعمال سے خیر یا شر ہو جاتی ہین، آگ بجائے خود نہ خیر ہے نہ شر اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے اور برا لیا جائے تو شر ہے، زہر نہ اچھا ہے نہ برا، اگر اس کو بیماریون کے استیصال مین استعمال کیا جائے تو خیر ہے، اور اگر کسی بیگناہ کے قتل مین استعمال کرو تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونون پہلو ہین، نہ کوئی شی دنیا مین خیر مطلق ہے، نہ کوئی شرِ محض، اسی لیے قرآن نے شر کی نسبت خدا کیطرف نہین کی ہی بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے،

| | |
|---|---|
| أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ | کیا اہل زمین کیساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے، یا |
| أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ، (جن - ۱) | اُن کے پروردگار نے ان کو راہ پر لانا چاہا؟ |
| مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ | تجکو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا کی طرف سے ہے، |

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء) | اور جو مصیبت پہنچی وہ خود تیری طرف سے ہے، |
| اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ | کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جب کی دوگنی |
| اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ | تم اُن کو پہنچا چکے ہو، تو تم نے کہا یہ کہاں سے |
| هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى | آئی، کہدے کہ خود تمھاری طرف سے ہے خدا |
| كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (آل عمران - ۱۷) | ہر بات پر قدرت رکھتا ہے، |

الغرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس مین خیر و شر کے دونون پہلو ہین، شر نہین ہے، اُن مین اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام مین لانا شر ہے، ڈاکٹر بہت سی بیماریون کے لیے زہریلی دوائین بناتے ہین، مگر یہ شر نہین، البتہ جب کوئی شریر ان دواؤن سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے، حاصل یہ کہ اس دنیا مین جب خیر و شر اشیا مین بذاتہ نہین ہی تو اچھی چیزون کے لیے الگ اور بری چیزون کے لئے الگ خالق تسلیم کرنے کی ضرورت نہین ہے بلکہ خالق ایک ہی ہے دو نہین ہین،

| | |
|---|---|
| وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ | اور خدا نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ، وہ ایک ہی |
| اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ | خدا ہے، تو مجھی سے ڈرو اور اسی کے لیے ہر |
| وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نحل) | جو آسمانون مین اور زمین مین ہے، |

بزرگون کی شرکانہ تعظیم سے روکنا

۲، شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص، خاص شے کی تعظیم مفرط ہے جس کو شخص پرستی یا یادگار پرستی سے تعبیر کر سکتے ہین، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رامچندر، کرشن کو اسی خوش اعتقادی نے آدمی سے خدا بنا دیا، اس بنا پر قرآن مجید مین نہایت پر زور اور پر رعب الفاظ مین شخص پرستی کی تحقیر کی گئی

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ
لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ، اِنَّمَا
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
(نساء - ۲۳)

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ
نہ بڑھ جاؤ، اور خدا کی نسبت وہی کہو جو حق ہے،
مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم صرف خدا کے
پیغمبر ہیں،

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا
لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ
يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ
فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا، (نساء - ۲۴)

مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں،
اور نہ مقرب فرشتوں کو (عار ہے) اور جس شخص
کو خدا کی بندگی سے عار ہوگا اور بڑائی کی لیگا،
تو خدا سب کو عنقریب اپنے حضور میں بلائیگا،

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ
مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ
الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، (مائدہ - ۳)

وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا
ہیں، کہدو کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم کو اور انکی
ماں کو اور دنیا میں جو کچھ ہے سب کو برباد کر دے،
تو کون ہے جو خدا کو روک لے، اور خدا ہی کیلئے
آسمان و زمین اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں
سب کی حکومت ہے، وہ جو چاہے کرے، اور
خدا ہر چیز پر قادر ہے،

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ

اور جب خدا کہیگا کہ کیوں عیسیٰ! تم نے لوگوں
سے کہدیا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھکو اور میری ماں

وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۔ (مائدہ - ۱۶)

کو خدا کو، عیسیٰ عرض کرینگے کہ سبحان اللہ میری یہ مجال ہو کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھکو حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا، تو تو جانتا ہوگا، تو میرے دل کی بات جانتا ہے، اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا، تو بڑا غیب دان ہے، میں نے لوگوں سے صرف وہی کہا تھا، جسکا حکم تو نے مجھکو دیا تھا، یعنی یہ کہ خدا کی عبادت کرو جو میرا بھی خدا ہے اور تمہارا بھی،

آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ حاصل کون و مکان تھے، لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید کی تھی

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (کہف - ۱۲)

کہدے اے پیغمبر کہ میں تو تمہاری ہی طرح آدمی ہوں، لیکن یہ کہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے، کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے،

ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں، اُن کے خاص خاص لقب ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے، لیکن آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے، آپ کا کیا لقب تھا؟ اور کلمۂ توحید میں، نماز میں، درود میں آنحضرت صلعم کے اسم گرامی کے ساتھ کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت!

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ — میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور رسول ہیں

اس میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے، آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق میں دعائے بد کی اس پر یہ آیت اتری،[1]

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (آل عمران ۱۳) — تم کو کچھ اختیار نہیں ہے، خدا چاہیگا تو انپر توجہ کریگا، یا اُن کو عذاب دیگا کہ وہ ظالم ہیں،

آنحضرت صلعم بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خواہشمند تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ، (قصص) — تم جسکو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے،

آنحضرت صلعم نے عبد اللہ بن ابی کے لیے دعائے مغفرت کی، اس پر قرآن مجید میں آیا،[2]

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ ۱۰) — تم اُن کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم انکے لیے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو گے تو خدا انکی مغفرت نہ کریگا،

آنحضرت صلعم ہمیشہ ہر موقع پر اس امر کی تاکید اور اسکا لحاظ رکھتے تھے کہ لوگ آپکی زائد از اعتدال مدح نہ کریں، جو منجر ہو کر شرک تک پہنچ جائے، بار بار فرماتے تھے،

لا تطرونی کما اطری الیهود — میرے شان میں اسطرح مبالغہ نہ کرو جس طرح

---

۱ صحیح بخاری غزوۂ احد، یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے،

۲ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ توبہ،

والنصاریٰ                                                    یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبرون کی شان مین کیا

ایک دفعہ آپ راستہ مین جارہے تھے، ایک شخص نے دفعۃً آپ کو دیکھا اور اس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپنے فرمایا ڈرو نہین مین ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہون جو گوشت کو خشک کرکے کھایا کرتی تھی۔[۱]

بنو عامر کا وفد جب آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا تو لوگون نے عرض کی کہ آپ ہمارے سید (آقا) ہین، آپنے فرمایا سید خدا ہے، لوگون نے عرض کی کہ آپ ہم سب سے افضل اور سب سے برتر ہین، آپنے فرمایا اچھا یہ کہو، لیکن دیکھو کہین تم کو شیطان اپنا وکیل نہ بنالے، اصلی الفاظ یہ ہین، قُولوا بِقَوْلكم ولا يستجرينكم الشيطان،

ایک دفعہ ایک شخص نے ان الفاظ مین آپ کو مخاطب کیا "اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم مین سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند!" آپنے فرمایا، لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمھین گرانہ دے، مین عبداللہ کا بیٹا محمد ہون، خدا کا بندہ اور اسکا رسول ہون! مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے، مجھے پسند نہین کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔[۳]

غور کرو کہ رسول کی شان مین یہ الفاظ ناجائز نہین، مگر توحید کو شرک کے ہر شائبہ سے بچانے کا خیال ہر خیال پر غالب تھا،

۳۔ شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق، جس قسم کا عجز و نیاز جس                                                    روحانی واسطون کا شرکانہ اعتقاد

[۱] بخاری جلد اول کتاب الانبیا باب واذکر فی الکتاب مریم، [۲] شمائل ترمذی و مستدرک جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ علی شرط الشیخین واقعہ فتح مکہ، [۳] ادب المفرد امام بخاری باب ہل یقول سیدی و ابو داؤد کتاب الادب باب کراہۃ التمادح و مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۵۳،

مرتبہ کی محبت جس درجہ کی اتحاد کا رہے، اُس کا رُخ دوسری طرف بدل جاتا ہے، ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوتا کائنات اور زمین وآسمان کے خالق نہیں ہیں، تاہم وہ ہر قسم کی حاجتیں اور مرادیں انہی دیوتاؤں اور معبودوں سے مانگتے ہیں، انہی کو حاجت روا جانتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے انہی کا نام لیتے ہیں، انہی پر نذر نیاز چڑھاتے ہیں، غرض براہِ راست اُن کو جو تعلق ہوتا ہے انہی معبودوں سے ہوتا ہے، خود مسلمانوں میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا طرزِ عمل انبیاء وصلحاء بلکہ مزارات کی نسبت اس کے قریب قریب ہے، اس بنا پر مقدم ترین امر یہ ہے کہ معبودوں کی نسبت اس قسم کا خیال نہ پیدا ہونے پائے، بلکہ صاف صاف بتا دیا جائے کہ خدا کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی، اور اس کی مرضی میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے طلب مغفرت کا وعدہ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہدیا،

| | |
|---|---|
| لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ، (ممتحنہ-۱) | میں آپکے لئے مغفرت کی درخواست ضرور کرونگا، لیکن مجھکو خدا کے سامنے آپکی نسبت کوئی اختیار نہیں، |

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تھی وہ نہیں ملی، البتہ یہ درخواست قبول ہوئی کہ میں اُن کی قبر کی زیارت کروں[1]۔

قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ، تو آپ نے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا" اے قریشیو! اے اولادِ عبد المطلب! اے عباس! اے صفیہ!

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز،

اے فاطمہ! میرے مال میں سے جو مانگو میں دے سکتا ہوں، لیکن خدا کے ہاں میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔[1]

قرآن مجید میں نہایت کثرت اور نہایت تشدد کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا گیا، کہ تم لوگ جن کو حاجت روا سمجھتے ہو، اور جن سے حاجتیں مانگتے ہو، اُن کو کارخانۂ ہستی میں کسی قسم کا اختیار نہیں،

| | |
|---|---|
| قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ | کہدو کہ خدا کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو، وہ |
| فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ | تمہاری مصیبت کے ہٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار |
| وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ | نہیں رکھتے، جنکو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ |
| يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ | (بھی) زیادہ قرب حاصل کرنے کے لئے خود خدا |
| الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ | ہی کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں، اور اسکی |
| رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ | رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اس کے |
| إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا | عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہہ تیرے خدا |
| (بنی اسرائیل - ۶) | کا عذاب ڈرنے ہی کے قابل ہے، |

خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہیں

۵- شرک کا ایک بڑا ذریعہ خوارقِ عادات کی نسبت غلط فہمی ہے، جن اشخاص سے خوارقِ عادات سرزد ہوتے ہیں، اُن کی نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہیں ہیں لیکن ان میں خدائی کا شائبہ ضرور ہے، ورنہ ایسے افعال کیونکر سرزد ہوتے جو قدرتِ انسانی سے بالاتر ہیں، یہی خیال رفتہ رفتہ دیوتا اور اوتار تک ترقی کرتا ہے، اور بالآخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] یہ روایت اس آیت کی تفسیر میں تمام تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے،

اسی بنا پر آج چالیس کرور آدمیون کے خدا یا خدا کے بیٹے ہین،

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ انبیا علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہین، اور یہ امر خصائص نبوت مین ہے، تاہم یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجمل رہا، قرآن مجید مین اسکے متعلق حسب ذیل امور بیان کیے گئے ہین،

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہین اور خدا اپنے مقبول بندون کو معجزات عطا کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، (انعام - ۴) | اور کفار کہتے ہین کہ ان (آنحضرتؐ) پر کوئی معجزہ خدا کے یہان سے کیون نہین اترا، کہدو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے، لیکن اکثر لوگ نہین جانتے، |

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہین،

| | |
|---|---|
| وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ، (رعد - ۱) | اور کفار کہتے ہین کہ ان (آنحضرتؐ) پر کوئی معجزہ خدا کے ہان سے کیون نہین اترا، تم تو صرف ڈرانے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے، |
| وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ | اور کفار کہتے ہین کہ ہم تیرا ایمان نہ لائین گے جبتک تم زمین سے چشمہ نہ نکال دو، یا تمھارے |

| | |
|---|---|
| جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ | پاس کھجورون یا انگورون کا باغ نہ ہو کہ جسکے |
| خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ | بیچ مین تم نہرین جاری کر دو، یا آسمان کو ٹکڑے |
| كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ | ٹکڑے کرکے ہم پر نہ گرا دو جیسا کہ تمھارا گمان |
| بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ | تھا، یا خدا اور فرشتون کو ہمارے سامنے نہ |
| لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى | لے آؤ، یا تمھارا گھر سونے کا نہ بنجائے یا تم آسمان |
| فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ | پر نہ چڑھ جاؤ، اور ہم تو اس چڑھنے پر بھی یقین |
| حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ | نہ لائین گے جب تک ہم پر کوئی کتاب اتارو |
| قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا | جس کو ہم خود پڑھین" کہدو کہ سبحان اللہ مین |
| رَّسُوْلًا ، (بنی اسرائیل-۱۰) | تو صرف بشر ہون اور رسول ہون، |

(۳) جو معجزے اس آیت مین کفار نے طلب کئے وہ ناممکن باتین نہ تھین، تاہم خدا نے آنحضرت صلعم کو جو جواب تلقین کیا وہ یہ تھا کہ مین تو بشر ہون، دوسری جگہ اس کا جواب یہ دیا کہ معجزے تو خدا کے پاس ہین، یعنی معجزے صادر ہونگے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا، بلکہ خدا کا ہوگا،

| | |
|---|---|
| وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ | اور کفار کہتے ہین کہ اُن (آنحضرت) پر اُن کے خدا |
| رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَ | کے یہان سے معجزے کیون نہین اترے کہدو |
| اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ | کہ معجزے تو خدا کے ہان ہین، اور مین تو صرف |
| اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ | صاف صاف ڈرانے والا ہون، کیا ان (کفار) |
| اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ | کے لیے یہ کافی نہین ہے کہ ہم نے تمھارے |

| | |
|---|---|
| لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ، | اور یہ کتاب (قرآن) اتاری جو اُنپر تلاوت کیجاتی ہے اسمین بے شبہہ ایمان لانے والون کے لئے |
| (عنکبوت ۵۰) | رحمت اور یاد رکھنے کی چیز ہے، |

اسی لئے معجزات کے ذکر مین ہمیشہ بِاِذْنِ اللّٰہِ (خدا کی اجازت سے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہین

حرام وحلال خداکا ...

۶- شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیأ یا پیشوایان مذہبی کو تحریم وتحلیل کا مجاز سمجھتے تھے، یعنی وہ جس چیز کو چاہین حرام کردین، اور جس چیز کو چاہین حلال ٹھہرادین، قرآن مجید مین جب یہ آیت اتری

| | |
|---|---|
| اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ | ان لوگون نے اپنے علما اور درویشون |
| اَرْبَابًا، (توبہ ۵) | کو رب بنالیا ہے، |

تو حضرت عدیؓ نے جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ ہم لوگ اپنے پیشوایان مذہبی کو اپنا رب تو نہین سمجھتے تھے، آپنے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگون کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ لوگ جس چیز کو چاہین حلال اور جسکو چاہین حرام کردین" عرض کی کہ ہان، آپ نے فرمایا" یہی رب بنانا ہے"۔ عموماً اہل مذاہب پیغمبرون کو شارع مستقل سمجھتے ہین لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تاسیس، حلال وحرام کی تعیین، جائز وناجائز کی تفریق امر ونہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہین پیغمبر صرف مبلغ اور پیغام رسان اور تعلیم الٰہی سے اُن احکام کے شارح اور بیان کرنے والے ہین، اسی بنا پر قرآن مجید مین ذات نبویؐ کی صفت رسالت کو بار بار تاکید، اور اصرار کے ساتھ نمایان کیا گیا ہے،

[1] جامع ترمذی وابن کثیر تفسیر آیت مذکور،

| | |
|---|---|
| وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔ (آل عمران - ۱۵) | محمد تو صرف ایک رسول ہے، اس سے پہلے اور رسول گذر چکے ہیں، |
| اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ (نساء - ۲۳) | مریم کا بیٹا عیسیٰ، اللہ کا صرف رسول تھا، |

اس حصر سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ اُن میں ہے وہ رسالت اور نبوت کے اوصاف ہیں،

غیر خدا کی مشرکانہ تعظیم

۷۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ اوروں کے ساتھ بھی برتے جاتے تھے، یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات ہے، لیکن رفتہ رفتہ شرک فی الذات تک منجر ہوتا ہے، سجدۂ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتوں اور مقتدایانِ دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے، اور سلاطین و امرا کو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا، آنحضرت صلعم نے نہایت سختی سے اس کو روکا، بنو اسرائیل میں سجدۂ تعظیمی یا سجدۂ محبت جائز تھا، چنانچہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے والدین نے سجدہ کیا تھا، لیکن چونکہ اسلام میں توحید کو انتہائے کمال تک پہنچانا تھا، سجدۂ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک دفعہ ایک صحابی خدمتِ اقدس میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اہلِ عجم کو دیکھا ہے، وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اجازت دیں تو ہم آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا، تو کیا میری قبر پر گذرو گے تو اُس کو سجدہ کرو گے؟ عرض کی نہیں، فرمایا تو اب بھی نہ کرو، اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[1]، اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے، تو آپ کو سجدہ کیا، آپ نے

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ،

پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ مین نے شام مین رومیون کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسرون کو سجدہ کرتے ہین، تو میرا جی چاہا کہ مین بھی آپ کو سجدہ کرون، فرمایا ایسا نہ کرو، اگر مین کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[1]،

۸۔ شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہین وہ اورون مین تسلیم کئے جائین، جسکا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ شرکت وصف کی بنا پر خدا کے شریک اور ہمسر بنجائین، اُن مین سے ایک وصف علم غیب ہے، اکثر اہلِ مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہین کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے زمانہ مین کاہنون کا یہی کام تھا کہ وہ آیندہ واقعات کی پیشین گوئیان کیا کرتے تھے، عرب مین بھی کاہن یہی پیشہ کرتے تھے، اور مختلف طریقون سے پیشین گوئی کرتے تھے، کبھی فال سے، کبھی پانسے پھینک کر، اور کبھی یہ ظاہر کرکے کہ اُن کو جنات غیب کا حال بتا جاتے ہین،

آنحضرت صلعم نے نہایت تاکید اور استقصار کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتین باطل کین، خود قرآن مجید مین نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتین نازل ہوئین،

| | |
|---|---|
| وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا | اور خدا کے پاس غیب کی کنجیان ہین جنکو |
| اِلَّا هُوَ، (انعام - ۷) | خدا کے سوا کوئی نہین جانتا، |

آنحضرت صلعم نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی، اور فرمایا کہ مفاتحِ غیب پانچ ہین جن کو خدا کے سوا کوئی نہین جانتا،

[1] ابن ماجہ باب حق الزوج علی المرأۃ[2] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ مین تفصیل مذکور ہے،

۱۔ حمل یعنی لڑکا ہوگا یا لڑکی،

۲۔ کل کیا ہوگا،

۳۔ بارش کب ہوگی،

۴۔ کس جگہ موت آئے گی،

۵۔ قیامت کب آئے گی،

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتین ہین لیکن زیادہ تر انھی اُمور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے، اور انہی باتون کو لوگ پہلے سے جاننے کے خواہشمند ہوتے ہین، یہان تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے، انصار کی چند لڑکیان گا رہی تھین، گاتے گاتے انھون نے یہ گانا شروع کیا،

وفینا رسول یعلم ما فی غد، ۔۔۔۔ اور ہم مین ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے،

آنحضرت صلعم نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے گا رہی تھین، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص حکم دیا کہ آپ اس حقیقت کو واضح کر دین،

| | |
|---|---|
| قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ، (انعام۔ ۵) | کہدو اے پیغمبر کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہین اور نہ مین غیب کی باتین جانتا ہون، |

سلہ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ مین تفصیل مذکور ہے، ؎۲ صحیح بخاری کتاب النکاح،

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے،

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (نمل - ۵)

کہدو اے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانون مین اور زمین مین کوئی غیب نہین جانتا،

غیب دانی کے مدعی کاہن جو عرب کی گلی گلی مین خدع و فریب کا جال پھیلائے بیٹھے رہتے تھے، اور بتخانون مین خدائی کرتے تھے، انکی سطوت خاک مین ملگئی بتخانے ویران ہوگئے، توان کے یہ پجاری بھی فنا ہو گئے، صحابہ نے آکر پوچھا کہ یارسول اللہ، ہم جاہلیت مین کاہنون کے پاس جایا کرتے تھے، فرمایا "اب نہ جایا کرو" عرض کی ہم پرندون سے فال لیا کرتے تھے، فرمایا "یہ تمھارا توہم تھا، اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو" بعض لوگون کے سوال کے جواب مین فرمایا کہ کاہن کچھ نہین، انھون نے کہا یارسول اللہ انکی بعض باتین سچی بھی نکل آتی ہین، فرمایا "شیطان ایک آدھ بات سُن لیتا ہے، اور مرغی کی طرح قرقر کرکے اپنے دوست کے کانون مین ڈالتا ہے، اور وہ اسمین سَو باتین جھوٹ ملا دیتا ہے" کبھی فرمایا کہ فرشتون کی زبان سے شیاطین فضائے آسمانی مین چوری چھپے کچھ سُن لیتے ہین اور کاہن اس مین سیکڑون جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہین" جاہلون مین کچھ ایسے مکار ہوتے ہین جو چوری کا غائبانہ پتہ بتانے کا دعویٰ کرتے ہین، عرب اُن کو عرّاف کہتے تھے، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے کے لیے کسی عرّاف کے پاس جائیگا، اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی، علم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب کا حال دریافت کر لینے کے مدعی بنتے تھے، آپ نے اس کا سیکھنا بھی جادو کی طرح گناہ بتایا، اور فرمایا کہ جو کسی کاہن کے پاس جاکر اوسکی باتون کو سچ سمجھے وہ محمد پر جو کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسرون کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، کہانت کی گرم بازاری سرد ہوگئی، فال، شگون، بدشگون، نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خداعانہ طریقے مٹ گئے، پرندون اور پانسون کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا وہم و وسوسہ قرار پایا، اور غیب کی مملکت پر خدا کے سوا کسی اور کی حکومت قائم نہ رہی،

مخفی قوتون کا ابطال

۹۔ کائنات مین خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم، جنات و شیاطین اور ارواح خبیثہ اور دوسری قسم کی قوتون کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا، اور اُن سے بچنے کے لیے انکی دہائی پکاری جاتی تھی، نذر چڑھائی جاتی تھی، قربانی کیجاتی تھی، آنحضرت صلعم کی تعلیم اور وحی نے ان تمام مزخرفات کا قلع قمع کر دیا، اور خدا کے سوا تمام دوسری مخفی اور پوشیدہ قوتون کا ڈر انسانون کے سینون سے ہمیشہ کے لئے نکال کر پھینکدیا، اور دعا و کلماتِ الٰہی کے سوا، ہر نوع کی جھاڑ پھونک، منتر، تعویذ، گنڈے، ٹونکے، جنمین کسی غیر خدا سے غیبی استمداد یا شرک کا کلمہ ہو، کفر قرار پائے، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لیے ہر نماز مین، اور نماز کی ہر رکعت مین سورۂ فاتحہ کے ضمن مین اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا،

| | |
|---|---|
| اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ | (اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے |
| (فاتحہ) | سر جھکاتے ہین اور تجھی سے مدد چاہتے ہین، |

سحر و طلسم، جادو اور ٹونکے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہوا،

| | |
|---|---|
| وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا | یہ جادو اور ٹونکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان |
| بِاِذْنِ اللّٰهِ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ | نہین پہنچا سکتے، لیکن خدا کے حکم سے، اور یہ |
| وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ | بیہودہ (جادو اور ٹونکے) سیکھتے ہین جو انکو |

مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ط ‏ (بقرہ - ۱۲) نقصان رسان ہین، نفع بخش نہین اور یقیناً یہ بھی انکو علم ہے کہ جوان کو حاصل کرتا ہے اُسکا آخرت مین حصہ نہین،

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت وہم و تخیل سے زیادہ نہین، فرمایا،

یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِہِمْ اَنَّہَا تَسْعٰی (طٰہٰ - ۳) مصری جادوگرون کے جادو سے یہ اسکو خیال ہوتا تھا کہ وہ دوڑ رہے ہین،

بلکہ بعض صحابہ نے ان مکار جادوگرون کے قلع قمع کے لیے اُن کے قتل تک کا حکم دے دیا[1] تاکہ انسانون کے دلون مین انکا جو خوف و ہراس بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو، اور اُن کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ اُن مین کوئی غیر معمولی طاقت نہین وہ بالکل بے بس ہین،

ابوداؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ یارسول اللہ! ہم جاہلیت مین جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب آپ کیا فرماتے ہین؟ ارشاد فرمایا، کہ تم اپنے منتر ہمارے سامنے پیش کرو، اگر ان مین شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہین، ایک اور صحابی نے ایک بیمار پاگل پر سورۂ فاتحہ پڑھکر دم کی وہ اچھا ہوگیا، اس نے اُن کو انعام دیا، انھون نے آکر رسول اللہ صلعم سے واقعہ عرض کیا، فرمایا کہ میری عمر کی قسم، ہر جھاڑ پھونک باطل ہے، لیکن تم نے سچی جھاڑ سے روزی کھائی؛ ایک اور صحابی روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک، (ابوداؤد و ابن ماجہ) بیشک جھاڑ پھونک، گنڈے اور میان بیوی کے پھرانے کے تعویذ شرک ہین،

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی حد الساحر و ابوداؤد باب اخذ الجزیۃ من المجوس،

انھین صحابی کے گھر مین ایک بڑھیا آیا کرتی تھی، گھر والون نے اُس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹکا کرایا، ایک دھاگا پڑھ کر اُس نے باندھ دیا تھا، وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر اُن کی نظر پڑی، انھون نے ہات بڑھایا اور اس کو توڑ کر پھینک دیا، پھر فرمایا کہ عبداللہ کا خاندان شرک کی باتون سے مستغنی ہے، مین نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جھاڑ پھونک، گنڈے، اور میان بیوی کے چھڑانے کے تعویذ شرک ہین"۔ اُن کی بیوی نے کہا کیا وجہ ہے کہ ایک دفعہ میری آنکھون مین کچھ پڑ گیا، جب مین جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا، اور جب چھوڑ دیتی تھی، تو پانی بھر آتا تھا، انھون نے جواب دیا، یہ شیطانی بات ہے، تم نے کیون وہ نہ کیا جو رسول اللہ صلعم کرتے تھے، آنکھون مین پانی ڈالتین اور یہ دعا پڑھتین "اے لوگون کے پروردگار! اس بیماری کو دور کر، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفابخشی کے سوا کوئی شفا نہین، ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیماری نہ رہے"[1]

اوہام و خرافات کا ابطال

۱۰- وہ تمام اوہام و خرافات جنسے شرک پرست اہل عرب لرزہ براندام رہتے تھے، اور جنکو وہ بالذات مؤثر و متصرف سمجھتے تھی، آنحضرت صلعم نے اُن کا طلسم توڑ دیا، اور اعلان فرما دیا کہ انکی کوئی اصل نہین، فرمایا،

لاعدوی، ولاطیرة ولا صفر ولاهامة۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

نہ چھوت ہے، نہ بدفالی ہے، نہ پیٹ مین بھوک کا سانپ ہے، نہ مردہ کی کھوپڑی سے پرند نکلتا ہے،

ایک اور صحابی کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

العیافة والطیرة والطرق من الجبت۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

پرندون کی بولی سے فال لینا، انکے اڑنے سے فال لینا، اور کنکری پھینککر یا خط کھینچکر فال بتانا شیطانی

[1] یہ تمام روایتین ابوداؤد جلد دوم باب التمائم و باب ماجاء فی الرقی اور ابن ماجہ باب تعلیق التمائم مین ہین،

ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہین کہ فال نکالنا شرک ہے؛ پھر اُن صحابی نے کہا کہ ہم صحابہ مین کوئی نہین جو اس کو برا نہ سمجھتا ہو، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے ؛[1] یہ بھی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نچھتر (نوء) کچھ نہین[2] : یعنی پانی کی بارش مین اس کو بالذات کوئی دخل نہین، اسی طرح غولِ بیابانی کے متعلق عربون کے جو معتقدات تھے اُن کو آپنے ایک لفظ سے باطل کر دیا، فرمایا،

لَاغُوْلَ، (ابوداؤد باب فی الطیرۃ) غولِ بیابانی کچھ نہین،

بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانورون کے متعلق اُنکے خیالاتِ فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا، سورۂ انعام مین انکے ان مشرکانہ عقائد اور اعمال کی بتصریح تردید کی گئی، اور سورۂ مائدہ مین فرمایا گیا،

مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (مائدہ ۱۴) خدا نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہین ٹھہرایا،

**بحیرہ،** اُس بچہ کو کہتے تھے جسکا کان پھاڑ کر بتون کی نذر کرتے تھے،

**سائبہ،** اُس جانور کو کہتے تھے جو بتون کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا،

**وصیلہ،** بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نر ہوا تو اس کو بت پر چڑھائین گے، اور اگر مادہ ہوا تو اپنے پاس رکھینگے، پھر اگر نر و مادہ دو پیدا ہوتے تو مادہ کیساتھ نر بھی رکھ لیتے تھے؛ یہ وصیلہ تھا

**حامی** وہ اونٹ جسکے دس بچے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لائق ہو چکتے، تو دیوتا کے نام پر آزاد کر دیا جاتا،

یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوہام جو عرب مین پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم نے ان کا استیصال فرمایا، یہ اوہام پرستی حقیقت مین قومون کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے، یہ اوہام حقیقت کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت سے کامون مین خلل انداز ہوتے ہین، اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شرک تک منجر ہوتا ہے، اور انسان کو صحیح طریقِ عمل سے

[1] ابوداؤد ذکر فال،
[2] ابوداؤد باب الطیرہ،

روک دیتے ہین، مثلاً بیماری مین طب کے قاعدہ کے موافق علاج کیا جائے تو مفید ہوگا، لیکن بہت سے لوگ وہم پرستی کے بنا پر ٹونے ٹوٹکے کو دافعِ مرض سمجھتے ہین، اس قسم کے اوہام عرب مین نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم نے ان سب کو تصریح اور تعیین کے ساتھ باطل قرار دیا، مثلاً

۱- عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند یا سورج مین گرہن لگتا ہے، حضرت ابراہیمؑ آپ کے صاحبزادے نے جب انتقال کیا تو سورج مین گرہن لگا ہوا تھا، لوگون نے خیال کیا کہ انھی کے مرنے کا اثر ہے، آنحضرت صلعم نے سنا تو مسجد مین جاکر خطبہ دیا کہ چاند اور سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہین، کسی کے مرنے سے ان مین گرہن نہین لگتا،[۱]

۲- یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے تو اس کا جوڑا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے،

۳- ایک دفعہ آپ مسجد مین تشریف رکھتے تھے، ایک ستارہ ٹوٹا، آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت مین تم لوگ اس کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے، لوگون نے عرض کی کہ ہمارا اعتقاد تھا، کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے، یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہین، آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہین ٹوٹتے،[۲]

۴- شیرخوار بچون کے سرھانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ جنات ان کو نہ ستانے پائین، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینکدیا اور کہا کہ آنحضرت صلعم ان باتون کو ناپسند کرتے تھے،[۳]

۵- نظر بد سے بچنے کے لیے اونٹون کے گلے مین قلادہ لٹکاتے تھے، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے مین قلادہ نہ رہنے پائے،[۴]

---

[۱] صحیح بخاری باب الصلوٰۃ الکسوف [۲] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۱۸ مصر، [۳] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن صفحہ ۱۸۰ مصر، [۴] موطا امام مالک باب ماجاء فی نزع التعلیق والجرس من العین ص ۳۶۳،

الغرض توحید کامل کی تعلیم نے عربون کے تمام مشرکانہ اوہام وخرافات کو ہمیشہ کے لیے مٹادیا، اسلام کی اس اصلاحی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی اُن مقدس روایات وحکایات سے کرو جنھون نے صدیون تک دنیا کو دیوون، بھوتون اور چڑیلون کے تسلط اور عذاب کے شکنجہ مین مبتلا رکھا، اور اُن کو نکالنا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا،

کفارہ اور شفاعت غلط معنی کی

۱۱- شرک کے اسباب مین سے ایک بڑا سبب کفارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے، جو عربون اور عیسائیون وغیرہ مین رائج تھے، عربون نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے، اُس کا اصلی سبب اُن کا وہ تخیل تھا جو خدا اور بندون کے تعلق کی نسبت اُن کے ذہن مین قائم تھا، وہ خدا اور بندون کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے، جو ایک قاہر وجابر بادشاہ اور اسکی رعایا کے درمیان ہے، اور جس طرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار کی سفارشیون اور مقربون کے بغیر ممکن نہین، اسی طرح اُس شہنشاہ کے دربار مین بھی وہ اُس کے دربار کی سفارشیون اور مقربون کے بغیر رسائی ممکن نہین سمجھتے تھے، اسی لئے وہ ان درمیانی ہستیون کے خوش رکھنے کی ضرورت کے بھی معتقد تھے، چنانچہ وہ اپنے بتون، دیوتاؤن اور فرشتون کو اسی نیت سے پوجتے تھے اور کہتے تھے

هٰؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس ۲) — یہ اللہ کے ہان ہمارے سفارشی ہین،

آنحضرت صلعم نے جب ان کی اس بت پرستی پر ان کو ملامت کی تو انھون نے صاف کہا،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر-۱) — ہم اُن کو اسی لیے پوجتے ہین کہ وہ ہم کو اللہ کے تقرب مین نزدیک کردین،

یہودیون مین بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانا خدا کا

خاص کنبہ اور خاندان ہے، اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہیں، اس لئے ان کی اولاد اور نسل بھی دنیا اور آخرت میں یہی درجہ رکھتی ہے، اگر ان پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو بھی اُن کے خاندان کے بزرگ جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں، وہ ہر طرح اُن کو اُس سے بچالیں گے، اُن کا دعویٰ تھا، کہ

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ. (مائدہ ۳) — ہم خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں،

قرآن نے کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ. (مائدہ ۳) — بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو، یہ اُسی کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے سزا دے،

اور اسی بنا پر اُن کا دعویٰ تھا،

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ، (آل عمران ۳) — ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھو کر چھوڑ دے گی،

قرآن نے کہا،

وَغَرَّہُمْ فِیْ دِیْنِہِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ، (آل عمران ۳) — اور یہ اپنے دل سے بنا کر جو جھوٹ عقیدہ گھڑ چکے ہیں، وہ اُن کے مذہب کے بارہ میں اُن کو دھوکا دے رہا ہے،

عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موروثی

اور طبعی طور سے گنہگار ہین، اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰؑ) کو قربانی دیکر اُن کے گناہون کا کفارہ دیدیا اور وہ گناہون سے پاک وصاف ہو گئے، اور حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے بعد اُن کے جانشین پوپون کو گناہون کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، کہ جو وہ زمین پر کھولین گے وہ آسمان پر کھولا جائیگا، اسی لیے پوپون کے سامنے اعتراف گناہ کا عقیدہ عیسائیون مین پیدا ہوا، اور اُن کو بندون کے گناہون کے معاف کرنے کا دنیا مین حق ملا،

پیغام محمدیؐ نے اُن کو ملزم قرار دیا اور کہا،

| | |
|---|---|
| اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ | انھون نے خدا کو چھوڑ کر، اپنے عالمون اور |
| اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، (توبہ) | راہبون کو اپنا خدا بنا رکھا ہے، |

اور اصولی طور سے اُس نے یہ بتا دیا کہ

| | |
|---|---|
| وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ، (آل عمران) | اور خدا کے سوا کون گناہون کو معاف کرسکتا ہے |

اُن کا عقیدہ تھا کہ بیٹا قیامت کے دن باپ کے داہنے بازو پر برابر بیٹھکر خلق کا عدل و انصاف کریگا، قرآنِ پاک نے ایک بڑے مؤثر طرز مین اُسکی تردید کی ہے، قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰؑ سے پوچھیگا،

| | |
|---|---|
| ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ | اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگون سے کہا تھا کہ خدا |
| وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، (مائدہ) | کو چھوڑ کر مجھکو اور میری ماں کو خدا بناؤ، |

وہ کہین گے، بارالٰہا! مین نے تو اُن سے وہی کہا جو تو نے کہا تھا، مین نے تو اُن کو یہ تعلیم نہین دی تھی، مین نے تو اُن سے یہی کہا تھا کہ صرف ایک خدا کو پوجو، اب

| | |
|---|---|
| اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ | اگر تو اُن کو سزا دے تو یہ تیرے بندے |
| اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ | ہیں، اور اگر تو بخشدے، تو تو سب کچھ کرسکتا |
| الْحَكِيْمُ ، (مائدہ ۔ ۱۶) | ہے، کہ تو غالب اور حکمت والا ہے، |

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گنہوں کی مغفرت اور معافی یا گنہوں پر سزا اور عذاب دینا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں،

بت پرست عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور اُن کے یہ بت خدا کی طرف سے دونوں عالم میں مختار کل ہیں، وہ یہاں دینے نہ دینے کا، اور اس عالم میں بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں اس عقیدہ کا نام اُن کے یہاں "شفاعت" تھا اور یہ دیوتا اُن کے شفیع تھے، قرآن مجید نے کفارہ غیر خدا کے اختیار مغفرت، اور بت پرستانہ طریقہ شفاعت کے عقائد باطلہ کی ہر طرح تردید کی، اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں، سب اسکی عظمت اور جلال کے سامنے عاجز اور درماندہ ہیں،

| | |
|---|---|
| وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ | یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جنکو پکارتے ہیں، وہ شفاعت |
| مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ | کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جس نے حق |
| بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ، (زخرف ۔ ۷) | کی شہادت دی، اور وہ جانتے بھی ہوں، |
| لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ | یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ |
| اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ، (مریم ۔ ۶) | جسنے رحم والے خدا سے اقرار لے لیا، |
| ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ | کیا خدائے برحق کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں |
| الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ | کو خدا بناؤں، اگر رحمن مجھے نقصان پہنچانا |

| | |
|---|---|
| شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ، | چاہے تو اُن کی شفاعت مجھے ذرا بھی فائدہ نہین |
| (یٰس-۲) | پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہین، |

کفار، فرشتون کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، حکم ہوا،

| | |
|---|---|
| وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ | اور کتنے فرشتے ہین آسمانون مین کہ انکی شفاعت |
| لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ | کچھ فائدہ نہین پہنچاتی لیکن اس کے بعد کہ |
| بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ | اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے |
| وَيَرْضٰى ، (نجم-۲) | اور پسند کرے، |
| اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ | کیا اُن کافرون نے خدا کے سوا کو شفیع بنایا |
| قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا | ہے، کہدے کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ |
| وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ، (زمر-۵) | رکھتے ہون، تو بھی؟ (شفیع بننے کے قابل ہین؟) |

خدا قیامت مین اُن سے کہیگا،

| | |
|---|---|
| وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ | اور ہم دیکھتے نہین تمھارے ساتھ تمھارے |
| الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا | اُن شفیعون کو جنکو تم سمجھتے تھے کہ وہ تمھاری |
| (انعام-۱۱) | ملکیت مین خدا کیساتھ شریک ہین، |
| وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ | اور جب قیامت قائم ہوگی تو مشرکین نا امید |
| وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ | ہونگے، کہ جنکو وہ خدا کا شریک کہا کرتے |
| شُفَعٰٓؤُا ، (روم-۲) | تھے، انہین سے کوئی اُن کا شفیع نہ ہوا، |

خاص یہود کو مخاطب کر کے اُن کے عقیدہ کی تردید مین کہا گیا،

| | |
|---|---|
| یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ | اے فرزندانِ اسرائیل ۔ ۔ ۔ ۔ اور ڈرو اُسدن |
| وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ | سے جسمین کوئی ایکدوسرے کے ذرا کام نہ آئیگا، اور |
| نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ | نہ اُسکی طرف سے کوئی شفاعت قبول کیجائیگی اور |
| وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ | نہ کچھ اسکے بدلہ مین لیا جائیگا، اور نہ کوئی اُن کو مدد |
| یُنْصَرُوْنَ ۔ (بقرہ-۶) | پہنچائی جائے گی، |

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورہ مین دوسری جگہ ہے،

| | |
|---|---|
| یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَاتَّقُوْا | اے فرزندانِ اسرائیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ڈرو |
| یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا | اُس دن سے جس مین کوئی کسی کے ذرا بھی کام |
| وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا | نہ آئیگا، اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول |
| شَفَاعَةٌ ۔ (بقرہ-۱۵) | ہوگا، اور نہ شفاعت فائدہ دے گی، |

اور اسی معنی مین مسلمانون سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کرین، شفاعت کے بھروسے نہ رہین،

| | |
|---|---|
| یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا | اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو روزی دے رکھی |
| رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ | ہے اس مین سے کچھ خرچ کر دیا کرو، اُسدن |
| لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ | کے آنے سے پہلے جس مین نہ لین دین ہے، نہ |
| (بقرہ-۳۴) | دوستی ہے، نہ شفاعت ہے، |

غرض آپ کے پیغام نے ان معنون مین شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے،

اور اعلان کیا ہے، کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ مین ہے،

| | |
|---|---|
| اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ | کیا انھون نے خدا کے سوا اورون کو شفیع بنا |
| قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ | رکھا ہے، کہدے کہ اگرچہ انکو کسی چیز کا اختیار نہو، |
| شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ، قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ | اور نہ اُن کو سمجھ ہو تو بھی، کہدے کہ شفاعت کا |
| جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ | کل اختیار خدا ہی کو ہے، اُسی کا راج آسمانون |
| الْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، (زمر - ۵) | اور زمین مین ہے، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے |

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدۂ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت مین یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ شفاعت کا صرف اتنا حصہ تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیون کے حق مین شفاعت کرینگے،

| | |
|---|---|
| وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ | اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جنکو پکارتے ہین وہ |
| مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ | شفاعت کا اختیار نہین رکھتے لیکن وہ جنھون |
| بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ، (زخرف) | نے حق کی گواہی دی، اور وہ دانش رکھتے ہین، |

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لینا کہا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ | یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے لیکن وہ |
| اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا، | جو خدا کے نزدیک (دنیا مین اپنے عمل کے |
| (مریم - ۶) | ذریعہ سے) اقرار لے چکا ہو، |

لیکن اس شہادت حق اور عہد الٰہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ

کی اجازت اور رضامندی شرط ہے،

| | |
|---|---|
| مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ | (خدا کی بارگاہ میں) کوئی شفیع نہیں لیکن اسکی |
| (یونس-۱) | اجازت کے بعد، |
| مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا | وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت |
| بِإِذْنِهِ ط (بقرہ-۳۴) | کرسکے لیکن اسکی اجازت سے، |
| وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا | اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ اُن کی شفاعت |
| تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ | ذرا بھی کام نہیں آسکتی البتہ اس کے بعد کہ خدا |
| أَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضٰى (نجم-۲) | اجازت دے جس کو چاہے اور پسند کرے، |
| لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ | یہ فرشتے اور روح کوئی خدا سے اس دن بات نہ |
| الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا، (نبأ-۲) | کرسکیگا لیکن جسکو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک کہے |

پھر یہ شفاعت بھی انھیں لوگوں کے حق میں ہوسکے گی، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین کو اس کی اجازت دیگا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا | اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دیگی لیکن |
| لِمَنْ أَذِنَ لَهُ، (سبا-۳) | اس کے لئے جسکے لیے وہ شفاعت کی اجازت دے، |
| يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا | اُسدن شفاعت نفع نہ دیگی، لیکن اس کو |
| مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ | جس کے لیے خدا اجازت دے اور اس کیلئے |
| قَوْلًا، (طٰہٰ-۶) | بات کرنا پسند کرے، |

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام بھی سفارش انھین کی کرین گے جنکی سفارش خدا خود چاہیگا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى | اور وہ شفاعت نہین کرینگے، لیکن اُسکی جس کے |
| وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ، | لئے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اُسکے |
| (انبیاء-۲) | خوف سے ترسان ہونگے، |

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لیے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہوچکا ہے کہ اُن کے لیے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے، اور یہ وہ مجرم ہین جنکے دل حق کی شہادت سے محروم رہ گئے،

| | |
|---|---|
| فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ | تو اُن کو شفاعت کرنے والون کی شفاعت |
| (مدثر-۲) | فائدہ نہ دے گی، |
| وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا | ظالمون (مشرکون[1]) کا نہ کوئی دوست (اس |
| شَفِيْعٍ يُّطَاعُ، (مومن-۲) | دن) ہوگا اور نہ کوئی شفیع جسکی بات مانی جائے، |

اور وہ بدنصیب گروہ جس کے حق مین رحمت کا یہ دروازہ بند رہیگا، مشرکین ہین، جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ | اللہ اس گناہ کو کہ اُس کے ساتھ کوئی شریک |
| بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ | ٹھہرایا جائے، نہین بخشتا، اور اس سے نیچے |
| يَّشَآءُ، (نساء-۱۸) | کے گناہ جسکو چاہے بخشدے، |

[1] اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان-۲) بیشک شرک بڑا ظلم ہے، (صحیح بخاری ذکر لقمان، جلد ا صفحہ ۴۸۷)

لیکن اب ایسی حالت مین جب کہ وہی شفاعت کرسکین گے جن کو اللہ تعالیٰ اسکی اجازت دیگا، اور وہ بھی انھین کی شفاعت کرینگے جن کی شفاعت کرنا خود خدا کو منظور ہوگا، تو حقیقت مین خود اللہ ہی اپنے دربار مین اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیانہ اصطلاح مین یون کہو کہ جلالِ الٰہی کی بارگاہ مین اوس کی صفتِ کریمی ورحیمی خود شفیع بنکر کھڑی ہوگی، اسی لیے ارشاد ہوا،

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ، (انعام-۵)

اور اس قرآن کے ذریعہ (اے پیغمبر) اُن لوگون کو ہشیار کردے جو اس سے ڈرتے ہین، کہ وہ اپنے رب کے پاس جمع کیے جائینگے اُن کے لئے اُنکے رب کے سوا کوئی حامی اور شفیع نہین، تاکہ وہ بچین،

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ، (سجدہ-۱)

خدا کے سوا تمھارا کوئی حامی اور شفیع نہین، پھر کیا تم سوچتے نہین،

خدا کی اس صفتِ کریمی ورحیمی کے مظہر اس دنیا مین بھی وہی ہونگے، جو اس دنیا مین اس کے مظہر بنکر آئے تھے، اور وہ انبیاے کرام ہین کہ خدا کے رحم وکرم ہی کے سبب سے جو اُس کو اس دنیا اور اہلِ دنیا کے ساتھ ہے، ان انبیا کی بعثت ہوئی، اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہد قرار پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اس دنیا مین بھی وہی خدا کے اس رحم وکرم اور فضلِ عمیم کے مظہر قرار پائین گے، نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکوکار اور صالح افراد بھی جنکو رحمتِ الٰہی نے چاہا ہو، اس منصب پر ممتاز ہوسکین گے، خصوصًا وہ سراپا رحمت جو اس دنیا مین رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا مظہر بنکر آیا،

اجرام سماوی کی قدرت کا انکار

۱۲- بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و ماہتاب کی گردش، اور اُن کے سبب سے اختلاف موسم کے اثرات سے ہوتی ہیں، اس لیے ستارہ پرست قوموں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا،

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت ۵) سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو،

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی مؤثر جانتے تھے، اور یہ کہتے تھے،

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ ۳) ہم کو تو زمانہ مارتا ہے،

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں فلک کج رفتار اور دہر نا ہنجار کی شکایت آج تک چلی جاتی ہے، عرب کے مشرکین بھی اسی طرح بولا کرتے تھے، اُن کو جب کوئی خلافِ توقع تکلیف پہنچتی تھی، تو زمانہ کی شکایت کرتے تھے، اور اس کو برا کہتے تھے، آنحضرت صلعم نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدا ہے،[۱] اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو بُرا کہتا ہے، زمانہ میں ہوں، میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں[۲] یعنی زمانہ کو جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق سمجھکر لوگ برا کہتے ہیں، حقیقت میں اُن کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اس لیے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دیجاتی ہے،

اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہلِ عرب بارش کو نچھتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے

---

[۱] فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۴۱، و کتاب الاسماء والصفات بیہقی صفحہ ۱۱۵، الٰہ آباد [۲] صحیح مسلم الفاظ الادب، [۳] صحیح بخاری تفسیر سورہ جاثیہ، و کتاب الرد علی الجہمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۶،

تھے کہ فلان نچھتر کے سبب سے ہمپر پانی برسایا گیا، حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی، صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا "تم جانتے ہو، تمھارے رب نے کیا کہا" صحابہ نے عرض کی کہ "خدا اور اُسکا رسول زیادہ جانتا ہے" ارشاد ہوا، اُس نے فرمایا "آج صبح کو میرے بندون مین سے کچھ مومن ہوکر اوٹھے، اور کچھ کافر ہوکر جنھون نے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسا، وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہین، اور جنھون نے یہ کہا کہ فلان نچھتر سے پانی ہمپر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہین[۱]"

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، الم و بیش دنیا کی تمام قومون مین وہ آسمانی دیوتاؤن کے غیظ و غضب کے مظہر یقین کئے جاتے تھے، سنہ ۹ھ مین اتفاق سے ایک دن سورج مین گرہن لگا، اور اسی دن آپکے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج مین گرہن لگنے کا سبب، حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت صلعم نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانون کو مسجد مین جمع ہونے کا حکم دیا، اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جسمین اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوف و خسوف (دگرہن) کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہین، یہ بھی خدا کے نشانون مین سے ایک نشان ہے[۲]،

غیر خدا کی قسم سے روکنا،

۱۴- شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمین کھاتے تھے، قسم کھانے کے معنی حقیقت مین شہادت کے ہین، جسکی قسم کھائی جاتی ہے، اُسکو دراصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا ہے، عربون مین بت پرستی کے رواج کے باعث بتون اور دیوتاؤن کی قسمین کھائی

[۱] صحیح بخاری باب الاستسقاء و باب الذکر بعد الصلوٰۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان [۲] صحیح بخاری، صلوٰۃ الکسوف،

جاتی تھیں، جو صریح کفر تھا، قریش اپنے دیوتا لات اور عزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے، آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا[1] لیکن رواج اور عادت کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار اُن کی زبان سے اُن کی قسمیں نکل جاتی تھیں، آپ نے فرمایا کہ "جس شخص کی زبان سے لات اور عزیٰ کی قسم نکل جائے تو وہ فوراً لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ لے" یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش میں باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو آپ نے باپ کی قسم کھاتے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھایا کرو، جس کو قسم کھانی ہو وہ یا تو خدا کی قسم کھائے اور یا چپ رہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور کے ارشاد کا یہ اثر ہوا، کہ اس وقت سے آج تک میں نے نہ تو اپنی بات میں اور نہ کسی اور کی بات کے دہرانے میں کبھی باپ کی قسم کھائی[2]، ماں کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، اسی طرح کعبہ کی بھی قسم لوگ کھایا کرتے تھے، اس پر ایک یہودی نے اکر مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو، کعبہ کی قسم کھاتے ہو، آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کعبہ کی نہیں بلکہ کعبہ والے (خدا) کی قسم کھایا کرو[3]، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو اس کو منع کیا، اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے، میں نے رسول خدا صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ "جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا[4]"، دوسری روایت میں ہے کہ "ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھائی جائے شرک ہے[5]"۔

---

[1] سنن نسائی کتاب الایمان والنذور [2] یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی کتاب الایمان میں مذکور ہیں۔ [3] نسائی کتاب الایمان والنذور [4] جامع ترمذی ابواب النذور والایمان و مستدرک حاکم صفحہ ۱۸ جلد ۱، کتاب الایمان [5] مستدرک حاکم بحوالۂ مذکورہ

خدا کی مشیت مین کوئی شریک نہین

۱۴۔ اکثر نیک لوگون کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُن کی مشیت عین خدا کی مشیت ہے، اس مین نہ صرف بدعقیدہ لوگ بلکہ اہلِ توحید بھی غلطی سے مبتلا ہوجاتے ہین، آنحضرت صلعم نے انسانون کو اس دقیق غلطی سے بھی آگاہ کیا، اور بتایا کہ دنیا مین مشیت صرف خدا کی ہے، اسی کی خواہش کے مطابق دنیا چل رہی ہے، تمام مشیتین اور خواہشین اسی کی مشیت اور خواہش کے ماتحت ہین اس کے ساتھ کسی مخلوق کی مشیت، عالم کے کاروبار مین شریک نہین لیکن لوگون نے خدا کی مشیت کیساتھ اورون کی مشیت کو بھی شریک کرلیا تھا، توحیدِ کامل کے معلّم صلعم نے اس خیال کی سختی سے تردید کی اور قرآن مجید نے جابجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیتِ الٰہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیت نہین، تمام دیگر مشیتین اسکی تابع اور ماتحت ہین، عقیدہ کی یہ غلطی اسقدر عام تھی کہ جو لوگ یہ عقیدہ نہین رکھتے تھے، وہ بھی سلاطین، حکام اور بزرگون کے ساتھ گفتگو مین یہ کہنا حسنِ ادب سمجھتے تھے، کہ "جو خدا چاہے اور جو حضور چاہین" آنحضرت صلعم نے اس طرزِ کلام سے منع فرمایا، یہانتک کہ خدا کی مشیت کیساتھ برابری سے خود اپنی مشیت کے ذکر سے بھی صحابہ کو روکا، اس قسم کا طرزِ کلام لوگون کی زبانون پر چڑھ گیا تھا، اس مین یہ تصحیح فرمائی کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا واؤ (اور) نہ لایا جائے، کہ اُس سے برابری کا شائبہ نکلے، بلکہ "پھر" کا لفظ بولا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اورون کی مشیت کا درجہ ہے،

نسائی[1] مین ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی مین آکر مسلمانون سے کہا کہ "تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے، اور جو محمد چاہین"۔ آپ نے صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یون کہو کہ وہ ایک ہے جو چاہے، پھر جو آپ چاہین"۔ یہی واقعہ ابن ماجہ مین اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے

[1] نسائی کتاب الایمان والنذور

خواب مین دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی اُن سے کہہ رہا ہے کہ تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے، اگر شرک نہ کیا کرتے، تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے، اور جو محمدؐ چاہین" ان صحابی نے خدمت اقدس مین آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا مین اس فقرہ کی برائی جانتا تھا، یون کہو کہ "جو خدا چاہے پھر جو محمدؐ چاہین"[1] ابو داؤد مین بھی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ "یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے اور جو فلان چاہے، بلکہ یون کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلان چاہے"[2] لیکن امام بخاری نے ادب المفرد مین اور بیہقی نے کتاب الاسماء مین جو روایت کی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیئت کا نام بھی نہ لینا چاہیے، ایک شخص نے خدمتِ والا مین حاضر ہو کر سلسلۂ کلام مین کہا کہ "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہین" ارشاد ہوا کہ "تم نے خدا کا ہمسر اور مقابل ٹھہرایا، جو خدا تنہا چاہے، مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحدَهٗ"[3]

اس سلسلہ مین یہان تک اہتمام مدنظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کیطرف ایک ضمیر پھیر کر ایک فعل لایا جائے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر برابر ہے، ایکدفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اثنا مین یہ فقرہ کہا "جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی، ہدایت پائی، اور جس نے **اُن دونون** کی نافرمانی کی" یہانتک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اس کو روک دیا اور فرمایا "اُٹھ جاؤ تم بُرے خطیب ہو" آپ نے آزردگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ "اُن دونون" کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے، کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے

---

[1] ابن ماجہ کتاب النذور، [2] ابو داؤد کتاب الادب باب لا تقولوا خبثت نفسی، [3] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷، مصر و کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ الہ آباد:

اوراس مین شرک کا شائبہ ہے، اس لیے خطیب کو یون کہنا چاہئے تھا کہ "اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کریگا وہ . . . . . . . " جیسا کہ قرآن پاک مین باربار آیا ہے، اور ماثورہ خطبون مین بھی منقول ہے۔

**مشتبہات شرک کی ممانعت**

۱۵۔ جن باتون مین شرک کا ذرا بھی شائبہ پایا جاتا تھا، اُن سے بالکل منع کر دیا، لوگ اولاد کا نام آفتاب، ماہتاب وغیرہ کی عبدیت کیساتھ رکھتے تھے، مثلاً عبد الشمس، عبد مناف، ان نامون سے سخت منع فرمایا، ارشاد ہوا کہ بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہین[۱]، اہل عجم اپنے سلاطین کو شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہون کا بادشاہ کہتے تھے، چونکہ اس مین شرک کا احتمال تھا، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے[۲]، دوسری روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا بیحد غضب ہوا جس نے اپنے کو شہنشاہ کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہین، (حاکم فی المستدرک ص ۲۷۵ ج ۴)

غلامون کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے، آدمیون کا نہین، اسی طرح غلام اپنے مالک کو "رب" کہتے تھے، حالانکہ رب خدا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے قطعاً منع فرما دیا کہ کوئی شخص غلامون کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے، بلکہ یون کہے کہ "میرا بچہ، یا بچی" اور اسی طرح غلام اور باندیان اپنے آقا کو رب نہ کہین، مالک کہین، کہ تم سب غلام ہو، اور رب اللہ ہے[۳]، ہانی ایک صحابی تھے جن کی کنیت ابو الحکم تھی، وہ جب خدمت اقدس مین اپنی قوم کیساتھ آئے تو آپ نے فرمایا کہ حکم خدا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابو الحکم کیون کہتے ہین، عرض کی کہ میرے قبیلہ مین جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھکو حکم یعنی ثالث بناتے ہین اور مین جو فیصلہ کرتا ہون، اس کو سب تسلیم کر لیتے ہین، آپ نے فرمایا تمھارے بچون کے کیا نام ہین،

---

۱؎ ابوداؤد کتاب الادب باب تغیر الاسماء، ۲؎ ابوداؤد کتاب الادب، ۳؎ ابوداؤد کتاب الادب باب الکرم وحفظ المنطق،

بولے شریح، مسلم، عبداللہ، آپ نے پوچھا سب مین بڑا کون ہے، عرض کی شریح" فرمایا تو تمھاری کنیت ابوشریح ہے[1]۔

اکثر لوگون کی عادت ہوتی ہے، کہ کوئی برا کام کرتے ہین تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہین گویا اس نے برائی کرائی، ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرتؐ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انھون نے کہا شیطان کا برا ہو، آپ نے فرمایا یون نہ کہو، ورنہ شیطان غرور سے پھول جائیگا، اور کہے گا میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا نام لو، تو شیطان دب کر مکھی کے برابر ہو جائیگا[2]۔

تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اسکی یہی وجہ تھی، کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقتدا کی تصویر گھر مین رکھتے تھے، تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انھی تصویرون کی پرستش ہونے لگتی تھی، چنانچہ ہندؤن اور رومن کیتھلک عیسائیون مین اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھکر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے سرے سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا،

قبر پرستی اور ... سے روک...

۱۶۔ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے، قبرون اور یادگارون کو لوگ عبادت گاہ بنا لیتے ہین، سالانہ مجمع کرتے ہین، دور دور سے سفر کرکے آتے ہین، قبرون پر مسجدین بناتے ہین، منتین مانتے ہین، نذرین چڑھاتے ہین، آنحضرت صلعم نے ان تمام افعال سے منع کیا، وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ، قبرون کو مسجد بنا لیتے تھے، دیکھو مین تم کو منع کرتا ہون کہ قبرون کو مسجد نہ بنانا[3]، عین وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹ دی، اور فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگون نے اپنے پیغمبرون کی قبرون کو مسجد بنالیا۔

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب تغییر الاسم القبیح [2] ابوداؤد کتاب الادب باب لایقول خبثت نفسی [3] صحیح مسلم کتاب المساجد

ریا اور عدم اخلاص بھی معنوی شرک ہے،

۱۷- یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں جنکا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول چال سے تھا، لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے، وہ قلب و روح کی توحید ہے، انسان کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلب شہرت کے لیے کام کرتا ہے، کوئی دنیاوی معاوضہ کے لیے کرتا ہے، کوئی نمائش اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے، کوئی غیر کی محبت یا عداوت میں کرتا ہے، ان تمام کاموں کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے، جس نے خدا کی جگہ لے لی ہے، اسی لیے قرآن مجید نے کہا،

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰىهُ — تم نے اس کو دیکھا جس نے اپنا خدا خود اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے،

(فرقان - ۴)

اسی لئے بڑا بت وہی ہے، جس کو انسان نے خود اپنے دل کے تہخانے میں چھپا رکھا ہے، اس بت کو توڑنا توحید کی اصلی تکمیل ہے، آپ نے بتایا کہ انسان کے تمام کاموں کا دار و مدار خود اس کے دل کے عمل پر ہے، اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات، اس لیے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کاموں کا اصلی محرک صرف خدا کا حکم، خدا کا خوف، خدا کی اطاعت، خدا کی خوشنودی، خدا کی محبت، غرض صرف خدا ہونا چاہیے، جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت میں ترقی ہوگی اس کے ایمان و توحید کی تکمیل بھی پایۂ کمال کو پہنچتی جائیگی، اسی بنا پر وحی محمدیؐ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر انسان کو اس کے عمل کی غرض و غایت مَرْضَاتِ اللّٰهِ اللہ کی خوشنودی، مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، اخلاص، اور وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ذات خدا کو قرار دینے کی تعلیم دی ہے، اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور غرض و نیت سے کرے، تو درحقیقت اس کام کے لیے اس نے ایک موقت خدا الگ بنا لیا اور

وہ گو اس وقت لفظی اور قانونی شرک کا مجرم نہین لیکن معنوی و نفسی شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے؛ آپ نے فرمایا جس نے خدا کے لیے دیا، اور خدا ہی کے لیے ردکیا، خدا کے لیے چاہا، اور خدا ہی کے لئے عداوت کی، اور خدا ہی کے لیے بیاہ کیا، اُس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا[۱]۔

متعدد صحابیوں[۲] سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ریا چھپا ہوا شرک ہے"، حضرت ابوسعید خدری کہتے ہین کہ "آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کوئی کام دوسرے کی موجودگی کے سبب سے کرے[۳]"، حضرت شداد بن اوسؓ روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا، اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کی خیرات کی اُس نے شرک کیا[۴]"، یہی صحابی کہتے ہین کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع مین آپ فرمارہے تھے کہ "مجھے اپنی اُمت کے لوگون پر سب سے زیادہ جس کا خوف ہے، وہ شرک کا ہے، ہان میرا یہ مطلب نہین کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کرینگے، یا بتون کو پوجین گے، بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے عمل نہ کرنے لگین اور چھپی نفسانی خواہش[۵] مین نہ مبتلا ہون"، حضرت محمود بن لبیدؓ انصاری آپ کا قول نقل کرتے ہین، کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ "مجھکو سب سے زیادہ جسکا تمپر خوف ہے، وہ شرک اصغر ہے"، صحابہؓ نے

---

[۱] مستدرک حاکم ترمذی آخر کتاب الزہد، ترمذی کے دو نسخون مین اس حدیث کے متعلق دو تنقیدین درج ہین، ایک مین منکر لکھا ہے اور دوسرے مین حسن، اس کے ایک راوی اجلح کی نسبت لوگون نے کلام کیا ہے، مگر حدیث کا نفس مضمون تمام اسلامی روایات او احکام کے عین مطابق ہے، [۲] حضرت ابوسعیدؓ خدری، معاذؓ بن جبل، ابوہریرہؓ، شدادؓ بن اوسؓ، محمودؓ بن لبید، ابوسعیدؓ بن ابی فضالہ، ان صحابیون کی روایتین، ابن حنبل، ابن ماجہ، مستدرک، وغیرہ مین ہین، [۳] مستدرک حاکم کتاب الرقاق صفحہ ۳۲۹ جلد ۴ (صحیح) [۴] بحوالہ سابق مستدرک ابن حنبل، مسند شدادؓ بن اوس صفحہ ۱۲۶ جلد ۴، [۵] سنن ابن ماجہ باب الریا، والسمعہ،

عرض کی "یا رسول اللہ صلعم! شرکِ اصغر کیا ہے؟" فرمایا "ریا، قیامت کے دن جب لوگون کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا، خدا ریاکار لوگون سے کہیگا کہ تمھارے لیے ہمارے یہان کچھ نہین، تم انھین کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو دنیا مین یہ کام کیا کرتے تھے[1]"۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہین کہ ایک موقع پر ہم لوگ دجال کے متعلق آپس مین باتین کر رہے تھے کہ اسی اثنا مین آنحضرت صلعم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "دجال سے بڑھکر جو خوفناک چیز میرے نزدیک ہے، کیا مین تمکو اس سے آگاہ نہ کرون؟" ہم سب نے عرض کی "ہان یا رسول اللہ صلعم"۔ فرمایا "وہ شرکِ خفی ہے، یعنی یہ کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ نماز کو محض اس لیے درست کرکے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے[2]"۔ ابو سعید بن ابی فضالہؓ انصاری بیان کرتے ہین کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت مین جب خدا اگلون اور پچھلون کو یکجا کریگا، تو ایک منادی آکر پکاریگا کہ جس نے اپنے کسی عمل مین خدا کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک بنا لیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے، کہ خدا اس سے بے نیاز ہے[3]"۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہین کہ آپ نے ارشاد کیا کہ خدا فرماتا ہے کہ "مین تمام شریکون مین سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز ہون، تو جس نے اپنے کسی کام مین میرے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا تو مین اس سے الگ ہون، اور وہ اسی کا ہے جسکو اس نے میرا شریک بنایا[4]"۔

ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ اپنے ہر عمل مین اس شرکِ خفی سے ڈرتے تھے، شدادؓ بن اوس کہتے ہین کہ "ہم لوگ آنحضرت صلعم کے زمانۂ حیات مین ریا کو شرکِ اصغر گنا کرتے تھے[5]"، ایک دفعہ

[1] ابن حنبل مسند محمود بن لبید انصاریؓ صفحہ ۴۲۸ جلد ۵ و ابو داؤد و مسند ابن حنبل [2] سنن ابن ماجہ باب الریاء والسمعۃ،
[3] سنن ابن ماجہ باب الریا، و ترمذی، و مسند ابن حنبل، [4] ابن ماجہ باب الریا،
[5] مستدرک حاکم کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۲۹، (صحیح)

حضرت عمر فاروقؓ جارہے تھے دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی آنحضرت صلعم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہین، حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھون نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس قبر مین مدفون ہستی نے کہا تھا کہ "ریا کا ادنیٰ شائبہ بھی شرک ہے"۔[1] اسی طرح ایکدفعہ عبادۃ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شدادؓ بن اوس صحابی اپنی جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہین، رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھون نے بیان کیا کہ ایکدن مین نے رسول اللہ صلعم کے چہرۂ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے، عرض کی میرے مان باپ حضور پر فدا ہون، اس حزن و ملال کا سبب کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "مین اپنے بعد اپنی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہون" عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟" فرمایا "شرک اور چھپی نفسانی خواہش" مین نے دوبارہ گذارش کی "یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپکے بعد شرک مین مبتلا ہوگی؟" فرمایا "اے شدادؓ! میری امت یقیناً سورج یا چاند یا بت اور پتھر کی پرستش نہین کریگی، لیکن وہ اپنے عمل کی نمایش اور ریا کریگی" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے"۔ فرمایا "ہان"۔[2]

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھکر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کس طرح ہر پہلو سے شرک کی تردید اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے، وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے انھون نے آپ کی تعلیم کے اثر سے خداپرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کرلی،

---

[1] مستدرک حاکم کتاب الرقاق ج ۴ صفحہ ۳۲۰ (صحیح) [2] مستدرک حوالۂ مذکور، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے مگر ذہبی نے تصریح کی ہے، کہ "اس کا ایک راوی عبدالواحد بن زید متروک ہے" تاہم چونکہ حدیث کا نفس مضمون مسند ابن حنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۲۶) اور سنن ابن ماجہ (باب الریاء) مین ایسے سلسلون سے مذکور ہے، جنمین یہ عبدالواحد نہین پڑتا، اس لئے ہم نے اس حدیث کو یہان درج کیا ہے،

# توحید

اور

# اس کے ایجابی اصول و ارکان

یہ تو توحید کے سلبی اجزا تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد و خیالات کی نفی اور تردید لیکن نبوت محمدی کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استواری، اُس کے اصول کی تعیین، امور ایمان کی تفصیل اور اس کے اجزا کی تکمیل ہے، عرب میں شرک و بت پرستی بھی تھی، اور کہیں کہیں آسمانی مذاہب کی محرّف صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب کا تخیل اُن کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی اُن کے ذہن میں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت صلعم نے اُن کے تمام پچھلے مزخرفات، اور اوہام کو جن کو دین کا درجہ دیدیا گیا تھا، یکقلم محو کر دیا، بت پرستی، جن پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں، اور انکی جگہ مرتب، متیقن، سنجیدہ حقائق اور سچائیوں سے معمور چند عقائد کی تعلیم دی، جو انسان کے تمام اعمال، اور اخلاق کا بنیادی پتھر ہیں،

**اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل** | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین، اور پھر اُسکی توحید پر ایمان ہے

دنیا مین جتنے پیغمبر آئے اُن مین سے ہر ایک نے اس قادرِ مطلق کی طرف لوگون کو دعوت دی، مگر یہ دعوت اُن کے ایک مسلّم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انھون نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا، اور حقیقت مین جن نامحدود زمانون مین قومون کے لئے اُن کی بعثت ہوئی، ان مین دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان زمانون مین بت پرستی، ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا الحاد کا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی، جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قومون کے لئے تھی، اور علمِ الٰہی مین یہ تھا کہ بعثتِ محمدیؐ کے بعد عقلِ انسانی تحقیق و تلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سربمہر خزانے وقفِ عام ہونگے، اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا، اور ہر شے دلیل و ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل و براہین، ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کیگئی،

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے سابقین صرف اپنی قومون کی دعوت پر مامور ہوتے تھے جنہین مشرکین کا وجود تھا، ملحدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلعم کی بعثت تمام قومون اور طبقون کے لئے ہوئی، اس لیے آپکی دعوت مین یہ صاف نظر آتا ہے، کہ آپ انسانی عقل کی ہر صنف کو مخاطب کر رہے ہین، اور اس کے معیار اور سطح کے مطابق اُس قادرِ مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلین بھی پیش کر رہے ہین، اس لیے آپ نے دوسرے پیغمبرون کی طرح صرف مشرکون کو مخاطب نہین فرمایا، بلکہ مشرکون کافرون، ملحدون، شککون، دہریون، ہر ایک کو مخاطب فرمایا، اور اُن مین سے ہر ایک کی تسکین و تشفی کا سامان بہم پہنچایا،

ایک قادرِ مطلق، خالقِ عالم اور صانعِ کائنات کی ہستی کے ثبوت، اور انکار پر جب سے فلسفہ

کا وجود ہے ہمیشہ بحثین پیدا ہوتی، اور دلیلین پیش کیجاتی رہی ہین، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ مین بھی اس مسئلہ پر عقلاے زمانہ نے اپنی جودت ذہن، نکتہ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرزِ تعبیر مین گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغزِ سخن صرف ایک ہے، اس بنا پر وحیِ محمدیؐ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اس مین اسی مغز کو لے لیا ہے، اور نہایت مؤثر طرزِ ادا مین اس کو بار بار دہرایا، اور انسانون کو متنبہ کیا ہے،

وحیِ محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادرِ مطلق، خالقِ عالم، اور صانعِ کائنات ہستی کا اعتراف انسان کی فطرت مین داخل ہے، متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم مین بھی اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے، آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑون مردہ اور گمنام قومون کی تاریخ کا سراغ لگایا جسمین سامان تمدن، اعلیٰ خیالات اور علوم کی لاکھ کمی محسوس ہوتی ہو، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی بالکل نظر نہین آتی، اُن کی عمارتون کے منہدم کھنڈرون مین، جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے، وہ کسی معبد کی چہار دیواری ہوتی ہے، آج بھی دنیا کے مختلف گوشون مین جو بالکل وحشی قومین ملتی ہین، وہ بھی کسی نہ کسی شکل مین، عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تخیل سے بہرہ ور ہین، غرض جماعتِ انسانی کا کوئی حصہ، زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تخیل سے خالی نہین ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات مین داخل ہے، اسی لیے وحیِ محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے،

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ — اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر، دین کی طرف کر یہ

| | |
|---|---|
| الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ | خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگون کو |
| لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ | پیدا کیا، خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین یہی سیدھا |
| وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ، (روم ۴) | اور ٹھیک دین ہو لیکن اکثر لوگ جانتے نہین |

آنحضرت صلعم نے فرمایا،

| | |
|---|---|
| كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ[1] ، | ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، |

اسی لیے خدا کا اعتراف روز ازل کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے، جو انسان کی رگ و پے مین سرایت کئے ہوئے ہے کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ مین وہ اعتراف نمایان ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے،

| | |
|---|---|
| وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْۤ اٰدَمَ | اور جب کہ تیرے خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے |
| مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ | اُن کی نسل کو لیا، اور خود ان کو اُن ہی پر گواہ |
| عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ | کیا، کہ کیا مین تمھارا رب نہین ہون انھون |
| قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ، (اعراف ۲۲) | نے کہا، ہان ہم گواہ ہین، |

انسان کا یہ جذبۂ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، وحی محمدی نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے، اور اسی زیر خاکستر آگ کو ہوا دی ہے، اور انسان کو اسکا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے، وہ انسانون سے پوچھتی ہے،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان،

| | |
|---|---|
| اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، (ابراہیم - ۲) | کیا آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے؟ |

ایک اور مقام پر اس نے کہا،

| | |
|---|---|
| اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ، اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ، (طور) | کیا وہ آپ ہی آپ بنگئے، یا وہی اپنے آپ خالق ہیں یا انھیں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، (یہ کوئی بات نہیں) بلکہ اُن کو یقین نہیں، |

دنیا اور کائنات جسمین انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب سے بالاتر ہے، بہرحال موجود ہے، اور اس کے اس وجود مین کوئی شک بھی نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ سے آپ بنگئی ہے، یا خود اس نے اپنے آپ کو بنالیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونون صورتین باطل ہین، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی، اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہوسکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ نر و مادہ ملکر اپنا بچہ پیدا کرتے ہین تو اُس سے پوچھا جائے گا کہ سلسلۂ توالد و تناسل کا آغاز کیونکر ہوا، اور اوّلین نر و مادہ کا اور مادۂ تخلیق و روح کا خالق کون ہے؟

یہ گوناگون عالم، یہ رنگارنگ کائنات، یہ تارون بھرا آسمان، یہ بوقلمون زمین، یہ سورج، یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھون جاندار اور بے جان اشیاء، یہ علل و اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم، اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قوٰی اور اُن کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قوٰی کے رموز، انسان کی خیالی بلند پروازی، اور عملی عجز و درماندگی، یہ تمام باتین ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہین،

یہ نیلگون آسمان کی چھت، یہ زمین کا سبزہ زار فرش، اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب ایک خالقِ کل کا پتہ دیتا ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ | آسمانون کی اور زمین کی پیدایش، اور رات |
| اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ | اور دن کے بدلنے مین عقلمندون کے لئے |
| لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ، (آل عمران - ۲۰) | نشانیان ہین، |

یہ شب و روز کا نور و ظلمت، یہ سورج اور چاند کی روشنی، اُنکی مقررہ رفتار اور باقاعدہ طلوع و غروب اسکی دلیل ہے کہ اس ابلقِ ایام پر کوئی سوار ہے، جس کے ہاتھ مین اُس کا سیاہ و سپید ہے،

| | |
|---|---|
| وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ | اور اُس کی نشانیون مین سے رات، دن، اور |
| وَالْقَمَرُ، (فصلت - ۵) | سورج اور چاند ہین، |

آسمان اور زمین کی پیدایش، دن اور رات کا الٹ پھیر تو ہے، دیکھو کہ خطرناک سمندرون مین کس طرح لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لیکر دوڑے پھرتے ہین اگر پانی مین مٹی، اور لوہے کا ایک ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائیگا، مگر یہ لاکھون من کے لدے ہوئے جہاز کیسے پھول کی طرح پانی پر تیر رہے ہین جس فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور مین آرہا ہے، وہ جس کے حکم سے بنا ہے، اس کا کتنا بڑا احسان ہے! پھر ان سمندرون سے بخارات اٹھتے ہین، وہ اوپر جاکر بادل بنتے ہین، اور وہ وہین پہنچکر برستے ہین، جہان پیداوار اور زمین کی نشو و نما کی حاجت ہے، اور پھر وہ بادل ہواؤن کے تخت پر بیٹھکر کیسے ادھر ادھر ضرورت کے مطابق اڑتے پھرتے ہین

| | |
|---|---|
| اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | بے شبہہ آسمانون کی اور زمین کی پیدایش، |

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ
مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ
الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ
(بقرہ ۴ - ۲۰)

اور دن رات کے الٹ پھیر مین، اور ان جہازون
مین جو انسانون کے لئے فائدہ رسان سامان
لے کر سمندر مین چلتے ہین، اور آسمان سے
اس کے پانی برسانے مین اور پھر اس پانی کے
ذریعہ مرے پیچھے زمین کو زندگی بخشنے مین اور
زمین مین ہر طرح کے لون کے پھیلانے مین
اور ہواون کے کبھی ادھر اور کبھی ادھر بہنے مین
اور آسمان وزمین کے بیچ مین جو بادل کام مین جتے
لگے ہین، ان سب مین سمجھ بوجھ والون کیلئے بڑی نشانیان ہین

## آسمان اور زمین کی عجیب وغریب خلقت کیساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب ہے

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ
مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ
(جاثیہ - ۱)

بیشک آسمانون مین اور زمین مین ایمان والون
کے لیے نشانیان ہین، اور خود تمہاری پیدائش
مین اور جو چلنے والے پھیلائے ان مین یقین
کرنے والون کے لیے دلیلین ہین،

سورۂ انعام مین نباتات اور انکی نیرنگیون کو اپنی ہستی کی دلیل مین پیش کیا، یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی زمین ہے جس مین سے وہ اُگتے ہین، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سینچے جاتے ہین، ایک ہی ہوا ہے، جس مین وہ سانس لیتے ہین، مگر کتنے رنگ برنگ کے پھل پھول ایسے

اور درخت لگتے ہین جنمین سے ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر ایک کا قد و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہین،

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ | اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر |
| مَاۗءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ | ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اس سے |
| فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ | سبز خوشے نکالے جنسے ہم چڑھے ہوئے دانے |
| حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ | نکالتے ہین، اور کھجور کے گابھے مین سے لٹکتے |
| طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ | گچھے، اور انگور کے باغ، اور زیتون اور انار |
| اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ | ہمشکل اور جدی جدی شکل کے، جب وہ پھلین |
| مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا | تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو، بے شک |
| اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ | ان مین ایمان والے لوگون کے لئے |
| فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الانعام-۱۲) | دلیلین ہین، |

سورۂ روم مین پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اس مین عورت مرد کے جوڑے ہونے کو اور اُن کے درمیان مہر و محبت کے جذبات کے ظہور کو اپنی ہستی کی دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہین، ایک ایک کرکے پیش کیا ہے، اوّل تو خود انسانون کی پیدائش، پھر اُن مین عورت مرد ہونا اور اُن کے درمیان جذبات کی لہر، پھر مختلف قومون کی بولیون، شکلون اور رنگون کو دیکھو کہ ایک ایک سے الگ ہے، پھر انسانون کے اندر کے اعمال کو دیکھو، ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو، یہی تمھاری آنکھین کھولنے

کے لیے کافی ہے،

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۔ وَمِنْ
اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۔
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۔ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ

اور اُس کی نشانیون مین سے یہ ہے کہ اُس نے
تم کو مٹی سے بنایا، پھر تم آدمی بنکر چلتے پھرتے
ہو، اور اُس کی نشانیون مین سے یہ ہے کہ
اُس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے
بنائے کہ تم اُن سے سکون حاصل کرو، اور
تم سب کے درمیان پیار اور مہر رکھا، اس مین
ان لوگون کے لیے جو سوچتے ہین، دلیلین ہین
اور اُسکی نشانیون مین سے آسمانون کی اور
زمین کی بناوٹ اور تمہاری بولیون اور رنگون
کی بوقلمونی ہے، اس مین جاننے والون کیلئے
یقیناً دلیلین ہین، اور اسکی عجیب قدرتون مین
سے تمہارا رات اور دن مین سونا، اور تمہارا
اسکی مہربانیون کو تلاش کرنا ہے، اس مین اُن
کے لیے جو سنتے ہین دلیلین ہین، اور اس کے
عجائب قدرت مین سے یہ ہے کہ تمھین وہ بجلی کی
چمک دکھاتا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور کبھی

اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ

(روم - ۳)

(رحمت کی بارش کی) امید باندھتے ہو، اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے زمین کو اسکے مرے پیچھے زندہ کرتا ہے، اسمین انکے لیے جو سمجھ رکھتے ہین دلیلین ہین، اور اسکی دلیلون مین سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہین۔

اس اخیر آیت مین آسمان و زمین کے اُس کے حکم سے قائم رہنے کا ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب وکشش سے قائم ہین لیکن خود یہ جذب وکشش کس کی کشش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے، سورۂ لقمان مین آسمانون کے بلا کسی نظر نہ آنے والے سہارے کے کھڑے ہونے، اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا، قوتِ کشش ہی سہی لیکن وہ بھی تو اسی کے اسرار مین سے ہے، اس کے بعد ایک جامد اور بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع و اقسام کی زندگی کے نمونون کا ابھر آنا کتنا حیرت انگیز ہے، یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے،

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ،

(لقمان - ۱)

اُس نے آسمانون کی چھت کو کسی ایسے ستونون کے بغیر کھڑا کیا ہے، جو تم کو نظر آتے ہون، اور زمین مین ایسے کھونٹے ڈالدیئے کہ وہ تم کو لیکر ہل نہ جائے، اور اُس نے اس زمین پر ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلائے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہمنے اسی زمین سے ہر اچھے جوڑے،

سورۂ سجدہ مین انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرۂ آب (نطفہ) کے ذریعہ توالد

وتناسل، پھراس کے سڈول جسم کا بنجانا، پھراس مٹی کے مردہ قالب مین دفعتہ کہین سے زندگی آجانا، اوراس مین روح پھک جانا، اوراس مین علم وحواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہوجانا، ان سب کو اپنی صفت مین پیش کیا ہے،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ | وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان |
| بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ | کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اُسکی نسل ذلیل |
| جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ | سے نچڑے پانی سے بنائی، پھراس کو سڈول |
| مَّهِیْنٍ، ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ | کیا، اوراس مین اپنی جان سے کچھ پھونک |
| رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ | دیا، اور تمھارے لئے کان، اور انکھین اور |
| وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ، | دل بنادیئے، تم ان احسانون کا بہت کم شکر |
| (سجدہ-۱) | ادا کرتے ہو، |

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتین ودیعت ہین، اور خود انسانون کے جسم وجان مین عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے، لیکن کوئی صاحب نظر ادھر نہین دیکھتا، انسان کی زندگی، اُس کے اندرونی جذبات، حواس، ذہنی قوی اور دماغی حرکات، اُن مین سے ہر شے معتاب ہے،

| | |
|---|---|
| وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ | اور زمین مین یقین کرنے والون کے لیے نشانیان |
| وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ، | ہین، اور خود تمھاری جانون کے اندر کیا تم |
| (ذاریٰت-۱) | نظر نہین کرتے، |

جانورون کے جسمون کے اندر جو عجیب وغریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے، ایک

ایک ہی گھاس پھوس کی غذا اُن کے پیٹ مین جاتی ہے، پھر اسی کا کچھ حصہ لید اور گوبر، کچھ خون اور کچھ دودھ بنجاتا ہے، اور اسی لید اور گوبر کے باہر آنے کے راستون، اور سرخ خون کی رگون کے درمیان سے خالص، سپید، شیرین دودھ کی دھارون کا نکلنا کتنا عجیب ہے؟

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ج
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ
فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
لِّلشّٰرِبِيْنَ، (نحل - ۹)

اور تمھارے لیے جانورون مین عبرت ہے،
ہم تمھین اُن کے پیٹون کے اندر سے لید اور خون
کے بیچ سے خالص اور پینے والون کے لئے
خوشگوار دودھ پلاتے ہین،

ایک ہی قسم کے پھل ہین، اگر اُن کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمھاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہین، اور دوسری طرح کھاؤ تو اس کو ضائع کر دیتے ہین،

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ
تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (نحل ۹)

اور چھوہارون اور انگورون کے پھلون کو دیکھو
کہ ان مین سے تم نشہ اور اچھی روزی بھی حاصل کرتے
ہو، اسمین سمجھ والون کے لیے دلیل ہے،

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چراغ اور چاند کی خوشنما قندیل کتنی عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ[1] مہینون مین آسمان کے بارہ[2] برج طے کر کے کس طرح زمین مین مختلف موسمون اور زمانون کو نمایان کرتا ہے،

تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ
بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا (فرقان)

بابرکت ہے وہ ہستی جسنے آسمانون مین برج بنائے اور
اُن مین ایک چراغ، اور چمکانے والا چاند بنایا،

انھین چند چیزون تک اسکی قدرت کے عجائبات محدود نہین، بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی محکم روش، اور اپنے قانونِ فطرت سے اسکی گواہی دیتی ہے،

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ، (نمل - ۷) — اس اللہ کی صنعت ہو جس نے ہر شے کو مضبوط (نظام پر) بنایا،

اُس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، اس مین مستحکم نظم ونسق کی بندش نظر آتی ہے،

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ — تجھے مہر والے خدا کی بناوٹ مین کوئی بے ربطی

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ — نظر آتی ہے؟ پھر نگاہ کر، کیا کوئی فطور دکھائی پڑتا

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ — ہے، پھر دہرا کر دوبارہ نظر کر تیری نگاہ رد ہوکر

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ۔ (ملک) — تھک کر تجھ تک پلٹ آئیگی (مگر کوئی نقص پائیگی)

اس قسم کی اور سیکڑون آیتین ہین، جنکا استقصا بھی مشکل ہے، ان آیتون مین تین قسم کے دلائل ہین،

۱- قدرت کے عجائبات اور نیرنگیان، اور پھر اُن کا ایک قانون کے ماتحت ہونا،

۲- عالم کا نظم ونسق اور اس کا مرتب سلسلہ،

۳- کائنات اور سلسلۂ عالم کی ہر کڑی مین بے انتہا مصلحتون، حکمتون اور فائدون کا ہونا،

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اُس کے یہ منظم علل واسباب، خود بخود بخت واتفاق سے نہین بنگئے، بلکہ کسی حکیم ودانا اور قادرِ مطلق صانع نے اپنی قدرت اور ارادہ سے اُن کو بنایا ہے،

اہل فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عموماً یہ دلیل پیش کیا کرتے ہین، کہ ہم بداہۃً دیکھتے ہین کہ

عالم مین ہر چیز کے لئے علل و اسباب کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ یا تو کہین جا کر ختم ہوگا، یا یون ہی مسلسل چلا جائیگا، گر یہ یون ہی مسلسل چلا جائیگا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گذر جائین اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہین ہوسکتا اور نہ کہین اُن کا آغاز ہوسکتا ہے، اس لیے کوئی چیز پیدا ہی نہین ہوسکتی، تسلسل عقلاً بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے، اس بنا پر لامحالہ سلسلۂ علل کا کہین خاتمہ ہونا ضروری ہے، جس علتِ کل پر تمام علتین ختم ہوجاتی ہین، وہی خلق و پیدائش، اور وجود و کون کی اصلی علت العلل ہے،

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اور اصطلاحات سے لبریز اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے تاہم وہ انسانی عقل مین آتی ہے اور بہتون کے لیے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتون مین بھی اس دلیل کا ماخذ مذکور ہے، سورۂ ہود کے آخر مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانون اور زمین کی |
| وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ | چھپی بات اور اسی کیطرف ہر بات لوٹائی جاتی |
| وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ، (ع ۱۰) | ہے، تو اس کو پوج اور اس پر بھروسہ رکھ، |
| وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (نجم ۳) | اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہر سب کی انتہا، |

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم انسانی کمزوریون سے واقف تھے، چند صحابیون نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلعم کبھی کبھی ہمارے دلون مین ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہین جنکو ہم زبان سے ادا نہین کرسکتے، فرمایا، کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہوگئی ؟ گذارش کی ہان یا رسول اللہ، فرمایا، یہ تو خالص ایمان ہے مقصود یہ ہے دل مین وسوسون کا آنا اور پھر ان وسوسون کو اتنا بد تر جاننا کہ ان کا زبان

پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے، یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح آپؐ نے فرمایا، لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں کہتے ہیں، کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا، اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا، زمین کو خدا نے بنایا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں، اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی وسوسہ ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہدے، اٰمنتُ باللّٰہِ میں اللہ پر ایمان لایا۱

یہ تعلیم درحقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام علتوں کی انتہا ہے، اور اس کے بعد کوئی علت نہیں، اس لیے یہ وسوسہ لائق جواب نہیں، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے،

**توحید پر عقلی دلیل** اگر کوئی عالم کا خالق وصانع ہے تو وہ یقیناً ایک ہے، دو نہیں، تاہم دنیا میں ایسے عقلمند بھی ہیں، جو دو نہیں بلکہ متعدد خداؤں کے قائل ہیں، اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کرکے ان کو مختلف خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں، وحیِ محمدیؐ نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے، وہ نظامِ عالم کی یکسانی اور وحدت، اور کائنات کے علل و اسباب کا باہم توافق، تعاون، اشتراک اور اتحاد ہے، دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا ہو نہیں سکتا جب تک آسمان سے لیکر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے کے موافق و مناسب نہ ہوں، اور باہم ان میں اشتراکِ عمل نہ ہو، ایک دانہ زمین سے اس وقت تک اُگ نہیں سکتا، جب تک دانہ اُگنے کے لائق نہ ہو، زمین میں اُگانے کی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب نہ ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق بہم نہ پہنچے، پھر اس کے اُگنے کے موانع اور عوائق ایک ایک کرکے دفع نہ ہوں، ان

---

۱ یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم کتاب الایمان میں متعدد روایتوں سے مذکور ہیں،

سب مراحل کے بعد وہ دانہ اگیگا، اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ مین ادا کیا ہے

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ
لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُونَ ، (انبیا-۲)

اگر زمین و آسمان مین اس ایک خدائے برحق
کے سوا چند اور خدا بھی ہوتے، تو زمین و آسمان
برباد ہو جاتے، تو پاک ہے عرش والا خدا ان

آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار، یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کے بجائے دو طاقتون کے ہاتھون مین ہوتے تو یہ باہمی تصادم مین ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات مین اس مطلب کو ادا کرو، تو یون ہوگا، کہ عالم کائنات معلول ہے، اسکی کوئی علتِ تامہ ہوگی، ظاہر ہے کہ ایک معلول کی دو علتِ تامہ نہین ہو سکتین، کیونکہ علتِ تامہ اس کو کہتے ہین جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود مین کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو، اب عالم کی علتِ تامہ اگر ایک نہ ہو، بلکہ دو ہون، تو سوال یہ ہے کہ ایک علتِ تامہ کے وجود کے بعد، عالم کے وجود مین دوسری علتِ تامہ کا انتظار رہیگا، یا نہین، اگر رہیگا تو پہلی شے علتِ تامہ نہین رہیگی، اور اگر انتظار نہ رہیگا تو دوسری شے علتِ تامہ نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علتِ تامہ ایک ہی ہو سکتی ہے،

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظامِ عالم کی وحدت ہے، سورج، چاند اور تارون سے لیکر انسان، حیوان، ہوا، پانی، درخت اور گھاس پات تک کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک مقررہ نظام اور بندھے اصول کے ماتحت ہین جنمین کبھی سرِمو فرق نہین ہوتا، ہر شے ایک اصول کی پابند، اور ایک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب مین یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے، اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے

پر چل رہے ہیں،

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ — اور نہ اس خدائے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے،

كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ — اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لیجاتا،

عَلٰى بَعْضٍ، (مومنون-۵) — اور ایک دوسرے پر چڑھ جاتا،

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا — کہہ اگر خدائے برحق کیساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا

يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ — کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں، تو ایسی حالت میں وہ

سَبِيْلًا ، سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ — تخت والے (حکمران خدا سے حکومت چھیننے)

عُلُوًّا كَبِيْرًا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ — کا راستہ ڈھونڈتے، پاک اور بلند ہے وہ (خدا)

السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ — اس بات سے جسکو یہ (مشرک) کہتے ہیں، اس (خدا)

مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ، — برحق کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین اور جو انکے

(بنی اسرائیل ۵) — اندر ہیں بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اسکی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو،

اسی وحدتِ نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے،

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ — تو خدا کے بنائے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا پھر

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ — نگاہ کر کیا کوئی فطور تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ — پھر دوبارہ نظر دوڑا، تیری نظر رد ہو کر تھک کر

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (ملک ۱) — واپس جائے گی،

اس واقعاتی استدلال سے بڑھکر جو بالکل نظمِ فطرت پر مبنی ہے کوئی دوسری صحیح دلیل نہیں

ہوسکتی، اسی لئے قرآن پاک نے اس کو اختیار کیا ہے، یہ دنیا وحدتِ نظام ہی کے ماتحت چل رہی ہے ورنہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی چل نہ سکے، اسی سے اس دنیا کے حاکم و فرمانروائے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے،

**توحید کی تکمیل** توحید خواہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل مین ہو، دنیا کے تمام مذاہب و ادیان کی مشترک اور ساولین تعلیم ہے، لیکن اُن مذاہب مین وہ کسی خاص اصل پر مبنی نہ تھی، محمدؐ رسول اللہ کی تعلیم نے اس عمارت کو چند خاص اصول کے بنیادی پتھرون پر قائم کیا، یہ پتھر کیا ہین؟ خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت، اور اس عالم کائنات مین انسان کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی تعیین؛

**خدا کی حقیقی عظمت** اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے، اور اس کو خالق بھی مانتے تھے قدرت کے کارخانہ کا اس کو تنہا مالک نہین سمجھتے تھے، یہودیون کا خدا، ایک خاندانی خدا تھا جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لیے پیدا کی تھی، اور اس کو بنا کر ساتوین دن وہ تھک کر بیٹھ گیا تھا وہ انسانون سے کشتی لڑتا تھا، اسکی اولادین تھین، عیسائیون کا خدا اب کچھ مسیح بن مریم کو دیکر خود معطل ہوگیا تھا، ایرانیون کے خدا کی خدائی نیکی و بدی کی دو مملکتون مین بٹی ہوئی تھی، ہندؤن کا خدا اوتارون کا بھیس بدل کر لاکھون خدا بنگیا تھا، اور برہما مہیش اور بشن تینون نے مل کر خدائی کے کاروبار باہم تقسیم کرلیے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے اس خدا کا جلوہ نمایان کیا، جو آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے، اس کے کاروبار مین کوئی دوسرا شریک نہین اسکی شاہنشاہی مین کسی دوسرے کا حصہ نہین، اُس کے کارخانۂ قدرت مین کوئی دوسرا ساجھی نہین، کائنات کا کوئی ذرہ اس کے حکم سے باہر نہین، دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہون سے چھپی نہین، شجر، حجر، جنگل، پہاڑ، صحرا، دریا، سورج،

چاند، زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان سب اُس کے آگے سربسجود اور اس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں، سب کمزور ہیں، وہی ایک قوت والا ہے، سب جاہل ہیں اسی ایک کو علم ہے، سب فانی ہیں اسی ایک کو بقا ہے، سب محتاج ہیں، وہی ایک بے نیاز ہے، سب اُس کے بندے ہیں، وہی ایک شہنشاہ ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اُس کا ہے، اور اس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے، وہ ہر عیب سے پاک، ہر برائی سے منزہ، اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفاتِ عالیہ اوصافِ کمالیہ اور محامدِ جمیلہ سے متصف ہے، اُس کے مانند کوئی نہیں اُسکی شبیہ و مثال کوئی نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ ناتے سے پاک ہے،

| | |
|---|---|
| ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط | وہ ہے اللہ تمہارا رب، اسی کی بادشاہی ہے، |
| لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ، (زمر۔ ۱) | اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے، |
| لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر۱) | آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے، |
| فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، (انعام۔ ۲) | آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا، |
| عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ، (انعام۔ ۹) | چھپی اور کھلی کا جاننے والا، |
| كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ | اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کے ہاتھ |
| الْحُكْمُ (قصص۔ ۹) | میں فیصلہ کی طاقت ہے، |
| لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ | اس کے مانند کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے والا |
| الْبَصِيْرُ (شوریٰ۔ ۲) | اور دیکھنے والا ہے، |
| هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ، (مومن۔ ۷) | وہی زندہ ہے، اُسکے سوا کوئی خدا نہیں، |

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ، وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ،

(انعام - ۷)

غیب کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اس کے سوا اُن کو کوئی نہیں جانتا، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانتا ہے، درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے لیکن وہ اس کے علم میں ہے،

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ، (اٰلِ عمران - ۳)

اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسکو چاہے سلطنت دے، اور جس سے چاہے چھین لے، اور جسکو چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے، تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے، بیشک تو ہر بات پر قادر ہے،

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ، وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، (یونس - ۱۱)

اور اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اُسکا دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو اُس کے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہیں، اپنے بندوں میں سے جسکو چاہے اپنے فضل سے ممتاز کرے، اور وہی گناہوں

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَىُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ

اللہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، وہی جیتا ہے اور سب اُس کے سہارے جیتے ہیں،

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ
ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا
بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ،

(بقرہ - ۳۴)

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا
يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ، لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى
اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ، (حدید - ۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، (فاتحہ - ۱)

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ، (آل عمران - ۹)

اس کو اونگھ ہے نہ نیند، آسمان اور زمین میں جو کچھ
ہے اُسی کا ہے، کون ایسا ہے جو اُس کے سامنے
اسکی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے، جو لوگ ان
کے روبرو ہے، اور جو اُن کے پیچھے ہے سب کو
جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کے کسی حصہ کا احاطہ
نہین کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کا تخت
آسمانون کو اور زمین کو سمائے ہے، ان آسمانون کی
اور زمین کی نگرانی اُسکو تھکاتی نہین، اور وہی اونچا بڑا ہے

جو زمین مین گھستا، اور جو اس سے نکلتا ہے اور
جو آسمان سے اترتا، اور اس مین چڑھتا ہو، وہ
سب کو جانتا ہے، اور تم جہان بھی ہو وہ تمہارے
ساتھ ہے، اور تم جو کچھ کرو اللہ اس کو دیکھتا ہے
آسمانون اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے،
اور تمام کامون کا مرجع وہی ہے،

سب تعریف اللہ کے لئے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے

اور آسمانون مین، اور زمین مین جو کچھ ہے سب
اُس کے زیر فرمان ہے،

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ، ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ، فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ، (بروج - ۱)

وہی گناہون کا بخشنے والا ہے، بندون سے محبت کرنے والا ہے، تخت کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے، جو چاہتا ہے کر دیتا ہے،

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، (جمعه - ۱)

آسمانون مین اور زمین مین جو ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہین،

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (اسرائیل)

اور کوئی چیز نہین جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو،

ان معنون کی ہزارون آیتین قرآن پاک مین ہین، ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا وہ جلوہ پیش کیا جس کے سامنے معبودانِ باطل کی عزت خاک مین مل گئی، بتون کی بڑائی کا طلسم ٹوٹ گیا، سورج، چاند، تارون کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، جن وانس، شجر وحجر، بحر وبر، سب اُس کے جلال وجبروت کے سامنے سربسجود نظر آئے، پھر اُس کے سوا کون تھا جو نیرنگ وجود کے سازسے انا اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (مین ہون خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہین) کی صدا بلند کر سکتا

**انسان کا مرتبہ** توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول، اس عالم خلق مین انسان کی حیثیت اور درجہ ہے، جو لوگ بتون کو سجدہ کرتے ہین، پتھرون کو پوجتے ہین، درختون کے آگے جھکتے ہین، جانورون کو دیوتا مانتے ہین، جنات اور ارواحِ خبیثہ کے نام کی دہائی پکارتے ہین، آسمانی مخلوقات کو ارباب جانتے ہین، انسانون کو خدا سمجھتے ہین، وہ حقیقت مین انسان کے درجہ اور مرتبہ سے ناواقف ہین، وہ دراصل اس طرح انسان کو پتھرون سے، درختون سے، جانورون سے، دریاؤن سے، پہاڑون سے، اور چاند تارون سے کم تر جانتے ہین، انھون نے درحقیقت انسان کے اصلی رتبہ اور حیثیت کو نہین پہچانا

آنحضرت صلعم نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربون کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم خلق مین تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور وہ اس دنیا مین خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے، قرآن کے ابتدائی سورہ مین آدم کی خلافت کا قصہ محض داستان نہین، بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کو عیان اور نمایان کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اس کو فرشتون کا مسجود بنانا گویا تمام کائنات کا مسجود بنانا تھا، اس کو تمام اسمار کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیار کو اس کے تصرف مین دینا تھا، وہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے فرمان کے رو سے اس عالم مین خدا کا نائب ہے، اور اُس کا سر **خلافت** الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے، کروڑون مخلوقاتِ الٰہی مین خدا کی امانت کا حامل وہی منتخب ہوا، یہ منصب عالی نہ فرشتون کو ملا، نہ آسمان کو عطا ہوا، نہ زمین کے حصہ مین آیا، نہ پہاڑ اس کے مستحق قرار پائے، صرف انسان ہی کا سینہ تھا جو اس امانت کا خزینہ دار ہوا، اور اسی کی گردن تھی جو اس بوجھ کے قابل نظر آئی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ | ہم نے اپنی امانت آسمانون پر، اور زمین پر اور |
| وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا | پہاڑون پر پیش کی، تو سب نے اس بار (امانت) |
| وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ | کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈرے |
| (احزاب - ۹) | اور انسان نے اس کو اٹھایا، |

وحی محمدیؐ نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بزرگیون سے سرفراز فرمایا، عالم مخلوقات مین برتر بنایا اور انعام واکرام سے ممتاز کیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ | ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے |
| فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ | خشکی اور تری مین اُن کو سواری دی، اور ستھری |

وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔ (بنی اسرائیل ۷) — چیزوں کی اُن کو روزی بخشی، اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر اُن کو فضیلت عطا کی،

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو سب سے معتدل قویٰ اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں پیدا ہوئی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (تین ۱) — البتہ ہمنے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا،

یہان تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثون مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "خدانے آدم کو اپنی صورت[1] پر پیدا کیا" اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ "غلام کو سزا دو تو اس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورتِ الٰہی کا عکس ہے" عین میدانِ جنگ مین اگر تلوارین برس رہی ہون، تو "حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیئے[2]، کہ خدانے آدم کو اپنی صورت[3] پر بنایا ہے" غصہ مین یہ بھی نہ کہنا چاہیے کہ "خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے، کہ خدانے آدم کو اپنی صورت پر خلق[4] کیا" ان حدیثون کا یہ مطلب نہین کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے، اور آدم کی شکل اس کی نقل ہے، کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان مین خدا کی صفاتِ کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک موجود ہے، علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا، وغیرہ صفات کی ناقص مثالین اس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہین، اور چونکہ انسان کے تمام اعضا مین اسکا چہرہ ہی اسکی شخصیت کا آئینہ دار اور اس کے اکثر حواس کا مصدر ہے، جن سے اس کے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاستیذان، ابن ابی عاصم فی السنۃ والطبرانی من حدیث ابن عمر باسناد رجالہ ثقات وادب المفرد بخاری واحمد بن ابی ہریرۃ وصحیح مسلم کتاب البر، نیز توراۃ مین بھی یہ فقرہ ان الفاظ مین ہے "جسدن خدانے آدم کو پیدا کیا، خدا کی صورت پر اسے بنایا" (پیدائش ۵-۲) [2] صحیح بخاری کتاب العتق، وصحیح مسلم کتاب البر والصلۃ [3] صحیح مسلم کتاب البر، آخری ٹکڑا صرف مسلم مین ہے [4] الادب المفرد امام بخاری باب لا تقل قبح اللہ وجہہ،

صلعم نے انسان کے اعضا مین اُسی کو فیضِ رحمانی کا مورد[1] ظاہر کیا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جس کو خدا سے ایسی نسبت ہے، کیا اس لائق ہے کہ غیر خدا کے آگے زمین پر رکھا جائے،

انسان تو کائنات مین خلیفۃ اللہ بنکر آیا ہے،

وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (انعام) اور اسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا،

تو اب وہ عالمِ کائنات مین خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے،

روے زمین کی تمام چیزین اس کے خاطر بنین، وہ روے زمین کی چیزون کی خاطر نہین بنایا گیا

خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ۔۳) جو کچھ زمین مین ہے خدا نے (اے انسانو) تمھارے لیے بنایا،

اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ (حج۔۹) زمین مین جو کچھ ہے خدا نے اسکو تمھارے بس مین دیدیا ہے،

تو اب وہ روے زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکائے،

مشرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، حقیقت مین غیرون کے آگے جھک کر یہ ثبوت دیتے ہین کہ یہ اُن کیلئے نہین، بلکہ وہ اُن کیلئے بنے ہین، جو چاند اور سورج کو پوجتے ہین، وہ یہ سمجھتے ہین کہ چاند اور سورج اُن کیلئے نہین، بلکہ وہ چاند اور سورج کیلئے بنے ہین، محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کیلئے بنی ہے، اور انسان خدا کیلئے بنا ہے، اسلئے جب کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گذاری مین مصروف ہے، تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گذاری مین مصروف رہنا چاہیے،

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

---

[1] اس حدیث کی شرح مین فتح الباری شرح بخاری مین یہ قول نقل کیا گیا ہے،

انسانون نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا، تو وحیِ محمدیؐ نے اُن سے کہا،

| | |
|---|---|
| وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ | اور خدا نے رات، دن، اور چاند اور سورج |
| وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ | کو تمھارے لئے کام مین لگایا، اور ستارے اسکے |
| (نحل-۲) | حکم سے کام مین لگے ہین. |

انسانون نے جانورون کو پوجا، تو پیغامِ محمدیؐ نے ان انجانون کو بتایا کہ یہ تمھارے ہین تم اُن کے نہین ہو،

| | |
|---|---|
| وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ | اور جانورون کو اُس نے پیدا کیا، تمھارے لئے |
| مَنَافِعُ، (نحل-۱) | جنمین اُون کی گرمی اور دوسرے فائدے ہین؛ |

انسانون نے دریا اور سمندر کو دیبی اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی انھی کی خاطر عدم سے وجود مین آئے ہین،

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ | اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام مین لگایا |
| لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً | کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور تاکہ تم اس |
| تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ | مین سے آرایش کے موتی پہننے کو نکالو اور دیکھتے |
| فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ | ہو کہ جہاز سمندر کو پھاڑتے پھرتے ہین، اور تاکہ |
| (نحل-۲) | تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو. |

آگ بھی انسانون کی مسجود بنی، حالانکہ وہ خود انھی کی محبت مین جل رہی ہے،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ | جس نے تمھارے واسطے ہرے درخت |

نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۔ — سے آگ پیدا کی پس اس وقت تم اس سے روشن کرتے ہو،

(یٰسین - ۵)

الغرض زمین سے لیکر آسمان تک جو مخلوق بھی ہے، انسان اس سے اشرف اور بلند تر ہے اور ساری مخلوق اسی کیلئے ہے، پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے، جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا معبود اور مسجود بنائے اس حقیقت کے آشکارا ہونے کے بعد **شرک** کا کوئی پہلو بھی ایسا ہے جس میں کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے، اور ایک آستانہ کو چھوڑ کر وہ کسی اور چوکھٹ پر اپنا سر جھکا سکے؟

الغرض محمد رسول اللہ صلعم نے جس توحید کی تلقین کی، وہ انہیں دو اصولوں پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہے، اس لئے کسی مخلوق کے سامنے اسکا سر نہ جھکنا چاہئے، اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم کی قدرت، اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہیں جو ماوراے عرش سے زیر فرش تک ہر ذرہ پر حکمران ہے، اوسکی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھکر صرف اسی کے آستانہ پر جھکنا چاہئے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری تمام دعائیں، ہماری تمام التجائیں، ہماری تمام عاجزیاں، صرف اسی ایک درگاہ پر نثار ہوں، اور اسی کے رحم و کرم کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہو۔

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اسکی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اسکا بھی جواب دیا ہے؛

**خدا کا جامع اور مانع تخیل** قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار، اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات بلکہ عرب کے آثار قدیمہ کے کتبات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا، جسکا نام ان کے ہاں **اللہ** تھا، مگر اللہ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ اسکے صفات کیا ہیں؟ اسکی طرف کیا کیا

باتین منسوب کیجاسکتی ہین کن کن باتون سے وہ پاک ہے. اُسکا تعلق اپنے بندون کے ساتھ کیسا ہے؟
ہم کو اس کے آگے کیسے جھکنا چاہیے؟ اس سے کیا مانگنا چاہیے؟ اور کیونکر مانگنا چاہیے؟ اس کے حضور
مین دعا کیونکر کرنی چاہیے؟ ہم اُس سے کیون ڈرین اور کیونکر ڈرین؟ اور اس سے ڈرنے کی کیا حقیقت
ہے؟ اس سے محبت بھی کیجاسکتی ہے یا نہین؟ اگر کیجاسکتی ہے تو کیونکر؟ اور اس سے محبت کی حقیقت
کیا ہے؟ اُسکی قدرت کہانتک ہے؟ اس کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ہم سے دور ہے. یا بالکل قریب
اس کے تقدس، بڑائی اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کرین؟ کیا وہ انسانون
کی کسی صنف سے کلام بھی کرتا ہے؟ کیا اس کے کچھ احکام بھی ہین؟ اور وہ احکام واجب الاطاعۃ بھی ہین؟
وہ کن باتون سے خوش اور کن سے ناخوش ہوتا ہے. کیا وہ ہمارے دلون کے چھپے ہوئے رازون سے
بھی آگاہ ہے؟ کیا اُسکی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہین کرسکتا؟ اُسکی
مشیت اور اُسکا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے؟ کیا اس کے بنائے ہوئے قاعدے
اور قانون بھی ہین؟ کیا وہ انسانون کی تعلیم اور اصلاح کے لئے پیغمبرون کو بھی مبعوث کرتا ہے؟ کیا ہم
اس کی بارگاہ مین اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہین؟ ہم سے وہ کیون اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ
کریگا؟ یہ وہ باتین ہین جنسے عرب جاہلیت کا دل و دماغ بالکل عاری اور خالی تھا، اور ان چیزون کے متعلق
ان کے ذہن مین کوئی تخیل نہ تھا، جاہلیت کا ایک ایک شعر پڑھ جاؤ، اُن کے مذاہب واعتقادات کا
ایک ایک حرف تلاش کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ پاؤ گے، کہ اللہ ایک طاقتور اعلیٰ ہستی ہے جس نے سبکو
پیدا کیا ہے، اور مصیبتون اور بلاؤن مین اسکو پکارنا چاہیے،

محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے ربانی تعلیمات سے اُن کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا

کیا، اسکی وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا، اُسکی مشیئت وارادہ، اور قدرت و وسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے اعتقاد کی اُن کو تعلیم دی، جس کی قدرت بے انتہا جس کی وسعت غیر محدود ہے، جس کی مشیئت کائنات کے ہر ذرہ مین نافذ ہے، جس کے علم کے احاطہ مین اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل ہے، دلون کے اسرار، زبانون کے الفاظ، اور ہاتھ پاؤن کے اعمال سب ہر لحظ اور ہر لمحہ اسکے روبرو ہین، اُس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جوابدہ اور ذمہ دار ہے، اس کے مواخذہ کا خوف اور اسکی رحمت کی امید ہے، وہ محبوبِ ازل ہے، اسکی محبت کا نشہ ہمارے دلون کی ہشیاری ہے، اسکے فضل وکرم اور لطف ومحبت کی نیرنگیان اوپر سے نیچے تک پھیلی ہین، اسکی قوت ہر قوت پر غالب، اُس کا ارادہ ہر ارادہ مین نافذ اور اسکا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اس کی عبادت ہر مخلوق پر فرض، اور اسکی اطاعت ہر مکلف پر واجب ہے، وہ ہر عیب سے پاک ومنزہ اور ہر وصف کا مستحق، اور اس سے متصف ہے، انسانون کو اپنی یاد دلانے اور اُن کے تزکیۂ واصلاح کے لیے رسولون اور پیغمبرون کو بھیجتا رہا، اور اُن سے ہم کلام ہوتا رہا، اس کے کچھ احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہین جنکی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکون کی سیری، مایوسون کی امید، زخمیون کا مرہم، بے قرارون کی تسلی اور بےکسون کا سہارا ہے، وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے، ہم اُس کو جب پکارین وہ سنتا ہے، وہ نیکیون کو پسند اور گناہون سے نفرت کرتا ہے، وہ جب چاہے آسمان وزمین کو فنا کردے، اور جب چاہے اُن کو پھر رچا دے، اسکی محبت، دنیا کا حاصل، اسکی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اسکی یاد ہمارے دلون کی راحت ہے،

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد) — ہان خدا کی یاد سے دلون کو اطمینان حاصل ہوتا ہے،

ان تعلیمات کا یہ اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جنکو بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اور اسکی راہ مین ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہوگئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر حال مین اسکی یاد مین سرمست و سرشار رہتے تھے،

يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران ۲۰)

وہ خدا کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہین،

اس سرمستی و سرشاری مین بھی انھون نے جنگلون مین راہبانہ زندگی بسر نہین کی، دولتمندون کی بھیک کو اپنا سہارا نہین بنایا، دنیا کی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لیے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دیکر اختیار نہین کیا، بلکہ فرائض کی ادائگی اور اس راہ مین جد و جہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جان کر اس کو پوری مستعدی کیساتھ بجالائے، اور ان تمام ہنگامون کے ساتھ دل کا معاملہ دلدار ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدا نے اُن کی مدح کی کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ ۔ (نور ۔ ۴)

وہ لوگ جنکو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہین کرتی،

اُن کی محبتِ الٰہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے اُن کی توصیف کی کہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ ۔ ۲۰)

ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہین،

اُن کا توکل، اُن کا صبر اُن کا استقلال اُن کی استقامت، اُن کی بہادری، اُن کی بےخوفی اُن کی صداقت، اُن کی راستبازی، اُن کی اطاعت، غرض اُن کی ہر چیز اُن کے اسی جذبۂ ایمانی کا پرتو تھی، اور ہر وقت اُن کے پیشِ نظر یہ تعلیم رہتی تھی، کہ

| | |
|---|---|
| وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق-۱) | جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا اسکو بس کرتا ہے، |
| أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (زمر-۴) | کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہین، |
| وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ (احزاب-۵) | اور تو لوگون سے ڈرتا ہے، حالانکہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرنا چاہیے، |

اُن مین یہ تمام روحانی واخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوئے،

**اسماء وصفات** دنیا کے آغاز مین خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے" دنیا کہان سے کہان نکل گئی، اور علم کی وسعت کہان سے کہان پہنچی، مگر غور کیجئے تو نامون کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہین بڑھے، یہی ہماری حقیقت رسی ہے، اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصولِ منطق کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بنگئے ہین لیکن ہزارون صدیان گذرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حدِ منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کرسکے، جو کچھ کرسکے وہ یہ کہ صفات، عوارض اور خواص کے مختلف رنگون سے نئی نئی طفلانہ رنگین بناتے اور بگاڑتے ہین، جب مادیات کا یہ عالم ہے تو وراء الوراء ہستی مین ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کرسکتی، تجلی گاہ طور اسی رمز کی آتشین تصویر ہے،

ہم خدا کو بھی اُس کے نامون، اُس کے کامون اور اُس کی صفتون ہی سے جان سکتے ہین، محمد رسول اللہ صلعم نے عرب کے جاہلون کو اسی نصاب انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل اللہ نام ایک اعلیٰ ہستی سے واقف تھا، لیکن اُس کے نامون اور کامون کے تخیل سے بڑی حد تک ناآشنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا، دیوانِ عرب یعنی اُن کی شاعری کے

دفتر مین کہین کہین اللہ کا نام آتا ہے، مگر کہین اسکی صفت کا ذکر نہین آتا، قرآن پاک مین ان کے خیالات کا پورا عکس اتارا گیا ہے، لیکن کہین سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسمار وصفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربون مین اللہ کے ساتھ ساتھ "الرحمان" کا لفظ بھی مستعمل تھا جس کے معنی "رحم کرنے والے" کے ہین، اصحاب الفیل کے عیسائی رئیس ابرہہ کے نام سے "ستہ عرم" (یمن) پر جو کتبہ لگا ہے، اور جس کو جرمن فاضل گلازر نے شائع کیا ہے، اس مین بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعرا کے کلام مین بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیون مین اس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہو گئی تھی، اسی لئے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا، تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلعم نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی تو قریش کے نمایندہ نے کہا کہ "قسم ہے اللہ کی، مجھے نہین معلوم[1] کہ **رحمان** کیا ہے؟"

محمد رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سننے اور قرآن مجید مین بار بار خدا کے لیے رحمان کا لفظ مستعمل ہونے کی وجہ سے مشرکون کو برہمی ہوتی تھی، اور وہ کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمان کے آگے سرنگون نہین ہو سکتے، قرآن نے اُن کی اسی حالت کا ذکر اس آیت مین کیا ہے،

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا، (فرقان-۵)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، تو کہتے ہین کہ رحمان کیا ہے، کیا تم جسکو کہو اس کو ہم سجدہ کرین، رحمان کا نام اُن کی (نفرت اور بڑھا دیتا ہے)

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد صلعم ایک طرف تو اُن کے بتون اور دیوتاؤن کی مذمت کرتے ہین،

[1] صحیح بخاری جلد اول کتاب الشروط ص ۳۷۹،

اور دوسری طرف عیسائیون کے رحمان کی مدح وستایش کرتے ہین،

| | |
|---|---|
| اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ وَھُمْ | (مشرک آپ کو دیکھتے تو مذاق سے کہتے کہ) یہی |
| بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ، | وہ ہے جو تمھارے دیوتاؤن کو بُرا کہتا ہے اور |
| (انبیاء-۳) | وہی مشرک رحمان کے ذکر سے انکار کرتے ہین |

تعلیم محمدیؐ نے عرب کے ناآشنایانِ حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء وصفات کی کوئی حد نہین، اُس کو سب ہی اچھے نامون سے پکارا جاسکتا ہے،

| | |
|---|---|
| قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط | کہدو (اے پیغمبرؐ) خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا |
| اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ج | رحمان کہہ کر جس نام سے بھی پکارو، سب اچھے |
| (اسرائیل-۱۲) | نام اُسی کے ہین، |

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مسئلہ اسلام کے اُن اہم مذہبی اصلاحات مین سے ہے جن سے نہ صرف عرب کے جاہل ناآشنا تھے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبون کے پیرو بھی اُن کے متعلق غلطیون مین مبتلا تھے، یہودیون کے اسفار اور صحیفون مین خداے برحق کا اصلی نام "یہوا" تھا، مگر کبھی عام یہودیون کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام "الوہیم" ہے، جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان دو کے علاوہ خدا کے بیسیون نام اور اسماء، جو درحقیقت اُس کے اوصافِ ذاتی اور اعمالِ ربانی کے ترجمان ہین، توراۃ کا دفتر اُن کے ذکر سے بالکل خالی ہے، صفاتِ الٰہی مین سے جو صفت یہودی صحیفون مین سب سے زیادہ نمایان ہے وہ "فوجون والا خداوند" یعنی "ربّ الافواج" ہے، جو صرف خدا کی صفاتِ جلالی کا مظہر ہے،

عیسائیون کی انجیل اور مذہبی کتابون مین "باپ" کا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا پر اس کے اطلاق سے مقصود کیا ہے؟ گوشت وپوست اور مادیت سے بھرے ہوئے لفظ کا خدا پر مجازاً اطلاق بھی کہانتک جائز ہے؟ اور اس سے اس مذہب مین کہانتک غلطیان پھیلین، ان باتون کو چھوڑ کر بھی دیکھئے، تو یہ خدا کے صرف جمالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے عیسائیت مین فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلۂ صفات کے پردہ مین چھپا لیا، اور یہ تاویل کیگئی کہ تثلیث کے اقانیم ثلثہ، باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسٰی) اور روح القدس، حیات، خلق اور علم تین صفتون سے عبارت ہین، باپ حیات، بیٹا خلق، اور روح القدس علم ہے اور یہ تینون ایک ہین اور یہ تینون وجود مین الگ الگ ہین، اس تشریح سے صفات الٰہی کے تجسم کے مسئلہ نے جنم لیا، اور ایک خدا کئی خداؤن کا مجموعہ بنگیا،

ہندوؤن مین اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نیرنگی نظر آتی ہے، لیکن ہر صفت نے اُن کے ہان ایک مستقل وجود حاصل کر لیا ہے، اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی، اور مجرد رہ گیا ہے، اسی لیے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجسم صفات کے جلوہ گاہ ہو کر رہ گئے ہین، برہما، مہیش، وشنو، تین صفات خالق، مُمیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسمے ہین، غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہان بھی تثلیث پیدا کر دی ہے، شنکر آچاریہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کئے، حیات، علم اور سرور یا آنند، جین مذہب اور بعض ہندو فرقون مین ایک خالقیت کی صفت کے تجسم نے اعضائے تناسل کی پرستش کی گمراہی پیدا کی، عام ہندوؤن مین ۳۳ کروڑ عجیب الخلقت دیوتاؤن کی عظیم الشان بھیڑ بھی صفات واسمائے الٰہی کی تجسیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کی، اور اسی نے بت پرستیون کی

نت نئی صورتین نمایان کین، مجوسیون مین یزدان اور آہرمن کی ثنویت اور دوئی بھی، خدا کی دو صفتون ہادی اور مضل کو دو مستقل ہستیون مین منقسم کر دینے کا نتیجہ ہے، اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہوگا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا مین کتنی گمراہیان پیدا کی ہین،

محمد رسول اللہ صلعم نے انسانون کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا، اُن کے غلط عقیدون کی تصحیح کی، اور ربّانی ہدایت کے نور سے سراج منیر بنکر جس طرح اس حقیقت کو روشن کیا وہ نبوتِ محمدی کے عظیم الشان کارنامون مین ہے،

آپنے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہین، اور اسکی باتون کی کوئی انتہا نہین، آپ نے یہ دعا سکھائی "اے خداوندا تیرے ہر اُس نام کے وسیلہ سے، جو تونے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب مین اتارا، یا کسی مخلوق کو سکھایا، یا اپنے لئے اپنے علم غیب مین اس کو چھپا رکھا مین تجھ سے مانگتا ہون" حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا تعلیم ہوئی "خداوندا! مین تیرے سب اچھے نامون کے وسیلہ سے جنین سے کچھ کو ہم نے جانا اور جنکو نہین جانا تجھسے درخواستؔ کرتا ہون" قرآن پاک کے ذریعہ بتایا گیا،

| | |
|---|---|
| قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ | کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر سمندر میرے پروردگار |
| رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ | کی باتون کے لکھنے کیلئے سیاہی بنجائے، تو سمند |
| كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ | ختم ہو جائے لیکن میرے پروردگار کی باتین |
| مَدَدًا ط (الکہف - ۱۲) | ختم نہ ہونگی، اگرچہ ہم ایسا ایک اور سمندر بھی کیون نہ لے آئین |

دوسری جگہ کہا گیا،

---

لہ یہ تینون دعائیں امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں بسند نقل کی ہین، اور پہلی روایت مسند ابن حنبل مین بھی بسند عبداللہ بن مسعودؓ ہے

| | |
|---|---|
| وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ | اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ قلم بن |
| وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ | جائیں اور سمندر، اور اس کے بعد سات سمندر ان |
| اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط | کا پانی سیاہی ہو جائے تب بھی اللہ کی باتیں |
| (لقمان ۳) | ختم نہ ہونگی، |

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لئے ہیں اور اُسی کو زیبا ہیں،

| | |
|---|---|
| اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، لَهُ الْاَسْمَآءُ | نہیں ہے کوئی معبود لیکن وہی اللہ اسی کے |
| الْحُسْنٰى ، ط (طٰہٰ-۱) | لئے ہیں سب اچھے نام، |

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اُسی ذاتِ بے ہمتا کے لیے ہے، خواہ اسکو خدا کہو، یا اللہ کہو، لغت اور زبان کا کوئی فرق اسمیں خلل انداز نہیں،

| | |
|---|---|
| قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ | کہدے (اے پیغمبر) اس کو اللہ کہکر پکارو یا |
| اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ، | رحمان کہکر، جو چاہو کہکر پکارو، کہ سب اچھے نام |
| (اسرائیل-۱۲) | اُسی کے ہیں، |

لیکن مشرکوں کی طرح اس کو ایسے ناموں سے نہ پکارو جو اُس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں، اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اُس کو یاد نہ کرو،

| | |
|---|---|
| وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ | اور اللہ ہی کیلئے ہیں سب اچھے نام، اسکو اُن |
| بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ | ناموں سے پکارو، اور اُن لوگوں سے علیحدہ ہو |
| اَسْمَآئِهٖ ط (اعراف-۲۲) | جو اُس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں، |

تعلیمِ محمدیؐ کا صحیفۂ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہی بلکہ اس کا صفحہ صفحہ خدا کے اسمار و صفات کی جلوہ گریون سے معمور ہے، قرآن پاک کا کم کوئی ایسا رکوع ہوگا جسکا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو اور یہ تمام اوصاف اور نام اُس عشق و محبت کو نمایان کرتے ہین جو اس محبوبِ ازل اور نورِ عالم کیساتھ قرآن کے ہر پیرو کے دل مین ہونا چاہیے،

| | |
|---|---|
| اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ | اللہ آسمانون اور زمین کا نور ہے، اُس کے نور |
| مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ | کی مثال یہ ہے کہ ایک طاق ہو جسمین چراغ ہو |
| اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ | چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو شیشہ اتنا صاف ہو |
| کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ | کہ گویا ایک چمکتا ستارہ ہو وہ چراغ زیتون کے |
| شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ | مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو نہ وہ |
| وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ | پورب ہو نہ پچھم ہے، اُس کا تیل اتنا صاف ہو |
| وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی | کہ آگ کے چھوئے بغیر وہ آپ سے آپ جلنے |
| نُوْرٍ ؕ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ | کو ہو، روشنی پر روشنی، خدا اپنی روشنی تک جسکو |
| وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ | چاہے پہنچا دے اور خدا لوگون (کے سمجھانے) |
| وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ، (نور - ۵) | کے لئے یہ مثالین بیان کرتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے |
| اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ | اللہ نہین ہے اُس کے سوا کوئی اور معبود وہ |
| لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا | ہمیشہ زندہ، تمام دنیا کو سنبھالے ہے، اس کو اونگھ |
| فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ | اور نیند نہین آتی، آسمانون مین اور زمین مین جو |

ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا

بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ،

(بقرہ - ۳۴)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ

الرَّحِيمُ ، هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا

هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ

الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ، (حشر - ۳)

کچھ ہے اسی کا ہے، کون ہے جو اسکی مرضی کے بغیر اسکے

سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو، انسانوں کے سامنے

اور پیچھے جو کچھ ہے اسکو وہ جانتا ہے، اور وہ لوگ

اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن جتنے کا وہ

چاہے، اسکا تخت آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے

اور ان دونوں (آسمان و زمین) کی نگہبانی اُس کو

تھکاتی نہیں اور وہی اونچا اور بڑا ہے،

وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور

کھلے کا علم رکھنے والا، وہی رحم کرنے والا اور مہربانی

والا ہے، وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی اللہ نہیں،

سب کا بادشاہ، پاک، پوری سلامتی، امن دینے والا،

ہر شے پر گواہ، غالب، سب پر قابو والا، بڑائی والا،

ہر اس چیز سے پاک ہے جسکو یہ مشرک خدا کا شریک

بناتے ہیں، وہی اللہ پیدا کرنے والا، بنانے والا،

ہر چیز کی صورت کھینچنے والا، اسی کے لیے سب اچھے

نام ہیں، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب

اسکی پاکی بیان کرتے ہیں، وہی سب پر غالب اور

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ
وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ، هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ، يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ
وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا
كُنْتُمْ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ،
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى
اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ، يُوْلِجُ اللَّيْلَ
فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ
وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ،

(حدید - ۱)

آسمانون مین اور زمین مین جو کچھ ہے وہ سب خدا
کی پاکی بیان کرتے ہین، اور وہی غالب اور دانا
ہے، آسمانون کی اور زمین کی حکومت اسی کی ہے
وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے، اور وہ ہر بات پر
قادر ہے، وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے، اور وہی
کھلا ہے اور وہی چھپا ہے، اور ہر بات کو جانتا ہے
وہی ہے جس نے آسمانون کو اور زمین کو چھ دنون
مین پیدا کیا، پھر تخت پر برابر ہوا، وہ جانتا ہو
جو زمین مین گھستا ہو، اور جو اس سے نکلتا ہو
اور جو آسمان سے اترتا ہے، اور جو اس مین چڑھتا
ہے، اور جہان بھی تم ہو وہ تمھارے ساتھ ہے،
اور اللہ تمھارے کامون کو دیکھتا ہے، آسمانون
کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے، اور اللہ
ہی تمام چیزون کا مرجع ہے، وہ رات کو دن مین
داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات مین داخل کرتا
ہے، اور وہ سینون کے سب بھیدون سے واقف ہے

خدا کے متعلق اہل عرب کا جو پست تخیل تھا، اور محمد رسول اللہ صلعم نے اُس کو مٹا کر اُن کے

سامنے جو بلند تخیل پیش کیا، اُس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے، آپ نے جب توحید کا آوازہ بلند کیا، تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤن کی آل واولاد اور بیویون اور گوپیون کی حمد کے ترانے گاتے تھے، آپ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور فرمایش کی کہ ذرا اپنے خدا کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو، گویا وہ اپنے دیوتاؤن سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کرکے بتانا چاہتے تھے، کہ اس حیثیت سے اسلام کا خدا ہمارے دیوتاؤن کی ہمسری نہین کر سکتا، اُس کے جواب مین وحیِ محمدی نے اپنے خدا کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورہ مین پیش کی[1]،

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُوْلَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ،

(اخلاص)

کہدے (اے پیغمبر) وہ اللہ ایک ہے، وہ تنہا اور بزرگ اور بے نیاز اور عالم کا مرجع اور جائے پناہ ہے، نہ اسکے کوئی اولاد ہے، اور نہ اُسکے ماں باپ ہین (جنھون نے اسکو جنا ہو) اور نہ اسکا کوئی ہمسر ہے، (جو اسکی ٹکر کا ہو)

یہ روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے، جو صحابہ مین سب سے زیادہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے، وہ اسی کے بعد اس سورہ کی تفسیر مین کہتے ہین، کہ "صمد وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور نہ کسی نے اس کو جنا ہو، کیونکہ جو جنا جاتا ہے، وہ مرتا بھی ہے، اور جو مرتا ہے، وہ اپنا وارث و جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرتا ہے نہ اُسکا کوئی جانشین ہے، اور کوئی اُسکا ہمسر نہین ہے، یعنی کوئی اسکے برابر نہین، اور نہ کوئی اُس کے مثل ہے"۔ غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم سے پہلے اہل عرب مین خدا کا کتنا پست و ذلیل تخیل تھا، جسکا اندازہ تم اُن کے سوال سے کر سکتے ہو، اور آپ کی تعلیم کے بعد

---

[1] مستدرک حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) و جامع ترمذی تفسیر سورۂ مذکور و کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۲۲ (الہ آباد)

وہ تخیل کتنا پاک، اعلیٰ اور بلند ہوگیا جسکا اندازہ حضرت اُبیؓ کی تفسیر سے ہوسکتا ہے، جو اُسی عرب نژاد قبیلہ کے ایک ممتاز فرد تھے لیکن اُن کا دل اب محمد رسول اللہ صلعم کے فیضِ تعلیم سے منوّر ہوچکا تھا

حضرت ابوہریرہؓ آپ سے سنکر کہتے ہین، کہ خدا فرماتا ہے کہ "آدم کے بیٹے نے مجھکو جھٹلایا اور آدم کے بیٹے نے مجھکو گالی دی، اسکا جھٹلانا یہ ہے، کہ اُس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہین کریگا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے، اور اُسکا گالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ مین وہ ایک اور "صمد" ہون جس نے نہ کسی دوسرے کو جنا ہے، اور نہ اُس کو کسی نے جنا ہے، اور نہ اسکا کوئی ہمسر ہے" حضرت ابوہریرہؓ یمنی عرب ہین یعنی اس عرب کے ایک فرد ہین جو تعلیمِ محمدیؐ سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا، اور اب وہ تنزیہ و تقدیس کے یہ موتی اپنے منہ سے اگل رہے ہین

اس مختصر سورہ مین سب سے چھوٹا لفظ "صَمَدْ" ہے، لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ مین صفاتِ الٰہی کا بے پایان دفتر چھپا رکھا ہے، "صمد" کے معنی لغت مین اونچی پتھریلی زمین یا چٹان کے ہین جو کسی ایسے آدمی مین ہو جہان جب سیلاب آتا ہو، تو اُس پر نہ چڑھتا ہو، اور لوگ اس وقت دوڑ دوڑ کر اوسی پر چڑھکر اپنی جانین بچائین، پھر صمد کے اس لغوی معنی سے اُس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت مین انتہائی معراجِ کمال پر ہو، اور اُس سردار کو بھی کہنے لگے جس کی موجودگی کے بغیر مجلس مین کوئی فیصلہ نہ ہوسکتا ہو، اور اُس سردار کو بھی کہتے ہین جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو، اور اس جائے پناہ کے معنی مین بھی مستعمل ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن مین پناہ دیسکے، اور اُس مرجع و مرکز کے معنی مین بھی آیا جس کی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، صمد ٹھوس کو بھی کہتے ہین جس کے اندر خول نہ ہو، اسی سے اُسکو بھی کہتے ہین، جو کھاتا پیتا نہ ہو، اور جسکے آل و اولاد نہ ہو

صحیح بخاری تفسیر سورۂ اخلاص،

اوس کو بھی کہتے ہین جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو، اُس بہادر کو بھی کہتے ہین جسکو لڑائی مین بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صَمَدۃٌ اس اونٹنی کو کہتے ہین جس کے حمل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہین کہ صمد[1] وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور سرداری مین درجۂ کمال پر ہو، وہ شریف جس کی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی بڑائی مین کوئی نقص نہ ہو، وہ بردبار جس کی بردباری، بدرجۂ اتم ہو، وہ بے پروا و بے نیاز جس کی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جبروت کی انتہا نہ ہو، وہ علم والا جسکا علم بدرجۂ اتم ہو، وہ حکیم جس کی دانائی بمرتبۂ کمال ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صفت مین کامل ہو[2]

ان معنون کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے اس کی تفسیر مین حسب ذیل معانی بھی لکھے ہین،

**ابن عباسؓ،** وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کرین،

**حسن بصری،** وہ حیّ و قیّوم جس کو زوال نہ ہو، اور جو باقی ہو،

**ربیع بن انس،** جس کے نہ اولاد ہو، نہ مان باپ،

**عبداللہ بن مسعودؓ،** جس کے اندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضا نہ ہون،

**بریدہؓ،** جس مین جوف نہ ہو،

**عکرمہ و شعبی،** جو کھاتا نہ ہو،

**عکرمہؓ،** جس مین سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے،

**قتادہؓ،** باقی غیر فانی،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی[3] اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہین، اور یہ سب صرف

---

[1] کتاب الاسماء والصفات، امام بیہقی بسند صفحہ ۳۴ ہ [2] ان معانی کیلئے دیکھو، کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۴۴، مفردات القرآن راغب اصفہانی، ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ،

ایک حقیقت کی مختلف تعبیرین ہین، کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس لفظ کے اصلی معنی "چٹان" کے ہین جو لڑائی اور مصیبتون کے وقت جائے پناہ کا کام دے، اسرائیلی الٰہیات مین بھی یہ لفظ یہی اہمیت رکھتا ہے، اور بنی اسرائیل کے صحیفون مین جائے پناہ کے لیے چٹان کا لفظ آیا ہے، استثنا، (۳۲-۳۰-۳۱) مین ہے،

"اگر ان کی چٹان ان کو بیچ نہ ڈالتی، اور خداوند ان کو اسیر نہ کرواتا، کیونکہ ان کی چٹان ایسی نہین جیسی ہماری چٹان"

یہ "چٹان" اس موقع پر حقیقت مین خدا کی مدد و نصرت سے کنایہ ہے، سموال کے پہلے صحیفہ مین یہ کنایہ تصریح سے بدل جاتا ہے، "خداوند کے مانند کوئی قدوس نہین، تیرے سوا کوئی نہین کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہین" (۲-۲)

اس سورہ مین خدا کی صفت مین دو لفظ ہین، اَحَدٌ (ایک) اور صَمَدٌ (جائے پناہ) اور یہ دونون خدا کے دو متضاد کمالی اوصاف کو حاوی ہین، اس کی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہین نہ اس کو کسی کی حاجت، نہ اوس کو کسی سے غرض، وہ یکہ و تنہا، اکیلا ہے ہمتا، بے نیاز، بے پروا، سب سے مستغنی اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال یکتائی کے ساتھ، وہ سب کے ساتھ، سب کا دستگیر، سب کی جائے پناہ، سب کا محتاج الیہ، سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا ماویٰ، سب کا ملجا، یعنی سب کی چٹان ہے، جو مصیبتون مین سہارا، بلاؤن مین تسلی، اور اضطرابون مین تشفی ہے،

فَفِرُّوْا اِلَى اللهِ، — ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہان پناہ لو،

یہ سورۂ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے، اور اسی لئے اس کو ثلث القرآن (تہائی قرآن)

کا درجہ دیا گیا ہے، ایک صحابی تھے، جو نماز کی ہر دو رکعت مین قرأت کے آخر مین اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، لوگون نے یہ واقعہ آنحضرت صلعم سے بیان کیا، آپنے اُن سے اُس کی وجہ دریافت کرائی، انھون نے کہا اس مین میرے رب کی صفتین بیان ہوئی ہین، جو مجھ کو بہت محبوب ہین، آپ نے فرمایا بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے[1]، ایک اور انصاری صحابی تھے، جو قبا کی مسجد مین امامت کرتے تھے اُن کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت مین فاتحہ کے بعد پہلے اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے، تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے، اُن کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا، تو انھون نے کہا کہ مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے، مگر اپنی روش بدلنی منظور نہین، لوگون نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت صلعم سے کیا، آپ نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو گذارش کی کہ یا رسول اللہ صلعم مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے ارشاد ہوا کہ یہ محبت تم کو جنت مین لیجائے گی[2]، قتادۃ بن نعمان ایک صحابی تھے جو رات رات بھر اسی ایک سورہ کو دہراتے، اور لطف حاصل کرتے رہتے تھے، لوگون نے آنحضرت صلعم سے اسکا تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ "یہ سورہ قرآن کا تہائی حصہ[3] ہے"،

اُس گمراہی اور تاریکی کا اندازہ جو آنحضرت صلعم سے پہلے عرب پر چھائی ہوئی تھی، اِس روحانی لطف اور نورانی فیض سے کرو، جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ اُس کے حصہ مین آیا،

قرآن مجید اور احادیث مین اللہ تعالی کے سنو سے زیادہ نام اور اوصاف آئے ہین، صحیح حدیثون مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالی کے ننانوے (۹۹) نام ہین، جو اُن کو محفوظ رکھے یا نگاہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید، [2] صحیح بخاری کتاب الصلوۃ،
[3] مسند احمد بسند ابی سعید الخدری،

رکھے، وہ جنت مین داخل[1] ہوگا، خدا طاق ہے، وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے؛ آخری فقرہ اس علت کو ظاہر کرتا ہے کہ ۹۹ نام کیون رکھے گئے، پورے سَو کیون نہ مقرر کئے گئے، یہ اس لئے کہ اگر پورے سَو ہوتے تو عدد طاق نہ رہتا، اور اس سے توحید کا رمز اشکارا نہ ہوتا، صحیح احادیث مین اسی قدر ہے یعنی اُن ۹۹ نامون کی تصریح نہین ہے، ترمذی مین اور بعض کم درجہ حدیثون مین ان نامون کو گنایا بھی ہے، لیکن محدثین نے عموماً یہانتک کہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایتین ضعیف اور کمزور ہین؛ پھر ان روایتون مین بعض نامون کا ادل بدل اور الٹ پھیر بھی ہے، اور بعض ایسے نام بھی ان مین ہین جو قرآن مین مذکور نہین، اور بعض ایسے نام جو قرآن مین ہین ان مین نہین ہین، اسی لئے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان روایتون مین نامون کا انتخاب راویون نے خود اپنی تلاش وتفحص سے کیا ہے، اس لئے ان روایتون سے یہ شبہہ نہ ہو کہ اسمائے الٰہی صرف ان ننانوے (۹۹) مین محصور ہین، بلکہ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین، مثلاً عبدالعزیز بن یحییٰ، ابوبکر بن عربی، امام نووی، حافظ ابن حجر، امام خطابی، ابن تیمیہ اور قرطبی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ اسمائے الٰہی ان ننانوے (۹۹) مین محصور نہین، اور یہ بھی تصریحات ملتی ہین کہ اسماء اور صفاتِ الٰہی کی کوئی حد و پایان نہین[2] ہے، اور اس پر محدثین نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتون سے جو آغازِ مضمون مین اوپر گذر چکی ہین استدلال کیا ہے،

بہرحال قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ کے تتبع سے علماء نے ننانوے نامون کا پتہ چلایا ہے، ان کو الگ الگ ایک ایک کرکے گنایا ہے، یہ تمام نام وہ ہین جو یا بطور علَم اور بطور صفت قرآن پاک

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید وصحیح مسلم کتاب الذکر ومسند احمد بسند ابی ہریرۃ وجامع ترمذی ونسائی وابن ماجہ وابن خزیمہ وابو عوانہ وابن جریر وطبرانی وبیہقی وغیرہ، [2] تمہید ابو شکور سالمی القول الثالث فی عدد الاسماء، یہ ماتریدیہ کی مشہور پرانی اور مستند کتاب ہے۔

مین آئے ہین، یا افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہین، اور یا آنحضرت صلعم نے دعاؤن مین اُن کی تعلیم کی ہے، ہم ذیل مین بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہین اور اُس کی مختصر لغوی تشریح کرتے ہین تا کہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلعم نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے پیروون کو سکھایا، وہ کتنا وسیع، کتنا بلند کتنا منزہ اور پاکیزہ ہے، علماء نے ان نامون کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبتون سے ترتیب دیا ہے، لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہین، ایک وہ جن سے اُس کے رحم و کرم، عفو و درگذر یعنی **صفاتِ جمالی** ظاہر ہوتے ہین، دوسرے وہ جنسے اسکی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومت و استیلا کا اظہار ہوتا ہے، اور ہم اُن کو **صفاتِ جلالی** کہتے ہین، تیسرے وہ اسماء اور صفات جنسے اسکی تنزیہہ، بلندی، کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصافِ حسنہ اور محامدِ عالیہ کا ثبوت ملتا ہے، اور اُن کو ہم **صفاتِ کمالی** سے تعبیر کرتے ہین،

الغرض خدا کے تمام اسماء و صفات انھین تین عنوانون کی تشریح ہین یعنی یا تو اُن سے خدا کی رحیمی و کریمی ظاہر ہوتی ہے، یا اُس کے جاہ و جلال کا اظہار ہوتا ہے، اور یا اسکی تنزیہہ و کمال کا اثبات ہوتا ہے

**صفاتِ جمالی** یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے،

اَللّٰہُ، یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآنِ پاک مین بطور علم ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے بھی یہ عرب مین خدائے برحق کیلئے استعمال ہوتا تھا، اس لفظ کی لغوی تحقیق مین بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے، کسی نے کہا کہ اسکے معنی اس ہستی کے ہین جس کی پرستش کیجائے، بعضون نے کہا کہ وہ جسکی حقیقت و معرفت مین عقلِ انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسرون کی تحقیق ہے کہ اسکے معنی ہین وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچون کے ساتھ

ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں،

اَلرَّحْمٰنُ، اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جس کو علم کی حیثیت حاصل ہے، اس کے معنی "رحم والے" کے ہیں، یہ گذر چکا ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا، عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا، قرآن مجید نے ہر سورہ کے شروع میں نیز اور مقامات میں اللہ کو الرحمٰن کہکر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے، بظاہر تو یہ وصف و موصوف کی معمولی ترکیب ہے، مگر درحقیقت یہ بدل و مبدل منہ ہیں اور اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمان دو اجنبی ذاتیں اور دو بیگانہ ہستیاں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں، اس طرح ان دو مختلف قوموں کو وحدتِ الٰہی کی دعوت دیگئی جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مرادف سمجھتی تھیں، کہا گیا،

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔ اللہ کہو یا رحمٰن کہو، جو چاہو کہو، اسی کے لیے سب

اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اسرائیل ۱۲) ۔ اچھے نام ہیں،

اَلرَّحِيْمُ "رحم کرنے والا" رحم کا لفظ اس رَحِم سے نکلا ہے جس سے بچہ کی پیدایش ہوتی ہے، اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مربیانہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے، یہی اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِيْمُ خدا کی وہ دو صفتیں ہیں، جن سے قرآن کا صفحہ صفحہ منور ہے، کائنات میں جو کچھ ہوا، جو کچھ ہے، جو کچھ ہوگا، وہ اسکی رحمانی اور رحیمی انھیں دو صفتوں کا پرتو ہے، اس عالم اور اس عالم دونوں میں اسکی انھیں دونوں شانوں کا ظہور ہے، اور ہوگا،

اَلرَّبُّ، پرورش کرنے والا، یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لیکر آخر منزل تک ہر لمحہ اور ہر لحظہ مخلوقات

کی نشو ونما اور ظہور و ترقی کا ذمہ دار،

اَللَّطِیْفُ، لطف والا مہربان،

اَلْعَفُوُّ، معاف کرنے والا، درگذر کرنے والا،

اَلْوَدُوْدُ، محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا،

اَلسَّلَامُ، امن وسلامتی، صلح واشتی، ہر عیب سے پاک وصاف،

اَلْمُحِبُّ، محبت والا، پیار والا، چاہنے والا،

اَلْمُؤْمِنُ، امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، اور ہر مصیبت سے بچا دینے والا

اَلشَّکُوْرُ، اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول، اور پسند کرنے والا،

اَلْغَفُوْرُ وَالْغَفَّارُ، معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگذر کرنے والا،

اَلْحَفِیْظُ وَالْحَافِظُ، حفاظت کرنے والا، نگہبان، بچانے والا،

اَلْوَهَّابُ، دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا،

اَلرَّازِقُ وَالرَّزَّاقُ، روزی دینے والا، نشو ونما کا سامان بہم پہنچانے والا،

اَلْوَلِیُّ، دوست، حامی، طرفدار،

اَلرَّؤُفُ، مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا،

اَلْمُقْسِطُ، انصاف والا، عادل،

اَلْهَادِیْ، راہ دکھانے والا، رہنما،

اَلْکَافِیْ، اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لئے کافی،

اَلْمُجِیْبُ، قبول کرنے والا، دعاؤن کا سننے والا،

اَلْحَلِیْمُ، بردبار، بندون کی برائیون سے چشم پوشی کرنے والا،

اَلتَّوَّابُ وَ قَابِلُ التَّوْبِ، توبہ قبول کرنے والا، گنہگار کے گناہون سے درگذر کر کے

دوبارہ اُس کی طرف رجوع ہونے والا،

اَلْحَنَّانُ، مان کی طرح بچون پر شفقت کرنے والا،

اَلْمَنَّانُ، احسان کرنے والا،

اَلنَّصِیْرُ، مدد کرنے والا،

ذُوالطَّوْلِ، کرم والا،

ذُوالْفَضْلِ، فضل والا،

اَلْکَفِیْلُ، بندون کی کفالت کرنے والا،

اَلْوَکِیْلُ، بندون کی ضرورتون کا ذمّہ لینے والا، سامان کرنے والا،

اَلْمُقِیْتُ، روزی پہنچانے والا،

اَلْمُغِیْثُ، فریاد کو پہنچنے والا، فریاد سننے والا،

اَلْمُجِیْرُ، پناہ دینے والا،

اَلْمُغْنِیْ، بندون کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کرنے والا،

صفاتِ جلالی، یعنی وہ اسمار وصفات جنسے خدا کی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی، اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے

اَلْمَلِكُ وَالْمَلِیْكُ، بادشاہ، فرمانروا،

اَلْعَزِیْزُ، غالب جس پر کوئی دسترس نہ پائے،

اَلْقَاهِرُ وَالْقَهَّارُ، جس کے حکم سے کوئی باہر نہین جاسکتا، سب کو دبا کر اپنے قابو مین رکھنے والا،

اَلْمُنْتَقِمُ، سزا دینے والا، برائیون کی جزا دینے والا،

اَلْجَبَّارُ، جبروت والا جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے جس سے کوئی سرتابی نہ کرسکے

اَلْمُهَیْمِنُ، سب پر شاہد اور گواہ اور دلیل،

اَلْمُتَکَبِّرُ، اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا سخت سزا دینے والا،

شَدِیْدُ الْعِقَابِ، سخت سزا والا،

شَدِیْدُ الْبَطْشِ، بڑی گرفت والا جس سے کوئی چھوٹ نہین سکتا،

**نکتہ:**۔ خدا کے صفاتِ جلالی کا ذکر زیادہ تر توراۃ مین ہے، لیکن صحیفۂ محمدیؐ مین جہان کہین خدا کی ان جلالی صفتون کا ذکر آتا ہے، ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل، حکیم، اور علیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹانا مقصود ہے، کہ خدا کی ان جلالی صفتون کا یہ منشا نہین ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک لاابالی کی طرح دم کے دم مین جو چاہے کر گذرتا ہے، بلکہ اسکا قہر، اُسکا غلبہ، اُسکا انتقام اور اُسکی گرفت، عدل و انصاف اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے، اور اس طرح ان جلالی نامون سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ، (آل عمران ۱۹) بیشک خدا بندون پر ظلم کرنے والا نہین،

اسی لئے اللہ تعالیٰ کے وصف مین عَزِیْزٌ (غالب) کیساتھ حَکِیْمٌ (حکمت والا) ہمیشہ قرآن مین آیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اوسکی رحمت کا تذکرہ بھی ہمیشہ قرآن مین کیا

جاتا ہے، اور دوزخ کے بیان کیساتھ جنت کا سمان بھی لازمی طور پر دکھایا جاتا ہے،

جہان یہ کہا گیا کہ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، وہین یہ بھی کہا گیا، رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (ص-۵) قومون کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرما دیا گیا،

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (مومن ۴) اور اللہ بندون پر ظلم نہین کرنا چاہتا،

اُس کی صفت ذُو عِقَابٍ اَلِيْمٍ، دردناک عذاب دینے والا، جہان بیان کیگئی، تو اُس سے پہلے لَذُوْ مَغْفِرَةٍ، یقیناً بخشش والا (حٰمٓ السجدہ ۴-۵) بھی فرما دیا گیا، غرض صفاتِ جلالی کے بیان مین یہ رعایت پیشِ نظر رکھی گئی ہے کہ اُن کے ساتھ یا آگے پیچھے خدا کی صفاتِ جمالی کا بھی ذکر ہو تاکہ خوف و خشیت کے ساتھ اس کی محبت اور لطف و کرم کے جذبات بھی نمایان ہون،

**صفاتِ کمالی** یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف مین اسکا کامل ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس طرح کے اسماء و صفات پانچ قسم کے ہین، ایک وہ جو اُس کی **وحدانیت** سے متعلق ہین، دوسرے اس کے **وجود** سے تعلق رکھتے ہین، تیسرے اُس کے **علم** سے، چوتھے اُس کی **قدرت** سے، اور پانچوین اُس کی **تنزیہہ** اور پاکی سے،

**صفاتِ وحدانیت** یعنی وہ صفتین جو خدا کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہین، اور وہ یہ ہین،

اَلْوَاحِدُ، ایک

اَلْاَحَدُ، ایک،

اَلْوِتْرُ، طاق جسکا کوئی جوڑا نہین،

**صفاتِ وجودی** یعنی وہ صفتین جنسے اسکا وجود، بقا، دوام، ازلیت، اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے،

اَلْمَوْجُوْدُ، وجود والا، ہست،

اَلْحَیُّ، ہمیشہ زندہ، غیر فانی،

اَلْقَدِیْمُ، وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہین، جو ہمیشہ سے ہے،

اَلْقَیُّوْمُ، جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے،

اَلْبَاقِیْ، جس کو ہمیشہ بقا ہے،

اَلدَّائِمُ، ہمیشہ رہنے والا،

اَلْاَوَّلُ، وہ پہلا جس کے پہلے کوئی نہین،

اَلْاٰخِرُ، وہ پچھلا، جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی ہمیشہ باقی رہیگا،

اَلْمُقَدِّمُ، جو سب کے آگے سے ہے،

اَلْمُؤَخِّرُ، جو سب سے پیچھے رہجائیگا،

اَلظَّاهِرُ، جسکا وجود کھلا، اور نمایان ہے، (یعنی جو اپنے کامون اور قدرتون کے لحاظ سے ظاہر ہے)

اَلْبَاطِنُ، جو چھپا اور مخفی ہے، (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے)

علم | یعنی وہ صفتین جو اس کے ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہین،

اَلْخَبِیْرُ، خبر رکھنے والا،

اَلْعَلِیْمُ، جاننے والا،

عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، جو باتین سب سے پوشیدہ ہین اُن کو جاننے والا،

عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ، دلون کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا،

اَلسَّمِیْعُ، سننے والا،

اَلْبَصِیْرُ، دیکھنے والا،

اَلْمُتَکَلِّمُ، بولنے والا، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا،

اَلْوَاجِدُ، پانے والا جس کے علم سے کوئی چیز گم نہین،

اَلشَّهِیْدُ، حاضر جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہین،

اَلْحَسِیْبُ، حساب کرنے والا یعنی جن چیزون کا علم حساب کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہی یعنی وزن اور مقدار اُن کا بھی جاننے والا،

اَلْمُحْصِی، گننے والا یعنی جن چیزون کا علم گن کر حاصل کیا جاتا ہی یعنی اعداد انکا بھی جاننے والا

اَلْمُدَبِّرُ، تدبیر کرنے والا، انتظام کرنے والا،

اَلْحَکِیْمُ، حکمت والا، عقل والا، سب کامون کو مصلحت سے کرنے والا،

اَلْمُرِیْدُ، ارادہ کرنے والا، مشیئت والا،

اَلْقَرِیْبُ، نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے،

قدرت یعنی وہ صفتین جنسے اُس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے،

اَلْفَاتِحُ وَالْفَتَّاحُ، ہر مشکل کو کھولنے والا،

اَلْقَدِیْرُ وَالْقَادِرُ، قدرت والا،

اَلْمُقْتَدِرُ، اقتدار والا جس کے سامنے کوئی چون وچرا نہین کرسکتا،

اَلْقَوِیُّ، زبردست جس کے سامنے کسی کا بس نہین چل سکتا،

اَلْمَتِیْنُ، مضبوط جسین کوئی کمزوری نہین،

اَلْجَامِعُ- جمع کرنے والا متفرق اور پراگندہ چیزون کو اکٹھا کرنے والا،

اَلْبَاعِثُ، اٹھانے والا مردون کو قبرون سے اٹھانے والا، یا دنیا مین ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرک اول،

مَالِکُ الْمُلْکِ، سلطنت کا مالک جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہین،

اَلْبَدِیْعُ، نئی نئی چیزین ایجاد کرنے والا،

اَلْوَاسِعُ، سمانے والا، جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

اَلْمُحِیْطُ، احاطہ کرنے والا جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی اُس کے احاطہ سے باہر نہین،

اَلْمُحْیِیْ وَالْمُمِیْتُ، جلانے والا، اور مارنے والا،

اَلْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ، سمیٹنے والا، اور پھیلانے والا،

اَلْمُعِزُّ وَالْمُذِلُّ، عزت دینے والا، اور ذلت دینے والا،

اَلْخَافِضُ وَالرَّافِعُ، نیچا کرنے والا، اور اونچا کرنے والا،

اَلْمُعْطِیْ وَالْمَانِعُ، دینے والا، اور روک لینے والا،

اَلنَّافِعُ وَالضَّارُّ، نفع پہنچانے والا، اور نقصان پہنچانے والا یعنی نفع اور ضرر دونون اُسی کے ہاتھ مین ہین،

اَلْمُبْدِیُٔ وَالْمُعِیْدُ، جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اُس کو وجود مین لانے والا، اور جو ہو کر فنا کردی گئی، اس کو پھر دوبارہ وجود مین لانے والا،

**نکتہ:**- اس قسم کی صفتین جنین بظاہر قبح نظر آتا ہے، جیسے الضَّارُّ (نقصان پہنچانے والا)

اَلْمُذِلُّ (ذلت دینے والا) اَلْخَافِضُ (پست کرنے والا) اَلْمَانِعُ (روکنے والا) وغیرہ اُن کا تنہا استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے، اس لئے جب تک اُن کے ساتھ اُن کے مقابل کی صفت نہ بولی جائے، اُن کا استعمال جائز نہین رکھا گیا ہے، یعنی خدا کو صرف اَلضَّارُّ، اَلْخَافِضُ، اَلْمَانِعُ، اور اَلْمُذِلُّ کہنا درست نہین جبتک اُس کے ساتھ اس کے دوسرے پہلو کو بھی نہ ملا لیا جائے یعنی اَلضَّار کیساتھ اَلنَّافِعُ، اَلْخَافِضُ کے ساتھ اَلرَّافِعُ، اَلْمَانِعُ کے ساتھ اَلْمُعْطِی اور اَلْمُذِلُّ کے ساتھ اَلْمُعِزُّ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے قرآن پاک اور احادیث دونون مین ان صفات کے استعمال مین یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کیونکہ تنہا نقصان پہنچانے والا، ذلت دینے والا، اور روکنے والا کوئی خوبی نہین، بلکہ ایک طرح کی برائی ہے، ہان نقصان و نفع پہنچانے والا، عزت و ذلت دینے والا، اور دینے والا اور روکنے والا، دونون کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہوگا، کہ اُس سے مقصود خدا کی قدرت کی وسعت ہے، اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہے جسمین نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہین، یا ایسا عزت دینے والا ہے، جسمین ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہین تو وہ اس عزت دینے اور نفع پہنچانے پر مجبور و مضطر ہوگا، اور اُس کی قدرت کا یہ کمال نہ ہوگا، البتہ جو نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا، اور ذلت دے سکنے کے باوصف عزت دیتا ہے، اسکا کمال ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے،

تنزیہیہ | یعنی وہ صفات جو اس کی بڑائی، کبریائی، پاکی اور نیکی اور ہر عیب اور نقصان سے اسکی برائت کو ظاہر کرتی ہین،

اَلْعَلِیُّ ، مرتبہ والا،

اَلْعَظِیْمُ ، عظمت والا ،

اَلْکَبِیْرُ، بڑا ،

اَلرَّفِیْعُ ، بلند ،

اَلْجَلِیْلُ ، بزرگ

اَلْکَرِیْمُ، شریف

اَلْغَنِیُّ بے نیاز ،

اَلصَّادِقُ ، سچا، راست باز ،

اَلْمَاجِدُ ، عزت والا ،

اَلْحَمِیْدُ ، تعریف والا ،

اَلْقُدُّوْسُ ، پاک ،

اَلْحَقُّ ، سچا اور اصلی یعنی یہ کہ اُس کے سوا سب باطل ہیں ،

اَلْجَمِیْلُ، اچھا ،

اَلْبَرُّ، نیک ،

اَلْعَدْلُ ، عادل ،

سُبُّوْحٌ ، ہر عیب سے پاک ،

اَلصَّمَدُ ، بزرگی کی ہر صفت میں کامل ،

اَلرَّشِیْدُ ، سیدھی راہ چلنے والا، نہ بہکنے والا ،

اُن تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر، | اللہ تعالیٰ کے اُن اسماء وصفات کا عقیدہ، دینِ محمدیؐ میں محض نظری نہیں بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے، یعنی اُس کے یہ محامد واوصاف، اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں، اُن اوصاف کو چھوڑ کر جو اُس ذوالجلال کے لئے خاص ہیں، اور جو بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف ومحامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں، کہ وہ خدا کے محامد واوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں، اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو اپنے اندر اُس کے محامد واوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور اُن کو خوبیوں کا انتہائی معیار جانکر اُن کی نقل اور پیروی کی خواہش کرے، محامدِ الٰہی گویا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے، جس کو دیکھکر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہئے، اس لئے انسان کو بھی اپنے ہر حرف کے لکھنے (محامدِ الٰہی کی نقل اُتارنے) میں ایک نظر اُس استادِ ازل کی وصلی پر ڈال لینی چاہئے، تاکہ معلوم ہو کہ اسکی ذاتی مشق کہاں تک اصل وصلی کے مطابق ہے،

گذر چکا ہے کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بحکم اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (بقرہ ۴) آدم کا بیٹا زمین میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف ومحامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کریگا، اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکیگا، یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا، جب وہ سراپا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا،

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً (بقرہ-۱۶)

خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے؟

تمام اہل تفسیر متفق ہین کہ اس "خدائی رنگ" سے مقصود خدا کا "دین فطرت" ہے،

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا" اور ساتھ ہی اسکی تشریح بھی گذری ہے کہ اس "صورت" سے مقصود جسمانی نہین بلکہ معنوی شکل وصورت ہے یعنی یہ کہ خدا نے انسان مین اپنے صفاتِ کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے، اور اُن کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اور اُن مین حدِ بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے، اور انسان کو اخلاق وصفات مین ملاءِ اعلیٰ سے تشبّہ اور ہمشکلی کا جوہر مرحمت فرمایا ہے، اور یہی صوفیہ اور خاصانِ خدا کے اس مقولہ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو" کا مطلب ہے، حدیث مین یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ مین ادا کیا گیا ہے کہ "حُسن الخُلق خلق اللّٰہ الاعظم" حسن خلق خدا تعالیٰ کا خلقِ عظیم ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کاملہ کی تین قسمین اوپر بیان ہوئی ہین، جلالی، کمالی، اور تنزیہی، صفاتِ جلالی جو کبریائی، عظمت، شہنشاہی، اور بڑائی کے اوصاف ہین، اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات اُن کی مستحق نہین اور یہ اوصاف بندگی وعبودیت کے رتبہ کے مناسب ہین، اُن کا انعکاس یہ ہے کہ بندون مین اُن کے مقابل کے صفات پیدا ہون یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی، اور خاکساری، اسی لیے ترفع، تکبر اور بڑائی کا اظہار منع ہے، اور اسی لئے آدم جس نے فروتنی اختیار کی اور عجز وقصور کا اعتراف کیا، وہ مغفرت کے خلعت سے سرفراز ہوا، اور شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا، دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا،

| | |
|---|---|
| اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ | اس نے (آدم کے سجدہ سے) انکار کیا اور غرور کیا، اور کافرون مین سے ہوگیا، |
| (بقرہ - ۴) | |

قرآن پاک مین ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے، اس کے سوا کوئی اور اُسکا مستحق نہین،

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (جاثیہ) اور آسمانون اور زمین مین اُسی کے لیے بڑائی ہو،

صحیح مسلم[1] مین ابو سعید خدری اور ابو ہریرہؓ دو صحابیون سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عزت اُس کا لباس اور کبریائی اس کی چادر ہے، (خدا فرماتا ہے) تو جو کوئی عزت اور کبریائی مین میرا حریف بنے گا مین اُسے سزا دونگا، دوسری جگہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے برا وہ ہے جو اپنا نام بادشاہون کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ اور مالک نہین، اَلْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ، (حشر-۳) اُسی کی شان ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت وجلال اور قوت وجبروت کا فیضان بعض بندون اور امتون پر نازل کرتا ہے، اور وہ اُن کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے، مگر اس نوازش کے بعد بھی نیک بندون اور صالح امتون کا فرض یہی ہے کہ عین اسوقت جب اُن کے دست و بازو سے قوتِ حق، اور ربانی جاہ وجلال کا اظہار ہو رہا ہو، اُن کی پیشانیان فرطِ عبودیت سے اُس کے آگے جھکی ہون اور سرِ نیاز اظہارِ بندگی کے لیے اُس کے سامنے خم ہون، کہ عزت وجلال خاص خدا کی شان تھی، جسکا فیضان رسول پر ہوا، اور رسول کی وساطت سے مومنون پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن مین ملحوظ رکھی گئی ہے،

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون-۱) اور عزت خدا کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنون کے لئے ہے،

حاکم مین ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین کپڑے ہین، وہ اپنی عزت وجلال کا

[1] کتاب الادب، باب الکبر جلد دوم صفحہ ۴۰۰ مصر، ۲ صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الادب،

ازار باندھتا ہے، اور اپنی رحمت کا جامہ پہنتا ہے اور اپنی کبریائی کی چادر اوڑھتا ہے، تو جو شخص اس عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے اس کو عنایت ہوئی ہے، معزز بننا چاہتا ہے، تو وہی وہ شخص ہے جس کو قیامت میں کہا جائے گا، "(اسکا) مزہ چکھ، تو معزز اور شریف بنتا تھا؛ (قرآن) اور جو انسانوں پر رحم کرتا ہے، خدا اس پر رحم کرتا ہے، کیونکہ اس نے وہ جامہ پہنا، جسکا پہننا اس کو روا تھا، اور جو کبریائی کرتا ہے، تو وہ خدا کی اس چادر کو اتارنا چاہتا ہے، جو خدا ہی کے لیے تھی[۱]؛

خدا کے صفات کمالی میں سے وحدانیت اور بقاے ازلی و ابدی کے سوا کہ اُن سے تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہیں، بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان مشرف ہوتا ہے، صفاتِ تنزیہی مثلاً قدرت، علم، سمع، بصر، کلام وغیرہ سے بھی مخلوقات تمامتر محروم ہیں، اُن کی تنزیہ یہی ہے کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہگاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں،

خدا کے صفاتِ جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں جن کے فیضان کا دروازہ ہر صاحبِ توفیق کے لئے حسبِ استعداد کھلا ہوا ہے، اِن صفات کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگذر ہے، عیسائیوں کی عام دعا میں ایک نقرہ ہے کہ "خداوندا! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو معاف کرتے ہیں"؛ اسلام نے اس الٹی تشبیہ کو جائز نہیں رکھا ہے، اُس کے ہاں یہ ہے کہ اے انسان! تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے"؛ آنحضرت صلعم نے فرمایا "جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالیگا، خدا اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا[۲]" قرآن کہتا ہے کہ "تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے"؛

---

[۱] کنزالعمال جلد دوم صفحہ ۱۰۹ و مستدرک حاکم، [۲] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ،

| | |
|---|---|
| اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا | اگر تم کوئی نیکی دکھا کر یا چھپا کر کرو یا کسی کی برائی کو |
| عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا | معاف کرو، تو اللہ (بھی) معاف کرنے والا |
| قَدِيْرًا (نساء - ۳۱) | قدرت والا ہے، |

ایک دفعہ عہد نبوت مین بارگاہ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دیجارہی تھی، سزا کا منظر دیکھکر حضور کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا، ادا شناسون نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ "امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنے بھائیون کو معاف کر دیا کرو، خدا معاف کرتا، اور عفو و درگذر کو پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور درگذر کیا کرو، کیا تمھین یہ پسند نہین کہ خدا تمھین بھی معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"[۱]

آنحضرت صلعم ایک دفعہ صحابہ کے مجمع مین فرمارہے تھے کہ "جس کے دل مین غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا، وہ بہشت مین داخل نہ ہوگا" ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہون، اسکا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَمِيْلٌ يُحِبُّ | اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور جمال والا ہے، اچھائی |
| الْجَمَالَ[۲] | اور جمال کو پسند کرتا ہے، |

یہ غرور نہین، غرور حق کو پامال کرنا، اور انسانون کو دبانا ہے" یہی روایت حدیث کی دوسری کتابون مین ان الفاظ کے ساتھ ہے" خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو[۳]" یہ روایت بھی ہے" خدا جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، وہ سخی ہے،

[۱] مستدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۳۸۲، کتاب الحدود، [۲] صحیح مسلم کتاب الایمان، و ترمذی باب الکبر [۳] کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی،

سخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھرے پن کو پسند کرتا ہے[۱]، روایت کے یہ الفاظ بھی آئے ہین "وہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاقِ عالیہ سے محبت، اور بداخلاقیون سے نفرت رکھتا ہے[۲]" ایک موقع پر آنحضرت صلعم حضرت عائشہؓ کو نصیحت فرماتے ہین "اے عائشہ! خدا نرمی والا ہے، وہ ہر بات مین نرمی کو پسند کرتا ہے[۳]" ایک دفعہ آپنے خطبہ مین ارشاد فرمایا "لوگو! خدا پاک ہے، اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے[۴]" عام مسلمانون کو مخاطب کرکے فرمایا "اے قرآن کے ماننے والو! وتر نماز پڑھا کرو، کہ خدا یکتا (وتر) ہے، وہ یکتا (وتر) کو پسند کرتا ہے[۵]"

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہین جو دوسرون پر رحمت و شفقت کرتے ہین، آپنے فرمایا "رحم کرنے والون پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے، لوگو! تم زمین والون پر رحم کرو، تو آسمان والا تمپر رحم کرے گا" (ابوداؤد باب فی الرحمۃ) رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تمام رشتہ داریان اور قرابتین رحم کے تعلق پر قائم ہین، آپنے فرمایا ہے کہ "رحم کی جڑ رحمان سے ہے، خدا فرماتا ہے کہ اے رحم! جو تجھکو قطع کریگا، مین اس کو قطع کرونگا، جو تجھکو ملائیگا اس کو مین بھی ملاؤنگا[۶]" ترمذی مین یہی تعلیم ان الفاظ مین ہے "مین خدا ہون، مین رحمان ہون، مین نے رحم کو پیدا کیا ہے، اور اپنے نام (رحمان) سے اسکا نام (رحم) مشتق کیا ہے، تو جو اسکو ملائے گا مین اس کو ملاؤن گا، جو اس کو قطع کریگا مین اس کو قطع کردون گا[۷]" پھر فرمایا "جو انسانون پر رحم نہین کرتا، خدا اُس پر رحم نہین کرتا[۸]" بخاری مین اس روایت کے یہ الفاظ ہین "جو رحم نہین کرتا، اس پر رحم نہین کیا

[۱] کنز العمال کتاب الزینۃ بحوالہ کامل لابن عدی، [۲] ایضاً بحوالہ معجم اوسط طبرانی [۳] صحیح مسلم، ابوداؤد، حاکم، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی فی الآداب [۴] صحیح مسلم کتاب الصدقات، و ترمذی تفسیر سورۂ بقرہ [۵] ابوداؤد باب استحباب الوتر [۶] صحیح بخاری باب صلۃ الرحم [۷] ابواب البر والصلۃ، [۸] ترمذی باب مذکور،

جانا۔ آپنے فرمایا "خدا نے رحم کے سو حصے کیے، ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین والون کو عنایت کیا
اُسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رحم و شفقت سے پیش آتے ہین، یہانتک کہ گھوڑی
بھی اپنے بچہ کے لیے اس خوف سے پاؤن اٹھا لیتی ہے کہ اُس کو صدمہ نہ پہنچے[1]"

بخل خدا کی صفت نہین، مگر آپ نے فرمایا "تم اپنی تھیلی کے منھ نہ بند کرو، ورنہ تمپر بھی تھیلی کا منھ بند کیا جائے گا[2]" یہ نصیحت بھی فرمائی کی کہ جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کریگا، قیامت مین اسکی پردہ پوشی خدا کریگا[3]" یہ بھی تعلیم دیگئی ہے کہ جب تک تم اپنے بھائی کی مدد مین ہو خدا تمھاری مدد مین ہے[4]"

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ "خدا سے بڑھ کر کوئی غیرتمند نہین، اسی لئے اس نے فحش باتون کو حرام کیا ہے[5]"، اسی کی تفسیر دوسری حدیث مین ہے، آپنے فرمایا کہ خدا بھی غیرت والا ہے، اور مومن بھی غیرت والا ہے، اور خدا کی غیرت یہ ہے کہ اُس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اسکا ارتکاب کرے تو وہ اس پر خفا ہو[6]"

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے،

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ، (آل عمران-۱۹) اور بے شک خدا بندون پر ظلم نہین کرتا،

اس لئے اُس کے بندون کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس مین ایک دوسرے پر ظلم نہ کرین، محمد رسول اللہ صلعم نے اللہ تعالیٰ کی زبان سے اسکی اس عملی تعلیم کو ان الفاظ مین ادا فرمایا،

یاعبادی انی حرمت الظلم علی اے میرے بندو! مین نے ظلم کو اپنے اوپر حرام

---

[1] جامع بخاری باب رحمۃ الولد، [2] ایضاً [3] صحیح ترمذی ابواب البر والصلۃ [4] مسلم کتاب البر والصلہ باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرۃ [5] ابوداؤد کتاب الادب باب فی المعونۃ للمسلم، [6] صحیح بخاری کتاب التوحید جلد دوم ص۱۱۰۵ [7] جامع ترمذی باب ماجاء فی الغیرۃ من ابواب النکاح،

| | |
|---|---|
| نفسی وجعلته بینکم محرمًا فلا تظالموا[۱]، | کیا ہے اور اس کو تمھارے درمیان بھی حرام کیا ہے تو تم آپس مین ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا، |

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتین ہین، اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک و صاف رہنا چاہیے، آپ نے فرمایا،

| | |
|---|---|
| ان اللہ طیب یحب الطیب ونظیف یحب النظافۃ فتنظفوا ولا تشبھوا الیھود[۲]، | خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور پاک و صاف ہے، پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے، تو تم پاک و صاف رہا کرو، یہودیون کی طرح گندے نہ ہو، |

یہ توحید کا ایک رُخ تھا، اب اس کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ کے قابل ہے،

وہ قومین جو توحید سے آشنا نہ تھین، انھون نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہین پہچانا تھا، وہ انسان کو فطرت کے ہر مظہر کا غلام سمجھتی تھین، یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم توحید ہی تھی جس نے خدا کے سوا ہر شی کا خوف، انسانون کے دلون سے نکال دیا، سورج سے لے کر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانون کی غلام بنکر اُن کے سامنے آئی، بادشاہون کے جلال و جبروت کا طلسم ٹوٹ گیا، اور وہ بابل و مصر، ہند و ایران کے خدا اور ربکم الاعلیٰ ہونے کے بجائے، انسانون کے خادم، راعی اور چوکیدار کی صورت مین نظر آئے، جنکا عزل و نصب دیوتاؤن اور فرشتون کے ہاتھ مین نہ تھا، بلکہ خود انسانون کے ہاتھ مین تھا،

تمام انسانی برادری جسکو دیوتاؤن کی حکومتون نے اونچے نیچے، بلند و پست، شریف و ذلیل

---

[۱] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ و مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب الظلم ص ۹۵ مصر [۲] ترمذی باب فی النظافۃ صفحہ

مختلف طبقون اور ذاتون مین منقسم کردیا تھا، اور جنہین سے کچھ کی پیدائش پرمیشور کے منہ، کچھ کی اُس کے ہاتھ، اور کچھ کی اُس کے پانون سے تسلیم کیجاتی تھی، اس عقیدہ کی وجہ سے ایسی مختلف جنسون مین بٹ گئی تھی جنکو کسی طرح متفق نہین کرسکتے تھے، اور اس طرح مساواتِ انسانی کی دولت دنیا سے گم ہوچکی تھی، اور زمین قومون اور ذاتون کے ظلم و جبر اور غرور و فخر کا دنگل بنگئی تھی، توحید نے آکر اس اونچائی نیچائی بلندی و پستی اور نشیب و فراز کو برابر کیا، سب انسان خدا کے بندے، سب اُس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی بھائی، اور سب حقوق کے لحاظ سے یکسان قرار پائے، ان تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات مین جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفحون مین ثبت ہین،

بالآخر اس اصول کی صداقت کو انھون نے بھی تسلیم کرلیا، جو حقیقی توحید سے ناآشنا ہین، اور اسی لئے وہ مساواتِ انسانی کے حقیقی کوچہ سے بھی اب تک نابلد ہین، انتہا یہ ہے کہ خدا کے گھر مین جاکر بھی تفاوت درجہ کا خیال اُن کے دل سے دور نہین ہوتا، اور وہ دولت و فقر اور رنگ و قومیت کے امتیازات کو خدا کے سامنے سرنگون ہوکر بھی نہین بھولتے، مسلمانون کو تیرہ سو برس سے مساوات کی نعمت اسی توحید کامل کی بدولت حاصل ہے، اور وہ ہر قسم کے مصنوعی امتیازات سے پاک ہین، اسلام کی نظر مین سب ایک خدا کے بندے ہین، اور سب یکسان اس کے سامنے سرافگندہ ہین، دولت و فقر، رنگ و روپ اور نسل و قومیت کا کوئی امتیاز اُن کو منقسم نہین کرتا، اگر کوئی امتیاز ہے تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمانبرداری کا ہے

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، (حجرات-۲) — تم مین خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہو،

**خدا کا ڈر اور پیار** اس سلسلہ مین ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اُس سے محبت کرنے کا ہے،

عام طور سے مخالفون نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم نے جس خدا کی تعلیم دی ہے، وہ فقط قہار، جبار اور مہیب شہنشاہ مطلق ہے، جس کی ہیبت وجلال سے تمام بندون کو صرف ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے، اس کے گوشۂ چشم مین لطف وعنایت کا گذر نہین، محبت اور پیار کا نذرانہ اُس کے دربار مین قبول نہین ہوتا، وہ اپنے کمزور بندون پر نہ خود محبت کی نظر رکھتا ہے، اور نہ بندون سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے لیکن درحقیقت یہ تعلیم محمدی کی بالکل غلط تصویر ہے، اللہ تعالیٰ کے جو اسماء وصفات اوپر گذر چکے ہین، ان مین سے ایک ایک پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ اُس کے چند پرجلال نامون کو چھوڑ کر جو اسکی قدرت تامہ اور مالکیت عامہ کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہین، بقیہ تمام نام صرف محبت اور پیار، لطف اور کرم، رحمت اور مہر کی تجلی گاہ ہین، مخالفون کو اس حقیقت کے سمجھنے مین دو وجہون سے مغالطہ ہوا،

۱۔ آنحضرت صلعم نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کی بھی انسانون کو دعوت دی،

۲۔ دوسرے مذہبون نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اظہار کی جو اصطلاحین مقرر کی تھین آپ نے شدت کے ساتھ اُن کی مخالفت کی اور اُن کو شرک قرار دیا،

**محبت کیساتھ خوف وخشیت کی تعلیم**

یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی تعلیم مین خدا کی محبت اور پیار کے ساتھ اُس کے خوف وخشیت کو بھی جگہ دی ہے، غور کرو انسانون مین تمام کامون کے محرک دو ہی جذبے ہوتے ہین، خوف اور محبت، یہ دونون جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہین، اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی، ان دونون جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہین ادعائے محبت کا نتیجہ ناز، تبختر اور کبھی گستاخی، اور کبھی اپنے مہربان ومحبوب پر غایت اعتماد کی بناپر نافرمانی بھی ہے، اور ظاہر ہے کہ جذبِ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا انسداد صرف خوف کے جذبہ سے ہوسکتا ہے، اس لئے خالق ومخلوق

کے درمیانی رابطہ کی تکمیل نہ تنہا خوف سے ہوسکتی ہے اور نہ تنہا محبت سے، بلکہ ان دونون کے اشتراک امتزاج، اور اعتدال سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے، اور یہی نبوت محمدی کی تعلیم ہے،

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب موجود تھے اُن کے اندر اس مسئلہ مین بھی افراط و تفریط پیدا ہوگئی تھی، اور صراط مستقیم سے وہ تمامتر ہٹ گئے تھے، یہودی مذہب کی بنا سراپا خوف و خشیت اور سخت گیری پر تھی، اُس کا خدا "فوجون کا سپہ سالار"[1] اور "باپ کا بدلہ پشتہا پشت تک بیٹون سے لینے والا تھا"[2] حالانکہ یہودیت کے صحیفون مین خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر کہین کہین موجود[3] ہے، اس کے برعکس عیسائیت زیادہ تر خدا کے رحم و کرم، اور محبت و شفقت کے تذکرون سے معمور تھی، گو ایسا نہین ہے کہ اس مین خدا کے خوف و خشیت کی مطلق تعلیم نہ ہو، بلکہ اس مین بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید[4] ہے، مگر دونون مذہبون کے پیروون نے ان دو متقابل تعلیمون کے درمیان اعتدال ملحوظ نہین رکھا تھا، اسلام نے اسی نقطۂ اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے، وہ نہ تو خدا کو محض جبار، قہار، رب الافواج اور صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل کا خدا مانتا ہے، نہ اس کو مجسم انسان، انسانون کا باپ، یا محمد صلعم کا باپ سمجھتا ہے، اور نہ تنہا رحم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے اُس کو متصف کرتا ہے، بلکہ وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندون پر قاہر بھی ہے، اور رحمٰن و کریم بھی، وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے، اور غفور و رحیم بھی، وہ اپنے بندون کو سزا بھی دیتا ہے، اور پیار بھی کرتا ہے، خفا بھی ہوتا ہے اور نوازتا بھی ہے، اُس سے ڈرنا بھی چاہئے اور اُس سے محبت بھی کرنی چاہئے،

---

[1] یرمیا ۳۲-۱۴-۱۵ وغیرہ [2] خروج ۲۰-۵ و ۳۴-۷ و استثنا ۴-۲۴ و ۶-۱۵ وغیرہ [3] خروج ۲۰-۶ و ۳۴-۷ و زبور ۸۶-۱۵ و ۱۰۳-۸ وغیرہ مین خدا کے پیار اور رحم و کرم کا ذکر ہے [4] لوقا کی انجیل ۱۲-۵ و اول پطرس ۲-۱۷ و دوم قرنتیون ۷-۱ افسیون ۵-۲۱ الغرض خدا سے ڈرنے کی تعلیم عیسائیت مین بھی دیگئی ہے،

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ، وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا، اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ،

(اعراف - ۷)

(لوگو!) اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارا کرو، وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پیار نہیں کرتا، اور زمین کی درستی کے بعد اس مین فساد نہ پھیلاؤ، اور اسکو (اسکے عذاب سے) ڈرتے ہوے اور (اسکے فضل و کرم کی) لو لگاتے ہوے پکارا کرو، بیشک خدا کی رحمت اچھے کام کرنے والون کے قریب ہی ہے،

چند نیک بندون کی مدح مین فرمایا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا، (انبیاء - ۶)

وہ نیکی کے کامون مین جلدی کرتے تھے، اور ہم کو امید اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے،

اس سے زیادہ پُرلطف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگون کو ڈراتا تو ہے، مگر اُس کو جبار، اور قہار کہکر نہیں، بلکہ مہربان اور رحیم کہکر، چنانچہ خدا کے سعید بندون کی صفت یہ ہے کہ،

وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یٰس - ۱)

اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (ق - ۳)

جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبان اُس مہربان کے جلال کے سامنے گنگ ہے،

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ)

اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازین پست ہو گئین

دنیا مین جتنے بھی پیغمبر آئے وہ دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھون کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت

نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ. دوسرے وہ جو محبتِ الٰہی مین سرشار تھے، اور وہ لوگون کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ،

لیکن پیغمبرون مین ایک ایسی ہستی بھی آئی، جوان دونون صفتون کی برزخِ کبریٰ، جلال و جمال دونون کا مظہر، اور پیار اور ادب دونون کی جامع تھی یعنی محمد رسول اللہ صلعم، ایک طرف آپ کی آنکھین خوفِ الٰہی سے اشک بار رہتی تھین، اور دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت مین یہ دونون منظر آپ کے چہرۂ انور پر لوگون کو نظر آجاتے تھے، چنانچہ جب راتون کو آپ شوق و ولولہ کے عالم مین نماز کیلیے کھڑے ہوتے قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتین زبانِ مبارک پر ہوتین، اور ہر معنی کی آیتین گذرتی جاتین، تو جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، آپ پناہ مانگتے، اور جب کوئی مہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت ہوتی تو اُس کے حصول کی دعا کرتے تھے[1]،

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ وہ خوف اور محبت کے کنارون سے ہٹا کر جہان سے ہر وقت نیچے گرنے کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ مین انسانون کو کھڑا کرے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء "ایمانِ کامل، خوف اور امید کے درمیان ہے" کہ تنہا خوف لوگون کو خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ اُن کو خودسر اور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار مین نظر آتا ہے، اور مذہبی حیثیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ عملاً یہودیون اور عیسائیون مین کیا جاسکتا ہے، اسی لئے محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۲،

تعلیم مین ان دونون متضاد کیفیتون کو ایمان اور عقیدہ کے روسے برابر کا درجہ دیا لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانون کو یہ بھی بشارت سنائی کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہو فرمایا

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف ۱۹) اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

اور اسکی تفسیر خود صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ مین کی،

رحمتی سبقت غضبی (بخاری) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی،

عیسائیون نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو "فرزند الٰہی" کا لقب دیا، بعض یہودی فرقون نے بنی اسرائیل کو خدا کا خانوادہ اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰ کے جوڑ پر حضرت عزیر کو فرزند الٰہی کا رتبہ دیا، لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان، یا خاص قوم کو عطا نہین کرتا، بلکہ وہ تمام انسانون کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کرتا ہے، مسلمانون کے مقابلہ مین یہودیون اور عیسائیون دونون کو دعویٰ تھا،

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ ۳) ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہین،

قرآن مجید نے اس کے جواب مین کہا،

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ (مائدہ ۳۰) اگر ایسا ہے تو خدا تمھارے گناہون کے بدلہ تمکو عذاب کیون دیتا ہے، (اس لئے تمھارا دعویٰ صحیح نہین) بلکہ تم بھی انھین انسانون مین سے ہو جنکو اُسنے

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیون کے جواب مین کہا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا اے وہ جو یہودی ہو اگر تم اپنے اس خیال مین سچے ہو کہ تمام انسانون کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص چہیتے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، (جمعہ-۱) ہو تو موت (یعنی خدا کی ملاقات) کی تمنا کیون نہین کرتے

اسلام رحمتِ الٰہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہین رکھتا، بلکہ وہ اس کی وسعت مین انسانون کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے، ایک شخص نے مسجد نبوی مین آکر دعا کی کہ "خدایا! مجھکو اور محمد کو مغفرت عطا کر" آپ نے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا"[1] ایک اور اعرابی نے مسجد مین دعا مانگی کہ خدایا! مجھ پر اور محمد پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت مین کسی کو شریک نہ کر، آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ"[2]

**محبت کے جسمانی اصطلاحات کی ممانعت** اس مسئلہ مین تعلیمِ محمدی کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت و کرم کی تعبیر کے لیے جو مادی اور جسمانی اصطلاحین قائم کی تھین اسلام نے ان کی مخالفت کی، اور ان کو شرک قرار دیا، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسلام کا خدا رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معرا ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو بھی اپنی ہی انسانی بول چال مین ادا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانون کے اندر باہمی مادی اور جسمانی رشتون کے ذریعہ سے نمایان ہوتے ہین، اس بنا پر بعض مذاہب نے اس طریقۂ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے بھی بہترین اسلوب سمجھا چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیون مین ہے، دوسرے نے مان کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلق کو، مان اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور دیبیان انسانون کی مائین نبین، جیسا کہ ہندؤن

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب [2] ابو داؤد کتاب الادب،

کا عام مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک مین زن وشو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے جسکی نظیر دوسرے ملکون مین نہین ملسکتی ہے، اس کی نگاہ مین محبت کا اس سے زیادہ پراثر منظر اور ناقابلِ شکست بیان کوئی دوسرا نہین، اس لئے یہان کے بعض فرقون مین خالق ومخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن وشو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا، سداسہاگ فقرا اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویر ہین،

یہ تمام فرقے جنھون نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتون کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، راہ سے بے راہ ہوگئے اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف اُن کے عوام، بلکہ خواص تک کو گمراہ کردیا جو لفظ کی اصلی رُوح کو چھوڑ کر جسمانیت کے ظاہری مغالطون مین گرفتار ہوگئے، عیسائیون نے واقعی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹون نے ماتاؤن کی پوجا شروع کردی، سداسہاگ فقیرون نے چوڑیان اور ساڑیان پہن لین، اور خدائے قادر سے شوخیان کرنے لگے، اسی لئے اسلام نے جو توحیدِ خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کے لیے ان الفاظ کا استعمال ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشا کا اور اس مجاز کے پردہ مین جو حقیقت مستور ہے، اس کا انکار نہین کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنون کو خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے ربط وتعلق کے اظہار کے لیے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے، اور وہ ان سے زیادہ وسیع وکامل معنی کا طالب ہے،

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۔ (بقرہ - ۲۵)

تم خدا کو اس طرح یاد کرو جسطرح اپنے باپون کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو،

دیکھو! کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لئے ناکافی قرار دیتا ہے اور عبد ومعبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے کہین زیادہ مضبوط واستوار ظاہر کرنا چاہتا ہے،

الغرض رحم ومحبت کے اس جسمانی طریقۂ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہین آتا کہ اسلام سرے سے خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہین سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانون کی بولی مین اتری ہین، انسانون کے تمام خیالات اور تصورات اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہین، اس لیے اُن کے ذہن مین کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی تصور کسی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہِ راست پیدا نہین ہو سکتا، اور نہ اس کے لیے اُن کے لغت مین کوئی ایسا لفظ ملسکتا ہے، جو کسی غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزہ اور بلند طریقہ سے بیان کرے جسمین مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان اَن دیکھی چیزون کا تصور صرف دیکھی ہوئی چیزون کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے، اور اس طرح اُن اَن دیکھی چیزون کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ مین اُتر جاتا ہے اس اَن دیکھی ہستی کی ذات وصفات کے متعلق جسکو تم خدا کہتے ہو ہر مذہب مین ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروون کے گرد وپیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلندتر اور کاملتر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جسمانیت اور انسانیت کی اُن آلائشون سے اس حد تک پاک ومنزہ کردے، جہانتک بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، مان اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی جسمانی اور انسانی ہے، کہ اس تخیل کے معتقد کے لئے ناممکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لئے نبوتِ محمدیؐ نے ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتون کے ظاہر کرنے والے الفاظ کو خالق ومخلوق کے اظہار ربط وتعلق کے باب مین یکقلم ترک کر دیا، بلکہ انکا استعمال بھی شرک قرار دیا، تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانون ہی کی مادی بولی مین کرنا تھا، اس لئے جسمانی ومادی رشتہ کے بجائے جس کو دوسرے مذاہب نے منتخب کیا تھا، اس رشتہ کے محض جذبات

احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقاتِ باہمی کے اظہار کے لیے اسلام نے مستعار لے لیا، اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کئے بغیر اس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا، اور استعالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش آچکی تھین اُن سے انسانون کو محفوظ رکھا،

ہر زبان مین اس خالقِ ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہین، جنکو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قومون نے اختیار کیا ہے، اور گو اُن کی حیثیت اب عَلَم اور نام کی ہے، تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیشِ نظر رکھکر استعمال کئے گئے تھے، ہر قوم نے اس عَلَم اور نام کے لیے اُسی وصف کو پسند کیا ہے، جو اُس کے نزدیک اس خالقِ ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور عَلَم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل مین کس لفظ سے نکلا ہے، اس مین اہلِ لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہِ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ "وَلَاہ" سے نکلا ہے، اور "ولہ" کے اصل معنی عربی مین اُس "غم" "محبت" اور "تعلقِ خاطر" کے ہین جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری زبان مین لفظ "والہ" (شیدا) مستعمل ہے، اس لئے "اللہ" کے معنی "محبوب اور پیارے" کے ہین جس کے عشق و محبت مین نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگردان متحیر اور پریشان ہین، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قرآن مجید کی آیتون کے ترجمے اکثر ہندی مین فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ ہندی مین "من موہن" یعنی "دلون کا محبوب" کیا کرتے تھے،

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتون پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے، وہ "رحمان" اور "رحیم" ہین، ان دونون لفظون کے تقریباً ایک ہی معنی ہین "رحم والا" "مہربان" "لطف و کرم والا" بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(محبوب، مہربان رحم والا) کے ضمن مین قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز مین انھین صفاتِ ربانی کے بار بار دہرانے کی تاکید کیگئی ہے، ہر نماز مین کئی کئی دفعہ اُن کی تکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بھی بڑھکر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان مین خدا کا دوسرا عَلَم یہی لفظ "رحمان" ہے، جو رحم وکرم اور لطف ومہر کے معنی مین صفت مبالغہ کا صیغہ ہے،

| | |
|---|---|
| قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ | اُسکو "محبوب" (اللہ) کہو یا "مہربان" (رحمان) کہو جو کہکر |
| اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل ۱۲) | اسکو پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہین، |

قرآن مجید نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی صدہا بار کی تکرار کے علاوہ خاص طور سے ۵۲ موقعون پر خدا کو اس رحمان کے نام سے یاد کیا ہے،

ابھی اس سے پہلے باب مین اسمائے الٰہی کا ایک ایک نام تمھاری نظر سے گذر چکا ہے، ان نامون مین اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی وجمالی اوصاف آگئے ہین، استقصا کرو تو معلوم ہوگا کہ ان مین بڑی تعداد انھین نامون کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور مہر ومحبت کا اظہار ہوتا ہے، قرآن مجید مین اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف اَلْوَدُوْدُ (سورۂ ذات البروج مین) آیا ہے جس کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہین، کہ وہ سرتاپا مہر ومحبت، اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام اَلْوَلِیُّ ہے، جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہین، خدا کا ایک اور نام جو قرآن مجید مین بار بار استعمال ہوا ہے اَلرَّءُوْفُ ہے "رؤف" کا لفظ "رأفت" سے نکلا ہے، "رأفت" کے معنی اُس محبت اور تعلق خاطر کے ہین، جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام حَنَّانٌ ہے، "جو حَنَ" سے مشتق ہے،

تحق اور حنین اُس سوز دل اور محبت کو کہتے ہین جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہین جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے اختیار کیے ہین، دیکھو کہ وہ ان رشتون کا نام نہین لیتا لیکن اُن رشتون کے سبب سے محبت اور پیار کے جو خاص جذبات پیدا ہوتے ہین اُن کو خدا کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے، اور اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخیل آئے بغیر وہ ان روحانی معنون کی تلقین کر رہا ہے،

محمد رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ وہ غفّار (بخشش کرنے والا) اور غفور (بخشنے والا) ہے، یعنی بندون کے گناہون کو معاف کرنے والا ہے، وہ سَلَام (امن و سلامتی) ہے، یعنی اپنے بے پناہ بندون کے لیے وہ سرتاپا امن و سلامتی ہے، وہ مُؤمِن (امن دینے والا) ہے، وہ العدل ہے، یعنی سرتاپا انصاف ہے، وہ اَلعَفُوّ (معاف کرنے والا) ہے، اَلوَهّاب (عطا کرنے والا) ہے، الحلیم (بردبار) ہے اَلصَّبُور (بندون کی گستاخیون پر صبر کرنے والا) ہے، اَلتَّوَّاب (بندون کے حال پر رجوع ہونے والا) ہے، اَلبَرُّ (نیک اور مجسم خیر) ہے، اور اَلمُقسِط (منصف اور عادل) ہے، ان مین سے ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کسقدر بلند اور برتر ہے،

توراۃ کے اسفار انجیل کے صحائف اور وید کے حصص کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ، کیا اللہ تعالیٰ کیلیے ایسے پُر محبت اور سراپا مہر و کرم اسماء و صفات کی یہ کثرت تم کو وہان ملیگی؟ یہ سچ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کیلیے ماں اور باپ کا لفظ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی طرح استعمال کرنا جائز نہین سمجھتا، مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ اس لطفِ احساس اور مہر و کرم کے جذبات و عواطف سے یکسر خالی ہے جنکو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہین، بات یہ ہے کہ اسلام ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کیساتھ

شرک وکفر کی اُس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسانون کو بچانا چاہتا ہے جو ذراسی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھکر پاک اور سرتاپا روحانی معنون کو مادی اور مجسم یقین کر لیتے ہین اور اس طرح وہ توحید کی بلندترین سطح سے بہت نیچے گر کر سررشتۂ حقیقت کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہین،

محمد رسول اللہ صلعم متکلم ازل کا آخری پیغام لیکر آئے تھے، اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کی تعلیم اس قسم کی لغزشون سے پاک ومبرا ہو، روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا، یقیناً مادی اور جسمانی استعارات ومجازات سے چارہ نہین، تاہم ایک دائمی تعلیم کا یہ فرض تھا، کہ وہ اپنے کو استعمالات کی غلطیون اور مجازات کی غلط فہمیون سے محفوظ رکھتی، چنانچہ اسلام نے اسی بناپر ان استعارات ومجازات کے استعمال مین بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے مہر وکرم اور عشق ومحبت کے تذکرون کے ساتھ ادب ولحاظ کے قواعد کو فراموش نہین کیا ہے، قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق ومحبت کے ان دلآویز اور ولولہ انگیز حکایات سے معمور ہین، بااین ہمہ اسلام انسان کو بیٹا اور خدا کو (باپ) نہین کہتا کہ عبد ومعبود کے تعلقات کے اظہار کے لیے اس کے نزدیک یہ کوئی بلندتر تعبیر نہین، وہ خدا کو اَبْ (باپ) کے بجائے "رَبّ" کہکر پکارتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہین، بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے،

"اَبْ اور رَبّ" ان دونون لفظون کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ عیسائیون اور یہودیون کا تخیل اسلام کے مطمح نظر سے کس درجہ پست ہے، اَبْ یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بناپر ایک خاص لحظہ مین قائم ہوتا ہے، اور پھر اسکی حیثیت بدل کر، پرورش اور حفاظت کی صورت مین بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود مین یک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر یہ تعلق حد درجہ ناقص، محدود، اور آنی ہوتا ہے، بیٹے کے وجود، قیام و

بقا، ضروریاتِ زندگی، سامانِ حیات، نشو ونما اور ارتقا کسی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے باپ سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے، اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لئے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کیطرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے،

ربوبیت (پرورش) عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اُس تعلق کا نام ہے، جو آغاز سے انجام تک پیدائش سے وفات تک، بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہو سکتا جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گہوارہ عدم سے لیکر فنائے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا ہاتھ تھامے رہتا ہے، انسان ذرہ ہو یا بصورت غذا، قطرۂ آب ہو یا قطرۂ خون، مضغۂ گوشت ہو یا مشتِ استخوان، شکمِ مادر میں ہو یا اس سے باہر، بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، کوئی آن کوئی لمحہ، رب کے مہر و کرم اور لطف و محبت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا،

علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیت، ہمجنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے اُس سے لفظ رب بکلم پاک ہے، اور اس میں ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں جنہیں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے،

اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جنسے یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اُس ازلی و ابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے، اور وہ خمخانۂ الست کی سرشاری کی یاد بھلے ہوئے انسانوں کو کس کس طرح دلا رہا ہے، اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت "حبِ الٰہی" ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہلِ ایمان کی پہلی جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی، زبانِ الٰہی نے شہادت دی

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ ۲۰) — اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں،

اس نشۂ محبت پر باپ، ماں، اولاد، بھائی، بیوی، جان، مال، خاندان، سب کو قربان اور نثار ہو جانا چاہئے، ارشاد ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ | اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی تمہاری |
| اِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ | بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے |
| وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ | اور وہ سوداگری جسکے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو، |
| تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ | اور وہ مکانات جنکو تم پسند کرتے ہو، خدا اور اس کے |
| اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ | رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ |
| وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی | محبوب اور پیارے ہیں، تو اس وقت تک انتظار |
| یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ (توبہ ۳۰) | کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لائے، |

ایمان کے بعد بھی اگر نشۂ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادۂ حق سے دوری ہے، چنانچہ جو لوگ راہِ حق سے بھٹکنا چاہتے تھے اُن کو پکار کر سنا دیا گیا،

| | |
|---|---|
| یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ | مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) |
| مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ | سے پھر جائیگا تو خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں، وہ |
| بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ ، | ایسے لوگوں کو لا کر کھڑا کریگا، جنکو وہ پیار کرے گا اور |
| (مائدہ ۸) | وہ اسکو پیار کرینگے، |

حضرت مسیحؑ نے کہا "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری

آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمہارے دل مین اس کے دیدار کی تڑپ ہے، نہ تمہارے سینہ مین صدمۂ فراق کی جلن ہے، اور نہ آنکھون مین ہجرِ جدائی کے آنسو ہین، تو کون تمہارے دعوے کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہتیرے ہو سکتے ہین، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیان اور ظاہری علامتین اُس کے احکام کی پیروی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہے، خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے،

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، (آل عمران ۴)

اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو پیار کریگا،

محبت کیونکر حاصل ہو، وحیِ محمدی نے اس رتبۂ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتادی، فرمایا،

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم ۶)

جو لوگ ایمان لائے، اور نیک کام کئے رحمت والا خدا، اُن کے لئے محبت پیدا کریگا،

اس آیت مین محبت کے حصول کے دو ذریعے بتائے گئے ہین، ایمان، اور عملِ صالح یعنی نیک کام، چنانچہ طبقاتِ انسانی مین متعدد ایسے گروہ ہین، جنکو ان ذریعون سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (مائدہ ۲۰۳ و بقرہ ۲۴) — خدا نیکی کرنے والون کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ، (بقرہ ۲۸) — خدا توبہ کرنے والون کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ، (آل عمران ۱۷) — خدا توکل کرنے والون کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ، (مائدہ ۶ و حجرات ۱) — خدا منصف مزاجون کو پیار کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (توبہ - ۱۰) | خدا پرہیزگارون کو پیار کرتا ہے، |
| اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ، (صف - ۱) | خدا اُن کو پیار کرتا ہے، جو اس کے راستہ مین لڑتے ہین، |
| وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (آل عمران ۱۵) | اور خدا صبر کرنے والون کو پیار کرتا ہے، |
| وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ (توبہ - ۱۳) | اور خدا پاک صاف لوگون کو پیار کرتا ہے، |

مسند احمد مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیون سے محبت کرتا ہے، اور تین قسم کے آدمیون کو پیار نہین کرتا محبت اُن سے کرتا ہے، جو اس کی راہ مین خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہین، اور اُن سے جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہین، اور اُن سے جو وضو کرکے خدا کی یاد کے لئے اُس وقت اٹھتے ہین، جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لئے بستر لگاتا ہے، اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہین اترانے والا مغرور، احسان دھرنے والا بخیل، جھوٹی قسمین کھا کھا کر مال بیچنے والا سوداگر،[1]

دنیا کے عیش و مسرت مین اگر کوئی خیال کانٹا سا چبھتا ہے، اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدر اور منغص بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے، تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیون کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے، پہلے کا نام حزن و غم، اور دوسرے کا خوف و دہشت ہے غرض غم اور خوف یہی دو کانٹے ہین، جو عاجز و درماندہ انسان کے پہلو مین ہمیشہ چبھتے رہے ہین، لیکن جو محبوب حقیقی کے طلبگار اور اس کے والہ و شیدا ہین، اُن کو بشارت ہے کہ اُن کے عیش کا چمن زار ان کانٹون سے پاک و صاف ہوگا،

[1] احمد بن حنبل مسند ابوذر جلد ۵ ص ۱۷۶

| | |
|---|---|
| اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ | ہان خدا کے دوستون کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ |
| وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۔ (یونس -۷) | غمگین ہونگے ، |

محبت کا وہ جذبہ جو بڑے کو چھوٹے کے ساتھ، احسان، نیکی، درگذر اور عفو و بخشش پر آمادہ کرتا ہے، اُس کا نام "رحم" اور "رحمت" ہے، اسلام کا خدا تمام تر رحم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصۂ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اُس کا نام رحمان ورحیم ہے، جو کچھ یہان ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہین تو کچھ نہین، اسی لئے اس کی رحمت سے ناامیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ وتیار رہتا ہے، گنہگارون اور مجرمون کو وہ محمد رسول اللہ صلعم کی زبان سے "میرے بندو" کہکر اُن کے پاس تسلی کا یہ پیام بھیجتا ہے،

| | |
|---|---|
| قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى | اے پیغمبر! میرے اُن بندون اکو پیام پہنچادے |
| اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ | جنھون نے اپنی جانون پر ظلم کیا ہے، کہ تم اللہ کی |
| اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا | رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ یقیناً تمام گناہون کو |
| اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۔ | بخش سکتا ہے، بیشک وہی بخشش کرنے والا |
| (زمر - ۶) | رحم کھانے والا ہے، |

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہین تو کہتے ہین .

| | |
|---|---|
| فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ (حجر - ۴) | تم ناامید ہونے والون مین سے نہ ہو. |

خلیل اللہ اس رمز سے ناآشنا نہ تھے، کہ مرتبۂ خلت محبت سے مافوق ہے، اس لیے جوابدیا،

| | |
|---|---|
| وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖ | اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگون کے |

إِلَّا الضَّالُّونَ ، (حجر-۴) سوا اور کون نا اُمید ہوتا ہے ؟

بندون کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہین، مگر اُس نے اپنی رحمت کے اقتضا سے اپنے اوپر خود کچھ چیزین فرض کرلی ہین، منجملہ اُن کے ایک رحمت بھی ہے، خدا مجرمون کو سزا دیسکتا ہے گنہگارون پر عذاب بھیج سکتا ہے، سیہ کارون کو ان کی گستاخیون کا مزہ چکھا سکتا ہے، وہ غالب ہے، قاہر ہے، جبار ہے، منتقم ہے، لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار وغفور بھی ہے، رحمان ورحیم بھی اور عفو ورؤف بھی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود عائد کرلی ہے، اور اس کو اپنے اوپر فرض گردان لیا ہے،

كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ، (انعام-۲) اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے،

قاصدِ خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندون کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ ہمارا بابِ رحمت ہر وقت کھلا ہے،

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(انعام-۶)

اے پیغمبر جب تیرے پاس وہ آئین جو میری آیتون پر یقین رکھتے ہین تو اُن سے کہہ کہ تم پر سلامتی ہو، تمھارے پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے بندون پر مہربان ہونا لازم کرلیا ہے، کہ جو کوئی تم مین سے براہِ نادانی برائی کر بیٹھے پھر اُس کے بعد بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرے، اور نیک بنے، تو بیشک خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصۂ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایۂ رحمت سے محروم نہین،

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف-۱۹)	اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے،

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثون مین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو از خود اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی، جامع ترمذی مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا۔ "اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے، تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے، تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا" یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے، بارگاہِ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگارون کو بشارت سناتا ہے کہ "اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہوگے اور مجھ سے آس لگائے رہوگے، مین تمہین بخشتا رہون گا خواہ تم مین کتنے ہی عیب کیون نہ ہون، مجھے پروا نہین، اے آدم کے بیٹو! اگر تمھارے گناہ آسمان کے بادلون تک بھی پہنچ جائین، اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو، تو مین معاف کر دون خواہ تم مین کتنے ہی عیب کیون نہ ہون، مجھے پروا نہین، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطحِ زمین بھی تمھارے گناہون سے بھری ہو، پھر تم میرے پاس آؤ اس حال مین کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو، تو مین بھی تمھارے پاس پوری سطحِ زمین بھر مغفرت لے کر آؤن[1]"، کیا انسانون کے کانون نے اس رحمت، اس محبت، اس عفوِ عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابو ایوبؓ صحابی کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انھون نے لوگون سے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا اور کوئی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور وہ

---

[1] جامع ترمذی (ابواب الدعوات) و دیگر کتب احادیث (راجع)

اس کو بخشتا ہے[1] یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم وکرم کے اظہار کے لئے گنہگارون ہی کی تلاش ہے، کہ نکوکارون کو تو سب ڈھونڈھتے ہین، مگر گنہگارون کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے،

دنیا مین انسانون کے درمیان جو رحم وکرم اور مہر ومحبت کے عناصر پائے جاتے ہین اور جن کی بنا پر دوستون، عزیزون، قرابتدارون اور اولادون مین میل ملاپ اور رسم ومحبت ہے، نیز جس کی بنا پر دنیا مین عشق ومحبت کے شاندار مناظر نظر آتے ہین، تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شاہد حقیقی کے سرمایہ محبت کا کونسا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے، ان مین سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا جس کے اثر سے لوگ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہین، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہین[2] اس لطف وکرم اور مہر ومحبت کی بشارتین کس مذہب نے انسانون کو سنائی ہین اور کس نے گنہگار انسانون کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری مین ایک واقعہ مذکور ہے، کہ ایک شخص شرابخواری کے جرم مین بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین پیش ہوا، صحابہ نے تنگ آکر کہا: "خداوندا! تو اپنی لعنت اس پر نازل کر، کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے"۔ رحمۃ للعالمین کو لوگون کی یہ بات ناپسند آئی، فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے[3] تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگارون کے لیے خدا کی محبت کا دروازہ کس طرح کھول رکھا ہے!

محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے ان عربون کو جو خدا کی محبت کیا خدا کی معرفت سے بھی ناآشنا تھے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۱۴، [2] بخاری کتاب الادب باب صفحہ ۸۸۰، [3] بخاری کتاب الحدود باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، صفحہ ۱۰۰۲،

کس طرح آشنائے حقیقت کر دیا، اور اُن کو ذاتِ الٰہی کے ساتھ وابستگی، محبت اور سرشاری کے لطف سے کس درجہ بہرہ اندوز کر دیا، بلالؓ کو دیکھو، ٹھیک دوپہر کے وقت عرب کی جلتی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر سینہ پر رکھا جاتا ہے، اور خدائے واحد سے انحراف کے لئے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، وہ یہ سب تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مگر زبان سے وہی احد احد (ایک ایک) کا ترانہ نکلتا ہے، [1] مکہ کا ذرہ ذرہ صدائے حق کا دشمن ہے، ابوذر غفاریؓ یہ جانکر بھی صحنِ مکہ میں جوشِ وحدت سے سرشار ہو کر کلمۂ توحید کا باآواز بلند اعلان کرتے ہیں، ہر طرف سے پتھروں، اور ہڈیوں کی بارش ہوتی ہے، بعض لوگ آکر چھڑا دیتے ہیں لیکن جب دوسری صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر محبتِ الٰہی کے کیف ومستی کا وہی عالم نظر آتا ہے، اور مشرکین کی طرف سے وہی سزا ملتی ہے، [2]

ایک صحابی جو رات کو میدانِ جنگ میں ایک پہاڑ پر پہرہ دینے کے لئے متعین تھے، وہ اپنی نیند مٹانے کے لئے خدا کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں، دشمن پے در پے تین دفعہ تیر مارتا ہے جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے، اور وہ بدستور نماز میں محو رہتے ہیں، اُن کے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تم نے نماز کیوں نہیں توڑی، کہتے ہیں کہ جو سورہ شروع کی تھی جی نہ چاہا کہ اُس کو تمام کئے بغیر چھوڑ دوں، [3]

محمد رسول اللہ صلعم کے دو جانشین عین حالتِ نماز میں زخم کھا کر گرتے ہیں، مگر مقتدیوں کی صف اس حی وباقی کے سامنے کھڑی ہو کر، ہر فانی ومیت ہستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے، اسی لئے خدا نے بشارت دی کہ وہ خدا کے محبوب، اور خدا اونکا محبوب ہے یعنی رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ذکر عدوان المشرکین واسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۶، [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذر غفاریؓ [3] صحیح بخاری و سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الدم،

مدینہ میں ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی[1]، اسکا جنازہ اٹھا، آنحضرت صلعم نے فرمایا، اس کے ساتھ نرمی کرو، کہ اللہ نے بھی اُس کے ساتھ نرمی کی ہے، کیونکہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت تھی۔ قبر کھودی جانے لگی، تو فرمایا اسکی قبر کشادہ رکھو کہ خدا نے بھی اس کے ساتھ کشادگی فرمائی ہے، اس بار بار کے اہتمام کو دیکھ کر صحابہ نے پوچھا "یا رسول اللہ صلعم! آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے؟" فرمایا "ہاں! کیونکہ اس کو خدا اور رسول پیارے تھے"۔ ایک دفعہ آپ نے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا وہ جب نماز پڑھاتے، تو ہر سورہ کے آخر میں قل ھو اللہ ضرور پڑھتے، جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمتِ اقدس میں یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا "ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں" لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ "میں اسلئے کرتا ہوں کہ اس سورہ میں رحم والے خدا کی صفت کا بیان ہے، تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے" فرمایا "اُن کو بشارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے"[2] یہ بشارت محمد رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے؟

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمتِ والا میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی" فرمایا "تم نے اس کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے" انھوں نے نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازوں کا بڑا ذخیرہ ہے، نہ روزوں کا اور نہ صدقات و خیرات کا، جو کچھ سرمایہ ہے وہ صرف خدا اور رسول کی محبت ہے، اور بس" فرمایا "تو انسان جس سے محبت کریگا اسی کے ساتھ رہیگا"۔ صحابہ نے

[1] ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی حفر القبر۔ [2] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب فضل قراۃ قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین السورتین میں دوسری طرح مروی ہے اور اس میں رسول اللہ صلعم کے الفاظ بھی دوسرے ہیں۔

اس بشارت کو سنکر اس دن بڑی خوشی منائی[1]،

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپنے فرمایا "جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتۂ خاص جبریل سے کہتا ہے کہ مین فلان بندہ کو پیار کرتا ہون، تم بھی اس کو پیار کرو، تو جبریل بھی اس کو پیار کرتے ہین، اور آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہین، اور پھر زمین مین اس کو ہردلعزیزی اور حسنِ قبول بخشا جاتا ہے[2]"

صحیح بخاری مین حضرت ابوہریرہؓ کی رسول اللہ صلعم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندہ اپنی طاعتون سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے، تو مین اس سے محبت کرنے لگتا ہون، یہانتک کہ مین اس کا کان بنجاتا ہون جس سے وہ سنتا ہے، اور اسکی آنکھ ہو جاتا ہون جس سے وہ دیکھتا ہے، مین ہاتھ بنجاتا ہون جس سے وہ پکڑتا ہے، اور پاؤن بنجاتا ہون جس سے وہ چلتا ہے[3]" یہ دولت، یہ نعمت، یہ سعادت آستانۂ محمدیؐ کے سوا کہین اور نہین ملتی،

امام بزار نے مسند مین حضرت ابوسعیدؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "مین ان لوگون کو پہچانتا ہون جو نہ نبی ہین، اور نہ شہید ہین، لیکن قیامت مین ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کرین گے، یہ وہ لوگ ہین جنکو خدا سے محبت ہے، اور جنکو خدا پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتین بتاتے اور بری باتون سے روکتے ہین[4]" الخ یہ قابلِ رشک رتبہ محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اور کسکے ذریعہ عطا ہوا ہے؟

امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "خداوندتعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو پیار کرنا مجھپر لازم ہے جو آپس مین ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہین، اور میری محبت مین

---

[1] مسلم کتاب الادب باب المرء مع من احب بخاری کتاب الادب باب ما جاء فی قول الرجل ویلک [2] مسلم کتاب الادب باب اذا احب اللہ عبدا حببہ لعبادہ، [3] بخاری کتاب الرقاق باب التواضع،
[4] اس کی ہم معنی حدیثین ترمذی، مالک اور شعب الایمان بیہقی مین بھی ہین، دیکھو مشکوٰۃ کتاب الاداب فی حب اللہ فصل ثانی،

ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہین، اور میری محبت مین ایک دوسرے سے ملتے ہین۔ اور میری محبت مین ایک دوسرے کے لئے اپنی جان ومال وقف کرتے ہین۔[1]

یہ محبتِ الٰہی کی نیرنگیان اسلام ہی کے پردہ پر نظر آتی ہین،

**ترمذی** مین حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمھین اپنی نعمتین عطا کرتا ہے، اور اسی کی محبت کے سبب سے مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے سبب سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔[2] یہ عشق ومحبت کی دعوت، محبوبِ ازل کے سوا اور کون دےسکتا ہے؟

عام مسلمانون مین پیغمبرِ اسلام کا لقب "حبیب خدا" ہے، دیکھو کہ حبیب ومحبوب مین خلت ومحبت کے کیا کیا ناز ونیاز ہین، آپ خشوع وخضوع کی دعاؤن، اور خلوت وتنہائی کی روحانی ملاقاتون مین کیا ڈھونڈھتے اور کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے؟ امام احمد اور بزار نے مسندون مین ترمذی نے جامع مین، حاکم نے مستدرک مین، اور طبرانی نے معجم مین متعدد صحابیون سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلعم اپنی دعاؤن مین **محبتِ الٰہی** کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا مین سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان ہے، لیکن محبوبِ خدا کی نگاہ مین یہ چیزین ہیچ تھین، دعا فرماتے تھے خداوندا

| | |
|---|---|
| اسئل حبك وحب من يحبك | مین تیری محبت مانگتا ہون اور جو تجھ سے محبت |
| وحب عمل يقرب الى حبك، | کرتا ہے اسکی محبت اور اس کام کی محبت جو تیری محبت |
| (احمد۔ ترمذی۔ حاکم) | سے قریب کردے، |
| اللهم اجعل حبك احب الى من | الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل |

[1] مشکوٰۃ باب مذکور، [2] مشکوٰۃ مناقب اہلبیت بروایت ترمذی،

نفسی واھلی ومن الماء البارد، عیال سے، اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری

(ترمذی وحاکم) نظر میں محبوب بنا،

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گران اور قیمتی ہے، لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خنکی سے نہیں بجھتی تھی، وہ صرف محبت الٰہی کا زلالِ خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا عام انسان روٹی سے جیتے ہیں، مگر ایک عاشقِ الٰہی (مسیح) کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ پھر وہ کون روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا، حضور دعا فرماتے ہیں،

اللّٰھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی خداوندا! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو تیری محبت

فی حبک، (ترمذی) کی راہ میں نافع ہو مجھے روزی کر،

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ میں آخری منزل کیا ہے، صحیحین میں ہے[1]

من کان اللہ ورسولہ احب الیہ یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام ماسوا کی

مما سواھما، محبتیں ہیچ ہو جائیں،

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں، کہ وہ اپنے خدا کو ماں، باپ سمجھیں اور اس سے اسی طرح محبت کریں جسطرح اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام نے اس طریقۂ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے، ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے ان مذاہب کے بہت سے پیرو یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم محبت الٰہی کے مقدس جذبات سے خالی ہے، لیکن جیسا کہ پہلے گذر چکا، کہ یہ دعویٰ سرتاپا بے بنیاد ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم محمدی کی بلندیٔ نظر اور محبت کا علوے معیار

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان،

دونون ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار سے بہت بالاتر ہین، ثبوت مین قرآن مجید کی یہ آیت پاک بھی پہلے پیش کیجا چکی ہے،

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا، (بقرہ- ۲۵)

تم خدا کو اس طرح یاد کرو جسطرح اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بہت زیادہ (یاد کرو)

لیکن احادیث سے ہمارا دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہوجاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنون مین بھاگ دوڑ مچی ہے، جس کو جہان امن کا گوشہ نظر آرہا ہے، اپنی جان بچا رہا ہے، بھائی بھائی سے، مان بچے سے، بچہ مان سے الگ ہے، اسی حال مین ایک عورت آتی ہے جسکا بچہ میدانِ حشر مین گم ہوگیا ہے، محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اس کے سامنے آجاتا ہے اُس کو اپنے بچہ سے، جوشِ محبت مین چھاتی سے لگا لیتی ہے، اور دودھ پلا دیتی ہے، دفعۃً رحمۃ للعالمین کی نظر پڑتی ہے، اور آپ صحابہ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین "کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دہکتی آگ مین ڈال دے"؟ لوگ عرض کرتے ہین "ہرگز نہین" آپ فرماتے ہین "تو جتنی محبت مان کو اپنے بچہ سے ہے، خدا کو اپنے بندون سے اس سے کہین زیادہ محبت ہے[1]"

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لا رہے ہین، ایک عورت اپنے بچہ کو گود مین لیکر سامنے آتی ہے، اور عرض کرتی ہے "یا رسول اللہ! ایک مان کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندون سے اُس سے زیادہ نہین ہے"؟ فرمایا "ہان بیشک اُس سے زیادہ ہے" بولی "تو کوئی مان تو اپنی اولاد کو خود آگ مین ڈالنا گوارا نہ کریگی" یہ سنکر فرطِ اثر سے آپ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، باب رحمۃ الولد،

خدا صرف اُس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے[1]"

آپ ایک مجلس مین تشریف فرما ہین، ایک صحابی ایک پرند کو مع اُس کے بچون کے چادر مین باندھ کر لاتے ہین، اور کہتے ہین، کہ یا رسول اللہ! مین نے ایک جھاڑی سے ان بچون کو اٹھا کر کپڑے مین لپیٹ لیا، مان نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، مین نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو فوراً آکر بچون پر گر پڑی، ارشاد ہوا "کیا بچون کے ساتھ مان کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے، اُس ذات کی جس نے مجھکو حق کے ساتھ مبعوث کیا، جو محبت اس مان کو اپنے بچون کیساتھ ہے، خدا کو اپنے بندون کیساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے[2]"

ایک صاحب ایک چھوٹے بچہ کو لیکر خدمتِ اقدس مین حاضر ہوتے ہین، محبت کا یہ حال تھا کہ وہ بار بار اس کو گلے سے لگائے جاتے تھے، آنحضرت صلعم نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچہ سے محبت ہے؟ انھون نے کہا "ہان" فرمایا "تو اللہ کو تم سے اس سے زیادہ محبت ہے، جتنی تم کو اس بچہ سے ہے، وہ تمام رحم کرنے والون مین سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے[3]"

جمالِ حق کا پہلا مشتاق، اور مستورِ ازل کے زیرِ نقاب چہرہ کا پہلا بندکشا، زندگی کے آخری مرحلون مین ہے، مرض کی شدت ہے، بدن بخار سے تپ رہا ہے، اُٹھکر چل نہین سکتا، لیکن یک بیک وہ اپنے مین ایک اعلانِ خاص کی طاقت پاتا ہے، مسجدِ نبوی مین جان نثار حاضر ہوتے ہین، سب کی نظرین حضور کی طرف لگی ہین، نبوت کا آخری پیغام سننے کی آرزو ہے، دفعۃً لبِ مبارک ہلتے ہین، اور یہ آواز آتی ہے "لوگو! مین خدا کے سامنے اس بات کی برأت کرتا ہون کہ انسانون مین میرا کوئی دوست ہے، مجھکو خدا نے

---

[1] سنن نسائی، باب ما یرجیٰ من الرحمۃ [2] مشکوٰۃ بحوالۂ ابوداؤد کتاب الاسماء باب رحمۃ اللہ وغضبہ،
[3] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ العیال ص ۵، مصر،

اپنا پیارا بنایا ہے، جیسے ابراہیم کو اُس نے اپنا پیارا بنایا تھا،[1] یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا عین حالت نزع میں زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا "خداوندا! بہترین رفیق"[2]

اللہ تعالیٰ کی کریمی و رحیمی، اسکی بیچارہ نوازی، عاجزون اور درماندون کی دستگیری، اور اپنے گنہگار بندون پر اسکی شانِ بخشش کا ترانہ محمد رسول اللہ صلعم نے خود اپنے کانون سے سنا اور نادم و متاسف سیہ کارون تک اس مژدہ کو پہنچا کر اُن کے شکستہ اور زخمی دلون پر مرہم رکھا، حضرت ابو ذرؓ کہتے ہین کہ حضرت رحمۃ للعالمینؐ نے یہ پیام ربانی ہم کو سنایا،

"میرے بندو! مین نے اپنے اوپر بھی، اور تمھارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے، تو ایک دوسرے پر تم ظلم نہ کیا کرو، اے میرے بندو! تم مین ہر ایک گمراہ تھا، لیکن جس کو مین نے راہ دکھائی تو مجھ سے راستہ پوچھو، مین بتاؤنگا، اے میرے بندو! تم مین ہر ایک بھوکا تھا، لیکن جسکو مین نے کھلایا، تو مجھ سے کھانا مانگو، مین تم کو کھلاؤنگا، اے میرے بندو! تم مین ہر ایک پیاسا تھا، لیکن جسکو مین نے پلایا، تو مجھ سے پانی مانگو مین تم کو پلاؤنگا اے میرے بندو! تم مین ہر ایک ننگا تھا، لیکن جس کو مین نے پہنایا، تو مجھ سے کپڑا مانگو، مین تم کو پہناؤنگا، اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو، اور مین سب گناہون کو معاف کرتا ہون، تم مجھ سے معافی مانگو، مین تم کو معاف کرونگا، اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمھاری طاقت مین نہین ہے، اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمھاری قدرت مین ہے، اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے پچھلے، جن و انس، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار کے دل کے برابر ہو جائین تو میری شہنشاہی مین ایک ذرہ اضافہ نہ ہوگا، اور اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، جن و انس، چھوٹے اور بڑے

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد [2] صحیح بخاری، ذکر وفات نبویؐ،

مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے گنہگار کے دل کے برابر ہو جائیں، تو بھی میری شہنشاہی مین ذرہ برابر کمی نہ ہوگی، اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، اور جن وانس، سب کسی ایک زمین مین کھڑے ہوکر مجھ سے مانگین اور مین سب کے سوال کو پورا کرون، تو میرے خزانہ مین کچھ کمی نہ ہوگی، لیکن اوتنی جتنی ایک سوئی سمندر کے پانی مین ڈبو کر نکال لیجائے، اے میرے بندو! تمھارے ہی عمل ہونگے، جنکو مین گن گن کر تم کو واپس کرونگا، اور پورا کرونگا تو جسکو بھلائی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جسکو برائی ملے وہ خود اپنے ہی کو ملامت کرے

محبت کا یہ پرکیف نغمہ دنیا نے محمد رسول اللہ صلعم ہی کی زبانِ مبارک سے سنا، تسلی و تشفی کا یہ روح افزا پیام آپ ہی کے مبارک لبون سے ادا ہوا، عفو و کرم کے بحرِ بیکران کا یہ ساحلِ امید آپ ہی کے دکھانے سے ہم کو نظر آیا، اور گنہگارون کو "میرے بندو" کہکر پکارے جانے کی عزت آپ ہی کے وسیلہ سے میسر آئی، صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم؛

---

سلہ صحیح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ و صفحہ ۱۵۴ و ۱۷۷، و ادب المفرد امام بخاری باب الظلم ص ۹۵، مصر مین نے صحیح مسلم کی روایت سامنے رکھی ہے، لیکن بعض الفاظ مسند سے لیکر بڑھا دیے ہیں، اسکے بعض بعض ٹکڑے انجیل میں بھی ملتے ہین، (دیکھو متی ۵-۲۵ تا ۵-۴۸) مگر دونون کے ملانے سے وہی فرق نمایان ہوتا ہے جو ناقص اور کامل میں ہونا چاہیے،

# فرشتوں پر ایمان

## وَمَلٰٓئِکَتِہٖ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے، اس کا واحد مَلَک مَلاک اور مالک تین طرح سے مستعمل ہے اسکے لغوی معنی قاصد اور رسول کے ہیں، اسی لئے قرآن پاک میں ملائکہ کے لئے رُسُل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی قاصد اور پیام رساں کے ہیں، ان سے مراد وہ غیر مادی مگر مخلوق نیک ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے اسباب و علل کے کاروبار کو چلارہی ہیں، اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو ملائکہ اس کا انجن اور اس کے کل پرزوں کو حرکت دینے والی قوتیں ہیں، جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے اور چلارہے ہیں یعنی وہ خالق اور اس کی مخلوقات کے درمیان پیام رسانی اور سفارت کی خدمت اس طرح انجام دے رہے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو اُن پر القاء کرتا ہے، اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اس کو مخلوقات میں جاری اور نافذ کرتے ہیں، ان کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ اُن کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ سرتاپا اطاعت ہیں، اور خدا کے حکم سے سرمو تجاوز نہیں کرتے، گویا ان کی خلقت ہی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے کیگئی ہے، دنیا پر رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے، وہ انھیں کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اور خدا انبیاء پر اپنے جو احکام اتارتا یا اُن سے کلام کرتا ہے، وہ انھیں کی وساطت سے کرتا ہے،

دنیا کے تمام مذاہب، بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ مین بھی اس قسم کی ہستیون کا وجود تسلیم کیا گیا ہے، صابئی مذہب مین یہ ستارون اور سیارون کی صورت مین مانے گئے ہین، یونانی، مصری (اسکندری) فلسفہ مین انکا نام عقولِ عشرہ (دس عقلین) رکھا گیا ہے، اور ساتھ ہی نو آسمانون کے اندر بھی الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کئے گئے ہین، بلکہ خالص یونانی فلسفہ مین بھی بعض غیر مادی ارواحِ مجردہ کا پتہ لگتا ہے جنمین سب سے اہم لوگس کا تخیل ہے، جس سے مقصود وہ اولین ہستی ہے جس کو خدا نے تمام کائنات کی پیدائش کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے، اور جس کو اہلِ فلسفہ عقلِ اوّل سے تعبیر کرتے ہین، پارسیون مین ان ہستیون کا نام امشاسپند ہے، اور اُن کی بے شمار تعداد قرار دیگئی ہے، یہودی اُن کو "کروبیم" کہتے ہین، اور ان مین سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھتے ہین، عیسائی بھی اُن کو انھین نامون سے یاد کرتے ہین، اور جبریل و روح القدس وغیرہ الفاظ سے بعض کی تعبیر کرتے ہین، ہندؤن مین وہ دیوتاؤن اور دیبیون کے نام سے روشناس ہین، جاہل عرب اُن کو خدا کی بیٹیان کہکر پکارتے تھے، بہرحال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط نام ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرین ہین، جس سے مراد وہ روحانی وسائط ہین جو صانع و مصنوعات، اور خالق و مخلوقات کے درمیان اُس کے حکم کے مطابق عمل پیرا اور کارفرما ہین،

مذاہب سابقہ مین ان غیر مادی ذی رُوح مخلوق ہستیون کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی، وہ کبھی مخلوق کہی جاتی تھین، اور کبھی خدائی کے مرتبہ تک بھی بلند کر دی جاتی تھین ہندوون کے دیوتاؤن و دیبیون کی یہی کیفیت تھی، پارسیون مین امشاسپند کا بھی یہی حال تھا، کہ کبھی اُن کی حیثیت فرشتون کی رہتی تھی کبھی وہ خدا کے مقابل بنجاتی تھین، اور کبھی خود خدا اُن مین سے ایک ہو جاتا تھا. ہندؤن کی طرح پارسیون مین بھی وہ قابلِ پرستش سمجھی جاتی تھین، ان کے نزدیک سب سے عالی رتبہ امشاسپند ۶ تھے، اور اُن کے تحت

مین ۳۳، پھر ان مین سے ہر ایک کے ماتحت ہزارون تھے، اور چونکہ پارسی نیکی اور بدی کے دو مقابل خداؤن کے قائل تھے، اس لئے دونون کے ماتحت اچھے اور برے فرشتون کی بیشمار تعداد تھی، نیکی کے فرشتے براہ راست نیکی کی چیزون کو اور برائی کے فرشتے مصیبتون، بلاکتون اور برائیون کو دنیا مین پیدا کرتے تھے، اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے اُن اشیاء پر حاکم سمجھے جاتے تھے، دونون خدا اپنی اپنی فوجون اور لشکرون کے پرے لیکر باہم نبرد آزما رہتے تھے، یہ بھی اُن کا اعتقاد تھا کہ ہر امشاسپند یا نر فرشتہ کے ساتھ ایک یزد یعنی مادہ فرشتہ بھی ہوتی تھی جو اسکی بیوی تھی، ہندوؤن مین نر دیوتاؤن اور مادہ دیبیون کا تصور تھا، مگر ان نر و مادہ ہستیون مین کسی نر کو کسی مادہ سے خصوصیت خاص نہ تھی، بلکہ ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیون مین فرشتون کی حیثیت ایسی تھی کہ اُن کی تقدیس اور ثنا و صفت خدا سے مشتبہ ہو جاتی تھی، نظر آنے والے فرشتہ کی تعظیم کیجاتی تھی، اُس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اس کو خداوند کہکر اس طرح خطاب کیا جاتا تھا کہ کہین کہین یہ شبہہ ہو جاتا ہے کہ خدا مخاطب ہے یا فرشتہ (تکوین ۱۶-۱۳ و ۱۸-۲، ۳، ۲۲) وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے، (تکوین ۶-۲) عیسائیون مین ان مین سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے،

صائبیون مین فرشتون کی قربانی کیجاتی تھی، اُن کے ہیکل بنائے جاتے تھے، اور اُن کو مظہر خدا تسلیم کیا جاتا تھا، عربون مین فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی بیٹیان کہکر پکارے جاتے تھے، اُن کی پرستش ہوتی تھی، اور سمجھایا جاتا تھا کہ وہ خدا کے دربار مین سفارشی ہونگے، یونانیون مین عقلِ اول اور عقولِ عشرہ تمام عالم کے خالق، کارفرما، اور مرجع کل مانے گئے، اور خدا کو معطل ٹھہرایا گیا،

اسلام نے آکر ان تمام عقائد کو مٹا دیا، خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بتائے گئے، انکی

پرستش ناجائز کیگئی، نرومادہ کی مادی جنسیت سے وہ پاک کیے گئے، اور انسانون کو ان پاک مخلوقات کی غلامی وبندگی سے آزاد کیا گیا، ان کی تعداد وشمار اور درجہ بندی کا کوئی تخیل باقی نہین رکھا گیا، ان کی ہستی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع وفرمانبردار غلام کی قرار دیگئی جسکا کام شب وروز صرف آقا کا حکم بجالانا ہے، عالم مین ان کا کسی قسم کا تصرف نہین مانا گیا، اور نہ نیکی وبدی کی دو تقسیمین کیگئین، نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم ومنتظم قرار دیئے گئے، قرآن مین اُن کی ہستی صرف اس قدر تسلیم کیگئی ہے کہ وہ غیر مادی ذی روح مخلوقات ہین، جنکا کام خدا کی حمد وثنا، اور اطاعت وفرمانبرداری ہے، خالق اور اسکے مخلوقات کے درمیان وہ پیغام رسانی کا ذریعہ ہین، خدا کے حکم کے مطابق وہ مخلوقات کے کارخانہ کو چلاتے ہین، لیکن اس چلانے مین خود اُن کی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہین ہے، اسی لیے قرآن پاک نے یہودیون کی طرح، اُن کو خداوند کا خطاب نہین دیا، نہ پارسیون کی طرح اُن کو "قابل پرستش" کے لقب سے یاد کیا، نہ ہندؤن کی طرح دیو اور دیوتا اور دیبی کہا، بلکہ صرف "ملک" اور "رسول" کے الفاظ استعمال کئے، جن کے لفظی معنی فرستادہ، قاصد، پیغام رسان اور ایلچی کے ہین، بلکہ قرآن نے آغاز خلقت انسانی کے قصہ مین یہ حقیقت واضح کردی کہ ملائکہ اس لائق نہین ہین کہ آدم اُن کو سجدہ کرے، بلکہ آدم مین یہ صلاحیت ہے کہ ملائکہ کا مسجود بنے، چنانچہ اس کو مرتبۂ علم مین اُن سے بالاتر ٹھہرایا گیا، اور خدا کی جس تسبیح وتقدیس کا اُن کو دعویٰ تھا اس کے باوجود جب انسان کا جوہر طبیعت انھون نے پہچانا تو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۔ (بقرہ-۴)

تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہین، لیکن وہ جو تونے ہم کو سکھایا، بےشک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس قصہ نے شروع ہی مین یہ واضح کردیا کہ وہ ہستیان جنکو دوسرے مذاہب نے انسانون کا دیوتا

انسانون کا خداوند اور کبھی خدا کا ہمسر اور متصرف مطلق قرار دیا تھا، اسلام مین انکی حیثیت انسان کے مقابلہ مین کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق اور بندے اور یکسان عاجز و درماندہ مین انسانون کو مادی اشیا پر حکومت بخشی گئی ہے، کہ اپنے نفع ونقصان کے لیے اُن سے کام لے سکین اور ملائکہ کو اپنے حضور مین متعین فرمایا گیا ہے کہ آسمان وزمین اور پوری مملکت الٰہی مین خدا کے احکام کی تعمیل وتنفیذ کرین،

دنیا مین اللہ تعالیٰ نے اسباب وعلل کا ایک سلسلہ رکھا ہے، جو ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے، لوگ انھین ظاہری اسباب وعلل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہین، اور اُن کی پرستش کرنے لگتے ہین، مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے، اس کو دیکھکر آتش پرست اور مادہ پرست یقین کرتے ہین کہ خود آگ مین جلانے کی طاقت ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ آتش پرست اس کے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین، اور مادہ پرست گو اپنا سر اس کے آگے نہین جھکاتے مگر اُن کا دل جھک جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی یہ ایمان رکھتے ہین کہ یہ طاقت خود آگ کے اندر موجود ہے، کچھ لوگ ہین جو یہ سمجھتے ہین کہ جلانے کی طاقت آگ مین نہین ہے بلکہ اس کا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اس پر حکمران ہے، یہ لوگ اس آگ کے فرمانروا کے سامنے جھکتے ہین اسلام کے نظریۂ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا، اور بتایا کہ آگ اور آگ کا اگر کوئی فرشتہ ہے، تو وہ کل کے کل اسی ایک رب العٰلمین اور فرمانروائے ارض وسما کے حکم کے تابع ہین، اسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اسی کی بندگی کرنی چاہیے،

اسلام مین فرشتون کی حقیقت کیا ہے؟ اسکا جواب اُن نصوص سے مل سکتا ہے، جو اُن کے کامون کے متعلق قرآن مین مذکور ہین، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی روح

ہستیان ہین جو احکام اور پیغام الٰہی کو دنیا ے خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہین، اور وہ اسباب و علل جنکو مادہ پرست ذاتی طور سے مؤثر جانتے اور جنکو بت پرست، دیوتاؤن کا کرشمہ سمجھتے ہین ان کو فرشتے احکام الٰہی کے مطابق کام مین لگاتے، اور مرضیِ الٰہی کو پورا کرتے ہین۔

عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اُسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے جس طرح عقلیات کے دوسرے عقائد اور نظریے ہین جنکی تصدیق یا تکذیب عقل کی دسترس سے باہر ہے، اس لئے اس عقیدہ کو یہ کہکر کوئی رد کرنے کی جرأت نہین کرسکتا کہ یہ خلافِ عقل ہے، بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پردازیون سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے ویسا ہی یہان بھی کیا جاسکتا ہے، اشیار مین خصائص اور لوازم کے وجود، اور اُن کے اسباب و علل کا مسئلہ عقلا رمین ہمیشہ اختلافات کا دنگل رہا ہے، اور یہ معما آج بھی اسی طرح لاینحل ہے جس طرح پہلے تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربون کی طاقت سے باہر ہے، اور فلسفہ بھی اسکی گتھی کے سلجھانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکما ئے ملحدین کی شاہراہ سے الگ ہٹ کر اس کے حل کی کوئی صورت اربابِ مذاہب نے نکالی ہے، تو وہ محلِ اعتراض نہین ہوسکتی، اور نہ خلافِ عقل کہی جاسکتی ہے، کائنات کے حوادث مین جسطرح مادی علل و اسباب کارفرما ہین، اسی طرح اُن سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کارفرما ہین، اور ان دونون قسم کے اسباب کے توافق سے حوادث کا وجود ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب یا ناکام ہوتا ہے، اور اس کا نام "بخت و اتفاق" رکھتا ہے، حالانکہ مسئلہ علل و اسباب کو مان لینے کے بعد بخت و اتفاق کوئی چیز نہین رہجاتا، یہی روحانی علل و اسباب ہین جنکا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتون کو سپرد کیا ہے، جو فرمانبردار چاکرون کی حیثیت سے نظامِ عالم کو چلا رہے ہین، ہمارے

اور دوسرے متکلمین اور حکمار کے اصطلاحات مین فرق یہ ہے، کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب وعلل کے "قوائے طبعی" سے کرتے ہین اور ہم "قوائے روحانی" سے،

اس تقریر کا یہ منشا نہین ہے کہ اشیا مین خواص وطبائع، اور اس مادہ کی مملکت مین مقررہ طبعی اصول وقوانین موجود نہین ہین، بلکہ یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے ازلی اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص وطبائع اور اصول وقوانین مقرر کرکے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو انھین اصول وطبائع مقررہ کے مطابق چلاتے رہین،

سمجھنے کے لئے اسکی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار ہستی ہے، مخلوقات کی دو قسمین ہین، ذی روح اور غیر ذی روح، ذی روح مخلوقات کے اکثر افعال وحرکات، اسکی روح کی ارادی قوت کی وساطت سے انجام پاتے ہین، وہی روح اس کے ہاتھ پاؤن اور تمام اعضار بلکہ ہر عضو کے ایک ایک رگ وریشہ پر حکمران اور مسلط ہے، باایں ہمہ وہ روح اصولِ مقررہ کے تحت ہی اعضار سے کام لیتی ہے، اور ان اصول سے باہر نہین جاتی اسی طرح غیر ذی روح اشیار مین ابر وباد سے لیکر دریا، پہاڑ، چاند اور سورج تک پر ارواح مقرر ہین، جو ان اشیار سے خدا کے اصولِ مقررہ کے مطابق یکسان افعال وحرکات کا صدور کراتی ہین، جسطرح ہماری روح اپنے اعضا، اور اعضار کے ذریعہ سے مادہ مین جو تغیرات پیدا کرتی ہے، وہ اشیار کے مقررہ خواص وطبائع کے سہارے پر کرتی ہے، اسیطرح ملائکہ بھی انھین مقررہ خواص وطبائع کے ذریعہ اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے ہین،

الغرض جس طرح ہمارے ارادی افعال اور حکمِ الٰہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح ونفوس واسطہ ہین، اسی طرح تمام عالمِ مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکمِ الٰہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح اور نفوسِ مجردہ واسطہ ہین، اور جس طرح ہماری انسانی ارواح کی اس وساطت سے خدا کی حکومتِ علی الاطلاق پر

کوئی اعتراض نہین واقع ہوتا، اسی طرح ان ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت مین کوئی نقص نہین واقع ہوتا، یہین سے یہ بات بھی سمجھ مین آتی ہے۔ کہ ہمارے ارادی افعال مین اختلافات کی اتنی نیرنگیان نظر آتی ہین، مگر ہمارے اور عالمِ کائنات کے جو نوعی افعال ہین اُن مین اختلافات اور نیرنگیون کے بجائے یکسانی، ہمرنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے؟ کیونکہ انسان نے ارادہ پاکر کسی قدر ذاتی اختیار پا لیا ہے، اور یہی ذاتی اختیار اُس کے افعالِ اختیاری کی ذمہ داری بازپرس، اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اور جسکی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب اور عصیان کرکے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے، مگر دنیا کی یہ ملکوتی ارواحِ مجردہ یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے تمامتر محروم ہوکر صرف اطاعت، فرمانبرداری، اور انقیاد کے لیے پیدا کئے گئے ہین، اس لئے اُن مین عصیان تمرد، سرکشی اور حکمِ الٰہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہین ہے، اسی بنا پر اشیاء کے تمام نوعی افعال و حرکات اور خصائص مین یکسانی، ہمرنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، یہی حقیقت ہے جو فطرت، طبیعت، اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورتون مین ہمارے لئے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بنگئی ہے۔

۱۔ اب ہم کو تعلیماتِ نبوی یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حیثیت کو روشن کرنا چاہیے، ملائکہ کی سفارت و پیام رسانی یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا، اور اس کام میں ان کا بے اختیار ہونا، ان دو آیتون سے ثابت ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا | خدا ہی ہے جو فرشتون اور آدمیون مین سے پیام |
| وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ | رسان اور قاصد منتخب کرتا ہے، بیشک خدا سننے والا |
| يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ | اور دیکھنے والا ہے، اور وہ ان کے آگے اور پیچھے |

| | |
|---|---|
| وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ، (الحج - ۱۰) | کا حال جانتا ہے، اور تمام کامون کا مرجع خدا ہی ہے، |

یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا اُن کو اصل حکم مین کوئی دخل نہین ہے، اختیارات سب خدا کے ہاتھ مین مین، اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہے، دوسری جگہ ہے،

| | |
|---|---|
| اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | حمد ہو اُس خدا کی جو آسمانون اور زمین کا پیدا |
| جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ | کرنے والا ہے، اور فرشتون کو دو دو تین تین |
| مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ | اور چار چار شہپر بازون والے پیام رسان بنانے |
| مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ | والا ہے، وہ پیدائش مین جو چاہے بڑھا دے، وُہ |
| مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا | ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگون کے لئے جو رحمت |
| مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا | کھولے تو کوئی اُسکا روکنے والا نہین، اور جو |
| مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ | روک دے تو اس کے سوا کوئی چھوڑنے والا |
| الْحَكِيْمُ ، (فاطر - ۱) | نہیں، اور وہی غالب دانا ہے، |

اس آیتِ پاک مین بھی یہی حقیقت ظاہر کیگئی ہے، کہ ملائکہ سفارت اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی اختیار نہین رکھتے، رحمت کے دروازون کا کھولنے والا، اور بند کرنے والا صرف خدا ہے، یہ تعلیم اس غلط عقیدہ کی تردید کرتی ہے، کہ فرشتون کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات مین کوئی ذاتی دخل ہے، یا اُن مین الوہیت اور ربوبیت کا کوئی شایبہ ہے، یا وہ پرستش کے قابل ہین، یا اُن کی دہائی بھی پکارنی چاہئے،

۲- ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا مین جاری کرتے ہین،

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ — (یاد کر) جب تیرا پروردگار فرشتون کو وحی کر رہا تھا
فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ (انفال-۲) — کہ مین تمھارے ساتھ ہون، تم مومنون کو ثابت قدم رکھو
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا — اُس مین فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ (قدر-۱) — حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہین،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہین، اسی طرح دربارِ الٰہی تک عروج بھی کرتے ہین،

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (معارج-۱) — فرشتے اور روح اُس تک چڑھتے ہین،

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، انھی سے متعلق ہے،

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ — کہدو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، وہ تم پر
الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ، (سجدہ-۱) — موت طاری کریگا،
وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ — اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرات مین ہون
الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ — اور فرشتے اپنے ہاتھون کو پھیلائے ہون کہ نکالو
اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ (انعام-۱۱) — اپنی جانون کو،
وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا — اور اگر دیکھو جب فرشتے کافرون کو موت
الْمَلٰٓئِكَةُ ، (انفال-۷) — دے رہے ہون،

اسی کے ہم معنی اور بھی کئی آیتین ہین جن سے ظاہر ہے کہ حکمِ الٰہی کے مطابق موت و فنا کی تدبیر علل واسباب کی انھین روحانی قوتون سے متعلق ہے،

دنیا مین کسی شی کے وجود، انقلاب اور فنا کے لئے کسی ایک علت وسبب کا وجود کافی نہین ہے

بلکہ ضروری ہے کہ اس کے متعلقہ علل واسباب کی تمام کڑیان باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کی معاون ہون، اور موانع اور عوائق معدوم ہون، یہ متعلقہ علل واسباب کا توافق اور موانع کا انسداد ہی تدبیر ہے، جو بحکم الٰہی ملائکہ کے سپرد ہے[1] اس تدبیر کو کبھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (وہ کام کی تدبیر کرتا ہے) اور کبھی ملائکہ کی طرف،

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا، وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا، فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا، فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا،
(نازعٰت - ۱)

ڈوب کر (روحون کے) کھینچنے والون کی قسم ہے (رگون کی) گرہون کے کھولنے والون کی قسم ہے (اس فضائے آسمانی مین) تیرنے والون کی، پھر دوڑ کر (مادی اسباب وعلل پر) آگے بڑھ جانیوالون کی، پھر کام کی تدبیر کرنے والون کی قسم (ہے)

۳ - یہی ملائکہ خدا اور رسولون کے درمیان بھی سفیر ہین،

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ،
(شوریٰ - ۵)

یا خدا (آدمی سے اس طرح باتین کرتا ہے کہ اپنا) ایک ایک سفیر بھیجتا ہے، تو وہ اس (خدا) کی اجازت سے جو وہ (خدا) چاہتا ہے، وحی کرتا ہے،

دوسری جگہ ہے،

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (نحل - ۱)

خدا روح کے ساتھ فرشتون کو اپنے حکم سے اپنے بندون مین سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے،

خاص آنحضرت صلعم کے متعلق ہے،

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ مین ہے کہ رحم نسوانی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بچہ کی نسبت قضائے الٰہی کو تحریر کرتا ہے،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ، (بقرہ ۔ ۱۲) — پس اُس (جبریل فرشتہ) نے اس (قرآن) کو خدا کے حکم سے تمھارے دل پر اتارا،

۴۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں،

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی (ھود ۔ ۷) — ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر اترے

اسی طرح حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہما السلام کو انھوں نے بشارت دی،

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا، (مریم ۔ ۲) — میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک لڑکا بخشوں،

حضرت لوطؑ کے پاس اُن کی قوم کی بربادی کے لیے آئے اور

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (ھود ۔) — کہا اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم پر کوہ آتش فشان کا منہ کھولدیتے ہیں، اور تمام قوم برباد ہو جاتی ہے، یہ کام اگرچہ فرشتوں نے انجام دیا تھا، مگر اللہ تعالی نے اس کو خود اپنی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ وہ فرشتوں کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ، (ھود ۔ ۷) — تو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اُس کے اوپر کو نیچے کر دیا، (یعنی زمین اولٹ دی) اور اس پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش کی،

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں، اور اُن کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو محفوظ رکھتے ہیں،

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (انفطار-۱)

بیشک تم پر نگہبان ہیں، جو بزرگ ہیں، لکھنے والے ہیں، جو تم کچھ کرتے ہو اُسکو وہ جانتے ہیں،

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ (ق-۲)

کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا، لیکن اُس کے پاس ایک نگہبان حاضر ہے،

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ، لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۔ (رعد-۲)

تم میں سے کوئی بات چھپا کر کہے، یا زور سے کہے یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے تعاقب کرنے والے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے، خدا کے حکم سے اُس کی نگرانی کرتے ہیں،

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۔ (انعام-۸)

اور وہ (خدا) تم پر نگران بھیجتا ہے، یہانتک کہ تم میں سے جب کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے قاصد اسکی عمر پوری کرتے ہیں، اور وہ (اپنے اس کام میں) کمی نہیں کرتے ہیں،

۶- وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق اُن پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کا ذریعہ اور واسطہ ہیں

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ (انبیاء-۷)

نیکوکاروں کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) غمگین نہ کریگی، اور فرشتے اُن کا آگے بڑھ کر استقبال کرینگے (کہ) یہی وہ دن ہے جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا،

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے،

| | |
|---|---|
| اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ | پھراس پر قائم رہے، اُن پر فرشتے یہ کہتے ہوئے |
| اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا | اتر ینگے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اور اس جنت کی خوشخبری |
| بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ | سنو جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہم ہین جو تمہاری |
| اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی | پہلی اور اس دوسری زندگی مین تمہارے رفیق |
| الْاٰخِرَةِ، (فصلت - ۴) | ہین، |
| هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (احزاب ۶) | وہی خدا تمپر رحمت بھیجتا ہے، اور اُسکے فرشتے، |
| اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ( ؍ ؍ ) | اللہ اور اُسکے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہین، |
| وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ | اور جو زمین مین ہین اُن کے لیے وہ خدا سے |
| (شوریٰ - ۱) | مغفرت کی دعا مانگتے ہین، |

اسی طرح وہ بدکارون پر لعنت بھی کرتے ہین،

| | |
|---|---|
| اُولٰٓئِكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ | اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی، اور فرشتون کی |
| لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (آل عمران ۹) | اور لوگون کی سب کی لعنت ہے، |
| اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ | جو کفر کی حالت مین مرگئے اُن پر اللہ کی اور |
| كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ | فرشتون کی، اور لوگون کی، سب کی لعنت |
| وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، (بقرہ - ۱۹) | ہے، |

۷۔ جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی ملائکہ کے زیر اہتمام ہوگا،

| | |
|---|---|
| وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ | اور کفر کرنے والے گروہ در گروہ کرکے دوزخ |

زُمَرًا حَتّٰی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا — کی طرف لیجائے جائینگے، یہانتک کہ جب اُس کے

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ — پاس پہنچینگے تو اُس کے دروازے کھولے جائینگے

مِّنْکُمْ (زمر-۸) — اور اُسکے چوکیدار (فرشتے) کہینگے کہ کیا تمھارے پاس تمھیں م

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ — اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے، وہ گروہ در

زُمَرًا حَتّٰی اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا — گروہ جنت میں لیجائے جائینگے، یہانتک کہ جب وُ

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ — اُس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے

فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ. (زمر-۸) — کھولے جائینگے اور اس کے پاسبان کہینگے تم پر سلامتی

(زمر-۸) — ہو، خوش خوش جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہوجاؤ،

وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ — اور اُن (جنتیوں) پر فرشتے ہر دروازہ سے

مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ — داخل ہو ہو کر کہیں گے، تم پر سلامتی ہو، یہ تمھارے

فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ (رعد-۳) — صبر کا بدلہ ہے، یہ کیسا اچھا عاقبت کا گھر ہے،

عَلَیْهَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ (تحریم) — اُس (دوزخ) پر سخت دل طاقتور فرشتے مقرر ہیں،

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَةً (مدثر-۱) — اور ہم نے دوزخ کا اہلکار فرشتوں ہی کو بنایا ہے،

۸- فرشتے اللہ تعالی کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

وَتَرَی الْمَلٰٓئِکَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ — اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے اردگرد احاطہ

الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (زمر-۸) — کئے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد وثنا میں مصروف ہونگے

لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی (صافات-۱) — (عالمِ بالا کے) اہل دربار کی باتیں وُہ (شیاطین) نہیں سُن سکتے،

| | |
|---|---|
| مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ | مجھے خدا کے بلند درباریون کا علم نہین جب وہ |
| إِذْ يَخْتَصِمُونَ ، (ص) | باتین کرتے ہین، |

قیامت کے دن بھی یہ تخت الٰہی کے حامل اور اُس بارگاہ کے حاضر باش ہونگے، جو ہر وقت اسکے ہر حکم کو بجا لانے کے لیے تیار رہین گے،

| | |
|---|---|
| وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ | اور فرشتے اُس کے کنارون پر ہونگے اور تیرے پروردگار |
| رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ، (حاقہ-۱) | کے تخت کو آٹھ (فرشتے) اُسدن اپنے اوپر اٹھائے ہونگے |
| كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا | ہرگز نہین جب زمین ریزہ ریزہ کردیجائیگی، اور |
| وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ، | تیرا رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے قطار در قطار آئینگے |
| يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (نباء-۲) | جسدن رُوح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے |

۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اُسکی نافرمانی نہین کرتے، ہمیشہ اسکی تہلیل و تقدیس اور حمد و ثنا مین مصروف رہتے ہین اُس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہین، اور اُس کے حضور مین اہل زمین کے لئے عموماً اور نیکوکارون کے لئے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہین،

| | |
|---|---|
| وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ | اور فرشتے حمد کیساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے |
| وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا | ہین، اور زمین والون کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے |
| إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ، (شوریٰ-۱) | ہین ہشیار کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے، |

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ فرشتون کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے والا صرف وہی خدائے واحد ہے، اور یہ بخشش و رحمت اُسی کے دست اختیار مین ہے،

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ،

(مومن - ۱)

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہین اور جو اُس کے پاس ہین، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہین اور اس پر ایمان رکھتے ہین اور ایمان لانے والون کی بخشایش کی دعا کرتے ہین،

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ، یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ،

(انبیاء - ۲)

آسمانون مین اور زمین مین جو کوئی ہے اسی کا ہے اور جو اُس کے پاس ہین (یعنی فرشتے) وہ اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اظہار سے غرور نہین کرتے اور نہ اسکی عبادت سے تھکتے ہین، وہ رات دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہین، اور سست نہین پڑتے،

بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ، لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ . . . . . وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ

(انبیاء - ۲)

بلکہ وہ بزرگ بندے ہین، جو بات مین اُس (خدا) پر پیشدستی نہین کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہین ...... اور وہ اُس کے خوف سے ترسان رہتے ہین،

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ، (تحریم - ۱)

خدا اُن کو جس بات کا حکم دیتا ہے، وہ اُنہین اس کی نافرمانی نہین کرتے اور وہی کرتے ہین جسکا انکو

وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ط (رعد - ۲)

اور بجلی کی کڑک اور فرشتے خدا کے ڈر سے اسکی حمد و تسبیح کرتے ہین،

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ، يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ،

(نحل - ۶)

اور آسمانون مین اور زمین مین جو چارپائے اور فرشتے ہین، وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہین، اور اس کے سامنے اپنی بڑائی نہین کرتے، وہ اپنے مالک سے جو انکے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہین اور وہی کرتے ہین جسکا اُن کو حکم دیا جاتا ہے،

گذر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذہبون اور قومون مین کسی نہ کسی طرح رہا ہے، لیکن اُن کے اس اعتقاد مین بہت سی باتین ایسی داخل تھین جو توحیدِ کامل کے منافی تھین، اسکندریہ کے نوافلاطونی فلسفہ کے روسے عقلِ اول کی اضطراری پیدایش کے بعد خدا کو معطل ہوجانا پڑا، اور فرشتون کو عقول کی صورت مین اصلی کارفرما قرار دیا گیا تھا، عراق کے صابئی، اجرامِ سماوی کی شکل مین اُن کی پرستش کرتے تھے، اور انھین کو عالم کا فرمانروا مانتے تھے، یہود بھی اُن کو کسی قدر صاحبِ اختیار تصور کرتے تھے، اور کبھی کبھی ان کو خداؤن کا درجہ دیدیتے تھے، جیسا کہ توراۃ (صحیفۂ تکوین، ۱۶-۱۳، ۱۹-۲، ۳۲ و ۲۲) کے قصون مین کہین کہین نظر آتا ہے، اُن کو وہ "خدا کے بیٹون" کے خطاب سے بھی کبھی کبھی یاد کرتے تھے (تکوین ۶-۲) ہندؤن مین وہ دیوتا اور دیبی بنکر ایک طرف انسانی خصائص سے ملوث تھے، اور دوسری طرف اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے "چھوٹے خداؤن" کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائی ان مین سے بعض مثلاً روح القدس کو خدا کا ایک جز تسلیم کرتے تھے، اور یہ تثلیث کا ایک رکن تھا، عربون مین فرشتے خدا کی بیٹیون کا درجہ رکھتے تھے، وہ اُن کی پوجا کرتے اور اُن کو اپنے گناہون کا شفیع سمجھتے تھے،

تعلیمِ محمدی نے ان تمام عقائدِ باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کر کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کر دی، اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں، اُن کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف خدا کی اطاعت، عبادت اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں، اُن میں سے جس کے جو کام سپرد ہے، وہ اسی کو انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہی طرح بندۂ محض ہیں، وہ نہ عبادت کے مستحق ہیں، نہ خدا کے بے اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہیں، اور نہ خدا کے سامنے کچھ عرض کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، یہودی اُن کو خدا کے بیٹے، اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن نے دونوں کی تردید کی، اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں، وہ نہ مرد ہیں، نہ عورت ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، اور نہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ
بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ، لَا يَسْبِقُوْنَهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ، يَعْلَمُ
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ
اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ
مُشْفِقُوْنَ، وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ
مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ط
كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ، (انبیاء ۲)

مشرکوں نے کہا کہ مہربان خدا نے اپنا لڑکا بنایا ہے وہ
اس سے پاک ہے بلکہ یہ (فرشتے) اسکے معزز بندے ہیں جو
بات میں اس پر پیش دستی نہیں کرتے اور وہ اسکے حکم پر عمل
کرتے ہیں خدا اس سے جو انکے آگے اور پیچھے ہوتا ہے
واقف ہے، وہ شفاعت نہیں کرتے لیکن اسی کی جس کیلئے
خدا پسند کرتا ہے اور وہ خدا کے خوف سے ڈرتے رہتے
ہیں اور ان میں سے جو یہ کہے کہ میں خدا ہوں تو اسکو بھی
اسی طرح ہم جہنم کی سزا دینگے ایسی ہی ہم ظالموں کو سزا

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ | خدا تو ایک ہی ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی |
| يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ | کوئی اولاد ہو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ |
| وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا | ہے وہ اسکی ملکیت ہے، اور خدا کا وکیل ہونا کافی ہے، مسیح کو |
| لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا | اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا کا بندہ ہے، اور نہ مقرب |
| لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ | فرشتوں کو (اس سے عار ہے) اور جو لوگ اسکی |
| يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ | عبادت سے عار اور غرور کرینگے تو وہ اُن سب |
| فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ، (نساء ۲۳ و ۲۴) | کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا، |
| وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ | خدا اسکا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور |
| وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ | پیغمبروں کو خدا بناؤ، کیا تم کو مسلمان ہونے کے |
| بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ، (اٰل عمران ۸) | بعد کفر کرنے کا حکم دیگا، |
| وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ | اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں |
| لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ | سے کہیگا کہ کیا یہ مشرکین تمہیں کو پوجتے تھے؟ وہ |
| قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ | کہیں گے پاک ہے تو، تو ہمارا والی ہے، وہ |
| بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ | وہ نہیں ہیں، بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے، وہ |
| بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ، (سبا ۵) | اکثر انہیں جنوں پر ایمان لائے ہیں، |
| يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ؕ | جس دن روح اور فرشتے صف بستہ خدا کے |
| لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ | سامنے کھڑے ہونگے، تو کچھ بول نہ سکیں گے لیکن |

الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ (نبا - ۲)

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا
تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ
اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضٰى (نجم-۲)

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ
مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۔ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ
قَوْلًا عَظِيْمًا ۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ
اِلَّا نُفُوْرًا ۔ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ
كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي
الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ تُسَبِّحُ لَهُ
السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهِنَّ ۔ (اسرائیل ۳ و ۵)

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ
الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۔ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۔
سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ۔ و

وہ جسکو وہ مہربان اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے

اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جنکی سفارش کچھ بھی
فائدہ نہیں پہنچا سکتی لیکن اس کے بعد کہ خدا جس کو
چاہے اجازت دے اور پسند کرے ،

کیا تمہارے لئے خدا نے بیٹوں کو پسند کیا، اور خود
فرشتوں میں سے لڑکیاں اپنے لئے پسند کیں تم یقیناً
بہت بڑی بات منہ سے نکالتے ہو، اور ہم نے اس
قرآن میں پھیر پھیر کر سمجھنے کو باتیں بیان کی ہیں،
لیکن یہ اُن کی نفرت کو اور بڑھاتا ہے، کہدو اے
پیغمبر کہ اگر اس ایک خدائے برحق کیساتھ اور بھی
چند خدا ہوتے، تو اُس تخت والے خدا کی طرف وہ
راستہ ڈھونڈھتے (کہ اسکے ہاتھ سے حکومت چھین کر
خود قبضہ کرلیں) یہ مشرک جو کہتے ہیں خدا اس سے
بلند و برتر ہے، ساتوں آسمان اور زمین اور جو
جو کچھ اُن میں ہے، وہ اُسکی تسبیح پڑھتے ہیں،

اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے
خدا کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا، کیا وہ اُن کی
پیدائش کے وقت حاضر تھے، ہم اُنکی گواہی لکھینگے

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ، (زخرف - ۲)

اور اُن سے اسکی باز پرس کیجائیگی اور انھون نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اُن (فرشتون) کو نہ پوجتے انھین اسکا تحقیقی علم نہین، وہ صرف اٹکل لگاتے ہیں،

قرآنِ پاک مین اس مفہوم کی اور بہت سی آیتین ہین، مگر یہان استقصا مقصود نہین،

یہودیون کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہین، چنانچہ توراۃ مین جہان حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتون کے آنے کا ذکر ہے، یہ بھی مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے اُن کے لئے دعوت کا سامان کیا "اور انھون نے کھایا" (تکوین ۱۸-۸) لیکن قرآنِ پاک نے اس قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی ہے کہ فرشتے انسانی ضرورتون سے پاک ہین، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اُن کے لئے دعوت کا سامان کیا مگر

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ، (هود - ۷)

جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہ کھانے کو ہاتھ نہین لگاتے، تو اس کو وہ انجان معلوم ہوئے، اور دل مین ڈرا، انھون نے کہا ڈرو نہین ہم لوط کی قوم کیطرف (اُن کے تباہ کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہین،

کفار قریش کا مطالبہ تھا، کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیون نہین بھیجا گیا، اُس کے جواب مین کہا گیا،

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (انعام - ۱)

[illegible]

اور اگر ہم پیغمبر کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو (آدمیون کیلئے) اسکو آدمی ہی بناتے اور جس شبہ مین اب ہم نے اُن کو ڈالا ہے اسی مین وہ پھر بھی پڑے رہتے (یعنی یہی کہتے کہ تم

اس آیت اور دوسری آیتون سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتون کا اختلاف ظاہر ہے، تاہم فرشتے کبھی کبھی عارضی طور سے انسان کے مثالی لباس مین بھی جلوہ گر ہوتے ہین، جیسا کہ حضرت مریمؑ وغیرہ کے قصّون مین ہے،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (مریم-۲) وہ فرشتہ ایک اچھے خاصے بشر کی مثالی صورت مین ظاہر ہوا

یہی وہ صورت تھی جس مین حضرت ابراہیمؑ کو فرشتون کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا، اور ان کیلئے دعوت کا سامان کیا، مگر یہ دھوکا جلد رفع ہوگیا، اور معلوم ہوگیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت مین فرشتے ہین،

ان تمام تفصیلات کے بعد یہ غور کرنا ہے کہ فرشتون پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے؟

حقیقت مین اس سے دو باتین مقصود ہین،

۱- ایک یہ کہ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذاہب مین ان فرشتون کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اس غلط عقیدہ کو مٹا کر یہ حقیقت ظاہر کیجائے کہ ان کی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے جبتک اسکی تصریح نہ ہوتی، کلمۂ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲- دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص وطبائع کو دیکھکر مادہ پرست جو ان مادّی خواص وطبائع کی بالذات کارفرمائی کا یقین کرتے ہین، اسکا ازالہ کیا جائے، کیونکہ یہی پتھر اُن کی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے اور بالآخر خدا کے انکار تک اُن کو لیجاتا ہے، درحقیقت ان مادّی خواص وطبائع پر روحانی اسباب مسلط ہین جو خدا کے حکم سے اُسکے مقررہ اصول کے مطابق نظامِ عالم کو چلا رہے ہین، مادہ اور اسکے خواص بالذات مؤثر نہین بلکہ کوئی دوسرا ہے جو اپنے ارواحِ مجردہ کے ذریعہ سے ان کو مؤثر بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیت کا بت ہمیشہ کیلئے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منزہ خالق اور مادّی مخلوق کے درمیان احکام وشرائع کا نزول اور قدرتِ الٰہی کے

افعال کا صدور ان محکوم ارواح مجردہ کے ذریعہ ہوتا ہے،

# رسولوں پر ایمان

## وحدتِ رُسُل

یہ عقیدہ اسلام کی اُن خصوصیات مین سے ہے جن کی تکمیل صرف اُسی کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت صلعم کے وجودِ مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجاے خود یہ خیال تھا، کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے، تمام دنیا کی قومون مین ہدایتِ ربانی کے لئے وہی منتخب کیگئی ہے اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومین اس فیض سے قطعاً محروم ہین، اور رہینگی، اسی کی سرزمین دیوتاؤن اور دیبیون کا مسکن، اور اسی کی زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل و نینوا ہو، یا مصر و یونان ایران ہو یا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک کے لوگون کو بجاۓ خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعوی تھا، اور وہ صرف اپنے کو خدا کے پیغام اور خطاب سے مشرف ہونے کا مستحق جانتے تھے لیکن تعلیمِ محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم الشان وسعت سے بدل دیا، آپ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومین خدا کی نظر مین یکسان ہین؛ "نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے، اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے"[1] ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومین ایک خدا کی مخلوق ہین، آپ نے فرمایا "لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو، اور دو

[1] مسند احمد ابن حنبل، از ابو نصر تابعی،

مٹی سے پیدا ہوا تھا'' اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسانون اور قومون کا امتیاز رنگ روپ، ملک، مرزبوم اور زبان سے نہین ہے، بلکہ صرف تقویٰ اور نکوکاری سے ہے[2]،

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قومون اور ملکون کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہوگئی، دنیا کی تمام قومین ایک سطح پر آگئین، اور مساواتِ انسانی کا راستہ صاف ہوگیا، بنی اسرائیل جنکو خدا کا کنبہ ہونے پر ناز تھا، وحیِ محمدی نے اُن کی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ۔ (مائدہ ۳) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات مین سے بشر ہو،

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے خاندان کا ورثہ ہے، جس طرح اس آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف یہین کے رشیون اور منیون نے سنی جو ویدکے اوراق مین محفوظ ہے، اسی طرح دوسری قومون کو بھی اپنی اپنی جگہ پر یہی خیال تھا، اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف، عدل و کرم اور رحمتِ عام کے منافی قرار دیا، اور کہدیا:-

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جسکو چاہے دے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (جمعہ ۱) اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے،

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ کہدو کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے' (اسرائیلی علما

يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ اپنے ہم مذہبون سے کہتے ہین کہ کیا یہ ممکن ہو کہ جیسا

عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ دین تم کو دیا گیا کسی اور کو دیا جائے، یا یہ نئے دین

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ والے تم سے خدا کے آگے جھگڑ سکین' کہدو کہ

[1] جامع ترمذی آخر کتاب المناقب، [2] قرآن اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ،

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ،

(آل عمران - ٨)

(یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اُس کو دیتا ہے، اور اللہ کی رحمت سب پر عام ہے اور وہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے

(اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ، (بقرہ ٤ - ١٣)

اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور نہ مشرکین پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو، اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

اُس نے یہ تعلیم دی کہ روے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھانے والے، اُسکی آواز پہنچانے والے، اور انسانوں کو انکی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت تک برابر جاری رہا، بعثتِ محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی، اور ایک دوسرے سے ناآشنا تھی، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہیں سمجھا تھا، اُن کے نزدیک پرمیشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زردشت نے پاک نژادانِ ایران کے سوا سب کو یزدان کے جلوۂ نورانی سے محروم یقین کیا تھا، بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، عیسائی

صرف اپنے کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر بتایا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لئے کسی ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اسکی نگاہ مین عرب وعجم، شام و ہند سب برابر ہے، محمد رسول اللہ صلعم کی ہمہ بین آنکھون نے پورب، پچھم، اتر، دکھن، ہر ملک اور ہر قوم مین خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان مین اسکی آواز سُنی،

| | |
|---|---|
| وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ، (یونس) | اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے، |
| وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا ، (نحل) | اور یقیناً ہم نے ہر قوم مین ایک رسول بھیجا، |
| وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ ، (روم - ۵) | اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی اپنی قوم مین بھیجے، |
| وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ، (رعد - ۱) | اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا، |
| وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر - ۳) | اور کوئی قوم نہین جس مین ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا ہو، |
| وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ (زخرف - ۱) | اور ہم نے پہلی قومون مین کتنے پیغمبر بھیجے، |
| وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ، (ابراہیم - ۱) | اور ہم نے ہر پیغمبر کو اُس کی قوم کی بولی مین بھیجا، تاکہ وہ اُن کو بتا سکے، |

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول تعلیمِ الٰہی تشریح و بیان کے لئے مامور ہین، ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہین، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبرون کا انکار کرکے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملچھ، شودر، اور

جنداں کہکر بھی پکا ہندو رہسکتا ہے، ایک زردشتی تمام عالم کو بجز ظلمات کہکر بھی نورانی ہو سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہکر بھی دینداری کا دعویٰ کرسکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے یہ ناممکن کردیا ہے، کہ کوئی اُن کی پیروی کا دعویٰ کرکے اُن سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کرسکے آنحضرت صلعم تہجد مین جو دعا پڑھتے تھے اس مین ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ[1] (سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے) غرض کوئی شخص اُسوقت تک محمدی نہین ہوسکتا جبتک وہ پہلے موسوی وعیسوی، اور ایرانی وہندی نہ بن لے، اور کوئی شخص اُسوقت تک مسلمان نہین ہوسکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبرون کی یکسان، صداقت، حقانیت، راستبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے، اور یہ یقین نہ کرے کہ اُن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے، اور اُن کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ | بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولون کا انکار |
| وَيُرِيدُونَ اَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ | کرتے ہین اور چاہتے ہین، کہ اللہ اور اسکے رسولون |
| وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ | کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہین کہ ہم بعض کو |
| نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا | مانین گے اور بعض کو نہین مانین گے، اور چاہتے |
| بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ | ہین کہ اس کے بیچ بیچ مین کوئی راستہ نکالین، |
| هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا | وہی تو حقیقت مین کافر ہین، اور کافرون کے |
| لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ | لئے ہم نے اہانت والا عذاب تیار رکھا ہے، |

[1] صحیح بخاری باب التہجد،

| | |
|---|---|
| اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا | اور جو اللہ پر اور اس کے رسولون پر ایمان لائے |
| بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ | اور ان رسولون مین سے کسی کے درمیان فرق |
| يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا | نہین کیا تو وہی لوگ ہین جنکی مزدوری خدا |
| رَّحِيْمًا، (نساء - ۲۱) | اُن کو دیگا، اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے، |
| وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ، | اور فرشتون پر کتاب پر اور سب نبیون |
| (بقرہ - ۲۲) | پر ایمان لانا نیکی ہے، |
| وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ | اور جس نے خدا کا اور اُس کے فرشتون کا |
| كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | اور اس کی کتابون کا، اور اس کے رسولون |
| فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا، (نساء - ۲۰) | اور قیامت کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا، |

بقرہ کے خاتمہ مین ہے :-

| | |
|---|---|
| كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ | ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتون پر اور اُنکی |
| وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ | کتابون پر اور اس کے رسولون پر ایمان لایا |
| رُّسُلِهٖ، (بقرہ - ۴۰) | ہم خدا کے رسولون کے درمیان تفریق نہین کرتے |
| لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ، | ہم اُن پیغمبرون مین سے کسی کے درمیان |
| (بقرہ ۱۶ - وآل عمران - ۹) | تفریق نہین کرتے، |

پیغمبرون مین تفریق کرنے کے معنی ہین کہ اُن مین سے بعض کو مانین اور بعض کو نہ مانین اسلام نے اس کی ممانعت کی، اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبرون اور رسولون کو یکسان خدا کا رسول صادق

اور راستباز تسلیم کیا جائے،

یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے تھے، اور اُن پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور اب بھی اُن کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے وہ مسیحیت سے نہیں ہے، اس لئے اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیحؑ کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں، مگر اسلام نے کبھی یہ ننگ گوارا نہیں کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت، معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا اس کو اپنے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، چنانچہ خود آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بہت سے یہود آپ کی رسالت اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰؑ کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے، آنحضرت صلعم نے اُن کی دوستی کے عظیم الشان فائدوں سے محروم رہنا گوارا کیا، مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے محروم رہنا قبول نہ فرمایا[1]، اور اُن سے صاف کہا،

| | |
|---|---|
| يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّا | اے یہود! کیا بیر ہے تم کو ہم سے، اگر یہی کہ ہم |
| اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا | خدا پر، اور جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو پہلے |
| وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ | اتارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور تم میں اکثر |
| فٰسِقُوْنَ، (مائدہ-۹) | بے حکم ہیں، |

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے نام سے چڑتے تھے، تاہم اُن کی خاطر سے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت، تقدس اور معصومیت کا انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا،

| | |
|---|---|
| وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا | اور جب مریم کے بیٹے کی کہاوت بیان کی گئی، |

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ہشتم، ص ۱۶۶ مصر،

| | |
|---|---|
| وَقَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ، وَقَالُوْآ | تو تیری قوم اس سے چلانے لگتی ہے اور |
| ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ | بولی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ، یہ نام جو |
| لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ | وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے کو، بلکہ وہ |
| خَصِمُوْنَ، اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا | جھگڑالو ہیں، وہ ایک بندہ ہے جس پر ہم نے |
| عَلَيْهِ. (زخرف-٦) | فضل کیا، |

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے، خدا نہیں، باوجود اس کے عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرستی کا الزام دھرتے تھے، قرآن نے ان کے اس بے معنی اعتراض کی تردید کی،

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا مبعوث ہوئے، دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ صرف انھیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن سے عرب مانوس تھے، یا ان کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں جنکے تذکرے تھے، قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں جن سے صرف عرب واقف تھے، اور یہود و نصاریٰ بے خبر تھے، مثلاً حضرت ہودؑ، اور حضرت شعیبؑ، بعض ایسے بھی ہیں جنکو یہود و نصاریٰ جانتے تو تھے، لیکن پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے، مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ، وحی محمدی نے اُن سب کو پیغمبر تسلیم کیا اور اُن کی صداقت وعظمت کا اقرار کیا،

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت، رسالت، اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے

نہ تھی، یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشین گوئی کے تھے، اور نبی پیشین گو کو کہتے تھے، اور جس کے متعلق وہ یقین رکھتے تھے کہ اسکی دعا یا بد دعا فوراً قبول ہوجاتی ہے[1]، اسی لئے حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا محض دھندلا سا خاکہ اُن کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ مین شالم کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان اُن کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے[2]، حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی حیثیت اُن کے ہان صرف بادشاہ کی ہے، اور اُن کے زمانہ کے پیشین گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہین یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں مین اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت سخیف باتین بے تامل منسوب کیگئی ہین، عیسائیون کے ہاں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہین بیان کیگئی ہے، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے[3] موجودہ انجیلون مین نہ خدا کے رسولون کی تعریف ہے، نہ اُن کے تذکرے ہین، نہ اُنکی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ جنکے تذکرے انجیل مین ہین، وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ اُن کے ہاں مسلّم نہین لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے آکر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اس کے فرائض بتائے اس کے خصوصیات کا اظہار کیا، اور اُن سب پر ایمان لانے کو نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپنے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بخشا ہوا ایک منصب ہے، جس کو دے کر وہ دنیا مین اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام لوگون کو بتائین اور سچائی اور نیکی کا راستہ اُنکو دکھائین، وہ ہادی (رہنما) نذیر (ہشیار کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلانے والے) مبشر (خوشخبری

[1] دیکھو توراۃ صحیفہ تکوین باب ۲۰-۷، [2] سفر تکوین ۱۴: ۱-۱۸، [3] انجیل۔

سنانے والے) معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا اُن سے ہمکلام ہوتا تھا، اپنی باتوں سے اُن کو مطلع کرتا تھا، اور وہ اُن سے دوسرے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے، اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے، اُن کے سب کام خدا کے لیے تھے، اور خدا اُن کیلئے تھا، یہ ہستیاں اپنے فرائض کو انجام دینے کے لئے ہر قوم مین پیدا ہوئین جنھون نے اُن کو مانا، نجات پائی اور جنھون نے جھٹلایا ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے اُن کی زندگی کے سوانح، اُن کی تبلیغ کی روداد، اُن کے اخلاق کی بلند مثالین اور اُن کی خداپرستی کا اخلاص، اس طرح بیان کیا ہے، کہ اُن کے پڑھنے اور سننے سے اُن کی پیروی کا جذبہ اُن کی اتباع کا شوق، اور اُن کی صداقت کا یقین دلون مین پیدا ہوجاتا ہے، اور ساتھ ہی اُس نے شانِ نبوت کے خلاف جو غلط باتین دوسرے صحیفون مین اُن کی طرف منسوب تھین، اُن کو چھوڑ دیا ہے، اور یا اُن کی تردید کردی ہے،

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہون سے پاک اور برائیون سے محفوظ، اور معصوم ہوتے ہین، بنی اسرائیل کو نبوت و رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہین لگی تھی، اس لیے انھون نے نہایت بےباکی سے اپنے پیغمبرون کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کردیئے، عیسائی ایک حضرت عیسیٰؑ کو تو معصوم کہتے ہین، باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہین، لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبرون اور رسولون کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی ہے، اس کے نزدیک گناہون سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے کیونکہ گنہگار گناہگارون کی رہنمائی کا مستحق نہین، اور اندھا اندھے کو راہ نہین دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ

سلعم کی وحی وتعلیم نے خدا کے تمام معصومون کی عظمت وجلالت دنیا مین قائم کی، اور جن کور باطنون نے ان کی عصمت وبے گناہی کے دامن پر اپنے وہم ونادانی سے داغ لگائے تھے، اُن کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالت محمدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے،

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰؑ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہین کرتے تھے، قرآن نے اس کی تردید کی، اور خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے کہلوایا،

| | |
|---|---|
| وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا | اور اپنی ماں کیساتھ نیکی کرنے والا، اور مجھکو خدا |
| شَقِيًّا، (مریم-۲) | نے جبار وبدبخت نہین بنایا، |

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰؑ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز وروزہ کی پروا نہین کرتے تھے، قرآن نے ان کی زبان سے کہلوایا،

| | |
|---|---|
| وَاَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ | اور خدا نے مجھکو نماز اور زکواۃ کا حکم دیا ہے، |
| مَادُمْتُ حَيًّا، (مریم-۲) | جب تک مین جیتا رہون، |

یہود حضرت مریمؑ پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا،

| | |
|---|---|
| وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ اَحْصَنَتْ | اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت |
| فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ | کی تو ہم نے اُس مین اپنی روح پھونکی اور اس نے |
| بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ | اپنے پروردگار کی باتون اور اسکی کتابون کو سچ |
| الْقٰنِتِيْنَ، (تحریم-۲) | جانا اور وہ بندگی کرنے والون مین تھی، |

وہم پرست یہود حضرت سلیمانؑ کو گنڈا، تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ سحر وجادو

وغیرہ توراۃ مین شرک قرار دیا جا چکا تھا، قرآن نے علانیہ یہودیون کے اس الزام کی تردید کی،

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ — اور سلیمان نے کفر کا کام نہین کیا، بلکہ شیطانون نے
كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (بقرہ-۱۲) — کیا، لوگون کو وہ جادو سکھاتے تھے،

اسی طرح حضرت لوطؑ پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہین اسکی تردید کی،

اوپر گذر چکا ہے، کہ قرآن نے یا آنحضرت صلعم نے دنیا کے تمام پیغمبرون کے نام نہین لئے ہین کہ صرف نامون کی فہرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لے لینے سے دلون مین جوش عقیدت نہین پیدا ہو سکتا تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ صلعم کی صداے دعوت ایک دن دنیا کے کنارون تک پہنچیگی، اور بہت سی غیر قومین اور دوسرے انبیاءؑ کی امتین اس حلقہ مین داخل ہونگی، اور اپنے اپنے انبیاء کا نام ونشان صحیفہ محمدی مین تلاش کرینگی، اس لئے ایک جامع آیت مین تمام انبیاء کا تذکرہ کر دیا گیا اور انکی صداقت کی پہچان بتا دیگئی، فرمایا،

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا — ہم نے (اے محمد) تمھارے پاس وحی بھیجی جسطرح
إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ — نوحؑ اور ان کے بعد کے پیغمبرون کے پاس بھیجی
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ — اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسمٰعیلؑ کو اور
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ — اسحاقؑ کو، اور یعقوبؑ کو اور ان کے خاندان
وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ — کو اور عیسیٰؑ کو، اور ایوبؑ کو اور یونسؑ کو اور ہارونؑ
وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا — کو اور سلیمانؑ کو وحی بھیجی، اور داؤدؑ کو زبور عطا کی
وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ — اور دوسرے رسولون کو بھیجا جنکا حال تم سے

مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ
وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا، رُسُلًا
مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا،
(نساء ۲۳)

ہمنے پہلے بیان کیا ہے، اور اُن رسولون کو جنکا
حال ہم نے تم سے بیان نہین کیا، اور خدا نے
موسیٰ سے بات کی، اُن رسولون کو خوشخبری
سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تاکہ
لوگون کو رسولوں کے آجانے کے بعد خدا کے
آگے کوئی عذر باقی نہ رہجائے اور خدا غالب دانا ہے،

انبیاؑ کے متعلق یہی حقیقت سورۂ مومن مین دوبارہ بیان کیگئی ہے،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ
مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ
مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۔ (مومن ۸)

اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے،
اُن مین کچھ وہ ہین جنکا حال تم سے بیان کیا ہے،
اور کچھ وہ ہین جنکا حال تم سے بیان نہین کیا

تعلیم محمدیؐ کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قومون اور ملکون جیسے چین، ایران، اور ہندوستان مین بھی آنحضرت صلعم سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہین اور اس لئے یہ تمام قومین اپنے جن بزرگون کی عزّت و عظمت کرتی ہین، اور اپنے دین و مذہب کو جن کی طرف منسوب کرتی ہین، ان کی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی مسلمان نہین کرسکتا، اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن، اور[1] رام کو بلکہ ایران کے زردشت[2] کو بھی، اور بعض صاحبون نے توبودھ تک کو پیغمبر کہا ہے، بہرحال امکان مین تو شک ہی نہین لیکن یقین کے ساتھ ان نامون

[1] کلمات طیبات حضرت شاہ مرزا مظہر جانجانان، [2] ملل ونحل ابن حزم،

کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیا کی دو قسمین کی ہین، ایک وہ جن کے ناموں کی اُس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہین کئے ہین اسلئے صحیح یہ ہے کہ جن انبیا کے نام مذکور ہین تمام مسلمانون کو اُنپر نام بنام ایمان لانا چاہئے، اور جنکے نام مذکور نہین اُن کی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ اُن قومون مین بھی خدا کے فرستادہ اور پیمبر آئے تھے گو بتخصیص اُن کے نام نہین معلوم ہین، وہ قومین جن کا نام لیتی ہین، اگر اُن کی زندگی اور اُن کی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہین، تو اُن کی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینۂ غالب ہوسکتا ہے، لیکن یقین اس لئے نہین کیا جاسکتا، کہ ہمارے پاس ان باتون پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی ہے، اور وہ اس تخصیص وتعیین سے خاموش ہے،

اس قسم کے انبیار جنکے نام گو قرآن مین مذکور نہین، مگر وہ آنحضرت صلعم کے پہلے گذر چکے ہین اور ان کے پیروان کو اپنے ہان نبوت ورسالت کا درجہ دیتے ہین، اُن کی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انھون نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا | اور ہمنے ہر قوم مین ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی |
| أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل-۵) | پرستش کرو، اور جھوٹے معبود سے بچے رہو، |
| وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ | اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہین بھیجا، |
| إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا | لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا |
| أَنَا فَاعْبُدُونِ، (انبیار-۲) | کوئی خدا نہین مجھی کو پوجو! |

اس لئے وہ تمام قدیم رہبرانِ انسانی اور رہنمایانِ عالم جو دنیا مین کسی مذہب کو لائے، اور جنکی

تبلیغ وتعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور جنکی زندگی اس تعلیم کے شایان شان تھی، ان کی نسبت یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے اک اتنی بڑی بڑی قومین خود قرآن کے اصول کے مطابق انبیاٗ اور رسولون کے وجود سے خالی نہین ہوسکتی تھین، اسی بناپر اسلام کی ان تلقینات مین سے جنکے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہین ہوسکتا، ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکون کے پیغمبرون اور تمام قومون کے رسولون کو جو حضرت خاتم نبوت صلعم کے زمانے سے پہلے پیدا ہوئے، یکسان صداقت کیساتھ تسلیم کرے، ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے، اور وہ **توحید** ہے، البتہ ان انبیاٗ مین سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتون سے ترجیح ہے،

| | |
|---|---|
| تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ | ان رسولون مین سے ہمنے کسی کو کسی پر فضیلت |
| عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ | دی، ان مین سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور |
| وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا | کسی کے بہت درجے بڑھائے اور ہمنے عیسیٰ |
| عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ | بن مریم کو نشانیان دین اور پاکی کی روح سے |
| بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ-۳۳) | اس کی تائید کی، |

آپ نے دوسرے انبیا کی جائز تعظیم وتکریم یہان تک کی ہے، کہ اُن کے مقابلہ مین کبھی کبھی اپنی ہستی بھی فراموش کردی ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو "یاخیر البریّۃ" اے بہترین خلق"! کہکر خطاب کیا، فرمایا "وہ تو ابراہیمؑ تھے"[1]، ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ "سب سے عالی خاندان کون تھا"؟ فرمایا "یوسف پیغمبر بن پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ"[2]، ایک دفعہ کا واقعہ ہے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۵۳، [2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء مناقب حضرت یوسفؑ صفحہ ۴۷۵

کہ ایک یہودی مدینہ مین کہہ رہا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو بشر پر فضیلت دی" ایک مسلمان یہ کلمے سُن رہے تھے، اُن کو غصہ آگیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی مین تم یہ کہہ رہے ہو اور اس کو ایک تھپڑ کھینچ مارا اس نے دربارِ نبوی مین جاکر شکایت کی، آپ نے اُن صحابی کو بلا بھیجا اور مقدمہ کی روداد سنی، پھر نہایت برہم ہوکر فرمایا، کہ "پیغمبرون مین باہم ایک کو دوسرے پر فضیلتؐ نہ دو" یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو،

یہی وہ تعلیماتِ محمدی ہین جنکے ذریعہ سے دنیا مین، وحدتِ مذاہب، روحانی مساواتِ انسانی اخوت، اور تمام انبیاءؑ اور پیغمبرون کے ادب و احترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جن کو ماننے والے تمام دنیا مین چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے انکی عظمت و جلالت اور ادب و احترام کرنے والے، چالیس کروڑ سے زیادہ ہوگئے، وہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جو چھ سو برس تک یہودیون کی جھوٹی تہمت سہتے رہے، محمد رسول اللہؐ نے آکر دفعۃً اُس کو مٹا دیا، اور اُن کی پاکی کی گواہی دی، جس کے بدولت آج چالیس کروڑ زبانین اُن کی عصمت کی شہادت دے رہی ہین، ہندوستان ایران، چین، جن کے سچے رہنماؤن کا اُن کے ملک سے باہر کوئی ادب نہ تھا، جہان جہان مسلمان گئے اُن کے جائز ادب و احترام کو اپنے ساتھ لیتے گئے،

وہ عرب جو پیغمبرون کے نامون تک سے ناواقف تھے، جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاءؑ اور رسولون کی سیرتون سے ناآشنا تھے، جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے، جن کو اپنے دیوتاؤن کے سامنے عیسیٰؑ بن مریم پر تحقیرانہ ہنسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰؑ کی فضیلت کا ذکر سنکر اپنے غصہ کو ضبط نہین کرسکتے تھے، محمد رسول اللہ

صلعم کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام ونشان اور تاریخ وسیرت سے واقف ہوگئے اور تبرکاً ان کے نامون پر اپنی اولادون کے نام رکھنے لگے، اور جو آج بھی تمام مسلمانون مین شائع اور ذائع ہین، انھون نے پیغمبرون کی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، اُن کے ادب واحترام کو اپنے سینون مین جگہ دی، اُن کی تعظیم وتکریم کو اپنے دین وایمان کا جزو بنا لیا، دنیا کی کسی قوم مین یہ رواج نہین ہے کہ انبیا علیہم السّلام کے نام ادب سے لیے جائین، مگر ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور اُن پر درود وسلام پڑھے،

# کتبِ الٰہی پر ایمان

## وَکُتُبِہٖ

ایک مسلمان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفۂ وحی پر ایمان لائے، ہر چند یہ عقیدہ گذشتہ عقیدۂ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے، یعنی رسول کو رسول مان لینا اسکی تعلیمات اور وحی کو مان لینے کا مرادف ہے، تاہم یہ تصریح اس لئے کیگئی، تاکہ پوری طرح صاف اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اُس کے صحیفۂ وحی کو مان کر اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے سورۂ بقرہ کے شروع ہی مین سچے مومنون کی تعریف مین کہا گیا ہے،

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ — اور جو اُس (کتاب یا وحی) پر ایمان رکھتے ہین جو

اِلَيْكَ، (بقرہ-۱) — تجھ پر (اے محمد) اتاری گئی۔۔۔۔۔

کتاب الٰہی پر ایمان لانے سے مقصود، اُن تمام صداقتون اور حکمون کو بجان ودل قبول کرنا ہے، جو اس مین مذکور ہین، یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کو قبول کر لینے کا مختصر ترین طریقۂ تعبیر ہے، اور اسلئے ایمانیات کی بہت سی دوسری باتین جنکی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہین، اس ایک فقرہ کے تحت مین آجاتی ہین قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہین کہ جو کچھ قرآن مین علمی وعملی، عقائد وعبادات واحکام

مذکور ہین اُن سب کو بے کم وکاست ہم تسلیم کرتے ہین، کہ اگر کوئی سرے سے اُن کو تسلیم ہی نہین کرتا تو اُن کی تعمیل و پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ کیا جاسکتا ہے؟ اسی بناپر اس کی تشریح آنحضرت صلعم نے کبھی ان الفاظ مین فرمائی ہے کہ بِمَا جِئْتُ بِہٖ جو کچھ مین لیکر آیا اس پر ایمان لاؤ، قرآن نے کہا،

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (محمد-۱) اور ایمان لائے اُس پر جو محمد پر اُتارا گیا،

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کہتا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائین، تو یہ کوئی اہم بات نہ ہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے عقائد کی اس دفعہ مین بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش نظر رکھا ہے، اور یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اہل قرآن قرآن کے ساتھ ہی دوسری آسمانی کتابون کی صداقت کو بھی تسلیم کرین، یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہین ہوسکتا جب تک صحیفۂ محمدیؐ کیساتھ ساتھ دوسرے پیغمبرون کے صحیفون کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کرے، چنانچہ سورۂ بقرہ کے شروع والی مذکورۂ بالا آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا،

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، (بقرہ-۱) اور جو ایمان لائے اس پر... جو تجھ سے پہلے اُترا،

پھر اسی سورہ کے آخر مین فرمایا،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ (بقرہ-۴۰)

رسول ایمان لایا اس پر جو خدا کی طرف سے اُس پر اُترا اور اہل ایمان بھی، ہر ایک، خدا پر اُس کے فرشتون پر اور اُسکی کتابون پر ایمان لایا،

بقرہ کی آیتون مین بعض انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی، اور بقیہ تمام انبیاءؑ کا اجمالی ذکر کرکے ان کی کتابون اور وحیون کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا
وَمَا أُنْزِلَ إِلٰى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَ
إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ
مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ
مِنْ رَبِّهِمْ،

(بقرہ - ۱۶)

(اے مسلمانو!) تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف
اتارا گیا، اس پر اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق
اور یعقوب اور خاندان یعقوب کی طرف اتارا گیا اس پر
اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور جو کچھ اور
سب پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دیا
گیا، ہم اُن سب پر ایمان لائے،

آل عمران میں کسی قدر اور تفصیل ہے،

قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَمَا أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ
وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا
أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ
مِنْ رَبِّهِمْ،

(آل عمران - ۹)

کہہ کہ ہم خدا پر، اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا، اُس پر اور جو
کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور
خاندان یعقوب پر اتارا گیا، اس پر اور جو کچھ موسیٰ
اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور دوسرے سب پیغمبروں
کو اُن کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ دیا گیا اس پر ہم
اُن سب پر ایمان لائے،

سورۂ نساء میں اس پر ایمان لانے کے حکم کے ساتھ اس کے انکار کو کفر بھی قرار دیا گیا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ
وَرَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى
رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ خدا پر اس کے
رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر
اتاری، اور اُس کتاب پر جو پہلے اتاری، اور جس نے

رُسُلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ، وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ...... فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا، (الاٰيہ) (نساء - ۲۰)

خدا کا اور اس کے فرشتون کا اور اس کی کتابون ............ کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا،

سورۂ مومن مین ان منکرون کو عذاب کی بھی دھمکی دیگئی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی تکذیب کرین

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا، فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ، اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ، (مومن - ۸)

جن لوگون نے کتاب کو اور جو پیغام دیکر ہم نے اپنے پیغمبرون کو بھیجا، اس کو جھٹلا دیا، وہ عنقریب جانین گے، جب انکی گردنون مین طوق اور زنجیرین ہونگی، وہ گھسیٹے جائین گے،

نام کی تخصیص کیساتھ قرآن پاک مین چار آسمانی کتابون کا ذکر ہے، توراۃ جس کو ایک جگہ صحف موسیٰ بھی کہا گیا ہے، (اعلیٰ - ۱) اور حضرت داؤدؑ کی زبورؔ، اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیلؔ اور خود قرآنؔ انکے علاوہ ایک موقع پر صحف ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے،

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى، (اعلیٰ - ۱)

یہ باتین گذشتہ صحیفون مین بھی ہین ابراہیمؑ موسیٰ کے صحیفون مین،

ان کے ماسوا اجمال کے ساتھ دو موقعون پر گذشتہ آسمانی کتابون اور صحیفون کے الفاظ مین،

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى، (طہٰ - ۸)

کیا اگلے صحیفون مین جو کچھ ہے، اسکی گواہی ان کو نہین پہنچی؟

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ، (شعراء-۱۱) اور بے شبہہ یہ پہلوں کی کتابون مین مذکور ہو،

اس بناپر انبیاء کی طرح ان کتابون پر بھی ہر مسلمان کا تفصیلی اور اجمالی ایمان ہے، جن کتابون کے نام مذکور ہین، ان پر ناموں کیساتھ، اور جن کے نام مذکور نہین، ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے، کسی قوم مین اگر کوئی ایسی آسمانی کتاب ہے جسکا وجود قرآن سے پہلے ہے، لیکن اسکا تصریحی نام قرآن مین مذکور نہین ہے اور اس مین توحید الٰہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت بھی ہے، تو اگرچہ ہم اسکو تصریح خدا کی کتاب تسلیم نہین کر سکتے تاہم بالتصریح اسکا انکار بھی نہین کر سکتے، اسی بناپر آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا کہ "اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو، اور نہ تکذیب[1]" یہی حال دوسری مشکوک کتابون کا ہے،

یہود، توراۃ کے سوا کچھ نہین مانتے، عیسائی توراۃ کے احکام نہین مانتے، لیکن اسکی اخلاقی نصیحتون کو قبول کرتے ہین، تاہم انجیل سے پہلے کی دوسری زبانون اور ملکون کی آسمانی کتابون کی نسبت مسلمانو کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہین کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہہ بھی نہین کر سکتے، اور برہمن ویدون کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہین کر سکتے، لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفۂ ابراہیم، توراۃ، زبور، اور انجیل کو خدا کی کتابین یقین کرے، اور دوسری اگلی آسمانی کتابون کی جنین آسمانی تعلیمات کی خصوصیتین پائی جاتی ہون، تکذیب نہ کرے، کہ انکا کتب الٰہی ہونا ممکن ہے،

حقیقت مین اسلام کی یہ تعلیم دنیا کی مہتم بالشان تعلیمات مین سے ہے، جسکا وجود کسی دوسرے مذہب مین نہ تھا، یہ رواداری، بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید و حدیث الافک و تفسیر سورۂ بقر،

کتاب کو چھوڑکر تمام دوسری آسمانی کتابون سے انکار کرکے بھی نجات کا منتظر رہ سکتا ہے، عیسائی، توراۃ اور تمام دوسرے صحیفون کا انکار کرکے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہوسکتا ہے، پارسی اوستا کے سوا دوسری ربانی کتابون کو باطل مانکر بھی مینو (جنت) کا استحقاق پیدا کرسکتا ہے، ہندو اپنے ویدون کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو دجل وفریب مان کر بھی آواگون سے نجات حاصل کرسکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی وحیون کا انکار کرکے بھی نروان کا درجہ حاصل کرسکتے ہین، مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابون کو منجانب اللہ نہ تسلیم کرے، جنت کا مستحق نہین ہوسکتا،

یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہین رکھتی، بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہین، یہودیون کی نظر مین دنیا مین صرف دو ہی قومین ہین، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانا اور غیر قومین یا مختون اور غیر مختون، اور انہین دونون تقسیمون پر اُن کے قانون کی بنیاد ہے، عیسائیون مین مذہبی حیثیت سے مسیحی، یہود اور بت پرست گو تین قومین مانی جاتی ہین، مگر چونکہ اُن کے مذہب مین قانون نہین ہے، اس لئے وہ اکثر امور مین رومن لا کے پیرو رہے ہین، لیکن رومن عیسائیون مین بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمین ہین، رومی اور غیر رومی، ایک رومی ملک مین غیر رومی کا کوئی حق نہین کہ رومی، حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لئے پیدا ہوا ہے، پارسیون مین پاک نژاد ان ایران اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتین ہین، ہندؤن مین اونچی ذاتین اور اچھوت قومون کی دو ہی صورتین ہین، مگر اسلام کے گذشتہ عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلعم نے قانونی حیثیت سے دنیا کی قومون کو چار حصون مین تقسیم فرمایا، اور اُن کے علٰحدہ علٰحدہ حقوق قرار دیئے، جنپر اسلام کی تیرہ صدیون مین برابر عمل ہوتا رہا،

یہ تقسیمیں حسب ذیل ہیں،

۱-**مسلمان** جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابون کو کتاب الٰہی یقین کرتے ہین، اُن مین سے ہر ایک دوسرے کا بھائی، اور ہر اچھائی اور برائی مین ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس مین ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہین، اور ایک دوسرے کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتا ہے، اسلام کی سلطنت مین ان کے حقوق یکسان ہین،

۲-**اہل کتاب** یعنی ان کتابون کے پیرو جنکے نام قرآن مین مذکور ہین، یا یون کہو کہ جو قرآن کو گو آسمانی کتاب نہین مانتے، مگر ان کتابون مین سے جنکا نام قرآن مین مذکور ہے، کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہین، وہ اپنی حفاظت کا مالی ٹکس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتون مین رہ سکتے ہین، اُن کے معابد اور مذہبی عمارتین محفوظ رہتی ہین، اُن کو اپنے مذہب کے بدلنے پر مجبور نہین کیا جاتا، اُن کی جان و مال اور عزت کے مسلمان محافظ ہوتے ہین، اُن کی عورتون سے مسلمان نکاح کر سکتے ہین، اور اُن کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہین، انکا جائز کھانا ہم کھا سکتے ہین، اور ہم اپنا کھانا اُن کو کھلا سکتے ہین،

۳-**شبہ اہل الکتاب** یعنی وہ لوگ جو قرآن اور توراۃ و انجیل و زبور کو نہین مانتے، مگر وہ خود اپنے لئے کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہین، جیسے صابئی جو ایک آسمانی کتاب کے دعوی کے باوجود ستارون کو پوجتے تھے، اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کا دعوی کرتے ہین، اور ساتھ ہی سورج، آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہین ترکستان اور سندھ کی فتح کے موقع پر علماے اسلام نے انھین پر قیاس کر کے ہندؤن اور بودھون وغیرہ کو

بھی اسی صنف مین داخل کیا، مسلمان اُن کی عورتون سے نکاح نہین کر سکتے، اور اُن کا ذبیحہ نہین کھا سکتے، ان دو باتون کے علاوہ اہلِ کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلعم نے اُن کو عطا کئے ہین، وہ اسلامی حکومتون مین ادائے جزیہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق مین شریک ہین، ان کی جان و مال و آبرو اور اُن کے معبدون کی حفاظت اسلامی حکومتون کا فرض ہے،

۴- **کفار اور مشرکین** یعنی وہ لوگ جن کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب ہے، اور نہ وہ کسی دینِ الٰہی کی طرف منسوب ہین، اُن کو چند شرائط کے ساتھ امن دیا جا سکتا ہے، لیکن حقوق حاصل کرنے کے لیے ان سے کہا جائیگا کہ وہ کسی نہ کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کرین، جیسا کہ عباسیون کے ابتدائی زمانہ مین حرّانی عراقیون نے اپنے کو صابئیون مین داخل کر کے اپنے لئے حقوق حاصل کئے تھے،

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی اس تعلیم نے دنیا مین امن و امان اور مسلمانون مین مذہبی رواداری کے پیدا کرنے مین کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانون کو اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قومون کیساتھ شارکت اور میل جول کے لئے آمادہ کیا، اور مجوسیون، صابئیون، یہودیون، عیسائیون اور ہندون کے ساتھ مل کر مختلف ملکون مین اُن ملکون کے مناسب مختلف تمدنون کی بنیاد رکھنے کی ان مین قوت پیدا کی،

وحدۃ الادیان

تمام رسولون اور اُن کے صحیفون کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم یہ ہو کہ آدم سے لے کر محمد علیہما السلام تک جتنے سچے مذہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے، چنانچہ درحقیقت آپکی تعلیم یہی تھی، **اسلام** اسی ایک مذہب کا نام ہے، جو آدم سے محمد علیہما السلام

تک باری باری پیغمبرون کے ذریعہ سے اتارا اور انسانون کو اسکی تعلیم دیجاتی رہی،

صحیفۂ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہین ایک **دین**، اور دوسرا شرعۃ، منسک اور منہاج، شرعۃ اور منہاج کے معنی راستہ کے ہین، اور منسک کے معنی طریق عبادت کے ہین، دنیا مین یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الٰہی ہمیشہ سے ایک تھا، ایک ہے اور ایک رہیگا، نور معرفت ایک ہے، خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل ورنگ کی قندیلون مین روشن ہو، اصل دین مین تمام پیغمبرون کی تعلیم یکسان تھی، ایک ہی دین تھا جس کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیا آتے رہے، اس مین زمان ومکان کے تغیر کو کوئی دخل نہ تھا، اور نہ قوم وملک کے اختلاف سے اسمین کوئی اختلاف پیدا ہوا، وہ ہر زمانہ اور ہر مقام مین یکسان آیا، اور وہان کے پیغمبرون نے اسکی یکسان تعلیم دی،

یہ دائمی حقیقت اور یکسان تعلیم کیا ہے؟ یہ مذہب کے اصل اصول ہین، یعنی خدا کی ہستی، اوسکی توحید، اس کے صفات کاملہ، انبیاء اور مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق فاضلہ، اچھے اور برے اعمال کی بازپرس اور جزا وسزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہین، جنپر جملہ مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، اگر ان مین کسی جہت سے کوئی اختلاف ہے تو طریقۂ تعبیر کی غلطی ہے، اور یا باہر سے اگر اس تعلیم مین کوئی نقص شامل ہوگیا ہے،

دوسری چیز جس کو آنحضرت صلعم کی زبان وحی ترجمان نے شرعہ، منہاج اور منسک کہا ہے، وہ جزئیات احکام، اور متفقہ مقصد کے حصول کے جدا جدا راستے ہین، جو ہر قوم ومذہب کی زمانی ومکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہین، مثلاً عبادت الٰہی، ہر مذہب کا جزء لازم ہے، لیکن طریق عبادت مین تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب مین موجود ہے، عبادت کے لئے کوئی خاص سمت ہر

مذہب نے مقرر کی ہے، مگر وہ سمت خاص خاص مصلحتون کے لحاظ سے مختلف مقرر کی ہے، اسطرح اعمالِ قبیحہ کا انسداد تمام مذاہب کا متفقہ نصب العین ہے، مگر اس انسداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہین، غرض یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبرون کے زمانون مین اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے، ناقابلِ تبدیل اور ناقابلِ تغیر رہا ہے،

انبیاء علیہم السّلام کا دنیا مین وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اس ازلی وابدی صداقت کو ہمیشہ اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہین، اور دین کو اُس کے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھین، اور ساتھ ہی اپنی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو قوم کے مناسبِ حال ہون وہ اُس کو بتائین اور سکھائین،

انبیاءؑ کے سوانح پر نظر کرنے سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحبِ شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحبِ شریعت نبی اسی وقت مبعوث ہوا ہے، جب کہ اگلا صحیفۂ وحی جو دین و شریعت کا محافظ تھا، کھو گیا، یا انسانی دست بردسے ایسا بدل گیا کہ اسکی اصلیت مشتبہ ہوگئی، صحیفۂ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جس کا نہایت ناقص خلاصہ توراۃ کے سفرِ تکوین مین ہے، صحیفۂ موسیٰؑ نازل ہوا، صحیفۂ موسیٰ کے نو پیدا اختلافات کو دور کرنے کے لئے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے، پھر انجیل آئی، اور انجیل مین انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، چونکہ قرآن دنیا کے آخر تک کے لئے آیا ہے، اس لئے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اسکی حفاظت کیگئی ہے، اور قیامت تک کیجائے گی، اسی لئے اس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہین ہے، اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت

کی حاجت ہے، البتہ اس کے معانی کی صحیح تشریح اور بدعات و احداثات کے انسداد کے لئے ائمہ، خلفاء، مجددین، محدثین، اور علمائے راسخین پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اور انکی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنتِ محمدی کا احیاء اور بدعات کا قلع وقمع ہے،

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحیِ محمدی کی روشنی میں دیکھنا ہے

"وحدتِ دین" کی حقیقت کو وحیِ اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

| | |
|---|---|
| شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى | اس نے "دین" میں تمہارے لئے وہی راہ مقرر |
| بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ | کی جو نوح سے کہی تھی، اور ہم نے تیرے پاس |
| وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى | جو حکم بھیجا، اور جو کہدیا ہم نے ابراہیم سے، اور |
| وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا | موسیٰ سے، اور عیسیٰ سے، یہ کہ "دین" کو قائم رکھو |
| تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ | اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں کو جدھر تو بلاتا |
| مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ | ہے، وہ ان پر گراں گذرتا ہے، خدا اپنی طرف |
| اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ | جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے، اور اپنی طرف |
| يُّنِيْبُ، وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ | اس کو راہ دیتا ہے جو (اسکی طرف) رجوع ہوتا |
| مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا | ہے، اور یہ تفرقے لوگوں نے وحی کا علم (حقیقی) |
| كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى | ملنے کے بعد آپس کی ضد اور تعصب سے پیدا |
| اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ | کئے ہیں، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک |
| الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ | بات وقت مقررہ تک کے لئے نہ ہو چکی ہوتی |

لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ؕ

(شوریٰ - ۲)

تو (کشفِ حقیقت کرکے) ان کے اختلافات کا فیصلہ کردیاجاتا، اور جن کو اُن اگلون کے بعد کتاب وراثت مین ملی، وہ اس امرِ حق کی طرف سے ایسے شک مین ہین جو اُن کو چین نہین لینے دیتا، سو تو سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا اور اسی پر استواری سے قائم رہ، جیسا کہ تجھکو حکم دیا گیا ہی، اور ان تفرقہ اندازون کی غلط خواہشون کی پیروی نہ کر اور کہہ کہ مین ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو خدا نے اُتاری، اور مجھے حکم ملا ہی کہ مین تمہارے بیچ مین انصاف کرون، ہمارا رب اور تمہارا رب وہی ایک اللہ ہے، ہمکو ہمارے کامون کا بدلہ ملیگا اور تم کو تمہارے کامون کا، ہم مین تم مین کچھ جھگڑا نہین، اللہ سب کو اکٹھا کریگا، اور اسی کی طرف پھر جانا ہی۔

ان آیاتِ مبارکہ مین کس خوبی کیساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ وہی ایک **دین** ہے، جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو، اور تم کو اے محمد (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے، اگلون کے بعد پچھلون نے جن کو یہ کتاب ملی، اپنے ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے اس مین تفرقے پیدا کیے، اور آپس کی ضد اور تعصبات سے فرقہ داری کی الگ الگ راہین نکالین پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدتِ دین کی حقیقت کا یقین اہلِ کتاب کو نہین ہے، حالانکہ وہ شکوک وشبہات کے دلدل مین پھنسے ہوئے ہین، پھر حکم ہوتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! تم اس حقیقت

کی طرف لوگون کو بلاؤ، اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہو اور یہ اعلان کردو کہ میرا مسلک یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا مین آئی ہے مین اسکی صداقت کو تسلیم کرتا ہون اور تم اے اہلِ کتاب جو مختلف فرقون اور مذہبون مین بٹ گئے ہو، تمھارے ساتھ انصاف کرون یعنی جس مین جو سچائی ہے اس کو قبول کرون، یا معاملات مین تمھارے ساتھ عدل و انصاف کرون، پھر فرمایا ہمارا اور تمھارا خدا ایک ہی ہے، دو نہین، اگر اتحاد چاہو تو اس نقطہ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہین، البتہ ہمارے اور تمھارے راستون مین جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم تم خود ہین، نہ تم ہمارے کامون کے جوابدہ ہو، اور نہ ہم تمھارے کامون کے، اب ہمارے تمھارے درمیان یہان کوئی جھگڑا نہین،

اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ صلعم کی زبانِ وحی نے ایک اور آیت مین دی،

| | |
|---|---|
| يَآهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ | اے کتاب والو! آؤ ہم تم ایک بات پر جو ہمارے |
| سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ | تمھارے درمیان یکسان ہو متفق ہو جائین، |
| اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ | وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرین، |
| لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ | اور نہ کسی کو اسکا شریک بنائین، اور نہ آپس مین |
| دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا | ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنائے، اگر وہ |
| اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ، | اُسکو قبول نہ کرین تو کہدے کہ تم گواہ رہو کہ |
| (آل عمران - ۷) | ہم حکم الٰہی کے تابع (مسلم) ہین، |

یہود و نصاریٰ جنھون نے اپنی فرقہ داریون سے اصل دین مین تفریقین پیدا کردی تھین انکی طرف اشارہ کر کے محمد رسول اللہ صلعم سے فرمایا گیا،

| | |
|---|---|
| إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا | بیشک وہ جنھوں نے اپنے دین مین الگ الگ |
| شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا | راہین نکالین اور کئی فرقے ہوگئے، تجھکو ان سے |
| أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا | کوئی واسطہ نہین انکا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے |
| كَانُوا يَفْعَلُونَ ، (انعام-۲۰) | وہی انکو جتادیگا جو کچھ وہ کرتے تھے ، |

پھر دونون کو اس کے بعد ہی اصل "دین قیم" کی جو ابراہیمؑ کا تھا، دعوت دی گئی ،

| | |
|---|---|
| قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ | کہدے کہ میرے خدانے اس سیدھی راہ کیطرف |
| مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ | میری رہنمائی کی، جو دین صحیح ہے، ابراہیمؑ حنیف |
| حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام-۲۰) | کا مذہب اور وہ (ابراہیم) مشرکون مین سے نہ تھا |

غرض اسلام وہ "دین قیم" ہے جو ہمیشہ انبیاء کا دین رہا، اور موجودہ دین اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفات و تصرفات اور فرقہ پرورین کو مٹا کر اسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے، جس کی طرف انبیاء اپنے اپنے زمانون مین ہمیشہ لوگون کو بلاتے رہے، اسی لئے اکثر انبیاء علیہم السلام کے نامون کو گنانے کے بعد محمد رسول اللہ صلعم کو یہ ہدایت فرمائی گئی ،

| | |
|---|---|
| أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ | یہ وہ لوگ ہین جنکو اللہ نے ہدایت دی، |
| اقْتَدِهْ (انعام-۱۰) | سو تو انھین کی راہ چل ، |

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا ،

| | |
|---|---|
| يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ | خدا چاہتا ہے کہ تمھارے واسطے بیان کرے |
| سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ ، (نساء-۵) | اور تم کو اُنکے راستے دکھائے جو تمسے پہلے تھے ، |

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع مین بھی اگلے پیغمبرون کی تعلیمات کیساتھ اتحاد رکھتا ہے، اور یہ امر واقعہ ہے. جو لوگ قرآن کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے، اُنسے کہا گیا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ، (اعلےٰ - ۱) | بے شبہہ یہ بات، اگلے صحیفون مین تھی یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفون مین، |

ایک اور آیت مین کہا گیا،

| | |
|---|---|
| وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء - ۱۱) | اور یہی پہلے پیغمبرون کی کتابون مین تھا، |

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا،

| | |
|---|---|
| مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ (حم السجدۃ - ۵) | (اے محمد) تجھ سے (اس کتاب مین) وہی کہا گیا ہے، جو تجھ سے پہلے پیغمبرون سے کہا گیا، |

اس اعلان مین یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلعم سے وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبرون سے کہا جا چکا تھا، ان معنون مین قرآن کوئی نئی دعوت لے کر نہین آیا ہے، بلکہ یہ اسی پرانی دعوت کی تکرار ہے جسکی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی، یا دب گئی تھی، اگر فرق ہے تو اجمال و تفصیل یا نقص و تکمیل کا، کہ اسلام گذشتہ اجمال کی تفصیل، اور دینِ سابق کی تکمیل ہے،

اس لئے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا، جو آتا رہا، ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی لیکن وہ بار بار انسانون کے نسیان و تغافل اور تصرف و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی، اور آخری دفعہ دنیا کے کمال بلوغ کے زمانہ مین وہ پوری حفاظت کے وعدہ کیساتھ محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے مفصل

اور کامل ہو کر نازل ہوئی، اور قیامت تک محفوظ و باقی رہیگی،

دوسری چیز جس کی مذہب مین ثانوی حیثیت ہو اور جو اصل مقصد نہین، ذریعہ ہے، وہ بدلتی رہتی ہے، اور عہدِ محمدی تک برابر بدلتی رہی ہے، اُس کا نام شرعہ، منہاج، اور منسک ہے، یہودیون کو آنحضرت صلعم پر اعتراض تھا کہ آپ یہودی شریعت کے جزئیات مین کیون تبدیلی کرتے ہین قرآن نے اس کے جواب مین یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصود نہین ذرائع ہین، اصول نہین فروع ہین، ہر قوم کی مناسبت سے اُن مین تغیر ہوتا رہا ہے، اور ہوتا رہیگا، اس کی ایک مثال قبلہ ہے، کہ مقصود اصلی نماز ہے اور سمت کا تعین ایک فرعی اور ثانوی چیز ہے، بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) سے گرویدگی تھی وہ اُن کا قبلہ ہوئی، ابراہیمی عربون کو اپنی مرکزی مسجد (کعبہ) سے وہی دلبستگی اور لگاؤ تھا اس لیے یہ ان کا قبلہ بنی، چنانچہ قرآن نے تعیینِ قبلہ کے موقع پر کہا:-

| | |
|---|---|
| وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا | اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہو جدھر وہ منھ |
| فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ، (بقرہ ۱۸) | کرتا ہے، سو تم نیکیون کی طرف سبقت کرو، |

یعنی سمتون اور جہتون کی تعیین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو، بلکہ نیکیون کو اصلی اہمیت دو، اسلیے فرمایا

| | |
|---|---|
| لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ | نیکی یہی نہین ہو کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ |
| قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ | کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے (اور دوسرے |
| الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ، الآیہ (بقرہ ۲۲) | نیک کام کرے،) |

اسی طرح خانۂ کعبہ کا حج یہودیون مین نہ تھا، اسلام نے جب اس کو رائج کیا تو کہا ہر گروہ نے اپنے عام مذہبی اجتماع اور قومی عبادت کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے، اور اسلام نے خانۂ کعبہ

کے حج کو اس لیے تجویز کیا ہے،

| | |
|---|---|
| لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ | ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا |
| نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ | جس کی اس قوم کے لوگ مذہبًا پابندی کرتے |
| وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى | ہین، سو اس بات مین وہ تجھسے جھگڑا نہ کرین، |
| مُسْتَقِيمٍ، وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ | تو اپنے رب کی طرف بلائے جا، تو بیشک سُوجھ |
| اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ، | کی سیدھی راہ پر ہے، اور اگر وہ تجھسے جھگڑنے لگین |
| (حج - ۹) | تو کہدے کہ اللہ بہتر جانتا ہی جو تم کرتے ہو. |

سورۂ مائدہ مین عدل وانصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقون کے ضمن مین اُن یہودیون اور عیسائیون سے جنھون نے اسلام قبول نہین کیا، یہی کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی کتابون ہی کے احکام پر عمل کرین جنکو وہ چھوڑ بیٹھے ہین،

پہلے یہودیون سے کہا،

| | |
|---|---|
| إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى | ہم نے تورات آتاری، اسمین ہدایت اور روشنی |
| وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ | تھی پیغمبر جو حکمبردار تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے اور |
| أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ | اُنکے عالم اور فقیہ کہ اللہ کی کتاب پر وہ نگہبان |
| وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ | تھے، اور وہ تھے اُس پر خبردار، |
| وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ، (مائدہ - ۷) | |

پھر عیسائی شریعت کی نسبت کہا،

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ
وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ
وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ وَلْيَحْكُمْ
أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ط

(مائدہ - ۷)

اور ہم نے ان پیغمبرون کے پیچھے مریم کے بیٹے
عیسیٰ کو بھیجا سچ بتاتا ہوا اس کو جو اس کے
پہلے تھا یعنی توریت اور ہم نے اسکو انجیل دی
اسمین ہدایت اور روشنی دہی، اور تصدیق
کرتی ہوئی اپنے سے پہلے کی یعنی توریت کی
اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگارون کے لئے اور
چاہئے کہ انجیل والے اس کا حکم دین جو آئین بموجب اس کے جو خدا نے اس میں اتارا

اس کے بعد آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے کہا،

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا
تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ

(مائدہ - ۷)

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ اتاری
جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے
اور امانت کیساتھ اس پر شامل ہے سو تو انکے
درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے
اتارا اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اسکو چھوڑکر
ان کی خواہشون کی پیروی نہ کر

دیکھو کہ کس خوبی کے ساتھ صحیفۂ محمدی نے اگلی کتابون کی تصدیق اور مدح و تعریف کی، اور اُن اہلِ مذاہب کو جو اسلام پر ایمان نہین لائے، اپنی اپنی کتبِ منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گذشتہ کتابون پر امین و محافظ بنکر آیا ہے، اور اس مین ان سب کتابون کی سچائیان یکجا ہین، لیکن ان لوگون نے اپنی اپنی کتابون کو چھوڑکر اہواء (غلط خواہشون) کی پیروی شروع کردی،

یہ اُنوا، کیا ہین، کتابِ الٰہی مین تحریف و تصرف کرکے آسانیان پیدا کرنا اور احکامِ الٰہی کے مقابلہ مین انسانی اجتہادات کی آمیزش "فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ" افسوس ہے اُن پر جو اپنے ہاتھون سے کتاب بناتے ہین، پھر کہتے ہین کہ یہ خدا کی طرف سے ہے" (بقرہ-۹) آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ شریعتِ الٰہی کو چھوڑکر اُن اہلِ کتاب کی اہوا کی پیروی نہ کرین، اس کے بعد حدود و جزا و سزا مین ان خفیف اختلافات اور تبدیلیون کو جو توراۃ انجیل اور قرآن مین ہین، غیراہم بتایا گیا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ (مائدہ-۷) | ہم نے تم مین سے ہرایک کے لئے ایک دستور اور ایک راستہ بنادیا، |

انھین اختلافات کی بنا پر یہود اور نصاریٰ دونون ایک دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے،

| | |
|---|---|
| وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ (بقرہ-۱۴) | اور یہود نے کہا نصاریٰ کسی راہ پر نہین اور نصاریٰ نے کہا یہود کسی راہ پر نہین، حالانکہ وہ دونون خدا کی کتاب پڑھتے ہین، |

دونون مل کر مسلمانون سے کہتے تھے،

| | |
|---|---|
| وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ (بقرہ-۱۶) | اور انھون نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بنجاؤ تو ہدایت پاؤگے، |

ارشاد ہوا کہ تم دونون اپنے اپنے الگ راستون کو چھوڑکر آؤ، اور اصل دینِ ابراہیمی پر متفق ہوجاؤ،

| | |
|---|---|
| قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَ | کہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو، جو موحد |

مَاكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ
النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ، فَاِنْ
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ج

(بقرہ - ١٦)

تھا، مشرک نہ تھا، تم لوگ کہو کہ ہم خدا پر، اور جو
کچھ ہماری طرف اترا، اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل
اور اسحاق اور یعقوب اور اسکی اولاد پر اتارا
گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو سب
نبیوں کو اُن کے خدا کی طرف سے دیا گیا، سب
پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں فرق
نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا کے تابع
ہیں، تو اگر یہ بھی اسی طرح لائیں جسطرح تم ایمان
لائے ہو تو انھوں نے ہدایت پائی، اور اگر منہ

[illegible]

یہود اور نصاریٰ کو یہ دعویٰ تھا،

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ، (بقرہ - ١٣)

یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں
داخل نہ ہوگا،

جواب دیا گیا،

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ، (بقرہ - ١٣)

یہ اُن کی باطل آرزوئیں ہیں،

بلکہ

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ

ہاں جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا، اور
وہ نیکو کار ہے، تو اس کی مزدوری اُس کے

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۔ (بقرہ ۔ ۱۴)

خدا کے پاس ہے، نہ اُن کو خوف ہوگا اور نہ غم،

تمام اہلِ مذاہب کو یکسان خطاب کرکے فرمایا،

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا
وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ
عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۔ (بقرہ ۔ ۸)

بیشک جو ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی
ہوے اور نصاریٰ اور صابئی جو بھی خدا پر اور
آخری دن پر ایمان لایا، اور نیک عمل کیا، تو
انکی مزدوری ان کے پروردگار کے پاس ہے، نہ
اُن پر خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہون گے،

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان، اور جو یہودی بنے، اور نصاریٰ اور صابئین ان مین سے جو بھی اپنے اپنے دورِ نبوت مین خدا کی توحید پر، روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اچھے عمل کئے اُن کو اپنے کام کا پورا پورا ثواب ملیگا، یعنی جس نے بھی اپنے اپنے پیغمبر کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو شرک و کفر اور بت پرستی سے یقیناً پاک تھی، عمل کیا، اس کو اس کا ثواب ملیگا، خدا کی توحید اور روزِ آخر کی صداقت پر ایمان لانا، اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہین ہوسکتا، بلکہ کسی رسول ہی کی تعلیم ہی سے ہوسکتا ہے، اور اس پر تمام اہلِ مذاہب کا اتفاق ہے، اس لئے رسالت کی تصدیق بھی اس کے ضمن مین داخل ہے کہ

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ
وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ

بیشک جو اللہ اور اس کے رسولون کا انکار کرتے ہین،
اور چاہتے ہین کہ اللہ اور اس کے رسولون مین
جدائی کرین، اور کہتے ہین کہ ہم کسی کو مانتے ہین
اور کسی کو نہین مانتے، اور چاہتے ہین کہ وہ اسکا

| | |
|---|---|
| سَبِيلًا ۝ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا | درمیان کا راستہ اختیار کرین، وہی حقیقی کافر |
| وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا | ہین، اور ہم نے کافرون کے لیے اہانت کرنیوالا |
| وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ | عذاب تیار کیا ہے، اور جو لوگ اللہ اور اسکے |
| يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ سَوْفَ | رسولون پر ایمان لائے اور ان مین سے کسی کا |
| يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا | بھی انکار نہین کیا، یہ وہ ہین جنکو ان کی مزدوریان |
| رَّحِيمًا ، (نساء - ۲۱) | خدا دیگا، اور خدا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، |

دوسری آیت مین ہے،

| | |
|---|---|
| إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ | مومن وہی ہین جو خدا اور اس کے رسول پر |
| وَرَسُولِهِ ، (نور - ۹) | ایمان لائے، |

اس بنا پر ان آیتون سے دو باتین معلوم ہوئین، ایک یہ کہ قبول عمل کے لئے ایمان شرط ہے، دوسری یہ کہ ایمان وعمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے، اسی لئے اوپر جن چار فرقون کا ذکر ہوا، وہ چارون وہ ہین جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہین، اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولون کو صادق مانا جائے، چنانچہ اس کی تفصیل سورۂ مائدہ مین ہے،

| | |
|---|---|
| قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ | کہدو اے کتاب والو تم کچھ نہین جب تک تم توراۃ |
| حَتّٰى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا | اور انجیل کو اور جو کچھ تمھاری طرف اتارا گیا، اسکو |
| أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ | قائم نہ کرو، اور (اے پیغمبر) جو تیری طرف اترا |
| كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ | ہے وہ ان کی سرکشی اور انکار کو اور بڑھائیگا، |

| | |
|---|---|
| طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ | تو ان منکرون کا غم نہ کر، اس مین کوئی شبہ نہین |
| الْكٰفِرِيْنَ ، اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ | کہ جو مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہوئے اور |
| هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ | صابئی اور عیسائی جو خدا پر اور روز قیامت پر |
| اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ | ایمان لایا، اور اچھے کام کئے تو ان پر کوئی خوف |
| صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ | نہین، اور نہ وہ غمگین ہون گے، |
| يَحْزَنُوْنَ ، (مائدہ ـ ۱۰) | |

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیون نے ہمیشہ رسولون کا انکار کیا، اور نصاریٰ توحید کو چھوڑ کر تثلیث اور الوہیت مسیح مین مبتلا ہو گئے، اس لئے اصل اسلام سے یہ دونون ہٹ گئے ہین فرمایا،

| | |
|---|---|
| لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ | بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور انکی |
| وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ، كُلَّمَا جَآءَهُمْ | طرف کئی رسول بھیجے، جب کبھی ان کے پاس |
| رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا | کوئی رسول انکی نفسانی خواہشون کے خلاف |
| كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا | احکام لے کر آیا، تو انھون نے کتنون کو جھٹلایا، |
| تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ | اور کتنون کا خون کرنے لگے، اور خیال کیا کہ |
| تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا | اس سے کچھ خرابی نہ ہوگی، سو اندھے ہو گئے |
| كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا | اور بہرے، پھر خدا ان پر رجوع ہوا، پھر ان |
| يَعْمَلُوْنَ ، لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا | مین بہتیرے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ |
| اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ، وَقَالَ | دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہین، بے شبہہ وہ کافر |

الْمَسِيحُ يٰبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ
رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ
النَّارُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ،
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ
ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۚ
وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
(مائدہ - ۱۰)

ہوئے جنھون نے یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ
ہے۔ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ
کو پوجو جو میرا اور تمھارا رب ہے، بیشک جو اللہ
کا شریک بنائیگا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام
کردی، اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور گنہگارون
کی کوئی مدد کرنے والا نہین، بے شبہہ وہ کافر ہوے
جنھون نے کہا کہ اللہ تین مین تیسرا ہے، حالانکہ
کوئی اللہ نہین مگر وہی ایک، اگر وہ اپنے اس
قول سے باز نہ آئے، تو اُن مین سے کافرون کو

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے "ایمان" کا حال تھا اس کے بعد اسی رکوع مین اُن کے "حسنِ عمل" کا جائزہ لیا گیا ہے، اور اسی کے بعد ہی اُن سے کہا گیا ہے،

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ
وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَآءَ
وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ، (مائدہ - ۱۱)

اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر آیا
اُس پر یہ لوگ ایمان لے آتے، تو ان مشرکون کو
وہ اپنا دوست نہ بناتے لیکن انمین اکثر نافرمان ہین،

**اسلام** یعنی تمام نبیون اور رسولون کے واحد اور مشترک دین کا اصل الاصول دو باتین ہین، توحیدِ کامل، اور رسالتِ عمومی، یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفتون مین کامل بلا شریک ماننا، اور اسکے تمام پیغمبرون اور رسولون کو یکسان صادق اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا،

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّ
كَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ، قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ
وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ، وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ
الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ،

(آل عمران - ٩)

کیا وہ دینِ الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں
حالانکہ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی
سے یا مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار ہے اور اسی کی
طرف سب لوٹائے جائیں گے (اے پیغمبر) کہہ کہ ہم
اللہ پر اور جو اس نے ہم پر اتارا اور جو ابراہیم پر اور
اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد
پر اترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو
ان کے رب کی طرف سے ملا ہم سب کی صداقت
کو تسلیم کرتے ہیں، ہم ان میں سے کسی میں کوئی فرق
نہیں کرتے، اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار
ہیں، اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو
وہ اس سے قبول نہ کیا جائیگا، اور وہ آخرت
میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا،

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں پر ایمان لانا دینِ اللہ ہے اور اسی کا نام اسلام ہے جس نے اس اصول کو قبول نہیں کیا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا، آلِ عمران میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلاتِ باطلہ اور اتباعِ متشابہات کی وجہ سے گمراہ ہو گئے، یعنی دینِ اسلام سے روگرداں ہو کر اختلافات میں پڑ گئے، فرمایا،

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے اور

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ، فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ،

(آل عمران ۲)

جن کو کتاب دیگئی انھون نے علم آنے کے بعد اسین آپس کی ضد کے سبب سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی آیتون کا انکار کریگا، تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) تجھ سے پھر کج بحثی کرین تو کہدے کہ مین نے اور میرے پیرودن نے تو اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم)

اسی کے بعد آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے سوال کرین کہ وہ اسلام کو قبول کرتے ہین یا نہین؟

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ، فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا، وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ،

(آل عمران - ۲)

اور اے پیغمبر اُن سے جنکو کتاب دیگئی اور عرب کے جاہلون سے کہدے کہ کیا تمنے بھی اسلام قبول کیا، اگر کیا تو انھون نے سیدھی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے، اور اللہ بندون کو دیکھتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر "ہدایت تامہ" کے ملنے کی بشارت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام "ہدایت تامہ" ہے، یہی وہ دین ہے جسکو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گذشتہ پیغمبر کی امت ہون کھو دیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے دوبارہ دنیا مین پیش کیا گیا ہے، اس لئے جو ہدایت اُن قومون کے پاس تھی وہ ناقص تھی اور

اسلام جنکو لے کر آیا وہ کامل ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتون مین یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابئی جو بھی خدا اور یوم آخر پر ایمان لایا، اور اُس نے نیک کام کیا، اُس کو خوف و غم نہ ہوگا، ان مین خدا پر ایمان لانے سے مقصود "توحید کامل" ہے، اور اس کا یہ منشا نہین کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ اپنے موجودہ گمراہ عقیدون کے باوجود نجات کے مستحق ہین، یہود و نصاریٰ کیا، مسلمان بھی اس توحیدِ کامل کے بغیر نجات کے مستحق نہین ہین، جب تک مسلمانون کا ایمان اور عملِ صالح ٹھیک اُس تعلیم کے مطابق نہ ہو جو اُن کے رسول کے ذریعہ سے دنیا مین آئی، یہ اصول ہر ایک کے لئے ہے، خواہ وہ مسلمان ہو، یا یہودی، عیسائی ہو یا صابئی، غرض کسی نبی کی پیروی کا مدعی ہو،

نبوتِ محمدی کا یہ دعویٰ نہین کہ وہی ایک ہدایت ہے اور اُس کے سوا سب ضلالت ہے بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ وہی ایک کامل ہدایت ہے، اور بقیہ مذاہبِ سابقہ موجودہ حالت مین ناقص ہین، یعنی وہ ابدی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتون مین سب نبی لے کر آتے رہے، چونکہ اُن کے پیرو، اپنے تاویلات تحریفات، تصرفات اور اختلافات سے اُس کو برباد کر چکے تھے، اسلئے محمد رسول اللہ صلعم اسی کو لے کر آخری دفعہ تشریف لائے، اور اب وہ ہدایت ہمیشہ کامل رہیگی کبھی ناقص نہ ہوگی، کیونکہ اسکا صحیفہ ہدایت (قرآن) تحریف واختلاف اور تصرف سے محفوظ و پاک رہیگا،

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوتِ محمدی کی دعوت جہان دی گئی ہے، "ہدایت" کی بشارت بھی سنائی گئی ہے، چنانچہ اسی آیت مین جو ابھی اوپر گذری یہ ہے،

| | |
|---|---|
| وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ | اے پیغمبر! اُنسے جنکو کتاب دیگئی اور عرب کے جاہلون سے کہو |
| ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا (آل عمران-۲) | کہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے تو انھون نے ہدایت پائی |

سورۂ بقر میں ہے،

| | |
|---|---|
| قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا | (اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف |
| وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ | اترا، اور جو ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور |
| وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ | یعقوب پر اور انکی اولاد پر اترا، اور جو موسیٰ کو |
| اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ | اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو اُن کے پروردگار |
| مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ | کی طرف سے دیا گیا، (سب پر ہم) ایمان لائے |
| وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ، فَاِنْ اٰمَنُوْا | ہم ان میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور |
| بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا | ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر یہ بھی |
| وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ | اسی طرح ایمان لائیں جسطرح تم نے مانا تو انھوں نے سیدھی |
| (بقرہ ۱۶-۱۶) | راہ پائی، اور اگر وہ اس سے باز رہیں تو وہ محض ضد میں ہیں |

یہود و نصاریٰ اور اہلِ کتاب کو تعلیمِ محمدی کی طرف دعوت اسی "ہدایت" کے پانے کے لئے ہے، جو اسلام یعنی انبیاء کے دینِ ازلی سے عبارت ہے، اور جس کو لے کر محمد رسول اللہ صلعم اس دنیا میں تشریف لائے، اور اب فلاح و نجات اسی کے ماننے پر منحصر ہے،

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ | جو انکو جو تیری طرف (اے پیغمبر!) اترا اور جو تجھ سے |
| وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ | پہلے اترا، دونوں کو مانتے ہیں، اور پچھلی زندگی پر |
| هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى | یقین رکھتے ہیں، وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر |
| مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ ۱-) | ہیں، اور وہی کامیاب ہیں، |

حضرت موسیٰؑ کے قصہ کے بعد فرمایا کہ رحمتِ الٰہی گو عام ہے، مگر یہ نعمت خاص طور سے اُن کا حصہ ہے، جو تعلیم محمدی کو قبول کرین، اور وہی نجاتِ کامل کے مستحق ہین،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ
فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا
عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ
يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ
وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ قُلْ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہے، تو اس رحمت
کو مین اُن کے لئے لکھ دونگا جو پرہیزگار ہین،
زکوٰۃ دیتے ہین، اور جو ہمارے حکمون کو مانتے
ہین، جو اس اَن پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے
ہین جسکو وہ اپنے ہان تورات اور انجیل مین لکھا
پاتے ہین، جو اُن کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی
سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو اُن کے لئے
حلال کرتا، اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے،
اور اُن کے بندھن کو اور اُن زنجیرون کو جو اُن پر
پڑی تھین، اتارتا ہے، تو جنھون نے اس پیغمبر
کو مانا اور اسکی تائید کی اور اسکی مدد کی، اور اس
روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتری،
وہی کامیاب ہین، کہدے اے پیغمبر! کہ
اے انسانو! مین تم سب کی طرف اس خدا
کا رسول ہون جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی

| | |
|---|---|
| وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ | ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جلاتا ہے |
| يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ | وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اُسکے اس اَن پڑھ |
| النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ | پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور |
| وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ | اسکی باتوں پر ایمان رکھتا ہے، اور اس رسول کی |
| (اعراف - ۱۹) | پیروی کرو، تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ، |

ان آیات میں صاف ظاہر کر دیا گیا، کہ گذشتہ مذاہب کے پیروون کو محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ وہ دینِ خالص جو انسانی تصرفات اور آمیزشون سے مکدر ہو گیا تھا، وہ صحفِ الٰہی کی پیشگوئیون کے مطابق آپ کے ذریعہ سے پھر نکھارا گیا ہے، اور جن اضافون اور جزئیاتِ احکام کی سختیون کو انسانون نے اس مین شامل کر دیا تھا وہ آپ کے ذریعہ سے دور کیگئین، نیز آپ، عالمگیر پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے ہین، اس لئے ہدایتِ تامہ، نبوتِ عمومی اور نجاتِ کامل اور فلاحِ عام اب صرف وحیِ محمدیؐ کے اندر محدود ہے،

الغرض دینِ محمدی کو قبول کرنا اس لئے تمام انسانون پر ضروری ہے، کہ وہ دینِ ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا، اور جو اُس کے پیروون کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا، اس کو صحیفۂ محمدی نے کر آیا ہو، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہیگا، کیونکہ اس کا نبی خاتم النبیین، اسکا دین کامل دین، اور اُس کا صحیفہ، تمام صحفِ الٰہی پر مہیمن اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف سے اسکی پوری حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ چارون دعوے یعنی تکمیلِ دین، قرآن کا مہیمن ہونا، قیامت تک اسکا محفوظ و باقی رکھنا، اور ختمِ نبوت، حسب ذیل دلائل سے ثابت ہین،

تکمیل دین قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے، اور اس کے ذریعہ سے دین الٰہی اپنے تمام اصول و فروع (مناسک و مناہج و شرائع) کے لحاظ سے تکمیل کو پہنچ گیا، بلکہ گذشتہ مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے وقت میں یہی کہا کہ اُس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اُس کے کام کی تکمیل کرے گی، خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:-

"مین اُن کے لئے اُن کے بھائیوں مین سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا، اور اپنا کلام اس کے منہ مین ڈالون گا، اور جو کچھ مین اُسے فرماؤنگا، وہ سب ان سے کہیگا" (استثنا ۱۸-۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اُن کے مانند ایک اور نبی آنے والا تھا جس کے منہ مین اللہ تعالیٰ خود اپنا کلام ڈالے گا، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کی طرح ایک اور صاحب شریعت نبی خدا کے نئے کلام کیساتھ آئیگا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے بھی کہا:-

"لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی رُوح ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجیگا، وہی تمھین سب چیزین سکھائیگا، اور سب باتین جو مین نے تم سے کہی ہین تمھین یاد دلائیگا" (یوحنا ۱۴-۲۶)

"اور وہ فارقلیط (احمد) آکر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائیگا، گناہ اسلئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہین لائے . . . . . میری اور بہت سی باتین ہین کہ مین تم سے کہون پر اب تم ان کی برداشت نہین کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی رُوح آئے گی تو وہ تمھین ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، لیکن جو کچھ سُنے گی سو کہیگی، میری بزرگی کرے گی" (یوحنا ۱۶-۸)

حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کلام کو ہنوز ناتمام ہی فرمایا، اور ایک آیندہ آنے والے کا پتہ دیا،

جو اسکی تکمیل کریگا،

آخر وہ موعود الامم (صلی اللہ علیہ وسلم) آیا اور دعویٰ کیا کہ مین موسیٰ کے مانند بنی اسرائیل کے بھائیون یعنی بنی اسماعیل مین سے آیا ہون، اور میرے منھ مین خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے، اور یہ دعویٰ کیا، کہ مین ہی وہ سچائی کی روح ہون، جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر کرنے، سچائی کی راہ بتانے، اور مسیح کی ادھوری بات کو کامل کرنے کے لئے آئی ہے، مین اپنی نہین کہتا، بلکہ وہی کہتا ہون جو اوپر سے سنتا ہون، اور آخر زمانۂ نبوت کے ختم پر وحیِ الٰہی نے اسکی زبان سے یہ اعلانِ عام کیا،

| | |
|---|---|
| اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ | آج مین نے تمھارا دین کامل کردیا، اور اپنی |
| وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ | نعمت تم پر تمام کردی، اور تمھارے لئے |
| لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا، (مائدہ-۱) | اسلام کا دین پسند کیا، |

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اس نے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو، جو ان کی سخت گیری کے سبب ان پر عائد تھے، اور اصل دینِ ابراہیمی مین داخل نہ تھے[1]، یا انسانون کے اضافے اور تصرفات تھے بدلکر ایسے مناسب اور آسان احکام عطا کئے جو ہر زمانہ کے لیے موزون ہوسکتے ہین، اسی لئے اُس نے کسی اپنے بعد مین آنے والے پیغمبر کی پیشنگوئی نہین کی، نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی نئی شریعت کا منتظر کیا، کہ تکمیل کے بعد اب کسی نئے آنے والے، کسی نئے کلام، اور کسی نئی شریعت کا موقع کہان؟ اور اسی بنا پر قرآن نے ہر جگہ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (جو محمد صلعم سے پہلے نازل کیا گیا) پر ایمان لانے کی تاکید کی، لیکن وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِكَ کے قبول کرنے کا کہین اشارہ تک نہین کیا،

[1] دیکھو آیت کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ الآیہ (آل عمران-۱۰)

قرآن مہیمن کتب ہے

اس دینِ کامل کا صحیفہ تمام اگلی کتابون کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (مائدہ) — اپنے آگے کی کتابون کی تصدیق کرنے والا،

وہ تمام اگلی کتابون کی صداقتون اور تعلیمون پر مشتمل ہے، اس لئے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہے وہ تمام اگلی کتابون کی صداقتون اور تعلیمون کو قبول کرلیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہین، فرمایا:-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ — اور ہمنے (اے محمد!) تیری طرف سچائی کے ساتھ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ — یہ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ ۷) — تصدیق کرتی ہے اور اسپر شاہد و حاوی ہے،

لفظ "مہیمن" کی تفسیر اہل زبان مفسرون نے یہ کی ہے:

ابن عباسؓ، شاہد، اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب کا امین ہے۔

قتادہ، قرآن سے پہلے جو کتابین تھین اُن کا وہ امین اور شاہد ہے،

غرض قرآن، اگلی کتابون کی صداقتون اور سچی تعلیمون کی امانت اپنے اندر رکھتا ہے،

قرآن محفوظ ہے اور رہیگا

پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اُس کے صحیفۂ الٰہی کی حفاظت پر موقوف ہے قرآن سے پہلے کوئی کتابِ الٰہی دانستہ اور نادانستہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے پورے طور پر بچی نہین رہی، لاکھون پیغمبرون مین سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا مین باقی نہین اور جو باقی ہے، وہ فنا ہو ہوکر نئے نئے قالب مین بدلتا رہا ہے، توراۃ جل جلکر خاک ہوئی، پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر کیگئی، اور ترجمون کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی، انجیل مین تحریف و جعل تو اسی زمانہ مین شروع ہوچکا تھا، پھر ترجمون

کی کثرت نے حقیقت بالکل مشتبہ کردی، ژرتشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا، اب صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کھچا رہ گیا ہے، ان کتابوں کا یہ حال اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دائمی اور آخری کتابیں بنا کر نہیں بھیجا تھا، اسی بنا پر اُن کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لئے باقی اور محفوظ رہیگا، اس کی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، فرمایا اور کس وثوق سے فرمایا:-

| | |
|---|---|
| اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، (حجر - ۱) | ہمنے اس نصیحت (کی کتاب) کو آتارا، اور بیشبہ ہم ہیں اسکی حفاظت کرنے والے، |

یہ وعدۂ الٰہی ایک اور آیت میں ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ، ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ، (قیامہ - ۱) | بیشک ہمارے ذمہ ہے، اس (قرآن) کو جمع کر رکھنا، اور اسکا پڑھنا، پھر جب ہم پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کیساتھ رہ، پھر بے شبہ ہم پر ہی اس کو کھول کر بتانا، |

اس آیت میں قرآن کی قرأت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی دونوں کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، تیسری آیت میں اس کی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کبھی راہ نہ پاسکے گی، فرمایا:-

| | |
|---|---|
| وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ، لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ | اور بیشک یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو غالب ہے، باطل نہ اُس کے سامنے سے اور نہ اسکے |

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ، | پیچھے سے اُس کے پاس آئیگا، ایک حکمت والے
(حٰم السجدۃ ۵ - ۵) | اور خوبیون والے کی طرف سے اترا،

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حریف کو اپنے دلائل کے زور سے پست کرگئی، باطل نہ اُس کے سامنے سے اُس مین مل سکتا ہے، اور نہ پیچھے سے، یعنی نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی جہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی طرف سے اتری ہے، اسلیے وہ اپنی حکمت و دانائی کی تعلیم سے غالب رہیگی، اور چونکہ وہ ایک سراسر خوبیون والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لئے ہر باطل کے عیب سے پاک رہیگی،

یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے، اور ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ اسکی صداقت پر گواہ ہے،

**ختم نبوت** — مقدمات بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے بعد کسی نبی کی، قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی، اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن وحیِ محمدی نے ہر شک کے ازالہ کے لئے آگے بڑھکر یہ تصریح بھی کردی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا، اور اب آپکے بعد کسی نبی کی حاجت نہین، کہ دین کامل اور صحیفۂ الٰہی محفوظ ہوچکا، اور ہدایت ربانی کے دروازہ کے بند ہونے کا خطرہ دور ہوگیا، چنانچہ خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثتِ محمدی کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومین پیوستہ ہوگئین، زمین کے کونے ایک دوسرے سے ملگئے اور توحیدِ کامل کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہوگیا، اور خدا کے تمام رسولون کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہانتک کہ اُن قومون نے بھی جو مسلمان نہین ہوئین اِن دونو صداقتون کو اصولاً تسلیم کرلیا،

وحدتِ ادیان اور دینِ اسلام؛

تفصیلِ بالا کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ وحدتِ ادیان کا منشا کیا ہے، یعنی یہ کہ اصل مین ایک ہی دین ہے جو تمام انبیار کا مذہب رہا، لیکن وہ بعد کو اُن کے پیروون کے صحائف مین تحریف و تصرف کے سبب سے بگڑتا رہا، اسی دینِ ازلی کو لے کر محمد رسول اللہ صلعم آئے اور اسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقا و حفاظت اور دین کی تکمیل اور نبوت کے اتمام کے سبب سے ہمیشہ قائم و باقی رہیگا، اگر تمام مذاہبِ سابقہ اپنے اپنے اس اصل دین پر آجائین جس کی تعلیم اُن کے پیغمبرون نے دی تھی، تو وہ وہی دینِ ازلی ہوگا، جسکا نام اسلام ہے اور نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور محمدؐ مین سوائے اجمال و تفصیل کے کوئی فرق نہ رہیگا، اسی لئے فرمایا گیا:-

| | |
|---|---|
| يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ، (نساء - ۷) | اے وہ لوگو جنکو پہلے کتاب دیگئی، اس سے پہلے کہ ہم چہرون کو بگاڑ دین، اور ان کو پیٹھ کی طرف پھیر دین، یا سبت کے گنہگارون پر جس طرح لعنت کی تھی، ہم اُن پر لعنت کرین، اس وحی پر ایمان لاؤ جو ہم نے اب اتاری (قرآن) جو اُن تعلیمات کی جو تمھارے پاس |

مشرکینِ عرب سے زیادہ اہلِ کتاب کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اسلئے انھین کو سب سے پہلے اُس کا منکر نہ ہونا چاہئے،

| | |
|---|---|
| وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ (بقرہ - ۵) | اور وحی کو جو مین نے اب اتاری جو تمھارے پاس الٰہی کتاب کی سچا بتاتی ہے، اُس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ ہو

لیکن اُن کی حالت یہ ہوئی کہ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ
بِمَا وَرَاءَهُ، وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا
لِمَا مَعَهُمْ (بقرہ ۔ ۱۱)

اور جب اُنسے کہا گیا کہ خدا نے جو بھی اتارا اُسپر ایمان
لاؤ، تو جواب دیا کہ جو ہمپر اترا ہم اس کو مانتے ہیں، اور
وہ اُس کے سوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہی
(قرآن) حق ہے اور جو انکے پاس ہے اسکی تصدیق کرتا ہے

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلعم نے جس دین کو پیش کیا اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتوں اور کتابوں کی صداقت کے تسلیم کرنے پر رکھی گئی، یہی سبب ہے کہ اسلام نے کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی ضروری نہیں قرار دیا کہ وہ تنہا محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت پر ایمان لائے بلکہ یہ بھی قرار دیا کہ وہ تمام نبوتوں اور صحیفوں پر ایمان لائے، چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلعم کو صرف اسی کی شکایت نہ تھی کہ آپ کے ہموطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے تھے، بلکہ اسکی بھی تھی کہ وہ اگلے صحیفوں کو بھی نہیں مانتے تھے، سورہ سبا میں ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ
بِهٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
(سبا ۔ ۴)

اور منکروں نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان
نہ لائیں گے اور نہ اس سے اگلی کتاب پر،
(یعنی تورات پر)

اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے تصریح کے ساتھ فرمایا کہ جو میری عبودیت اور رسالت کیساتھ عیسیٰ بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اسکا رسول اور کلمہ اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کریگا وہ جنت میں جائیگا، (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ) الغرض وہ ازلی وابدی دین صرف ایک ہی تھا

اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لے کر دنیا مین آئے تھے، یہی وحدتِ دین کی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

| | |
|---|---|
| يَآأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ | اے پیغمبرو! ستھری چیزین کھاؤ، اور بھلا کام کرو، |
| وَاعْمَلُوا صَالِحًا، إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ | مین تمھارے کامون سے آگاہ ہون، اور بیشک |
| عَلِيمٌ، وَإِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً | تم سب کی امت ایک امت ہے، اور مین تم |
| وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ، فَتَقَطَّعُوٓا | سب کا ایک پروردگار ہون، تو مجھ سے ڈرتے |
| أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا | رہو، تو اُن کے پیروون نے اپنے مذہب کو آپس مین |
| لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ، (مومنون ۴) | ٹکڑے کر ڈالا، ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازان ہے |

اسی حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلعم نے اپنے ان الفاظ مین فرمائی ہے،

| | |
|---|---|
| الانبياء اخوة لعلات امهاتهم | تمام انبیاء ایسے بھائی ہین جنکا باپ ایک ہو، |
| شتى ودينهم واحد، | اور مائین مختلف ہین، اور ان کا "دین" ایک |
| (بخاری کتاب الانبیاء۔ ذکر عیسیٰ) | ہے، |

# پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ ۲۲-۲۲) وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، (بقرہ-۱)

اسلام کے سلسلۂ ایمانیات کی آخری کڑی[1] ایک پچھلے دن اور پچھلی زندگی یا پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہے، سورۂ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کی گئی ہے،

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، (بقرہ-۱) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں،

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۲۲) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (توبہ) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں،

"آخرۃ" کے لفظی معنی "پچھلی" کے ہیں، اور یہ لفظ صفت ہے، عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کر کے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں، مثلاً "دنیا" کے لفظی معنی "قریب ترین" کے ہیں، اور یہ صفت ہے، اس کا موصوف الحیاۃ (زندگی) یا الدّار (گھر) ہے اس لئے الدنیا کا مفہوم الحیاۃ الدنیا (قریب ترین زندگی) یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی)

[1] قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کئے گئے ہیں وہاں "یوم آخر پر ایمان" سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے،

یا الدار الدنیا (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے، اسی طرح الآخر اور الآخرۃ کا مفہوم الیوم الآخر والحیوۃ الآخرۃ والدار الآخرۃ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی، اور پچھلا آنے والا گھر) یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر، اور قرآن پاک میں یہ لفظ انھیں معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس کا محذوف موصوف حیاۃ (زندگی) یا دار (گھر) ہے،

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی،

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ (عنکبوت) اور بیشک آخری گھر اصلی زندگی ہے،

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ (انعام) اور بیشک آخری گھر بہتر ہے،

ان دونوں آیتوں میں دار یعنی گھر کا لفظ موجود ہے،

| | |
|---|---|
| اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیَاۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ (توبہ ۶) | کیا پچھلی زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے، |
| اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَاَتْرَفْنٰھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (مومنون ۳) | جنھوں نے انکار کیا اور پچھلی (زندگی) کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے موجودہ زندگی میں ان کو نعمت دی، |

ان آیتوں میں الحیاۃ الدنیا یعنی موجودہ دنیا کے تقابل سے ظاہر ہے کہ الآخرۃ سے مراد الحیاۃ الآخرۃ یعنی پچھلی زندگی ہے[1]، اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل و مقامات داخل

[1] دنیا اور آخرت کا یہ تقابل قرآن پاک کی بیشمار آیتوں میں موجود و مذکور ہے، حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے،

آئین، جو ابتدائے موت سے لیکر حشر و نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہیں یا آئیں گے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں :-

| | |
|---|---|
| یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ، (ابراھیم-۴) | جو ایمان لائے اُن کو اللہ حیاتِ دنیا میں، اور آخرت میں اس پکی بات (کلمۂ توحید) پر مضبوط رکھے گا، |

اس آیت میں "آخرت" سے مراد "عالمِ برزخ" ہے، اور قرائن بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت میں قولِ ثابت پر قائم رہنا کونسی بڑی بات ہوگی، جب کہ ہر چیز اُس وقت واضح

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲۳

| | |
|---|---|
| وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، (اٰل عمران-۵) | دنیا اور آخرت میں سرخرو، |

سلسلۂ دعا میں ہے،

| | |
|---|---|
| رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً، (بقرہ-۲۵) | پروردگار ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی دے، |

کفار کے بطلانِ عمل کے ذکر میں ہے،

| | |
|---|---|
| حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (بقرہ-۲۷) | اُن کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے، |
| اِسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ، (نحل-۱۴) | انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی، |
| نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ، (حم السجدہ-۴) | ہم ہیں تمھارے قریب کی زندگی اور پچھلی زندگی کے دوست، |

اور کبھی "دنیا" کے بجائے "اولیٰ" (پہلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی، (نازعات-۱) | تو خدا نے اس کو پچھلی زندگی اور پہلی زندگی کی سزا بنایا، |
| وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی (لیل-۱) | اور ہمارے ہی لئے ہے پچھلی اور پہلی زندگی، |

اور نمایاں ہوگی، اس لیے اس آیت میں "آخرۃ" سے عالم برزخ کے سوا کچھ اور مراد نہیں ہو سکتا، ایک اور حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ "قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے[1]"،

یوم آخر اور حیاتِ آخرت پر ایمان، اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اور قرآنِ پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اسی آیندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے، اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمالِ انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بن سے اکھڑ جائے، اسی لئے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے،

آنحضرت صلعم کی تعلیم نے اس آیندہ زندگی کو دو دوروں میں منقسم کیا ہے، ایک موت سے لے کر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لے کر ابد (ہمیشہ) تک جس میں پھر موت اور فنا نہیں پہلے دور کا نام "برزخ" اور دوسرے کا نام "بعث" یا حشر و نشر اور قیامت ہے، اور ان سب کے معنی جی اٹھنے، اکھٹے کئے جانے اور کھڑے ہونے کے ہیں، لیکن ان سب سے مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے اور اسی لئے اس دوسری زندگی یا اس کے عالم کا نام قرآن میں الدار الآخرۃ، اور عقبی الدار وغیرہ ہے جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں،

توراۃ و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل انیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان

[1] ابن ماجہ و حاکم بحوالہ کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۹۵- حیدر آباد دکن،

کی رُوح کس حالت اور کیفیت مین رہیگی، مذکور نہین ہے، لیکن اسلام مین یہان بھی گنجلک اور ابہام نہین، بلکہ اُس نے اسکی پوری تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ، عالمِ برزخ اور میدانِ قیامت ہمارے سزا و جزا کے دو مقام ہین، شخصی موت کے بعد ہر شخص عالمِ برزخ مین داخل ہو جاتا ہے، اور وہان اُس کے معاملات شروع ہو جاتے ہین، پھر اپنے مقررہ وقت پر جسکو خدا نے اپنی مصلحتون اور حکمتون کے لحاظ سے طے کر لیا ہے، سلسلۂ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت، اور فنا طاری ہوگی، دوسری زندگی کی دنیا شروع ہو جائے گی، جو تمام تر ہماری پہلی دنیا مین ہمارے اچھے یا برے اعمال کا سراپا عکس، اور ظل ہوگی، چنانچہ سورۂ توبہ کی حسب ذیل آیت مین ہمارے ان تینون دورہائے حیات کا ذکر ہے،

| | |
|---|---|
| سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ | ہم اُن کو دو مرتبہ عذاب دینگے پھر وہ ایک |
| إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ، (توبہ - ۱۳) | بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے، |

عذاب کی یہ تین منزلین دنیا، برزخ، اور قیامت ہین،

ان تینون عالمون مین جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا مین جسم (مادہ) نمایان اور رُوح پوشیدہ ہے، اور رُوح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہان پہنچتی ہے، وہ صرف اُس کے مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے، ورنہ درحقیقت اسکی براہ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا مین کوئی امکان نہین، دوسرے عالم مین جس کو برزخ کہا گیا ہے، رُوح نمایان ہوگی، اور جسم چھپ جائیگا، وہان جو راحت و تکلیف پہنچیگی، وہ دراصل رُوح کو پہنچیگی، اور جسم اس کی تبعیت مین ضمناً اس سے متأثر ہوگا، لیکن اس تیسرے عالم مین جہان سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے،

روح اور جسم دونون نمایان ہونگے اور دونون کی لذت وتکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہونگے۔

## ا۔ برزخ

برزخ کا لفظ قرآنِ پاک مین تین جگہ استعمال ہوا ہے، اور ہر جگہ اس سے دو چیزون کے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل مراد ہے، چنانچہ سورۂ رحمان مین دو دریاؤن کا ذکر ہے جنمین ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ مین ایک پردہ حائل ہے، جو ان کو آپس مین ملنے نہین دیتا،

| | |
|---|---|
| بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ. (رحمان-۱) | ان دونون کے بیچ مین ایک پردہ ہو (جس سے) ایک دوسرے پر بڑھکر نہین جاتا، |
| (رحمان-۱) | |

اسی عجیب وغریب بحری منظر کا ذکر سورۂ فرقان مین ہے، اور وہان بھی یہی لفظ واقع ہے:

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا. (فرقان-۵) | اور اسی نے دو دریاؤن کو ملا کے چلایا، یہ میٹھا اور پیاس بجھاتا ہے، اور وہ کھاری کڑوا ہے، اور ان کے بیچ مین ایک پردہ اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے، |

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آیندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اُسکا نام برزخ ہے، سورۂ مومنون مین نزع کے وقت کے بیان مین ہے کہ

| | |
|---|---|
| وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ | اور ان مرنے والون کے پیچھے ایک پردہ ہو |

يُبْعَثُوْنَ ، (مومنون-۶) اس دن تک جبکہ وہ (قیامت مین) اٹھائے جائینگے،

عربون بلکہ کل سامی قومون کے رسم ورواج اور مشاہدات کی بنا پراسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام "قبر" ہے، خواہ وہ خاک کے اندر ہو، یا قعر دریا مین یا کسی درندہ وپرندے کے پیٹ مین، اسی لئے فرمایا،

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ، (حج-۱) بے شبہہ اللہ اُن کو جو قبرون مین ہین اٹھائیگا

اب ظاہر ہے کہ یہ بعث صرف انہین مردون کے لیے مخصوص نہین جو تو وہ خاک کے اندر دفن ہون، بلکہ ہر میت کے لئے ہے، خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم مین ہو، اس لئے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہان مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی،

**موت وحیات کی منزلین** قرآن پاک مین دو موتون اور دو حیاتون کا ذکر ہے، ایک جگہ دوزخیون کی زبان سے کہا گیا ہے،

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا — ہمارے پروردگار تونے ہم کو دو دفعہ مارا اور
اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى — دو دفعہ جلایا، ہم نے اپنے گناہون کا اقرار کیا،
خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ، (مومن-۲) — پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے،

ان دو موتون اور دو حیاتون کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ مین فرمائی ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ — کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم پہلے مردہ تھے
اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ — پھر تمکو اُسنے زندہ کیا (انسان بناکر پیدا کیا) پھر تمکو
يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ، (بقرہ-۳) — ماردیگا، پھر تمکو جلائیگا، پھر اُسی کیطرف لوٹائے جاؤگے،

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے، جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا، پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا، یہ اس کی پہلی زندگی ہے، پھر موت آئی، روح نے مفارقت کی اور جسم اپنی اگلی مادی صورت میں منتقل ہوگیا، یہ دوسری موت ہوئی، پھر خدا اسکی روح کو جسم سے ملا کر زندہ کریگا، یہ اس کی دوسری زندگی ہوئی، جس کے بعد پھر موت نہیں، قرآن پاک میں خود محمد رسول اللہ صلعم کو خطاب کرکے فرمایا گیا،

| | |
|---|---|
| إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (زمر-۳) | بیشک تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے دعویٰ پیش کروگے، |
| ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ، (مومنون-۱) | پھر تم اس کے بعد مرجانے والے ہو، پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤگے، |

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لئے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے،

**نیند اور موت کی مشابہت** اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب و غریب قدرت سے ہم کو ایک چیز عنایت کی ہے، جس کو ہم نیند کہتے ہیں، روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے، ایک ادراک و احساس کا، اور دوسرے تدبیر و تغذیہ کا، نیند وہ عالم ہے جس میں ہمارے تمام آلاتِ ادراک و احساس اس دنیا سے بیخبر ہو کر اپنے گرد و پیش کی مادی دنیا سے یکسر بیگانہ بنجاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا روح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے اور

وہ اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی، نشو ونما اور بقا کی تدبیروں اور دل و دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیند اور موت میں فرق ہے تو یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے، اس لئے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا روح سے تدبیری تعلق بھی یکسر منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے جسم کے اجزا رکچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں، موت اور نیند کی یہی مشابہت ہے، جس کی بنا پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توافق الہامِ طبعی کی خبر دیتا ہے، قرآنِ پاک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ | اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے اور |
| مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ | جانتا ہے جو تم نے دن میں کمایا، پھر تم کو |
| فِيهِ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى، (انعام-٧) | دن میں جلاتا ہے تاکہ مقررہ وقت پورا کیا جائے |

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ زمر میں ہے،

| | |
|---|---|
| اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا | وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو اُن کی موت کے |
| وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ | وقت وفات دیتا ہے، اور جو نہیں مری ہیں ان کو |
| الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ | اُن کی نیند میں (وفات دیتا ہے) تو جس پر موت کا حکم |
| الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى، إِنَّ فِي | اُس نے جاری کیا، اسکو روک لیتا ہے اور دوسری |
| ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ، | روح کو (جس پر موت کا حکم نہیں یعنی نیند والی کو) ایک |

(زمر-٥)

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی وحی نے "برزخ" کی زندگی کو نیند کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، قرآن پاک مین ہے کہ قیامت مین جب لوگ دوسری زندگی پاکر قبرون سے اٹھین گے تو گنہگارون کی زبانون پر یہ فقرہ ہوگا،

| | |
|---|---|
| يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا، | اے ہماری خرابی، کس نے ہم کو ہماری نیند |
| (یٰسٓ - ۴) | کی جگہ سے اٹھادیا، |

غزوۂ احد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرنا تھا، اُن کی موت ٹل نہین سکتی تھی، اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھرون مین بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل مین خود آجاتے، اس مفہوم کو قرآن نے یون ادا کیا ہے،

| | |
|---|---|
| قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ | کہدے کہ اگر وہ گھرون مین بھی ہوتے، تو جن |
| كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ، | کے لئے مارا جانا لکھا گیا تھا، وہ خود نکل کر اپنی |
| (آل عمران - ۱۶) | سونے کی جگھون مین چلے آتے. |

اسی لئے قرآن پاک مین دوسری زندگی کے لئے اکثر "بعث" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جسکے معنی جگانے اور بیدار کرنے کے بھی ہین[1] جیسا کہ اوپر کی اس آیت مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ | اور وہی ہے جو تم کو رات مین موت دیتا ہے، |

---

[1] صحیح بخاری (باب تہجد) مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ سے نماز تہجد کے لئے اسوقت تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا تو حضرت ممدوح نے ان لفظون مین معذرت پیش کی، یارسول اللہ انفسنا بید اللہ، فاذا شاء ان یبعثنا بعثنا، (ہماری روحین خدا کے ہاتھ مین ہین، وہ جب جگانا چاہتا ہے، جگاتا ہے) اس حدیث مین بھی بعث جگانے کے معنون مین آیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ، (انعام - ۷) | اور دن کو جو تم کرتے ہو اُس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن میں جگاتا ہے، |
| وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ، (حج - ۱) | اور بیشک اللہ اُن کو جو قبروں میں ہیں جگائے گا، |

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد نکو کاروں سے کہا جاتا ہے کہ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ "دلہن کی نیند سو جاؤ، جس کو وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے یہانتک کہ خدا اُس کو اس خوابگاہ سے اٹھائیگا[1]"

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جسمیں رُوح جسم سے الگ ہوتی ہے، رُوح کی ایک طویل و عمیق[2] نیند کے مشابہ ہے،

**خواب میں لذت والم** انسان جب سوتا ہے تو اُس کے ادراک و احساس کے آلات اپنی مادی دنیا سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں، مگر اُس کے ادراک و احساس کی تخیلی، تمثالی، یا ذہنی دنیا اُس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح متشکل ہو جاتی ہے، اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ مگر ہو بہو وہی جسم دیکھتا ہے، جو آتا جاتا، چلتا پھرتا، اور دیکھتا سنتا سب کچھ ہے، اس کے سامنے کھانے پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں، نیز اس میں درد و رنج اور تکلیف کی تمام وہی صورتیں ہوتی ہیں، جو مادی دنیا میں ہیں، اُس کے خیالی جسم کو اگر اس عالم میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چیخ اٹھتا ہے

[1] جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر، حدیث حسن غریب [2] شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں فمنہ المبتلی فی الرؤیا غیر انہ رؤیا لا یقظۃ منہا الی یوم القیمۃ (باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ) یعنی یہ عذاب قبر کا گرفتار خواب میں ہو لیکن یہ کہ یہ ایسا خواب ہو جس سے قیامت تک جاگنا نہیں ہے،

اور اگر اُس مین لذت ملتی ہے، تو لطف اندوز ہوتا ہے، اور ان دونون کے اثرات اُس کو اپنے مادی جسم مین جاگنے کے بعد بھی نظر آتے ہین، غرض عالمِ خواب کی خیالی دنیا اور اسکی شادی ورنج اور لذت والم، اور اس مادی دنیا کے جسمانی و مادی شادی و رنج، اور لذت والم مین کوئی فرق نہین ہوتا، اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ عالمِ خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اور مادی دنیا کی لذت و تکلیف، احساس و ادراک کے وجود تک قائم رہتی ہے، اور جس طرح مادی بیداری والی لذت و تکلیف خواب مین معدوم ہو جاتی ہے، اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری مین رخصت ہو جاتی ہے،

خواب والے لذائذ و آلام کے مختلف مناظر اور اُن کے حقائق اور اسباب و علل پر اگر فلسفیانہ حیثیت سے غور کیا جائے تو عجیب و غریب معاملات سامنے آتے ہین، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام احساسات و معلومات جو کبھی بھی ذہنِ انسانی مین آئے ہون، اور ان کو بحالتِ بیداری مادی دنیا کے مشاغل اور زمانہ کے امتداد کے سبب سے انسان کتنا ہی فراموش کر چکا ہو، وہ خواب مین مادی گران باری سے آزادی کے بعد سامنے مجسم شکلون مین نمودار ہو جاتے ہین، اور بیچ کی کڑیون کے بھول جانے کی وجہ سے وہ اس کو بے جوڑ معلوم ہوتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ انسان جن چیزون کو بھول جاتا ہے، وہ اُس کے حافظہ سے حقیقت مین معدوم نہین ہو جاتین، بلکہ دماغی حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) مین چھپ کر گم ہو جاتی ہین، اور پھر بعد کو مل جاتی ہین، اس لئے وہ تمام اچھے اور برے اعمال جو انسان نے عمر بھر کئے ہین، خواہ وہ اُن کو آج بھول گیا ہو، مگر اُن کی یاد ذہن کے گوشون مین پڑی ہے، معدوم و مفقود نہین ہو گئی،

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے جسکو تمثیلی کہتے ہین، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند کے خدمتِ کعبہ پر وقف کرنے کو قربانی کی شکل مین، اور حضرت یوسفؑ نے والدین کو سورج اور چاند اور گیارہ بھائیون کو گیارہ ستارون کی صورت مین دیکھا، شاہِ مصر کے سولی پانے والے مصاحب نے اپنے سولی پانے کو اس رنگ مین دیکھا کہ اس کے سر پر خوان ہے، اور بڑے بڑے پرندے اس مین چونچ مار مار کر کھاتے ہین، شاہِ مصر نے مصر کی ہفت سالہ قحط سالی کو سات دبلی گایون کی صورت مین دیکھا[1]، آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کو اس شکل مین دیکھا کہ مسلمان سر منڈوائے اور بال ترشوائے حج کر رہے ہین، مسیلمہ اور اسود عنسی دو کذابون کو سونے کے دو کنگنون کی صورت مین دیکھا، شہدائے اُحد کو موٹی گائے کی صورت مین ملاحظہ کیا، مدینہ کی وبا ایک پریشان مو کالی عورت کی صورت مین نظر آئی، خلافت کو ڈول کھینچنے کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دودھ کی اور اُن کی دینداری کو لمبی قمیص کی شکل مین[2] دیکھا، ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربون سے بھی اس کی بیشمار مثالین فراہم کیجاسکتی ہین،

اس سے بڑھکر یہ کہ انسان کے جسم مین اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے، تو خواب مین اس کے مناسب مجسم شکلین نظر آتی ہین، مثلاً اگر بلغم کی زیادتی ہو تو پانی، دریا اور سمندر نظر آئین گے، اگر سودا بڑھ جائے تو ہاتھی، اور کالی کالی صورتین نظر آئینگی، اسی طرح دوسرے تغیراتِ خلطی بھی اپنے مناسب جسمانی ہیئت مین خواب مین مجسم اور متشکل ہو کر دکھائی دیتے ہین[3]،

---

[1] یہ کل تمثیلی خواب قرآن پاک مین مذکور ہین، [2] ان خوابون کو صحیح بخاری کتاب التعبیر مین دیکھو،
[3] حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہؒ، ذکر برزخ۔

اسی طرح اعمال جو جسم و مادہ سے بالکل الگ ہین خواب مین اپنے مناسب قالب مین مجسم ہوجاتے ہین، اگر کسی بھائی کا حقِ واجب کسی نے ادا نہین کیا، تو خواب مین اس کو نظر آئے گا کہ وہ اس کا گلا کاٹ رہا ہے، اگر کسی کی غیبت کی ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ مردار کھا رہا ہے، سونے چاندی کے خزانون کو جمع کرکے اگر بخل کا اژدہا اُن کی حفاظت مین بٹھایا ہے، تو سانپ بنکر وہ اُس کی گردن مین لپٹتا اور کاٹتا ہے، ذلت اور خواری کتے کی، حماقت گدھے کی، اور شجاعت شیر کی شکل مین نمودار ہوتی ہے، شبِ معراج مین آنحضرت صلعم کے سامنے فطرت دودھ کی، اور غیر فطرت شراب کی شکل مین پیش ہوئی، اسی طرح کہن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل مین نظر آئی،

اس قسم کی تمثیلات قرآن مجید مین بھی آئی ہین مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۚ (حجرات-۲) | اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بُرا نہ کہے کیا تم مین سے کوئی پسند کرسکتا ہے کہ وہ اپنے مرُدہ بھائی کی بوٹی نوچ نوچکر کھائے سو گھن آئی کو |

سود کھانے کو جنون اور پاگل پن کی شکل مین ظاہر کیا،

| | |
|---|---|
| اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، (بقرہ-۳۸) | جو لوگ سود کھاتے ہین، وہ نہین اٹھین گے (یا نہین اٹھتے) لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے جسکے حواس شیطان نے چھوکر کھو دیے ہون، |

یتیمون کا مال ناجائز طریق سے کھانے کو پیٹ مین آگ بھرنا فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى | وہ لوگ جو یتیمون کا مال ظلم کرکے کھاتے ہین |

| | |
|---|---|
| ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ | وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں، اور آگے |
| نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا، (نساء-١) | جہنم کی آگ میں داخل ہونگے، |

وہ خودغرض لوگ جو بیکسوں کے کام نہیں آتے، قیامت میں اُن کے بھی کوئی کام نہ آئے گا اور جو خود سیر ہوکر کھاتے ہیں اور غریبوں کے دردِ گرسنگی سے بےخبر رہکر اپنے مال کا میل کچیل (زکوٰۃ) بھی اُن کو کھانے کو نہیں دیتے دوزخ میں اُن کو زخموں کا دھوون کھانے کو ملیگا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ، | بیشک وہ خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا |
| وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَلَيْسَ | تھا، اور مسکین کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا تھا |
| لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا | تو آج اس کا بھی یہاں کوئی دوست نہیں |
| مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ | اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا ہے |
| (حاقہ-١) | اس کو وہی گنہگار کھائیں گے، |

بے لوث مخلصانہ فیاضی کی تمثیل سرسبز وشاداب باغ سے دی،

| | |
|---|---|
| وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ | اور اُن کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی |
| ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ | چاہنے، اور اپنے دلوں کی مضبوطی کیلئے |
| اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ، | خرچ کرتے ہیں، ایک باغ کی ہے جو ایک |
| (بقرہ-٣٦) | ٹیلہ پر ہے، |

خدا کی راہ میں جان دینے والوں اور مرنے والوں کو جانِ نو، اور حیاتِ جاودان کی خوشخبری دی گئی، فرمایا،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ (بقرہ ۔ ۱۹)

جو خدا کی راہ مین مارا جائے اُس کو مردہ نکہو وہ لوگ زندہ ہین،

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو قرض دیگا، خدا اُس کو بڑھا کر دے گا جو دوسرون کو معاف کریگا خدا اُس کو معاف کریگا، جو دوسرون کی عیب پوشی کرے گا خدا اسکی ستاری کرے گا. قرآن واحادیث اس قسم کی بالمعاوضہ جزا وسزا کے ذکر سے لبریز ہین،

جو لوگ راہ خدا مین اپنا مال نہین دیتے اُن کی نسبت فرمایا.

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، (آل عمران ۔ ۱۰)

جس مال کا بخل کیا تھا، قیامت مین اُسکا انکے گلے مین طوق پڑے گا،

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ، (توبہ ۔ ۵)

جس دن اُس سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ مین گرم کیا جائیگا، پھر اس سے انکی پیشانیان، اور پہلو اور پیٹھین داغی جائینگی، کہ یہ ہے جو تمنے اپنے لئے گاڑ رکھا تھا، تو اب تم اسکا مزہ چکھو جسکو تم گاڑ کر رکھتے تھے،

دنیا مین اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت مین ظاہری نابینائی کی صورت مین رونما ہوگی اور اسی طرح جو خدا کو یہان بھولیگا، خدا اُس کو وہان بھلائے گا، چنانچہ حضرت آدمؑ سے جنت سے نکلتے وقت یہ فرمایا گیا تھا،

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کیلئے

مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اَعْمٰى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ
قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ
اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ
تُنْسٰى،
(طٰہٰ ۔۔)

ہو تنگ گذران، اور ہم قیامت کے دن اسکو
اندھا اٹھائین گے، تو کہیگا میرے پروردگار تونے
مجھے اندھا بناکر کیون اٹھایا، مین تو دنیا مین
آنکھون والا تھا، خدا کہیگا اسی طرح تیرے پاس
ہماری نشانیان آتی رہین، تو اُن کو تونے بھلا دیا
اور اسی طرح آج تو بھلایا جائیگا،

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کیساتھ اس آیت مین ہے،

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا، (اسرائیل ـ ۸)

جو کوئی دنیا مین (دل کا) اندھا تھا وہ آخرت
مین اندھا ہے اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا،

اس باب مین سب سے زیادہ صریح وہ حدیث صحیح ہے جس مین آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ بخیل کا مال سانپ کی صورت مین گلے کا ہار ہوکر نظر آئے گا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سانپ کی صورت مین ہوگا،

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم مَنْ
اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهٗ
مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ
زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَاْخُذُ
بِلِهْزِمَتَيْهِ اَيْ شِدْقَيْهِ يَقُوْلُ اَنَا

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال
دیا اور اُس نے اس کی زکوۃ ادا نہین کی تو اسکا
مال اس کو اچھل کر ڈسنے والے سانپ کی صورت
مین دکھایا جائیگا، جسکا سر زہر کی شدت سے
گنجا ہوگا، اس کے منہ مین دو دانت ہونگے،

| | |
|---|---|
| مالک انا کنزک، | وہ اسکے گلے مین قیامت کے دن پڑا ہوگا، اور |
| (بخاری تفسیر آل عمران | وہ اُس کے دونون جبڑون کو کاٹیگا، اور کہیگا |
| صـ۵۵ جلد دوم) | مین ہون تیرا مال مین ہون تیرا خزانہ، |

اسی طرح وہ حدیثین ہین جنمین مختلف اعمال کا مختلف شکلون مین آنا بیان کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر مین نماز و روزہ وغیرہ اعمال، عذاب سے بچانے کے لیے ڈھال بنکر داہنے بائین سے نمودار ہونگے[1]، یہ بھی حدیث مین ہے کہ مرنے کے بعد جب ایکدفعہ فرشتۂ الٰہی مردہ کو بیدار کرتا ہے تو اُس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے، (مثلت الشمس عند غروبہا) نیک مرد مسلمان اُس تنگ وقت کو دیکھکر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہے[2]، یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا والا آفتاب وہان نہین بلکہ اسکی تمثیل ہوتی ہے، جیساکہ حدیث کے الفاظ مین ہے یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے اور وہ درحقیقت آفتاب نہین بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے،

**گناہون کی تمثیلی سزائین** اوپر کے بیانات سے ہویدا ہے کہ غیر مجسم اعمال اور معانی اپنے جن تمثیلی پیکرون مین نظر آتے ہین، وہ درحقیقت اُن اعمال و معانی سے تمثیلی مشابہت رکھتے ہین، مثلاً ایک صحیح حدیث مین ہے کہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب مین دیکھا کہ ان کے لئے ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب اُس کا ذکر آنحضرت صلعم سے کیا تو آپ نے اُس کی تعبیر مین فرمایا،

| | |
|---|---|
| ذالک عملہ (بخاری کتاب التعبیر) | یہ نہر اُن کا (نیک) عمل ہے، |

---

[1] مسند ابن حنبل، [2] سنن ابن ماجہ ذکر القبر صـ۳۲۶،

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلعم کے اس رویائے صادقہ پر غور کرو، جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہین کہ ابھی وہ آئی نہین، بلکہ برزخ ہی کا مرقع پیش کرتا ہے، جواب بھی قائم ہے، آپ نے ایک صبح کو فرمایا کہ رات مین نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے اور انھون نے مجھے جگایا، مین اُن کے ساتھ چل کھڑا ہوا، تو مین نے دیکھا کہ (۱) ایک آدمی لیٹا ہے، اور دوسرا اُس کے سر پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے اور وہ اُس پتھر کو اسکے سر پر اس طرح دے مارتا ہے، کہ اس کا سر چکنا چور ہو جاتا ہے، اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے، وہ اس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھا لاتا ہے، اور اتنی دیر مین اسکا سر درست ہو جاتا ہے، پھر وہ مارتا ہے، اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے، ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص اوندھا پڑا ہے اور دوسرا لوہے کا ایک آنکس لئے کھڑا ہے، اور وہ اس سے اُس کے جبڑے کو، پھر نتھنے کو، اور پھر آنکھون کو گدی تک چیر دالتا ہے، پہلے ایک طرف، بعد ازین دوسری طرف، پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳) تنور کی قسم کی ایک چیز دہک رہی ہے اور کچھ مرد و عورت اسمین ننگے پڑے ہین، اور اس کے شعلے بھڑک بھڑک کر اُن تک پہنچتے ہین، اور وہ چیختے ہین، آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہ رہی ہے اور ایک آدمی اُس مین تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہین، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اُس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اس کے منھ مین جا کر پیٹ مین اتر جاتا ہے،

اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز و شاداب چمن نظر آیا جسمین بہار کی ہر کلی کھل رہی تھی، باغ کے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان مین تھا، اور اُس کے چارون طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، آگے بڑھے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس سے زیادہ بڑا

اور خوبصورت باغ مین نے نہین دیکھا تھا، یہان پہنچکر اپنے دونون ہمراہیون کے کہنے سے اوپر چڑھا، تو ایک شہر ملا جس کی دیوار مین سونے کی ایک ایک چاندی کی ایک ایک اینٹ لگی تھی ہم لوگ دروازہ کے پھاٹک پر پہنچے، دروازہ کھلوایا، دروازہ کھلا، تو اُس کے اندر گھسے، تو اسمین کچھ لوگ ملے جنکا آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت اور آدھا نہیت ہی بدصورت تھا، میرے ہمراہیون نے اُن سے ایک نہر کی طرف جو بیچ مین نہایت صاف وشفاف بہ رہی تھی، اشارہ کرکے کہا کہ اس مین جاکر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگاکر آئے، تو اُن کی بدصورتی کا حصہ جاتا رہا، اور وہ پورے دھڑ سے خوبصورت ہوگئے، میرے ہمراہیون نے مجھ سے کہا کہ یہ جنتِ عدن ہے، اور وہ آپ کا دولتخانہ ہے، مین نے نظر اٹھاکر دیکھا سپید لکۂ ابر کی طرح ایک محل دکھائی دیا،

پھر مین نے ان ہمراہیون سے کہا کہ آج تو مین نے عجیب عجیب چیزین دیکھین، تو بتاؤ مین نے کیا کیا دیکھا، انھون نے جواب دیا، کہ پہلا شخص جسکا سر پتھر سے کچلا جارہا تھا، وہ ہے جو قرآن پڑھکر اُس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے، اور صبح کی مفروضہ نماز سے غافل ہوکر سورہتا ہے، اور دوسرا شخص جس کے گلپھڑے، اور نتھنے اور آنکھین پھاڑی جاتی تھین وہ ہے جو جھوٹ بول کر تمام دنیا مین اسکو پھیلاتا ہے، اور تنور مین جو مرد اور عورتین ننگی جل رہی تھین وہ بدکار مرد اور عورتین ہین، اور جو شخص خون کی نہر مین تیر رہا تھا اور منھ سے پتھر نگلتا تھا، وہ سود خوار ہے، اور اس سدابہار چمن مین جو دراز قد آدمی آپ نے دیکھا وہ ابراہیمؑ تھے، اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ ننھے اور کمسن بچے تھے جو فطرت پر مرے تھے، کسی صحابی نے پوچھا یارسول اللہؐ! مشرکون کے بچے؟ فرمایا اور مشرکون کے بچے بھی، وہ لوگ جنکا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا، وہ مین جنھون

نے کچھ اچھے کام بھی کئے تھے، تو خدا نے اُن کے گناہ دھو دیئے[1]"

برزخ کی ان تمام سزاؤن پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کی نوعیت اور کیفیت اُن کے اعمال کے بالکل مناسب اور مشابہ قرار دیگئی ہے، نماز صبح سے غافل ہوکر، بالینِ راحت سے سر اٹھانے والے کا سر کچلا جانا، جھوٹے کا گلپھڑا پھاڑا جانا، زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ مین جلنا، خون چوسنے والے سود خوار کا انسانون کے خون کے دریا مین تیرنا، اپنا دو بالشت کا پیٹ بھرنے کے لئے سارے غریبون کی روزی چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کے لقمے کھانا، سراسر اُن کے دنیاوی اعمال کی تمثیل و تصویر ہے، اور آخر مین نصف حسنِ عمل سے آدھے دھڑ کی خوبصورتی، اور نصف سوءِ عمل سے آدھے دھڑ کی بدصورتی پوری مشابہ ہے، اور صاف و شفاف نہر کی صورت مین رحمت و مغفرتِ الٰہی کا ظہور بھی اسی قیاس پر ہے[2]،

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر آفاقی (یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی دنیا کی اشیاء کے خواص و صفات کے جاننے مین کی ہے، جنسے سائنس کی ایجادات و اختراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی زیادہ ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے، جس کو قرآن نے "انفس" کہا ہے، ان انفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی تک بہت کم علم ہوا ہے، ہماری سائیکالوجی (علم النفس) ابھی اپنی ابتدائی منزل مین ہے، اور اس پر سپچولزم (علم ارواح) ابھی طلسم و فریب کے عجائبات مین اسی طرح گرفتار ہے، جس طرح موجودہ عہد سے پہلے آج کے معمولی سائنٹفک تجربے سحر و جادو کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، بہرحال ابھی تک علم نفس و روح کے

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر ملخصًا، [2] حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر واقعات حشر

عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہین، ایک یہی مسئلہ کہ شے کے یقین اور اس کے خارجی وجود مین کیا تعلق ہے؟ ایک معما ہے، بہت سے ہندو اہلِ فلسفہ اور بعض مسلمان صوفیون، اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر برکلے کے نزدیک تو کسی شے کے تصور اور وجود، یا یون کہو کہ ذہنی اور خارجی وجود مین بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہین ہے،

بہرحال نفسِ انسانی کے اندرونی قویٰ کا علم گو ابھی بہت کچھ محتاجِ تکمیل ہے تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی شے کے تصوری یقین، اور خارجی وجود مین بہت ہی شدید تعلق ہے، مسمرازم نے جو سرا سر اسی اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے، اسی سے معلوم ہوگا کہ مذاہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، اس قدر زور بے سبب نہین دیا ہے،

قرآنِ پاک نے یقین کی دو قسمین کی ہین، علم الیقین اور عین الیقین، کسی شے کی دلیلون کو سنکر یا بعض علامتون کو دیکھکر اس کے وجود کا اقرار کرو، تو یہ علم الیقین (یقین جاننا) ہے اور اگر وہ شے خود تمھارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے، جس مین پھر شک و شبہہ کی گنجایش نہین ہو سکتی تو وہ عین الیقین (خود یقین) ہے، قرآنِ پاک نے یقین کی ان دونون صورتون کو سورۂ تکاثر مین بیان کیا ہے،

| | |
|---|---|
| اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ | تم کو دولت و نعمت کی بہتات نے غفلت مین |
| الْمَقَابِرَ، كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ، ثُمَّ | مبتلا کر دیا، یہانتک کہ تم نے قبرون کو جا دیکھا |
| كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ، كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ | ابھی نہین، تم آگے جان لوگے، پھر ابھی نہین |
| عِلْمَ الْيَقِيْنِ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ | تم آگے جان لوگے، ہرگز نہین اگر تم یقین |

لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ، (تکاثر-۱)

کا جاننا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ عین الیقین سے اس کو دیکھ لوگے،

بنابرین اگر انسان اپنے اندر علم یقین حاصل کرے، جو کمالِ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، تو وہ اپنے باطن کی آنکھون سے اپنی دوزخ یہین دیکھ لے،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ. (تکاثر)

نہین یہ بات نہین اگر تم کو علم یقین ہو تو دوزخ کو بے شبہہ دیکھ لو.

کفار آنحضرت صلعم سے عذاب کے عینی مشاہدہ کا فوری مطالبہ کرتے تھے. وحیِ الٰہی نے اس کے جواب مین کہا،

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ. (عنکبوت-۲)

وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہین حالانکہ دوزخ گھیر رہی ہے منکرون کو،

ایک دوسری آیت مین ہے کہ منافقین بزعم خود آزمایش کے ڈر سے جہاد کی شرکت سے عذر کرتے ہین، اس کے جواب مین ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمایش مین مبتلا ہین، اور دوزخ اُن کو گھیرے ہوئے ہے،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (توبہ-۷)

اور ان مین کوئی ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد مین عدم شرکت کی) اجازت دیدیجئے، اور آزمایش مین نہ ڈالئے، ہان وہ تو آزمایش مین پڑ چکے، اور دوزخ منکرون کو گھیر رہی ہے،

لیکن یہ علم الیقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے، ہر شخص اُس سے اس دنیا مین بہرہ نہین ہوتا، بلکہ بہتیرے اُس کے منکر ہین، اس لئے اُن کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہین آتی، لیکن موت جسکا آنا ایک دن یقینی ہے جب وہ آئیگی تو مادہ کا یہ حجاب جو آنکھون پر پڑا ہے اٹھ جائیگا، اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار اُن پر منکشف ہوجائین گے، اور اعمال کے تمثیلی نتائج اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر اُن کے سامنے آجائین گے، اور اس وقت وہ اپنے یقین کی آنکھون سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کرین گے،

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ (تکاثر-۱) پھر تم دوزخ کو عین الیقین سے دیکھ لوگے،

یہ موت کے بعد کا سمان ہوگا جس کو برزخ کا عالم کہتے ہین اس کے بعد جب قیامت آئیگی تو ہر راز فاش ہوجائیگا، يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (جس دن تمام بھید کھل جائین گے) اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتون مین اس طرح سامنے آجائینگی کہ پھر شک و شبہہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہیگا، وہ علم حقیقی اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن مین قیامت کے موقع پر ہے،

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ، ذَالِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ . . . . فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق-۲)

اور نرسنگا پھونکا گیا، یہ ہے ڈر کا دن . . . . تو ہمنے تیرا پردہ تجھ سے کھول دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے،

اس پردہ کے ہٹتے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کرکے اُس کے سامنے آجائین گے، اور دوزخ منظر عام پر آجائے گی، فرمایا،

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى، جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا جس دن انسان

يَوۡمَ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ، وَ — کو جو کچھ اُس نے کیا ہے، یاد آجائیگا، اور دوزخ

بُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى ، (نازعات-٢) — دیکھنے والے کے سامنے باہر لائی جائیگی،

**احوالِ برزخ کا عین الیقین** ایک عرب شاعر (ابو العتاہیہ) نے حیرت کے عالم مین کیا خوب کہا ہے،

الموتُ بابٌ وكلُّ النّاسِ يدخله — موت ایک دروازہ ہے اور تمام انسان اُس دروازہ مین داخل ہونگے،

يا ليتَ شعري بعدَ البابِ ما الدّارُ — کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس دروازہ کے بعد کون گھر ہے

یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے، اس زندگی مین صرف علم الیقین کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، البتہ موت کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا، تو اُسکو پسِ پردہ کا نظارہ تھوڑا بہت ہو جائے گا، اور وہی برزخ کا عالم ہے، فرمایا،

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ، لَعَلِّىۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِيۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ

(مومنون-٦)

عالمِ برزخ (انتظار گاہ)

جب ان گنہگارون مین سے کسی ایک کو موت آتی ہو تو وہ (زندگی کے پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھکر) کہتا ہو، اے میرے پروردگار مجھے ایک بار اور دنیا مین لوٹا دے، تاکہ دنیا مین جو مال چھوڑکر آیا ہون اس سے شاید کوئی نیک کام کرون، ہرگز نہین، یہ بات ہی بات ہو جو وہ کہتا ہو، اور (اب) ان گنہگارون کے پیچھے اُس دن تک ایک پردہ (برزخ) ہو جب وہ اُٹھائے جائینگے

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ مین نہین آجاتی

تو اس کا شک وشبہہ دفعۃً یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، فرمایا،

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ
اور موت کی بیہوشی حقیقت کو لیکر آگئی

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (ق ۲)
یہی ہو وہ جس سے تو ہٹا کرتا تھا،

اس سے معلوم ہوا کہ سکرات کے وقت "حقیقت" کا کوئی منظر سامنے ضرور آجاتا ہے، اہلِ تفسیر نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے، ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

بالحق من امر الأخرة فتبينه للانسان حتى تثبته وعرفه[۱]،
حق یعنی آخرت کا کچھ حال تو موت کی سکرات انسان پر کھول دیتی ہے یہاں تک کہ انسان اسکو یقین کرلیتا ہے اور جان لیتا ہو۔

حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں،

يقول عز وجل وجاءت ايها الانسان سكرة الموت بالحق اى كشفت لك عن اليقين الذى كنت تمترى[۲] فيه،
اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ اے انسان موت کی بیہوشی حق کو لیکر آگئی یعنی تیرے اس یقین کے پردہ کو کھول دیا جس میں تو شک کرتا تھا،

قاضی شوکانی محدث کی تفسیر میں ہے،

ومعنى بالحق انه عند الموت يتضح له الحق ويظهر له صدق ماجآءت
اور حق لے کر آنے کے معنی یہ ہیں کہ موت کے وقت حق بات کھل جاتی ہے اور

---

[۱] تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۶ صفحہ ۹۱، [۲] تفسیر ابن کثیر بر فتح البیان ج ۹ صفحہ ۲۹۵،

| | |
|---|---|
| به الرسل من الاخبار بالبعث و | پیغمبر جس قیامت اور جزا و سزا کی خبرین |
| الوعد والوعید، (ج ۵ ص۲۹) | لیکر آئے تھے ان کی سچائی ہویدا ہوجاتی ہو، |

مفتی آلوسی حنفی کی تفسیر کی عبارت یہ ہے، (ج ۶ ص۲۵۲)

| | |
|---|---|
| والمعنی احضرت سکرة الموت | اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت کی مدہوشی |
| حقیقة الامر الذی نطقت به | اس حقیقت امر کو سامنے کردیتی ہو جسکو اللہ |
| کتب الله تعالی ورسله علیهم السلام | کی کتابون اور اسکے رسولون نے بیان کیا ہے |

زمخشری معتزلی (کشاف ج ۲ ص۱۴۰۲ کلکتہ) اور ابوحیان اندلسی مالکی کی تفسیر مین بھی یہی ہے، (بحر محیط ج ۸ ص۱۲۳ مصر)

یہ مفسرین مختلف فرقون سے تعلق رکھتے ہین لیکن ان سب کی متفقہ تفسیر یہی ہے، اس تفسیر کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی قیامت کے ذکر مین ہے،

| | |
|---|---|
| فَکَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ | ہم نے آج تجھ سے تیرا پردہ کھول دیا تو |
| الْیَوْمَ حَدِیْدٌ، (ق - ۲) | آج تیری نظر تیز ہے، |

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت کسی قدر انکشاف ہوتا ہے اور قیامت کے دن انکشاف تام ہوجاتا ہو لیکن بہرحال موت کے وقت یقین کا پردہ بالکل کھل جاتا ہے،

**موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت**

"موت" کے لئے قرآن مین اکثر خدا کی طرف بازگشت" یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے کی اصطلاح اختیار کی گئی ہو،

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ | بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے |

مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، (جمعہ - ۱)

ملتا ہی ہو پھر تم اس (خدا) کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے، تو وہ تم کو تمھارے کرتوت بتائے گا،

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ ۱۹)

ہم سب خدا کے ہین اور ہم اسی کیطرف لوٹکر جائین گے

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ، (مائدہ ۱۴)

تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہی،

یہ طرز ادا بیسیون آیتون مین اختیار کیا گیا ہے، یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر رجوع و بازگشت کے مفہوم مین ورود اور آمد داخل ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواحِ انسانی خدا کے یہان سے اس جسم و قالب کی قید مین آئی ہین، اور موت کے وقت اس عناصر کی چہار دیواری سے نکل کر پھر اُن کو وہین واپس جانا ہے، جہان سے آئی تھین اس بازگشت کے سفر مین ان کا زادِ راہ صرف وہی ہوگا جو اس دنیائے دار العمل مین انھون نے کمایا ہے یعنی اُن کے اندرونی و بیرونی اعمال اور اس کے بعد جو ان کی زندگی ہوگی وہ ان کے انھین اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ
مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ
لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ،

(انعام - ۷)

اور وہی (خدا) ہے جو تمھین رات کو موت (نیند) دیتا ہی اور دن کو جو کما چکے، اس کو جانتا ہی، پھر تم کو دن مین جگا اٹھاتا ہی تاکہ مقررہ وقت (اصلی موت) پورا ہو، پھر اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تم کو تمھارے اعمال جتائے گا،

ایک اور آیت میں ہے،

| | |
|---|---|
| يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، (یونس-۳) | اے انسانو! تمھاری بغاوت کا نتیجہ تمھیں پر ہے دنیا کی زندگی سے کچھ فائدہ اٹھانا، پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، تو ہم تم کو تمھارے اعمال جتائیں گے، |

اس میں دنیا کی زندگی کے بعد ہی خدا نے اپنی طرف واپس آجانے کی اطلاع دی ہے، اور اہل تفسیر نے بھی اس رجوع الی اللہ سے موت ہی کے معنی سمجھے ہیں، (طبری ۱۱-ص۶۴ مصر)

اب ہم ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں جس میں موت کا پورا نقشہ ہے، اور اس کے بعد بیان ہے کہ اُس دن مرنے کے بعد ہی خدا کے ہاں ہنکا کر لائے جاؤ گے، گویا جس طرح جانور ہنکا کر لائے جاتے ہیں، ویسے ہی گنہگاروں کی روحیں موت کے بعد ہنکا کر لائی جاتی ہیں، فرمایا،

| | |
|---|---|
| كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ، وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ، وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ، اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ن الْمَسَاقُ، (قیامہ-۱) | ہرگز نہیں جب روح ہانس (ہنسلی) تک آ پہنچے، اور لوگ کہیں اب کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بچانے والا، اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آگیا، اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی اسدن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا، |

لیکن سعید اور نکوکار روحوں کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدائے غیب سنائی دیتی ہے،

| | |
|---|---|
| يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ | اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش |

إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○

اور تیرا مالک تجھ سے خوش، تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا،

(فجر - ۱)

یہ کیسی دلآویز صدا، اور کیسی دلکش واپسی ہوگی،

**اس وقت کا سماں**

وہ لمحہ جب اس روح کی مہلت کا زمانہ اور عمل کی فرصت ختم ہوتی ہے، کتنا دردناک ہے، اس وقت سے اسکی زندگی صرف اس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے، ہر عمل کی صورت اس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور غیب کی کارکن صورتیں چلتی پھرتی دکھائی، اور بولتی چالتی سنائی دیتی ہیں،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ

(انعام - ۱۱)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں، اور فرشتے ہاتھ کھولے ہوں کہ نکالو (اپنے جسموں کے اندر سے) اپنی روحوں کو، آج تم کو اسیر ذلت کی سزا ملیگی کہ تم خدا کی شان میں جھوٹ باتیں کہتے تھے، اور اس کے حکموں کے ماننے سے غرور کرتے تھے، اور تم ایک ایک کرکے (تنہا) جیسے ہم نے پہلی بار تمکو پیدا کیا تھا ہمارے پاس آئے، اور جو سامان و اسباب تم کو دیا تھا (جسنے تمکو مغرور بنایا تھا) اسکو اپنے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں، اور روح

جسم سے جس وقت سے الگ ہوتی ہے، اُس کے گناہوں کی سزا کا دور شروع ہو جاتا ہے، یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے،

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا
الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَ
أَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ
ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (انفال ۷)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی
جان لیتے ہیں اُن کے منہ پر اور پیچھے مارتے
ہیں (اور کہتے ہیں) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو،
یہ تمھارے ہاتھوں کے چلے کئے ہوئے کاموں
کا بدلہ ہے، اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا، موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ سزا نعوذ باللہ کسی انتقام کے سبب سے نہیں دیتا، بلکہ وہ درحقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے،

نکوکاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، اُن کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دیتی ہیں، اور ہر سمت خوشی و شادمانی کا سماں سامنے ہوتا ہے،

فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ وَأَنتُمْ
حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ وَنَحْنُ أَقْرَبُ
إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ
فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ
تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ

پھر کیوں نہیں جس وقت روح حلق تک پہنچ جاتی
ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور
ہم اس سے تمھاری نسبت زیادہ تر نزدیک
ہوتے ہیں، لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو اگر
تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو تو کیوں نہیں

اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ، فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ، وَ اَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ، وَ اَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ الضَّآلِّیۡنَ، فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ ۙ وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ، (واقعہ - ۳)

اُس رُوح کو پھر پلٹا دیتے ہو اگر تم (اپنے انکار و تکذیب مین) سچے ہو، تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندون مین سے ہوا تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت ہی، اور اگر وہ (اس سے کچھ کم درجہ) دہنے والون مین ہوا تو تجھ پر سلامتی دہنے والون مین سے، اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہون مین سے ہوا تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ مین بیٹھنا ہے، بے شبہہ یہ بات یقین کے لائق ہے،

یہ تمام سمان موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہین،

**برزخ کا عذاب و راحت** اوپر کی آیتون سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحون کے سامنے رحمت کے اور بری روحون کے روبرو عذاب کے منظر گذرتے ہین، قرآن پاک مین کچھ اور آیتین ہین، جنسے ثابت ہو کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی سے گذرتے ہین، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا زحمت کے اندر بھی داخل کر دیجاتی ہے، منافقین کی نسبت قرآن مین ہے،

سَنُعَذِّبُہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ، ثُمَّ یُرَدُّوۡنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیۡمٍ، (توبہ - ۱۳)

ہم اُن کو دو دفعہ عذاب دینگے، پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے،

"عذاب عظیم سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذاب دوزخ سے پہلے عذاب کے دو دور اُن پر اور گذر چکے ہون گے، ایک تو یہ دنیا کی عذاب ہے اور دوسرا

موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے، قرآن مین آلِ فرعون کے ذکر مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ | اور فرعون والون پر بری طرح کا عذاب |
| اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا | اُلٹ پڑا، آگ کہ اُس پر وہ صبح اور شام پیش |
| وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا | کئے جاتے ہین، اور جس دن قیامت کی گھڑ |
| اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ، | گھڑی ہوگی (ندا ہوگی کہ) فرعون والون کو |
| (مومن - ۵) | (پہلے سے بھی) بڑھکر عذاب مین ڈالو، |

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگارون کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم مین بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے، ایسا ہی نیکوکارون کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی آیت پاک کی تشریح مین گویا آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے "تم مین سے جب کوئی مرتا ہے، تو اُس پر صبح و شام اس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہلِ جنت مین سے ہوتا ہے، تو جنت، اور اگر اہلِ دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام، اُس وقت تک کے لیے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے[1]"، ایک اور صحیح حدیث مین ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونون کے منظر سامنے رکھ کے کہتے ہین کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے[2]، اور اُس دن تک کے لئے کہ لوگ اٹھائے جائین، اس پر سرسبزی بھر دیجاتی ہے[3]،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنة والنار باب عرض مقعد المیت جلد ۲ صفحہ ۴۰۳ مصر و جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر حدیث حسن صحیح و صحیح بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر صفحہ ۱۸۴ و سکرات الموت صفحہ ۹۶۴،
[2] صحیح بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۸۳، [3] صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت صفحہ ۴۰۳ مصر،

مشرکون اور قیامت کے منکرون کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغامِ الٰہی سچ ہی تو ہمکو فرشتے یا خدا نظر کیون نہین آتے، جواب مین کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئینگے اس دن ایمان بالغیب کہان؟ اور اوپر کی آیتون سے معلوم ہوچکا ہی، کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہین یا پھر قیامت مین نظر آئینگے، اسکے ارشاد ہے

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا، وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا، اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا، وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا، اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا، (فرقان-۳)

جس دن وہ فرشتون کو دیکھینگے اس دن ان گنہگارون کو کوئی خوشخبری نہین، اور کہین گے (کہ یہ ڈراونا منظر جو اب ہمکو نظر آرہا ہی) اوٹ مین روکا جائے اور ہم (خدا فرماتا ہی) ان کے کئے ہوئے کامون کے پاس پہنچے، اور انکو اڑتا غبار بنا دیا، (یعنی بیکار و بے سود و معدوم) جنت والے لوگ (یعنی جنکو جنت ملنے والی ہی) اس دن ان کیلئے خوب ٹھکانا، اور دوپہر کے سونے کا مقام ہوگا، اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائیگا اور فرشتے آہستہ آہستہ اتارے جائینگے اس دن راج * سچا رحمن کا ہوگا، اور وہ دن کافرون پر بڑا سخت ہوگا *

کھلی بات ہی کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا، اور فرشتون کا اُترنا، قیامت کا نقشہ ہی، اب اس سے پہلے فرشتون کے دکھائی دینے کا وہ دن جسمین گنہگارون کے لئے کوئی خوشخبری نہین اور وہ کہین گے کہ کاش یہ ڈراونا منظر ہماری نگاہون کے سامنے نہ ہوتا، اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرارگاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والی خوابگاہ ملی ہوگی، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے،

سورۂ محمد مین موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگارون کی روحون کو قبض کرتے ہین، تو اُن کے چہرون پر اور پیٹھون پر ضرب لگاتے ہین فرمایا

| | |
|---|---|
| فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ | پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کو وفات دینگے |
| يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ | اُن کے چہرون اور اُن کی پیٹھون پر مارتے ہوئے |
| ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ | یہ اسلئے کہ انھون نے اسکی پیروی کی جس نے خدا |
| اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ | کو اُن سے ناخوش کردیا، اور جنھون نے خدا کی خوشنودی |
| اَعْمَالَهُمْ، (محمد ۳) | کو پسند نہ کیا، تو خدا نے اُنکے کامون کو بے نتیجہ کیا |

یہ غیبی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو، یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر، جو بھی کہئے بہرحال اس سے یہ ثابت ہے، کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک رنگ شروع ہوجاتا ہے،

سورۂ انعام مین اس سے زیادہ ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ | اور اگر تو دیکھے جب گنہگار موت کی سکرات |
| وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ | مین ہون، اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہون کہ |
| اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ | نکالو (اپنے جسم کے اندر سے) اپنی روحون |
| عَذَابَ الْهُوْنِ، (انعام ۱۱) | کو، آج تم کو ذلت کی سزا ملیگی، |

الیوم جس کے معنی آج کے ہین ظاہر ہے کہ اس سے وہی زمانہ مراد ہے، جس وقت سے فرشتے بدن سے روح نکالتے ہین، اس "آج" سے مقصود ہمارا دنیاوی آج نہین ہے جو

۲۴ گھنٹون مین ختم ہو جاتا ہے، بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے، (دیکھو فتح القدیر شوکانی وتفسیر ابو السعود وتفسیر روح المعانی آلوسی)

قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی دوزخ مین جانے کا ذکر ہے،

| | |
|---|---|
| اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا، | وہ ڈبو دیئے گئے، پھر وہ آگ مین داخل کئے گئے، تو اُنھون نے خدا کے |
| (نوح - ۲) | سوا مددگار نہین پائے، |

حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی کافر بیویون کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے،

| | |
|---|---|
| وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ | اور کہا گیا کہ داخل ہونے والون کے ساتھ |
| الدَّاخِلِيْنَ، (تحریم - ۲) | تم دونون بھی آگ مین داخل ہو جاؤ، |

یہ قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کے واقعات ہین اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے،

سورۂ یٰس مین ایک خیر خواہ قوم کا ذکر ہے، جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا، اور پھر وہ غالبًا اسی حق کی راہ مین شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اُس کو بہشت ملی، تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا اور عزت بخشی، تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی،

| | |
|---|---|
| قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ يٰلَيْتَ | کہا گیا جنت مین داخل ہو، اس نے کہا اے |
| قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ، بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ | کاش میری قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے |

وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ، وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ،
(یٰسٓ - ۲)

پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والون مین سے بنایا، اور ہم نے اس کے مرنے کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نہین اُتاری اور نہ ہم اُتارا کرتے ہین،

شہیدون کی نسبت تو خاص طور پر ہے،

بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ، (آل عمران - ۱۷)

بلکہ وہ زندہ ہین اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کو برزخ ہی مین کامل زندگی کے ساتھ جنّت کی روزی ملتی ہے، اور عام نیکوکارون کا یہ حال ہے، کہ اُن کو فرشتے اس وقت سلامتی اور جنت کی خوشخبری سناتے ہین، فرمایا،

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، (نحل ۴)

جنکو فرشتے (رگنہون سے) پاک وصاف حالت مین وفات دیتے ہین، کہتے ہین کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کامون کے بدلے جنت مین چلے جاؤ،

قبر کی اصطلاح

سطور بالا مین عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہین، جو قرآن کی آیتون مین نظر آتے ہین، احادیث صحیحہ مین اس عالم کے حالات کی جو تفصیلین مذکور ہین، وہ عموماً[1] قبر کی

لہ بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن مین اسکا ذکر نہین، یہ غلط فہمی ان کو اسلئے پیش آئی کہ قرآن مین لفظ قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہین، لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب و ثواب در رحمت و لعنت کا ذکر موجود ہے، تو انکو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی، اور قرآن مین اسی قسم کی متعدد آیتین موجود ہین،

اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہین، لیکن اس لفظ "قبر" سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہین جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیان پڑی رہتی ہین، بلکہ وہ عالم ہے جس مین یہ مناظر پیش آتے ہین، اور وہ ارواح ونفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہین، اسی لئے قرآنِ پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے، اور انھین کے عذاب وثواب اور رحمت ولعنت کا ذکر کیا ہے، اس عالم مین جو جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو بہو اُس کے خاکی جسم کا مثنیٰ ہوتا ہے، تم نیند مین ہو، اور تمھارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر پڑا ہے، مگر تم خواب مین دیکھ رہے ہو کہ بعینہٖ تمھارا جسم آگ مین جل رہا ہے، یا باغ وبہار کی لذتون مین مصروف ہے، اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے جو بیداری مین اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف وراحت سے مل سکتی ہے، اس خواب مین جس طرح تمھارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے، جو ہو بہو تمھارا مادی جسم ہے، اسی طرح موت کے خواب مین بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا، جو اکثر حالتون مین ہو بہو تمھارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا[1]، اور تمھاری رُوح اسی جسمِ مثالی کے عذاب وراحت سے متاثر ہوگی، کہ اعمال کی اصل ذمہ دار رُوحِ انسانی ہے، جسمِ خاکی نہین. فرمایا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر ۲) (یعنی) "ہر رُوح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھون گرو ہوگی" اس لئے اصل مکلف رُوح ہے، جسم نہین، جسم بمنزلہ آلہ کے ہے، دنیا مین اس کا ایک جسم خاکی تھا، برزخ مین اس کا ایک اور جسم ہوگا،

---

[1] اس سے اس شبہہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہین آتا، اور نیز اس شبہہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر مین جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب وثواب کا احساس اسکو کیسے ہوتا ہے،

جو مادّہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اُس کو اپنے جسمِ خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی، اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال مین جاری ہے، کیونکہ ہم اپنی انکھون سے مسلمان مردون کو اسی قبر مین جاتے دیکھتے ہین، قرآنِ پاک کی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا | اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافرون کی روح |
| الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ | قبض کرتے ہین، مارتے ہین، اُن کے منہ اور |
| اَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (انفال ۷) | پیٹھ پر اور (کہتے ہین) چکھو جلنے کا مزہ، |

اس آیت سے جہان یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگارون پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے، وہان یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مار اُن کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے، مگر یہ منہ اور یہ پیٹھ وہ نہین ہے، جو بے جان لاشہ کی صورت مین ہمارے سامنے ہے، بلکہ اس آیت مین کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دیگئی ہے، کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹھ پر) مارتے ہین، اسی طرح گویا کافر روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے، اُس ہنکاتے ہوئے لے چلین گے اور کہین گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم صاف لفظون مین اس آیت مین ہے،

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ، (قیامہ-۱) اُس دن تیرے پروردگار کیطرف ہی ہنکایا جانا،

بعض ایسی سعید روحین بھی ہوتی ہین، جنکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ مین جسمِ خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے، جیساکہ احادیث مین آیا ہے کہ "مومنِ کامل کی روح پرندون کی شکل مین جنت مین اڑتی پھرتی

ہیئے[١]، اور خصوصاً شہداء کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندون کی شکل مین ہونگے، اور عرشِ الٰہی کی قندیلین اُن کا آشیانہ ہونگی، اسی طرح دوزخ وبہشت کے متعلق آنحضرت صلعم کا جو رویائے صادقہ پہلے گذرا ہے، اس مین جن جسمانی قالبون مین گنہگارون کی سزا و تکلیف کی صورتین دکھائی گئی ہین وہ تمامتر مثالی ہی ہین، ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہداء کے وہ مثالی قالب اور ان گنہگارون کے یہ مثالی اجسام اُن کے وہ قالب اور جسم نہین ہین جو اُن کی قبرون مین سڑگل کر فنا ہوگئے، یا وہ آگ مین جل کر خاکستر ہوئے اور ذرے ہوا مین اڑ کر منتشر ہوگئے، یا کسی جانور کے پیٹ مین جاکر اس کا جزء بدن بنگئے،

بعض حدیثون مین آنحضرت صلعم سے ان مٹی کی قبرون مین عذاب کے مشاہدات ومسموعات کا تذکرہ ہے، تو ظاہر ہے کہ مادی زبان ومنظر مین اُن قومون کے نزدیک جو مردون کو گاڑتی ہین یا اُس میت کی یادگار اس دنیا مین اُس کے اُس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، ایک صحیح حدیث مین اُس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر راکھ ہوا مین اڑا دیجائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر نہ کیا جاسکے، مگر قدرتِ الٰہی نے اُس کو مجسم کرکے کھڑا کردیا، اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتون سے نوازا[٢]،

**سوال وجواب** احادیثِ صحیحہ مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر مین دو فرشتے آتے ہین، اور وہ مردون سے توحید ورسالت کی نسبت سوال وجواب کرتے ہین،

اس کی تصدیق قرآنِ پاک کی ان آیتون سے بھی ہوتی ہے،

---

[١] سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، [٢] صحیح بخاری جلد دوم ص ٩٥٩ کتاب الرقاق باب الخوف من اللہ،

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، (نحل - ۴)

جنکو فرشتے دگنا ہون سے، پاک و صاف حالت
مین وفات دیتے ہین، کہتے ہین کہ تم پر سلامتی
ہو اپنے کامون کا بدلہ جنت مین چلے جاؤ،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ
قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ
قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ، (نساء - ۱۴)

بیشک فرشتون نے جن کی روحون کو اس
حالت مین قبض کیا کہ وہ اپنی جانون پر ظلم
کر رہے تھے، وہ اُن سے کہتے ہین، تم کس
بات مین تھے، وہ جواب دیتے ہین کہ ہم ملک
مین بے یار و مددگار تھے، وہ فرشتے کہتے ہین
کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی، کہ تم اپنا وطن

ایک اور آیت ہے،

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ
قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ،
قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
فِي النَّارِ ، (اعراف - ۴)

یہانتک کہ جب ان جھٹلانے والون کے پاس
ہمارے فرشتے انکی روحون کو قبض کرنے آئینگے
اور کہینگے کہان ہین وہ جنکو تم خدا کے علاوہ پکارتے
تھے (اسوقت وہ مشرک) کہینگے کہ ہمارے وہ دیوتا
ہمسے کنارہ کش ہو گئے، اور انھون نے اپنے اوپر آپ
گواہی دی کہ وہ کافر تھے، تب خدا فرمائیگا کہ تم
بھی اُن لوگون مین جا ملو جو جن و انس مین سے تمسے

پہلی آیت مین عدم ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانون کا اور دوسری مین کافرون کا حال بیان کیا ہے، کہ اُن سے اُن کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا، بہرحال یہ تو خاص خاص گنہ ہون کے مجرمون کا حال تھا، اب عام لوگون سے جو سوال ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث مین ہے، یعنی توحید و رسالت کی معرفت کا اُن سے سوال ہوگا،

قرآن پاک مین ایک جگہ کلمۂ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمۂ توحید) اور کلمۂ خبیثہ (بری بات یعنی کلمۂ کفر) کی ایک ایک مثال ہے، کلمۂ طیبہ کی مثال اُس درخت کی ہے، جس کی جڑین زمین مین مضبوط گڑی ہین، اس کی شاخین آسمانون تک پھیلی ہین، اور اُس مین سدابہار میوے لگے ہین، اور کلمۂ خبیثہ کی مثال اُس درخت کی ہے، جس کی جڑ زمین سے اکھڑی پڑی ہے، وہ اب گرا اور تب گرا، اسکے بعد قرآن مین ہے،

| | |
|---|---|
| يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ | اللہ ایمان والون کو پکی بات پر اس دنیا مین |
| الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ | مضبوط رکھیگا، اور آخرت مین بھی، اور اللہ |
| وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ، (ابراہیم-۴) | ظالمون کو بچلاتا ہے، |

اس کی تفسیر صحیح حدیثون مین یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جسطرح اپنی اس زندگی مین ایمان کی پکی بات پر قائم تھا، اسی طرح برزخ مین بھی اسپر قائم رہے گا، اور جو کافر و مشرک یہان اس پر قائم نہ تھا، وہ وہان بھی قائم نہ رہیگا، اور بہک جائیگا،

ہرچند کہ رسولِ پاک کی صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہین تاہم

تائیداً یہ عرض ہے کہ اس آیت میں اہلِ ایمان کے آخرت میں بھی "قولِ ثابت" پر ثابت قدم رکھے جانے کی بشارت ہے، ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تو کشفِ راز کا دن ہے، اُس دن تو کافر بھی اس قولِ ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہیں کرسکتا پھر یہ اہلِ ایمان کے لئے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی، اور نہ یہ اس اظہارِ احسان کا مناسب وقت ہوسکتا ہے، البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار، آخرت کے اُس حصہ میں موزون ہوسکتا ہے، جہاں ہنوز اسرارِ پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی، اور وہ برزخ کا عالم ہے،

اس آیتِ پاک کی اس تفسیر سے جو احادیثِ صحیحہ پر مبنی ہے، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعتِ مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے،

حقیقت میں اس عالمِ برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا، بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی، یا یوں کہو کہ آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا، یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی،

**برزخ میں ارواح کا مسکن**

آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواحِ انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآنِ پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے، سب سے پہلی آیت تو ان مذکورۂ بالا آیات کے بعد ہے، جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا اُن کی روحوں کو حکم دیگا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہوجائیں، اس کے بعد ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا | بیشک جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، |

| | |
|---|---|
| عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا | اور اُن کے ماننے سے غرور کیا، اُن کے لیے آسمان |
| يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ | کے دروازے نہ کھولے جائینگے، اور نہ وہ جنت |
| فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ | مین داخل ہونگے، تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے |
| (اعراف - ۵) | مین گھس جائے، (یعنی کبھی نہین) |

اس سے معلوم ہوا کہ آیاتِ الٰہی کے منکرون اور جھٹلانے والون کی روحین مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے حدود مین قدم نہ رکھ سکین گی، اور وہ فضاے زمین مین آوارہ پھرینگی، یا اپنے خاکی جسمون کے لگاؤ سے جہان وہ سپردِ خاک ہوئے ہون منڈلاتی رہینگی، اور وہین سے دوزخ کا منظر دیکھین گی، اور تکلیف اٹھائینگی،

اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے، کہ موت ہی کے وقت رحمت الٰہی کا فرشتہ، بلکہ خود زبانِ رحمت اُس کے کانون مین یہ صدا دیتی ہے،

| | |
|---|---|
| يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْۤ | اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس |
| اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِىْ | واپس چلی جا، تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور |
| فِىْ عِبَادِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ، | تو اپنے پروردگار سے خوش، تو میرے بندون |
| (فجر - ۱) | مین شامل اور میری بہشت مین داخل ہو جا، |

ان سے بڑھ کر وہ پاکباز روحین ہین، جنھون نے اپنے خاکی جسمون، فانی زندگیون، مادی خوشیون اور زوال پذیر عشرتون کو خدا کی راہ مین قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تمثالی جسم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دیجاتی ہے، فرمایا،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ-۱۹)

جو خدا کی راہ مین مارے جائین، اُن کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہین لیکن تم شعور نہین کر سکتے،

یہ پر مسرت زندگی کیسی ہوگی اُس کی تفصیل دوسری سورہ مین ہے،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (آل عمران-۱۷)

اور تو اُن کو جو خدا کی راہ مین مارے گئے مردہ نہ گمان کر، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہین ان کو روزی دیجاتی ہے، خدا نے اپنی مہربانی سے اُن کو جو دیا ہے، اُس پر خوش ہین اور جو ابھی اُن کے پیچھے سے اُن تک نہین پہنچے ہین، انکی طرف سے بھی خوش ہین کہ اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہونگے، وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہین، اور اللہ ایمان والون کی مزدوری ضائع نہین کرتا،

یہ پر مسرت زندگی شہدا کو ملے گی، اس زندگی کا مقام "خدا کے پاس" بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ مین ہے کہ ان زندہ شہیدون کی روحین قفسِ عنصری سے پرواز کرکے جب اڑتی ہین تو وہ سبز پرندون کی صورت مین جنت کی سیر کرتی ہین، اور عرشِ الٰہی کی قندیلین اُن کا نشیمن بنتی ہین اس کے بعد غالبًا اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیا علیہم السّلام کے روحانی مدارج و مراتب شہدا سے بہرحال اعلیٰ اور برتر ہین، اس لئے اُن کا مقام بھی اسی احاطۂ قدس کے اندر ہوگا، اسی لئے

آنحضرت صلعم نے سیرِ معراج اور اپنے رویاے صادقہ مین بعض پیغمبرون کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج مین دیکھا،

بعض وہ سعید روحین ہین جو یہان سے نکل کر فرشتون کی صف مین داخل ہوجاتی ہین جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ کے متعلق احادیثِ صحیحہ مین آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونون بازوؤن سے فرشتون کیساتھ عالمِ ملکوت مین اُڑ رہے تھے، عالمِ برزخ کے یہ دو اڑانے والے بازو درحقیقت اُن کے اُن دونون جسمانی بازوؤن کی مثال ہین، جو اس جنگ مین اُن کے جسم سے کٹکر گر گئے تھے اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے سے پکڑے تھے، عجب نہین کہ قرآنِ پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگون کی شان مین ہو،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ | بیشک جن لوگون نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار |
| اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ | اللہ ہے، پھر ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے |
| اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ | یہ خوشخبری لیکر اترتے ہین کہ خوف نہ کھاؤ، |
| الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ | غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو، |
| فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ | جس کا تم سے وعدہ کیا تھا، ہم دنیا کی زندگی |
| (حٰم السجدہ ۴-۲) | مین تمھارے رفیق ہین، اور آخرت مین، |

یہ آوازۂ بشارت اور فرشتون کی رفاقت، اسی برزخ کا دلکش سمان ہوسکتا ہے۔

# ۲- آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل

## قیامت اور جزائے اعمال،

موت تو افراد کا معاملہ ہے ایک مرتا ہے، اور دوسرا اُسکی جگہ پیدا ہوتا ہے، قومیں بھی باری باری اس بازیگاہ کے تختہ پر آتی ہیں، اور ایک قوم اپنا کھیل ختم کرکے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہے، یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے، اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی، وہ بعینہٖ قائم ہے، اور اس محفل کی جو رونق اوّل روز تھی، وہ اب تک اسی طرح باقی ہے، غرض

ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی است

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئیگا جب یہ ساری بساطِ ہستی الٹ جائے گی، کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہو جائے گی، اور آسمان و زمین کے کرے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے، اور پھر وہ خلاقِ عالم اپنی صفتِ خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر ایک اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہوگا،

دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھکر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں، کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ افراد آتے اور فنا ہوتے ہیں، اسی طرح ایک دن آئیگا، جب اس پوری دنیائے حیات پر موت طاری ہوگی، سب سے زیادہ اس سوال کے جواب میں کرید بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققوں (سائنٹسٹ) کو ہو سکتا ہے، مگر

اہلِ فلسفہ کا بڑا گروہ اس امکان پر یقین رکھتا ہے، اور اہلِ سائنس بھی اس کو بہر حال محال نہین سمجھتے بلکہ طبعیات و ہیئت جدیدہ کے مختلف محققون کے خیالات اس باب مین امکان سے آگے بڑھکر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہین، وہ اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور سے پیشین گوئیان کرتے رہتے ہین اور اس عالمگیر موت کے مختلف اسباب ظاہر کرتے ہین، کوئی کہتا ہے کہ نظامِ عالم کی پوری گاڑی جس انجن سے چل رہی ہے وہ گرم آفتاب ہے جس کی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آئیگا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائیگا، اور ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظامِ کائنات جذب وکشش کے ستون پر قائم ہے، اور فضائے ہستی کے یہ تمام سیارے روز بروز کھنچتے چلے آتے ہین، تو ایک دن وہ بھی آئے گا جب باہمی توازن باقی نہین رہیگا، اس وقت تمام کرے ایک دوسرے سے قریب ہو کر ٹکرا جائین گے اور یہ تصادم اُن کو چور چور کر دیگا،

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا مین کروڑون ستارے تیر رہے ہین، اُن مین سے بہت کم کا علم ہم کو ہوا ہے، بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ مین ہماری زمین کسی نئے سیارہ سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے، اور اُس کی ساری آبادی ہباءً منثورا ہو کر رہجائے،

بہر حال اسبابِ طبعی کچھ ہون، مگر ایسا ہونا اہلِ سائنس کے نزدیک بھی امکان، بلکہ وقوع کی امید سے خالی نہین،

اہلِ مذاہب مین یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا مجمل تذکرہ تمام آسمانی کتابون مین ہے، توراۃ مین اس کے اشارے پائے جاتے ہین، زبور مین اس کی تصریحات

ہین۔ اور اُس مین اُس کو "عدالت کا دن" کہا گیا ہے[1]، حضرت مسیح علیہ السّلام کے زمانہ مین یہود کے دو فرقے تھے، ایک صدوقی جو یونانیون کے اثر سے آزاد خیال ہوگیا تھا اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا بدستور اپنے پرانے عقیدے پر[2] قائم تھا، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین بھی جو یہود تھے، وہ قیامت، حشر و نشر اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، اُن کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئیگی تو اللہ تعالیٰ ایک اُنگلی پر آسمانون کو، دوسری پر زمینون کو، تیسری پر درختون کو، چوتھی پر پانی کو اور اندر کی نم مٹی کو، اور پانچوین پر تمام مخلوقات کو رکھے گا، اور ندا دیگا کہ "مین ہون بادشاہ"[3] انجیل مین یہ عقیدہ پوری تصریح کے ساتھ مذکور ہے، حضرت عیسیٰ[4] نے صدوقیون کے مقابلہ مین تورات کی ایک آیت سے حیاتِ اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے[4]، اور مکاشفاتِ یوحنا مین قیامت کے احوال و اہوال کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے، ہندو پرلے کے نام سے اس عقیدہ (فناے عالم) پر یقین رکھتے ہین، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی،

قیامت کے نام | کسی شے کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی، اُس کے نامون کی تشریح سے ہوتی ہے، قرآن پاک مین قیامت کو بیسیون نامون سے یاد کیا گیا ہے، اور ان مین سے ہر ایک نام اُس کے ایک خاص پہلو کو نمایان اور ظاہر کرتا ہے، قرآن مین اسکا سب سے پہلا نام جو سب سے پہلی سورہ مین ہے، وہ یوم الدین ہے، یعنی **جزا کا دن**، جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے چند نام قرآن مین جابجا آئے ہین،

السَّاعَۃ، وہ گھڑی، (وہ مقرر وقت)

---

[1] زبور ۹، ۱۶، ۱۷، ۱۰، ۲۲، ۱۱، ۲ و باب ۴۹ و ۵۰ [2] انجیل مرقس ۱۲، ۲۴، ۲۶ و اعمال ۲۳ [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ زمر [4] متی ۲۲، ۳۱، ۳۲ لوقا ۲۰-۲۷ مرقس ۱۲-۱۸

| | |
|---|---|
| يَوْمُ الْقِيَامَة، | کھڑے ہونے کا دن (مردون کے کھڑے ہونے کا دن) |
| اَلْيَوْمُ الْحَقُّ، | سچا دن (نہ جس کے آنے مین کوئی شک ہے، اور نہ جسکے فیصلہ مین کوئی غلطی ہوگی) |
| يَوْمٌ مَعْلُوْمٌ، | جانا ہوا دن، یا مقررہ دن، |
| اَلْوَقْتُ الْمَعْلُوْمُ، | جانا ہوا وقت، یا مقررہ وقت، |
| اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ، | موعودہ دن، |
| اَلْيَوْمُ الْاٰخِرُ، | پچھلا دن، |
| يَوْمُ الْاٰزِفَةِ، | قریب آنے والی مصیبت کا دن، |
| يَوْمٌ عَسِيْرٌ، | ایک سخت دن، |
| يَوْمٌ عَظِيْمٌ- | ایک بڑا دن، |
| يَوْمٌ عَصِيْبٌ، | سخت دن، |
| يَوْمُ الْبَعْثِ، | جی اٹھنے کا دن، |
| يَوْمُ التَّغَابُنِ، | افسوس کا دن، |
| يَوْمُ التَّلَاقِ، | باہم ملنے کا دن، |
| يَوْمُ التَّنَادِ، | پکار کا دن، |
| يَوْمُ الْجَمْعِ، | اکٹھے ہونے کا دن، |
| يَوْمُ الْحِسَابِ، | حساب کا دن، |

| | |
|---|---|
| يَوْمُ الْحَسْرَةِ، | حسرت کا دن، |
| يَوْمُ الْخُرُوْجِ، | قبرون سے نکلنے کا دن، |
| يَوْمُ الْفَصْلِ، | فیصلہ کا دن، |
| اَلْقَارِعَةُ، | کھڑکھڑانے والی، |
| اَلْغَاشِيَةُ، | چھا جانے والی، |
| اَلطَّامَّةُ الْكُبْرٰى، | بڑی مصیبت، |
| اَلنَّبَأُ الْعَظِيْمُ، | بڑی خبر، |
| اَلْحَاقَّةُ، | ضرور آنے والی گھڑی، |
| اَلْوَعْدُ، | وعدہ، |
| اَلْوَاقِعَةُ، | وقوع پذیر، |
| اَمْرُ اللّٰهِ، | خدا کی بات، |
| اَلصَّاخَّةُ | بہرا کرنے والی گھڑی، |

**قیامت کے اوصاف** یہ تو وہ نام ہین جو اسم مفرد یا اضافت، یا صفت کی صورت مین ہین، اُن کے علاوہ فقرون اور جملون کی ترکیبون کے ساتھ اس کے بکثرت نام قرآن مین آئے ہین، مثلاً،

| | |
|---|---|
| يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (انعام و نحل وطٰہ) | جس دن نرسنگھا پھونکا جائے، |
| يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۱۶) | جسدن سچون کو انکی سچائی کام دے گی، |
| يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (شعراء ۵) | جس دن نہ مال کام آئیگا نہ اولاد، |

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ، (فرقان ۳) — جس دن گنہگار اپنے دونون ہاتھ چبائیگا،

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ، (فرقان ۳) — جس دن آسمان پھٹے گا،

٦ وَيَوْمَ يَقُومُ الْاَشْهَادُ (مومن ۶) — جس دن گواہ کھڑے ہونگے،

٧ يَوْمٌ لَّا رَيْبَ فِيْهِ، (اٰل عمران ۱-۳) — جس دن مین کوئی شک نہین،

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا، (نمل ۶) — جسدن ہم ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کرینگے

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (مطففین ۱) — جسدن لوگ جہان کے پروردگار کیلئے کھڑے ہونگے

١٠ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ، (قمر ۱) — (جسدن) لوگ قبرون سے نکلینگے،

١١ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَ — جسدن آدمی اپنے بھائی اور مان اور باپ اور

اَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ، (عبس ۱) — بیوی اور بیٹون سے بھاگے گا

١٢ يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا، (بقرہ ۶-۱۵) — جسدن کوئی کسی دوسرے کا بدلہ نہ ہوسکیگا

١٣ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ، (نور ۳) — جسدن انکی زبانین اُنکے خلاف گواہی دینگی،

١٤ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا، (انفطار ۱) — جسدن کوئی کسی دوسرے کیلئے کچھ نہ کرسکیگا،

١٥ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا (دخان ۲) — جسدن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکیگا،

الغرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف اس ہولناک دن کے بیان کئے گئے ہین جنسے اس عظیم الشان دن مین انسان کی بیکسی، عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی مایوسی ظاہر کیگئی ہے،

**قیامت مین فساد نظام ہوگا** | قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ وہ مادہ کے فناے محض یا عدم محض کا نام ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآنِ پاک کی بیسیون آیتون مین قیامت کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، وہ تمامتر فناے حیات اور آسمان وزمین کے نظام کی برہمی اور اُن کی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہین ہی، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائیگا،

| | |
|---|---|
| اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ، وَمَآ اَدْرٰىكَ | متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی |
| مَا الْقَارِعَةُ، يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ | اور تم کو کس نے بتایا کہ کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی |
| كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ | یہ وہ دن ہے جب لوگ پریشان پروانون |
| كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ، (قارعہ - ۱) | کی طرح اور پہاڑ روئی کے گالون کیطرح ہو جائینگے |
| اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، | جب زمین خوب ہلائی جائے گی، اور وہ |
| وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ | اپنا بوجھ نکالے گی، اور انسان کہیگا زمین |
| الْاِنْسَانُ مَا لَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ | کو کیا ہوا، اس دن وہ اپنی حالت بیان |
| اَخْبَارَهَا، (زلزال - ۱) | کرے گی، |
| اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، وَاَذِنَتْ | جب آسمان پھٹ جائین گے، اور وہ اپنے |
| لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ، وَاِذَا الْاَرْضُ | مالک کی فرمانبرداری کرینگے، اور وہ فرمانبرداری |
| مُدَّتْ، وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ | کے لائق ہین جب زمین پھیلائی جائیگی اور |
| (انشقاق - ۱) | جو کچھ اسمین ہے اسکو ڈالدیگی اور خالی ہوجائیگی |
| اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ | جب آسمان پھٹ جائینگے اور جب ستارے |

انْتَثَرَتْ، وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ، وَ
اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ، عَلِمَتْ
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ،
(انفطار - ۱)

بکھر جائیں گے اور جب سمندر چلائے جائینگے،
اور جب قبر کے لوگ زندہ کئے جائیں گے،
اُس وقت روح نے جو کچھ پہلے اور پیچھے بھیجا
ہے، اُس کو جان لیگی،

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَاِذَا النُّجُوْمُ
انْكَدَرَتْ، وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ، (تکویر - ۱)

جب آفتاب اندھیرا کیا جائیگا، جب ستارے
تاریک ہو جائیں گے، جب پہاڑ چلائے جائینگے،

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ، فَاِذَا النُّجُوْمُ
طُمِسَتْ، وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ،
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ،
(مرسلات - ۱)

جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً
ہونے والا ہے، جب ستارے ماند کر دیئے
جائینگے، جب آسمان کھول دیا جائے گا، جب
پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے،

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ،
(قیامہ - ۱)

جب نگاہ ماند ہو جائیگی، جب ماہتاب
بے نور ہو جائیگا، اور آفتاب و ماہتاب اکٹھا
کر دیئے جائیں گے،

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، (معارج - ۱)

جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کیطرح اور
جب پہاڑ روئی کے گالوں کے مانند ہو جائینگے

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ
وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا

جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائیگی، جب
زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں

| | |
|---|---|
| دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ | ٹکڑے ہو جائیں گے، اس دن ہونے والی بات |
| الْوَاقِعَةُ. وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ | ہو جائیگی، اور آسمان پھٹ جائیگا، اور اس |
| يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ، (الحاقہ ۱) | دن کمزور ہو جائیگا، |
| يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ | جب زمین اور پہاڑ دن میں لرزہ ہوگا اور |
| وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا... | پہاڑ گھر ہوا تا با ہو جائیں گے... |
| ...فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ | ... کیونکر متقی ہو سکتے ہو جب اس دن |
| يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا | کا انکار کرتے ہو جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا |
| اِۨلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ، كَانَ وَعْدُهٗ | آسمان اُس دن پھٹ جائے گا، اور خدا کا |
| مَفْعُوْلًا، (مزمل ۱) | وعدہ پورا ہو جائیگا، |
| يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ | جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل |
| الْاَرْضِ، (ابراہیم ۷) | دی جائے گی، |
| فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ | جب آسمان پھٹ جائیں گے، اور سرخ تلچھٹ |
| وَرْدَةً كَالدِّهَانِ، (رحمن ۲) | کی طرح ہو جائیں گے، |
| اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ | جب ہونے والی بات ہو جائیگی جس کے |
| لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ، خَافِضَةٌ | ہونے میں جھوٹ نہیں ہے زیر و زبر کرنے والی |
| رَّافِعَةٌ، اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ | جب زمین خوب ہلائی جائے گی، اور پہاڑ |
| رَجًّا، وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ | پراگندہ کیے جائیں گے، اس وقت وہ پریشان |

| | |
|---|---|
| هَبَاءً مُّنۡبَثًّا ، (واقعہ - ۱) | ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔ |
| وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا | اور آسمان کھولدیے جائیں گے تو وہ دروازے |
| وَسُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ، | دروازے ہو جائینگے اور پہاڑ چلائے جائینگے |
| (نبا - ۱) | تو وہ سراب ہو جائیں گے ، |

غرض اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درہمی اور دنیا کی حیاتِ موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنیگا اور پچھلی دنیا کے اعمال کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا۔

| | |
|---|---|
| يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ | جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل |
| وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ | دیجائیگی اور آسمان بھی بدل جائینگے اور سب |
| الۡقَهَّارِ ، | لوگ اس ایک سب پر قابو رکھنے والے |
| (ابراہیم - ۷) | خدا کے سامنے نکل کر آئیں گے ، |

**قیامت کی حقیقت** اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات کا ذکر گوناگون طریقوں سے کیا گیا ہے، تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے جس میں نہایت اختصار و ایجاز کے باوجود انتہائی بلیغانہ وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مطالب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت، اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

| | |
|---|---|
| لَاۤ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ، وَلَاۤ | میں قیامت کے دن کی، اور ملامت کرنے والے |

اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ، اَيَحْسَبُ
الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ
بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ
بَنَانَهٗ، بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ
لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ، يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ
الْقِيٰمَةِ، فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ
خَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ
الْمَفَرُّ، كَلَّا لَا وَزَرَ، اِلٰى رَبِّكَ
يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ، يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ
يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ، بَلِ
الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ،
وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ،

(قیامہ ۱۔۰۰)

نفس کی قسم کھاتا ہوں، کیا (انسان) سمجھتا ہے
کہ ہم (اُسکے مرنے کے بعد) اسکی ہڈیوں کو اکٹھا
نہیں کر سکتے، کیوں نہیں، ہم تو اُس کے پوروں
کو درست کر سکتے ہیں، یہ نہیں بلکہ اصلی بات
یہ ہے کہ انسان چاہتا یہ ہو کہ خدا کے سامنے
ڈھٹائی کرے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن
کب ہو؟ تو جب نگاہ چوندھیانے لگے، اور
چاند بے نور ہو جائے، اور سورج اور چاند
ایک جگہ کر دیئے جائیں، انسان اس دن
کہیگا، اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ، ہرگز
نہیں، کہیں بچاؤ نہیں، اُس دن تیرے
رب کے پاس ہو جا ٹھہرنا، اس دن انسان
کو جو اُسنے آگے بھیجا (عمل) اور جو پیچھے چھوڑا
(مال و دولت)، وہ بتایا جائیگا، بلکہ انسان
اپنے حال کو آپ دیکھتا ہے، اگرچہ وہ زبان
سے بہانے تراشا کرے،

ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روز قیامت، اور نفسِ لوامہ کی یکے بعد دیگرے قسم کھائی ہے، نفسِ لوامہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے، جو

اس کے ہر برے کام کے وقت اندر سے غمگین و نادم ہوتا ہے، اور اس کو اس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت میں اسی کیفیت ضمیر کو ان لفظوں میں ادا فرمایا، بلکہ انسان اپنے حال کو آپ ہی خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں اور کوتاہیوں کے لئے سیکڑوں بہانے تراشا کرے۔ انسان کی اسی قلبی کیفیت کا نام نفسِ لوامہ ہے،

۱۔ اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی مناسبت ہے، جس طرح شخص پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، گنہگار ہوتا ہے، نکوکار ہوتا ہے، پشیمان ہوتا ہے، محنت کرتا ہے، نکونام ہوتا ہے، بدنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ قوت حاصل کرتا ہے، اور انکی مخالفت سے وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے، پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اس کے قوائے عمل سرد پڑتے جاتے ہیں اور وہ مرجاتا ہے، بعینہ یہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں بڑھتی ہیں، تندرست ہوتی ہیں، کمزور ہوجاتی ہیں، گناہگار ہوتی ہیں، نکوکار بنتی ہیں، اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچکر اُن کے عملی قویٰ کمزور و مضمحل ہوجاتے ہیں، اور وہ فنا ہوجاتی ہیں،

دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قومیں پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں، جن کے نام بھی تاریخ کے صفحوں پر آج موجود نہیں ہیں، تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں، اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہیں، کیا اسی اصول پر تمام اقوامِ عالم کا یہ مجموعہ جو پیدا ہوتا، بڑھتا، اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے، کیا ایک دن فنائے محض کے آغوش میں جاکر نہ سو جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر عاد وثمود وآل فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے قیامت

کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے، اس کی مزید تفصیل آگے آئیگی۔

بہرحال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفسِ لوامہ، یا ضمیر یا احساس ہے، جو اُس کے ہر برے فعل کے وقت اُس کو ملامت کرتا، اور اُس کو گنہگار ٹھہراتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارنامون پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو قصوروار جانتا اور گنہگار سمجھتا ہے، اسی طرح قومون کا ضمیر بھی اپنے گناہون پر پچھتاتا، اور اپنی تقصیرون پر نادم، اور کوتاہیون پر شرمندہ ہوتا ہے، اور ٹھیک اسی طرح یہ پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارنامون پر نادم و پشیمان ہوگی، اور اس کا ضمیر و نفسِ لوامہ بھی اس کو ملامت کریگا، کائناتِ انسانی سے بڑھ کر خود کائناتِ ہستی بھی اُس پر جو اُس کے اندر کیا گیا، اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی، اسی عمومی اعترافِ قصور اور کلی ندامت و پشیمانی کا نام قیامت ہے، اور اسی مناسبت سے سورۂ بالا مین نفسِ لوامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم یعنی شہادت مین یکجا کیا گیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی مین سورۂ مذکور کی آیتون کو دوبارہ پڑھئے[۱]،

۲- اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر و قویٰ کا مجموعہ ہے، اُس مین سردی و گرمی، بیماری و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر ہر قسم کی متضاد قوتین ودیعت رکھی گئی ہین، ان متضاد قوتون مین جبتک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ چیز زندہ رہتی ہے، اور جسوقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہے، ایک درخت مین ایک پھول کھلا، سردی و گرمی اور موسم کی تاثیر نے اُس پر عمل کیا، جب تک ان متضاد تاثیرات و استعدادات مین اعتدال

---

۱ مستفاد از تفسیر سورۂ قیامت مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن کسی ایک قوت نے شکست پائی، پھول کی ہستی معرض فنا مین آگئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتین، قومین، بلکہ حیوانات شجر، حجر، غرض دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے،

پوری کائناتِ ہستی کو لیجئے، اُس کو خلاقِ عالم نے انہی متضاد عناصر و اخلاط پر قائم فرمایا، دن، رات، روشنی، تاریکی، سردی، گرمی، پانی، آگ، بہار، خزان، تندرستی بیماری، دولت افلاس، حیات، موت، آسمان، زمین، نیکی، بدی، خیر، شر، غرض جس کو بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ اربع عناصر کی چہار دیواری، متضاد قویٰ اور حالات کی بنیادون پر قائم ہے، ان مین جبتک اعتدال قائم ہے، اس دنیا کی کل چل رہی ہے، جس دن ان کے اعتدال مین فرق آیا وہی اسکی فنا کا دن ہوگا،

لیکن جس طرح افراد و اشخاص مین بیماری کے بعد تندرستی، اور تندرستی کے بعد بیماری کی صلاحیت موجود ہے، اسی طرح اس نظامِ کائنات مین بھی تندرستی کے بعد بیماری، اور بیماری کے بعد تندرستی کی صلاحیتین پائی جاتی ہین، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے، کہ دنیا ظلم و جور سے لبریز ہوگئی اور کشت و خون کے سیلاب نے اُس کے امن و امان کو غرق کر دیا، کہ دفعۃً وہ پھر ابھری، اور اس کا غرق شدہ امن و امان کشتیِ نوح بنکر کرہ ارضی کو بچالے گیا، بارہا اس باغِ ہستی مین خزان آئی، اور پھر بہار کا موسم اُس پر چھاگیا، اجرامِ سماوی کی باہمی مسابقت مین ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرا جانے کے قریب پہنچی، اور پھر بال بال بچگئی، یہ کرے اپنی رفتار مین بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھر سنبھل گئے، مگر فساد و صلاح کا یہ نظام اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان متضاد قویٰ اور کائنات کے استعدادات مین اعتدال قائم ہے، جس دن اعتدال فنا ہوگا نظامِ ارضی کا یہ پورا کارخانہ بھی درہم برہم

ہو جائیگا، اُس وقت زمین اپنی عمر کی پوری تاریخ اور کارناموں کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے کھڑی ہوگی، اور اپنے اوپر کی ہر کوتاہی وقصور کی شہادت اپنی زبان سے دیگی،

| | |
|---|---|
| إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، | جب وقت پوری زمین ہلائی جائیگی، اور جب |
| وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، وَقَالَ | اپنے اندر کے بوجھون کو اگل دیگی، اور انسان |
| الْإِنْسَانُ مَا لَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ | کہیگا کہ اس کو کیا ہوگیا ہے، اس دن وہ اپنی |
| أَخْبَارَهَا، بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا، | باتین بیان کریگی کہ اُس کے پروردگار نے اسکو |
| يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا | حکم دیا ہے، اس دن لوگ لوٹینگے کہ اپنے |
| لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ، فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ | عمل دیکھین تو جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہے |
| ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ | وہ اسکو دیکھ لیگا، اور جس نے ذرہ برابر بدی |
| ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، (زلزال - ۱) | کی ہے وہ بھی اس کو دیکھ لیگا، |

**صورِ قیامت** قرآن مین قیامت کے ذکر مین صور پھونکنے کا باربار ذکر ہے، فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ پھر جب صور پھونکا جائے گا، صور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہین، اصل یہ ہے کہ قدیم الایام مین بابلیون، کنعانیون، آرامیون، اور عبرانیون وغیرہ تمام پرانی قومون مین بادشاہی جلال وجلوس اور اعلانِ جنگ کے موقعون پر نرسنگھا پھونکا جاتا تھا، اس لئے نرسنگھا پھونکنے کے معنی، شاہی جلال کا اظہار یا غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے، چنانچہ توراۃ مین یہ محاورہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے، قرآن مین ہے کہ اُس دن ندا ہوگی لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دیگا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، اس ایک سب پر غالب آنے والے کی، غرض وہ دن آسمان وزمین اور نظمِ کائنات کے شہنشاہِ مطلق

کے اظہار جلال اور شدید خطرہ حساب کے اعلان کا ہوگا، اس لئے نفخ صور اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ اوس کے لئے استعمال کیا گیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعۃً اُس دن اپنی شہنشاہی کا نرسنگھا پھونکنے کا حکم دے اور اسکی تعمیل ہو، جیساکہ صور کے لفظی معنی دلالت کرتے ہیں،

**عربوں کا انکار** اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ قیامت اپنے اندر کتنی عظیم الشان حقیقت رکھتی ہے لیکن اہل عرب کو توحید کے بعد جس عقیدہ سے شدت کیساتھ انکار تھا جس کے ماننے پر وہ کسی طرح آمادہ نہین ہوتے تھے، اور جو ان کی عقل مین کسی طرح نہین سماتا تھا، وہ یہی قیامت اور حشر و نشر کا مسئلہ ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت، خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پرسش اور سزا و جزا سے قطعاً لاعلم تھے، اسی لئے اُن کو اعمال کے خیر و شر اور نیکی و بدی مین وہ تمیز نہ تھی، جسپر اخلاق و معاملات کا تمامتر دار و مدار ہے، عرب کا شاعر آنحضرت صلعم کی اس تعلیم کو سنکر تعجب سے کہتا ہے،

اموت ثم بعث ثم حشر — حدیث خرافۃ یا ام عمرو

کیا موت ہو، پھر جی اٹھنا ہو، پھر اکٹھا ہونا ہو — اے ام عمرو! (شاعر کی بیوی کا نام) یہ سب خرافات باتین ہین

قریش کا ایک اور شاعر[1] کہتا ہے،

یُحَدِّثُنَا النَّبِیُّ بِاَنْ سَنَحْیٰ — وَکَیْفَ حَیَاۃُ اَصْدَاءٍ وَھَامٍ

یہ نبی ہم سے کہتا ہو کہ ہم پھر زندہ کئے جائینگے — حالانکہ صدیٰ اور ہام ہوکر پھر زندگی کیسی؟

(اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان مرکر پرندہ ہو جاتا ہے، اور آواز دیتا پھرتا ہے، اسی کا نام اُن کے ہان صدیٰ اور اوہام تھا)

[1] صحیح بخاری جلد اول باب الہجرۃ ص۵۵۵

قرآن مجید مین بھی اُن کے یہ اقوال بکثرت نقل کئے گئے ہین، مثلاً

| | |
|---|---|
| ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ، (ق-۱) | کیا جب ہم مرجائین گے اور مٹی ہوجائین گے. یہ لوٹنا بہت دور ہے، |
| ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ. ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً، (نزعت-۱) | کیا ہم دوبارہ الٹے پاؤن لوٹائے جائینگے کیا جب ہم سڑی ہوئی ہڈی ہوجائین گے، |
| ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا، (اسرائیل ۵و ۱۰) | کیا جب ہم ہڈی اور چورا ہوجائین گے تو ہم نئے بناکر پھر اٹھائے جانے والے ہین، |
| مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰس-۵) | ان سڑی گلی ہڈیون کو کون جلائیگا، |

ان مین بعضون کا عقیدہ دہریون کی طرح تھا کہ یہ دنیا اسی طرح قائم رہیگی، موت وحیات کا بھی سلسلہ اسی طرح برابر جاری رہیگا، اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہین ہے،

| | |
|---|---|
| وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ. (جاثیہ-۳) | انھون نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، دوسری نہین، مرتے ہین اور جیتے ہین اور زمانہ ہی ہم کو مارتا ہے، |
| وَقَالُوْا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ، (انعام-۳) | اور انھون نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، ہم دوبارہ نہین اٹھائے جائین گے، |

اُنھین اپنے اعمال کے حساب ومواخذہ کا بھی یقین نہ تھا.

اِنَّھُمْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا، (نباء-۱) وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے،

خبابؓ بن الارت نہایت قدیم مسلمانوں میں ہیں، یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، اُن کے کچھ دام قریش کے ایک رئیس عاص بن وائل پر واجب الادا تھے وہ جب جاکر تقاضا کرتے تو عاص کہتا جب تک تم محمدؐ کا انکار نہ کروگے میں تم کو کچھ نہ دونگا انھوں نے کہا "یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک تم مرکر پھر جیو نہیں" اس نے کہا "کیا مرکر مجھے پھر جینا بھی ہے"؟ انھوں نے کہا بیشک اس نے مذاق سے کہا "تو اچھا پھر وہیں میرا مال و دولت اور سروسامان ہوگا، وہیں تم دام بھی لے لینا[1]

اس سے اندازہ ہوگا کہ اس بارہ میں اہل عرب کا کفر کتنا شدید تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے انکے سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ زور کیساتھ پیش کیا وہ یہی تھا، قرآن مجید کی مکی سورتوں میں سب سے زیادہ اسی مضمون کو مختلف تعبیروں، اور موثر طریقوں سے روزمرہ کے عینی مشاہدات، اور دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اُنہیں ہیبتِ الٰہی، ہنگامۂ قیامت اور حشر و نشر کے رستخیز کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ سننے والا سراپا اثر ہو جائے، انسان کے عجز، عقل کے قصور، خدا کی عظمت و قدرت، اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے، کہ سامع سر بقدم پر لرزہ براندام ہو جاتا ہے، پھر ایک طرف حیات ابدی، نعیم جنت، اور بہشت کی مسرتوں کا اور دوسری طرف موت کی بےبسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی دہشت، اور عذاب الٰہی کی تہدید کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا ہے کہ نفسِ انسانی اپنے تاثر کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا،

وحیِ الٰہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات و مناظر کو سب سے پہلے جن اسباب سے

---

[1] صحیح بخاری تفسیر کہیعص صفحہ ۶۹۱۔

پیش کیا ہے اُن سے اہلِ نظر صحابہ ناواقف نہ تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین "پہلے ایک بڑی سورت نازل ہوئی جس مین جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہانتک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو، بدکاری نہ کرو، تو لوگ نہ مانتے، یہ آیت کہ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (بلکہ اُن کے وعدہ کا وقت قیامت کی گھڑی ہے، اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی) مکہ معظمہ مین اتری اور مین اُسوقت کمسن بچی تھی، کھیلتی تھی، بقرہ اور نساء کی سورتین (جنمین احکام ہین) اُس وقت اترین جب مین آنحضرت صلعم کے ساتھ رہنے لگی تھی"[1]۔

اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیمِ محمدیؐ نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول واساس مین کیون داخل کیا ہے، اگر یہ تعلیم عقائد مین شامل نہ ہوتی، تو دلون مین اعمال کی جزا و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ بیٹھتی، اور نہ احکامِ الٰہی کی تعمیل کی طرف دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا، بلکہ یہودیون کی طرح جن کے صحیفون مین زیادہ تر دنیاوی ہی جزا و سزا کا ذکر باقی رہگیا ہے، دوسرے اہلِ ایمان کے دل بھی سخت اور تاثر سے خالی ہوجاتے، چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن مجید نے بیان کیا ہے،

| | |
|---|---|
| فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ | توجو لوگ آخرت کا یقین نہین کرتے اُن کے |
| قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ، (نحل-۳) | دل نہین مانتے اور وہ غرور مین مبتلا ہین |

اسی لیے مسلمانون کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت مین سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرین، جسکا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ "روز جزا کا مالک" اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اس کے پیروون

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۸، باب تالیف القرآن،

کے دلون مین پوری طرح گھر کرلے،

**قیامت پر قرآنی دلائل** قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلون سے قطع نظر کرکے عموماً دو باتون سے استدلال کیا ہے، **اول** یہ کہ انسان بے کار اور بے مقصد نہین پیدا کیا گیا، اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور نیکی و بدی کا فطری امتیاز لغو، اور انسانی زندگی تمامتر بے مقصد، اور اس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائین،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ، (مومنون-۶)

(اے لوگو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمنے تم کو بیکار پیدا کیا، اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤگے،

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قیامہ-۲)

کیا انسان یہ سمجھتا ہو کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا

**دوسری** بات جو اس روزِ جزا کی ضرورت کے ثبوت مین، قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے، اگر اچھے اور برے انسانون کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو، تو دونون کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہین، بلکہ نعوذ باللہ خدا ظالم اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادّی دنیا مین بھی انسانون کو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے، تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار، سیہ کار اور ظالم یہان آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہین، اور بہت سے نیکوکار، پرہیزگار اور اچھے لوگ مصیبتین اور تکلیفین جھیلتے ہین، اس لئے یقیناً یہ موجودہ زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہین ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے، جہان ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ مل سکے، اس موجودہ دنیا مین دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھون اور برون کو اُن کے اعمال کی جزا و سزا دیتے رہتے ہین، پھر کتنا ضروری

ہے کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و سزا دیکر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورۂ والتین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے،

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ، فَمَا يُكَذِّبُكَ
بَعْدُ بِالدِّينِ، أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ
الْحٰكِمِينَ،
(والتین-۱)

لیکن جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے
اُن کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، پھر اُسکے بعد
تجھکو کیا چیز جزا پر یقین لانے نہیں دیتی کیا خدا
تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں (تمام فیصلہ
کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں)

اسی لئے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، کہ نیک و بد کا نتیجۂ عمل یکساں نہیں ہو سکتا، ایک جگہ خدا فرماتا ہے،

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ
أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص-۳)

کیا اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی
طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں
کو بدکاروں کی طرح کر دیں،

دوسری جگہ ارشاد ہوا،

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ
أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ، (جاثیہ-۲)

کیا انھوں نے جنھوں نے گناہ کمائے یہ خیال
کیا ہے کہ ہم انکو انکی طرح کر دینگے جو ایمان لائے
اور نیک کام کئے، ان دونوں کی زندگی اور
موت برابر ہوگی؟ ان کا یہ خیال برا ہے،

لوگون کو روز جزا اور قیامت پر یقین کرنے سے جو وہم مانع تھا وہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد پھر کوئی جیتا نہین، تو قیامت کے دن کیونکر جلائے جائین گے، یہ حقیقت مین استبعادی شبہہ ہے یعنی چونکہ مرکر دوبارہ جینا اب تک انسان کے تجربہ مین نہین آیا اس لئے اس کو دوبارہ زندگی کا خیال مستبعد معلوم ہوتا ہے، ورنہ اس کے انہونی اور محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہین ہے، وحی محمدی نے اس گتھی کو اس طرح سلجھایا کہ کفار کے اس استبعاد کے وہم کو حسب ذیل مختلف طریقون سے دور کردیا،

۱۔ مرکر جینے کی بعض تاریخی مثالین پیش کین جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت عزیرؑ، اور اصحاب کہف کے قصون مین مذکور ہین اور ان سے استدلال کیا کہ جب چند آدمی یا پرند مرکر جی سکتے ہین تو پوری دنیا بھی مرکر جی سکتی ہے،

۲۔ جس طرح زمین گرمیون مین خشک اور بے حیات ہوجاتی ہے، اور پھر دفعتہً بارش کے ایک چھینٹے سے اس مین زندگی پیدا ہوجاتی ہے، سبزہ نکل آتا ہے، کھیتیان لہلہا اٹھتی ہین، اسی طرح قدرت الٰہی کی ایک بارش زمین سے انسانی دفینون کو اگلوا دیگی وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا، (اور زمین اپنے اندر کے بوجھون کو باہر نکال دیگی) اور دوبارہ نئی زندگی پیدا کردیگی،

۳۔ دوبارہ زندگی پر تعجب اور استبعاد اس لئے ہے، کہ خدا کے دائرۂ قدرت کی پوری وسعت ہماری سمجھ مین نہین آئی جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیان، سبزہ اور درخت اگائے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا، کیا وہ انکی فنا کے بعد دوبارہ انکی ایجاد پر قادر نہین ؟

۴۔ حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست و معدوم تھا، خدا نے اُس کو ہست و موجود کیا، پھر رفتہ رفتہ اُس کو معدوم کردیا، تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانہ کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اُس کو پیدا نہین کرسکتا، جس نے نقشِ اوّل بنایا، کیا نقشِ ثانی کھینچنے پر اُس کو قدرت نہین؟؟

۵۔ دنیا مین باری باری بہت سی قومین وجود مین آئین، اور قوانینِ الٰہی کے مطابق انھون نے جسمانی زور و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت، اور سیاسی قوت حاصل کی، بڑی بڑی عمارتین بنائین، عظیم الشان تمدن کی بنیاد ڈالی، قومون کو اپنا محکوم بناکر حکومت و سلطنت قائم کی، پھر جب انھون نے غرور و نخوت، ظلم و ستم اور دوسرے قوانینِ الٰہی کی جو قومون کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لئے ضروری ہین، مخالفت کی تو وہ فنا کردی گئین، اور اُن کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، عربون سے سوال کیا کہ تمھارے عاد و ثمود جو کبھی بنو سام کے ممالک عراق و شام و مصر و عرب پر چھائے ہوئے تھے کیا ہوئے؟ سبا اور تبع کی عظیم الشان حکومتین کیا ہوئین؟ فرعون اور اسکی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قومِ لوط اور قومِ مدین کو زمین کیونکر نگل گئی؟

| | |
|---|---|
| اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا | کیا یہ زمین مین چلے پھرے نہین کہ دیکھتے کہ |
| كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا | اُن سے پہلون کا کیسا انجام ہوا، جو اُن سے |
| مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ | قوت اور زمین مین یادگارون کے لحاظ |
| مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ (مؤمن-۳) | سے کہین بڑھکر تھے، |
| اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ | کیا نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی، اور جو انکے |
| قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ | بعد آئے جنکو خدا ہی جانتا ہے، اُن کی خبر |

وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِہِمْ، لَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا اللّٰہُ۔ (ابراہیم ۲) تم کو معلوم نہیں ہوئی؛

یہ تو وہ قومیں ہیں جنکا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج وفنا کی داستانیں محفوظ ہیں، بابلی، اسیری، اکادی اور مصری قومیں جو کبھی روے زمین پر کوس لمن الملک بجاتی تھیں، ہزارہا سال سے بے نشان ہیں، نارمن جیسے فاتح کیا ہوئے، یونانی اور روم جو کبھی دنیا کے تنہا مالک بنگئے تھے، اب اُن کا کہین وجود ہے؟ مجوس جو روم کے مقابل صدیون تک برسرپیکار رہے، اب اُن کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں، امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس برِاعظم کے واحد مالک تھے، اب فنا کے قریب ہیں،

الغرض جسطرح افراد جی کر مرجاتے ہیں، جماعتیں وجود میں آکر مٹ جاتی ہیں، قومیں پیدا ہوکر فنا ہوجاتی ہیں، اسی طرح پوری دنیاے مخلوقات بھی ایک دن آئیگا جب قانونِ الٰہی کے مطابق معدوم ہوجائے گی،

جس طرح عوام جو قوموں کی تاریخ سے واقف نہیں صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہیں، وہ گو افراد کی فنا کا یقین رکھتے ہیں، لیکن قومون کی فنا کے مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے، اور اس میں شک کرتے ہیں، اسی طرح جن کی نظر دنیاے خلق کی تاریخ پر نہیں، وہ اس کے فناے کامل پر اپنی جہالت اور نادانی سے اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ایک وہ دن آئیگا، جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے معرا ہوکر فنا ہوجائیگی، کائنات کا یہ نظام بدل جائیگا، اس موجودہ عالم کا قانونِ طبعی ایک دوسرے قانونِ طبعی سے منسوخ ہوجائیگا، اور جیسا کہ سائنس کہتا ہے، اور قرآن نے نقشہ کھینچا ہے آفتاب وماہتاب، ستارے اور تمام اجرامِ فلکی ٹکراکر چور چور ہوجائیں گے، اور پوری دنیا کی عدالت قائم

ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا،

| | |
|---|---|
| يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ | جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل جائیگی اور |
| وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ | آسمان بھی، اور مخلوق اکیلے زبردست خدا کے |
| الْقَهَّارِ (ابراهیم - ۷) | سامنے نکل کھڑی ہوگی، |

سورۂ قٓ میں قیامت پر استدلال انھیں دلیلوں سے کیا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| قٓ، وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ، بَلْ | قسم ہے اُس بڑی شان والے قرآن کی (جو مُردہ |
| عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ | دلوں کو زندہ کرتا ہے، ان کافروں کو عقل اتنا |
| فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ، هٰذَا شَيْءٌ | نہیں ہے) بلکہ اُن کو اس پر تعجب ہے کہ اُن میں |
| عَجِيْبٌ، ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا، ذٰلِكَ | ایک آدمی آکر اُن کو (قیامت کا) ڈر سناتا ہے |
| رَجْعٌ بَعِيْدٌ، قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ | وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہے، کیا جب ہم |
| الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ | مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے (تو پھر زندہ |
| بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ | ہونگے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دور از عقل ہے (خدا |
| فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ، اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى | کہتا ہے یہ تعجب کی کیا بات ہے) ہم کو معلوم ہے |
| السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ | کہ زمین اُن مردوں (کے جسموں) میں جو کمی کرتی ہے، |
| زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ، وَالْاَرْضَ | اور ہمارے پاس محفوظ کی کتاب ہے، بلکہ |
| مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ | بات یہ ہے کہ اُن کافروں نے سچائی |
| وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ، | جھٹلا دی، جب وہ اُن کے پاس آئی، |

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ
وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا
بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ، وَالنَّخْلَ
بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ، رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ
وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا، كَذٰلِكَ
الْخُرُوْجُ. كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ،
وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ،
وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ،
كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ
وَعِيْدِ، اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ
بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ

(ق - ۱)

پس وہ الجھی باتون مین پڑ گئے، کیا انھون نے
اپنے اوپر کے آسمان کو نہین دیکھا کہ ہمنے اسکو
کیسا بنایا اور کس طرح اُس کو سجایا ہی، کہ اُسمین
کہین سوراخ نہین، اور زمین کو پھیلایا ہی اور
اس مین پہاڑ کے لنگر ڈالے، اور اسمین قسم قسم
کی رونق کی چیزین اگائین کہ ہر رجوع ہونیوالے
بندہ کو اس سے سوجھ ہو اور یاد آئے، اور آسمان
سے برکت کا پانی برسایا، پھر اُس سے باغ اور
کٹنے کھیت کے اناج اگائے، اور کھجورون کے
لنبے درخت جنکے خوشے اوپر تلے ہین، یہ بندون
کو روزی پہنچانے کے لئے ہی، اور اس پانی
سے مردہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہین، اسیطرح
(قبرون سے) نکلنا ہوگا۔ ان کافرون سے پہلے
نوح کی قوم، رس والون اور ثمود اور عاد اور فرعون
اور لوط کے بھائیون نے اور جنگل والون نے اور
تبع کی قوم نے اس کو جھٹلایا، (ان مین سے)
ہر ایک نے پیغمبرون کو جھٹلایا، تو میری دھمکی
پوری اتری، کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے (جو دوبارہ نہین پیدا کر سکتے) بات یہ ہے کہ ان کافرون کو از سر نو پیدائش مین شک ہی،

سورۂ قیامت مین بھی اس کا بیان ہے، اسکی آخری آیتین یہ ہین،

| | |
|---|---|
| اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ | کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ |
| سُدًی، اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ | دیا جائیگا، کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند |
| یُّمْنٰی، ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی | نہ تھا، پھر وہ بندھا ہوا خون ہوا، پھر خدا نے |
| فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ | اسکو بنایا اور اس کو ٹھیک کیا، پھر اس کو جوڑا |
| وَالْاُنْثٰی، اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ | کیا، یعنی نر اور مادہ کیا، کیا وہ خدا اس پر قادر |
| عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی، (قیٰمہ-۲) | نہین کہ مردون کو دوبارہ جلائے؟ |
| وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا | اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائینگے، |
| ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا، | تو کیا پھر نئے بنا کر اٹھائے جائینگے؟ کیا یہ نہین |
| اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ | دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانون کو اور زمین |
| السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی | کو بنایا وہ اُن لوگون کے مثل کو (دوبارہ |
| اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ، (بنی اسرائیل-۱۱) | بھی) بنا سکتا ہے، |

ایک اور جگہ فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ | اور خدا وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر |
| یُعِیْدُهٗ، وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ، | اسکو دوبارہ خلق کریگا، اور یہ (دوبارہ خلق کرنا) |
| (روم-۳) | اس کے لئے بہت آسان ہے، |
| اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ | (لوگو!) اگر تم کو دوبارہ زندگی مین شک ہو تو |

فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ، — ہم تو پہلے اُنکو (اسی مردہ) مٹی سے پیدا کر چکے

(رعد-۱) — ہین (پھر دوبارہ کیون نہین پیدا کر سکتے)

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے،

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ — وہ بولا کون ان سڑی کھوکھلی ہڈیون کو

قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ — جلائے گا، کہدے وہی جس نے پہلی دفعہ

مَرَّۃٍ (یٰسین-۵) — اُن کو بنایا،

غرض وحی محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استعجاب اور استبعاد کو دور کیا، اور اُن کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا،

**حشر جسمانی** اس بحث پر لوگون نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی آیا اسی گوشت و پوست کے ساتھ ہوگی، یا صرف روحانی ہوگی، جہان جسم و جسمانیت کا مطلق گذر نہ ہوگا؟ گو قرآن پاک کی مختلف آیتین مختلف پہلوؤن کو پیش کرتی ہین جنہین اشارۃً ہر قسم کی باتین آجاتی ہین، تاہم قیامت کے متعلق اوپر کی آیتون مین سے ایک ایک آیت پر غور کرو، کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارا یہ جسم مرکر پھر جئے گا، کیا ہماری ان سڑی گلی ہڈیون مین دوبارہ جان پڑے گی، اور ہم قبرون سے نکل کر پھر اُٹھ کھڑے ہونگے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے علاوہ، زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم اُنکے حاشیۂ خیال مین بھی نہین تھا، مگر اس کے جواب مین اللہ تعالیٰ نے یہ نہین فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو، اور انکار پر آمادہ نہ ہو، کہ تمہارے یہ فنا شدہ جسم نہین اٹھائے جائین گے، اور نہ تمہاری اُن بوسیدہ ہڈیون مین روح پھونکی جائے گی، بلکہ وہ تو سراسر روحانی زندگی ہوگی، کیونکہ جب دوبارہ جسمانی زندگی

کا تخیل اُن کے لئے ناقابلِ فہم تھا، تو خالص روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی اُن کے فہم سے بالا تر تھا اور اب بھی ہے، کہ ہم اس مادی زندگی کے جاننے والے سرتا پا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل عاجز ہیں اس لئے مصلحتِ الٰہی اسی کی مقتضی تھی کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے، کیسے اور کیون سے تعرض نہ کرے اور صاحب فہم کو اس کے فہم کے مطابق اس راز کو سمجھنے دے، چنانچہ قرآن پاک کے اس اسلوب بیان کو اگر سمجھنا ہے تو ان آیتون پر غور کرنا چاہئے،

| | |
|---|---|
| وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ، | اور انھون نے کہا کہ کیا جب ہم زمین مین کھو جائینگے کیا ہم نئی پیدایش مین پھر ہونگے (خدا فرماتا ہم یہ کچھ نہین بلکہ) یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہین، |
| (سجدہ ۱-۷) | |

غور کرو کہ اُن کی مادی معدومیت کے بعد مادی پیدایش کے پرتعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ شکوک و شبہات اس لئے اُن کو پیش آتے ہین کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اُس کے سامنے ہونے سے اُن کو انکار ہے، اور حواشی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہے کہ موت کے بعد اور آخرت مین خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے، اس سے اُن کو کیا مطلب کہ وہ کس طرح ہوگا؟ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

| | |
|---|---|
| قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ، (سجدہ ۱-۷) | جواب مین کہدے کہ ملک الموت جو تمپر متعین ہے وہ تم کو موت دیگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے، |

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ اس عقیدۂ حشر کی اصلی روح ہے۔

بات یہ ہے کہ ہم اُنہی باتون کو سمجھ بوجھ سکتے ہین جنکی مثالین اور نظیرین اس مادی دنیا مین ہماری نگاہون سے گذرتی رہتی ہین، اور وہ عالم جو نگاہون سے مستور بلکہ تصور سے بھی دور ہے اسکی باتون کو اس طرح سمجھنا کہ ہر سوال اور تکرار سوال سے ہم بے نیاز ہو جائین، تقریباً ناممکن ہے، اُن کے متعلق جو کچھ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہرستانِ وجود یعنی دنیا کے قیاس پر اُس نادیدہ شہرستان بقا یعنی آخرت کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جائے، اور یہی محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے کیا ہے،

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہین، اُن سے تو کچھ کہنا ہی نہین لیکن جو شخص جسمانی حشر کا تصور اس لئے محال سمجھتا ہے کہ عام انسانون نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہوتے نہین دیکھا، تو اُس کے نزدیک تنہا روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی زیادہ محال ہونا چاہئے، کیونکہ کسی انسان نے آجتک کسی انسان کو روحانی وجود مین نہین دیکھا ہے، بلکہ وہ اُس کا تصور بھی نہین کر سکتا ہے، وہ جب انسانی زندگی کا تصور کریگا تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کرے گا، اُن سے مجرد ہو کر نہین کریگا،

**موت** جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لئے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت مین نئی زندگی ملیگی، تو ظاہر ہے کہ موت کے بعد کی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت اور کیفیت ہوگی، جسکا نام حیاتِ ثانیہ رکھا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم کے ساتھ تسلیم کیا جائے، ورنہ غیر جسمانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی، اب نئی بات کیا بڑھ گئی جسکا نام حیاتِ ثانیہ رکھدیا گیا،

گو روحِ انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے، مگر ہر فاعل کے فاعل بننے کے لئے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح

روح اپنے فعل لذت والم کے انجام دینے کے لئے جسمانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے، کہ لذت و الم کا کوئی روحانی احساس جسمانیت کے شائبہ سے مبرا ہو کر ہو ہی نہیں سکتا، اس بنا پر روحِ محض کا جنت کی لذتوں سے متمتع یا دوزخ کی تکلیفوں سے متالم ہونا، کسی جسمانی وساطت کے بغیر تصور میں نہیں آتا، خواب میں دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے، اُسمیں بھی جسمانی پیکر و ہیکل کی صورت نمودار ہوتی ہے،

**جسم جدید** حشرِ جسمانی ماننے کے بعد یہ بحث بے سود ہے کہ آیا وہی جسم دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا، جس کے قالب میں وہ روح پہلے دنیا میں رہی تھی، یا کسی دوسرے نئے جسمانی پیکر میں وہ روح پھونکی جائے گی، یا یہ کہ آیندہ جسم اپنی مادیت اور ترکیب میں اسی دنیاوی جسم کے مماثل ہوگا، جب کہ یہ حقیقت ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری رُوح پر ہے، جسم پر نہیں، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اصلی مورد رُوح ہے جسم نہیں، تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہو، اور کسی رنگ میں بھی ہو، رُوح پر مواخذہ، اور ثواب و عذاب کی لذت والم کا احساس یکساں ہوگا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا میں ملیگا اسکی خصوصیات و لوازم اس خاکی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہونگے، چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب ورویا میں جو جسم ہم کو نظر آتا ہے، وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی جسمانیت سے سراسر پاک ہوتا ہے، اس لئے لفظ جسم کے بولنے سے انہی خصوصیات کا جسم سمجھ لینا ضروری نہیں ہے، اور نہ اس جسم پر قیاس کرکے اُس جسم پر آیات کا وارد کئے جاسکتے ہیں،

**خلق جدید** چنانچہ جو جسم قیامت میں عنایت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا، اسی لئے قرآن نے منکروں کے جواب میں یہ کہا ہے، کہ

| | |
|---|---|
| بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (ق، ۱) | بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک میں ہیں، |

منکرین کی زبان سے کہلوایا،

| | |
|---|---|
| ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا (اسرآء ۵) | کیا ہم درحقیقت نئی آفرینش کرکے اٹھائے جائینگے |

ایک دوسری سورہ میں یہ تلقین ہے کہ

| | |
|---|---|
| اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (سبا۔۱) | بیشک تم ایک نئی آفرینش میں ہونیوالے ہو |

پھر تمثیل دیگر فرمایا،

| | |
|---|---|
| كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ، (انبیاء۔۷) | جس طرح ہم نے پہلی پیدایش کا آغاز کیا اسی طرح ہم اسکو دوبارہ بنائیں گے، |

اس لئے اُس عالم کی اس نئی خلقت وپیدائش والے جسم کو بعینہٖ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اس خاکی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہٖ اُس جسم میں ہونا ضروری ہے، اُس کو اگر اس عالم کے لفظ "جسم" سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو اس لئے کہ ہماری زبان میں روح کے غلاف و قالب کیلئے جسم سے بہتر، قریب تر، اور مشابہ تر کوئی دوسرا لفظ نہیں،

یہ بات کہ حشر میں بعینہٖ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لئے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب میں شریک ہوں، تصریح قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا، كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوْا | بے شبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے ہم اُن کو آگ میں ڈالیں گے، جب جب ان کی کھالیں پک جائیں گی، ہم اُن کو ا |

| | |
|---|---|
| الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا، | کھالین دینگے، جو پہلی کھالون کی غیر ہونگی تاکہ |
| (نساء ۔ ۸) | عذاب چکھین، بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے، |

جب کھالین یکے بعد دیگرے بدلتی جائینگی، تو پہلا حصہ جسم جو گناہ مین شریک تھا کہان باقی رہا؟ اسی طرح یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤن اور کھالین اُس کے اعمال پر شہادت دینگی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے، ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہے، اور وہ روحِ انسانی ہے،

ذمہ داری رُوح پر ہے | یہی سبب ہے کہ موت وحیات، عذاب وثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بتایا ہے، وہ نفس یعنی رُوح ہے،

| | |
|---|---|
| اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی | تو (قیامت مین) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ لے |
| مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ، (زمر ۔ ۶) | افسوس اسپر کہ مین نے اللہ کے پہلو مین کمی کی، |
| وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، | اور چاہئے کہ ہر نفس دیکھے کہ اُس نے کل |
| (حشر ۔ ۳) | (قیامت) کے لئے کیا آگے بھیجا، |
| عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ، (تکویر ۔ ۱) | (اُسدن) ہر نفس جان لیگا جو اُسنے حاضر کیا، |
| عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ | (اس دن) ہر نفس جان لیگا جو اُس نے |
| (انفطار ۔ ۱) | آگے بھیجا، اور پیچھے چھوڑا، |
| فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا، (انبیاء ۔ ۴) | (تو اسدن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا، |

جنّت کی نسبت ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ، (سجدہ-۲)

کوئی نفس نہین جانتا کہ اُن کیلئے (جنت مین) کیا آنکھون کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے،

ان آیتون مین دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور برے نتیجون کا بار جسم پر نہین بلکہ روح اور نفس پر ڈالا گیا ہے، اور اسی کو تکلیف و لذت سے آشنا کیا گیا ہے، جنت مین داخلہ کی خوشخبری بھی اُسی کو دیگئی ہے،

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ، (فجر-۱)

اے مطمئن روح! میرے بندون مین شامل اور میری جنت مین داخل ہوجا،

دنیاوی جسم بدلتے رہنے پر بھی وہی جسم رہتا ہے

غرض اعمال اور اُن کے نتائج کی اصل ذمہ دار، اور جنت و دوزخ کی لذت والم کی اصل احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے، اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس وآلۂ احساس کی ہے، اس سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہین، یہ جسم لاکھ بار بدلے، مگر روح اگر وہی ہے، تو وہ انسان وہی ہے، اور اسی کو اپنی ذمہ داری کی جزا وسزا مل رہی ہے،

لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصل زور جسم پر دیتے ہین، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر مین اگر روح کا خزانہ چھپا نہ ہو تو پھر اس مشتِ خاک مین دھرا کیا ہے، دیکھو انسان بچپن سے لیکر بوڑھاپے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اس کی جسمانی ہیئت اور اُس کے جسم کا مادہ ہر آن اور ہر لمحہ فنا ہوکر بدلتا رہا، بیماریون مین وہ سوکھ کر کانٹا ہوگیا، پھر تندرستی کے بعد نئے ذرات داخل ہوکر لہلہا اٹھے، تم غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال مین وہی جسم یکسان طور پر قائم ہے، حالانکہ حکیم سے پوچھو تو وہ بتائے گا، کہ اس کے

ذرے کیونکر ہر آن جھڑتے اور گھستے رہے اور جو خوراک وہ کھاتا رہا، وہ خون ہو کر کیونکر بدل ما یتحلل بنی اور اُن کی جگہ لیتی رہی، پھر کیا ایسے ہر آن فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدلجانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور اُن کے نیک و بد کی اصلی جزا یا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے لیکن جس طرح دنیا میں اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا اور چند سال کے بعد پکڑ کر جب لایا گیا، تو وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ چونکہ وہ ہاتھ جس سے اس نے چوری کی تھی اور وہ پاؤں جن سے وہ مال لیکر بھاگا تھا اس عرصۂ دراز میں بدل گئے ہیں، اس لئے وہ لائق تعزیر نہیں، کیونکہ وہ روح جس نے اپنے ارادہ و نیت سے اس کام کو اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعہ کرایا تھا جس طرح کل تھی بعینہ آج بھی ہے اور جو تکلیف اُس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی بعینہ آج بھی پہنچ سکتی ہے، اور اس جسمانی تغیر سے اُس کی روحانی شخصیت میں اصلاً کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، اس لئے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر زور دینا بے سود ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جسم اگر بدل بھی جائے تو اعضاء کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح ہوگا، جسم کے اجزاء دنیا میں بدلتے جاتے ہیں، مگر جو بیماری اگلے اجزاء میں پیدا ہو گئی تھی وہ اُن کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، مٹ نہیں جاتی، بلکہ وہی اُن کے بعد کے آنے والے اجزاء میں برابر سرایت کرتی رہتی ہے،

**اُخروی جسم کیسا ہوگا** روحوں کو آخرت میں جو جسم ملیں گے وہ حقیقت میں اُن کے اعمال ہی کے ظل و عکس ہوں گے، یعنی جیسے اعمال ہوں گے، ویسے ہی ان کو جسم عنایت ہونگے، چنانچہ اس دنیا کے جسمانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا، مگر اُس دنیا میں اُس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی وسپیدی کی صورت میں بدل جائے گا، خدا نے فرمایا:-

| | |
|---|---|
| وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ | کتنے چہرے اُس دن روشن ہنستے اور شاد ہونگے، |
| مُّسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا | اور کتنے چہرون پر اُس دن کدورت ہوگی اور |
| غَبَرَةٌ، تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ، (عبس - ۱) | اُن پر سیاہی چھائی ہوگی، |
| يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ، | جس دن کتنے چہرے سپید ہونگے اور کتنے کالے، |
| فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَ | لیکن جنکے چہرے کالے ہوے کیا تم وہ ہو جو ایمان کے بعد |
| كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا | پھر کافر ہوگئے تھے تو اپنے کفر کرنے کے بدلہ |
| الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ، وَاَمَّا | عذاب کا مزہ چکھو اور لیکن جنکے چہرے سپید ہوے |
| الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ | تو وہ اللہ کی رحمت مین ہون گے اُسی مین |
| هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، (آل عمران - ۱۱) | سدا رہین گے، |

صحیح حدیثون مین ہے کہ جنت مین سب لوگ جوان بنکر داخل ہون گے اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہین آئیگا، اُن کا قد حضرت آدمؑ کے اولین بہشتی قد کے مطابق ہوگا، دوزخیون مین سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا، کسی کا ایک پہلو مفلوج ہوگا، کسی کے ہونٹ لٹکے ہونگے، دل کے اندھے آنکھون کے اندھے بنکر اُٹھین گے، سزاؤن کے بعد جب اُن کے جسم چور چور ہو جائین گے تو پھر صحیح و سالم نئے جسم نمودار ہونگے، اور پھر اُن کی وہی کیفیت ہوگی، یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے کو بڑا سمجھے ہین وہ چیونٹی بنکر قیامت مین اُٹھین گے، ان تمام شواہد سے ہویدا ہے کہ اُس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے اس دنیاوی جسم کے مطابق نہین، بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہونگے،

# جزا اور سزا

"یوم آخر" یا "یوم دین" پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کرین کہ اُن کے ہر عمل کا بدلہ ہے، کچھ اس دنیا مین، اور پورا دوسری دنیا مین، اسی کا نام جزا و سزا ہے، دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اس مسئلہ مین اسلام کے ہمنوا ہین،

**جزا و سزا دیگر مذاہب مین** در حقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اور اچھا یا برا جیسا کام اُس سے صادر ہوتا ہے اُس کے مطابق اچھا یا بُرا معاوضہ اُس کو دوسری دنیا مین ضرور ملیگا، اس عقیدہ کا نشان مصر و بابل جیسی دنیا کی قدیم قومون مین بھی ملتا ہے، ہندوستان کے مذاہب مین اس دوسری دنیا کو دوسرے جنم سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اُس کے اچھے یا برے کامون کے مطابق اُس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب مین جا کر اپنے عمل کا نتیجہ بھگتتی ہے، اور پھر انسانون کے قالب مین لائی جاتی ہے، اور کام کرتی ہے، اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہین، اُس کو یم لوک مین جانا پڑتا ہے، جہان نرک (دوزخ) ہین، وہان وہ ہر قسم کی سزا بھگتتی ہے، بعد ازین اپنے بعض اچھے کامون کی بدولت چندر لوک (چاند کی دنیا) مین جاتی ہے، جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی

ہین، وہ اس دنیا مین ہوا، بادل، اور بارش کے ذریعہ سے دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے روپ مین سزا پاتی ہے، اور پھر چھوٹ کر انسان بنتی ہے یہانتک کہ اُس کے کام اتنے اچھے ہو جائین کہ وہ سزا کے قابل نہ رہ جائے، اس وقت وہ مادی قالبون کی قید سے نجات پاکر سورج لوک اور چندر لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤن مین جاکر آرام کرتی ہے، اور پھر اپنے علم وعمل کی کسی کمی کے سبب سے بادل، ہوا، اناج یا کسی دوسری مخلوقات کے قالب مین ہوکر اس کو اُس دنیا مین پھر آنا پڑتا ہے، اور پھر وہی عمل شروع ہوتا ہے، یعنی وہ نئے نئے جنمون مین سزا بھگتتی ہے، اور اُس وقت تک اس آمد ورفت اور آواگون کے چکرون مین پھنسی رہتی ہے، جب تک اُس سے اچھے یا برے کامون کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس لئے کامل اور دائمی نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان سے اچھا یا برا کوئی کام صادر ہی نہ ہو، یہی ترک عمل روح کو مادہ کی قید سے آزاد کرکے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا (موکش) دلاتا ہے، یہانتک کہ یہ موجودہ مادی دنیا پرلے (قیامت) کے بعد جب پھر نئے سرے سے بنیگی تو پھر وہی عمل اور سزا یعنی آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اسی طرح چھٹکارا پائے گی، اور پھر دوسرے پرلے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ رہیگا،

یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، الا یہ کہ ہمالہ کی چوٹی یا غار مین بیٹھکر ترک عمل کے ذریعہ سے خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے، لیکن اگر اس اصول نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارستان دم کے دم مین خارستان بنجائے، ہر قسم کا کاروبار بند ہوکر دنیا آپ سے آپ فنا کے قریب آجائے، بدی کے ساتھ نیکی کا وجود بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، اور باایں ہمہ

دائمی وابدی نجات میسر نہ ہو، کیونکہ ہر پرلے کے بعد وہی جنم اور کرم، اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے[1]،

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے انسان کو نجات دلائی ہے، انھون نے موجودہ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے جس مین لوگون کو اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزا ملیگی، مختلف زردشتی فرقون نے آریہ نسل ہونے کے باوجود ہندوؤن کے تناسخ کے بجائے مختلف سامی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے، اور خصوصًا بعد والون نے اسلام کے عقائد کو "ارداوی ویراف" کے عجیب وغریب مشاہدات کا رنگ دیکر اور اُس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دیکر تمام تر قبول کرلیا ہے[2]،

صحیفۂ ابراہیم یعنی سفر تکوین مین دنیا کی محنت ومشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت مین داخلہ کا اشارہ ہے (تکوین ۲-۱۹) علیٰ ہذا حضرت موسیٰ کے صحیفون مین اُخروی جزا وسزا کے اصول مذکور ہین، نیکو کارون کے لئے ایک "ستھری آبادی" کا ذکر ہے، جسمین دودھ اور شہد کی نہرین بہتی ہین، بدکارون کے لئے ہلاکت، بربادی اور دردناک عذابون کی خبر ہے، مگر مترجمون نے ہر جگہ اُس کو دنیاوی ثواب وعذاب بلکہ ارض موجودہ کی ظاہری سلطنت کے معنون مین دکھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات مین یہ بے جوڑ سی بات ہوکر رہگئی ہے، حضرت آدم کی جنت عدن اور اس کے چار دریاؤن کا ذکر تکوین کے دوسرے باب مین ہے، علاوہ ازین تورات مین موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابراہیم (پیدائش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۴۹-۳۳) کی موت

[1] تناسخ کے رد مین الندوہ مئی، جون ۱۹۰۸ء مین ایک مضمون ہے، [2] دبستان المذاہب کا مصنف جو زردشتی مذاہب سے پوری واقفیت رکھتا تھا، اس نے اپنی کتاب مین اس کی پوری تفصیل درج کی ہے،

کی تعبیر ان لفظون مین کگئی ہے، کہ "جان بحق ہوا، اور وہ اپنے لوگون مین جاملا" ساتھ ہی "ہمیشہ
کی بھلائی" (استثنا ۶-۲۴) کا بھی تذکرہ ہے، اور "جہنم کی آگ" (استثنا ۳۲-۲۲) کا بھی بیان ہے،
اور ہر ایک کو "اُس کے عمل کا بدلہ" دیئے جانے کی بھی تصریح ہے، (یرمیا ۱۷-۱۱) روح کی بقا اور
آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی اُن صحیفون مین موجود ہے (واعظ ۳-۲۱) مرنے کے بعد روح کے خدا
کے پاس واپس پھر جانے کا بھی تذکرہ ہے، (واعظ ۱۲-۷) اور "انسان کے اپنے ابدی مکان
مین جانے" کی بھی تصریح ہے، آخر مین ہے "خدا سے ڈر اور اس کے حکمون کو مان، کہ انسان کا
فرض کلّی یہی ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کیساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت
مین لائیگا" (واعظ ۱۲-۱۳-۱۴) زبور مین خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہین، امثال
سلیمانی مین ہے، کہ "انسان کی راہین خداوند کی آنکھون کے سامنے ہین، اور وہ اسکی ساری روشون
کو جانچتا ہے، شریر کی بدکاریان اُس کو پکڑینگی، اور وہ اپنے ہی گناہون کی رسیون سے جکڑا
جائے گا، وہ بے تربیت پائے مر جائیگا، اور اپنی جہالت کی شدت مین بھٹکتا پھریگا" (۵-۲۱)
دانیال مین ہے کہ "اس وقت بہتیرے جو زمین مین خاک پر سو رہے ہین، جاگ اٹھین گے، بعضے
حیات ابدی کے لئے اور بعضے رسوائی اور ذلت کے لئے" (۱۲-۲) حزقیال (۲۸) مین جنت کی
طلائی اور جواہرات کی بنی ہوئی عمارتون کے اشارات ہین؛

حضرت مسیح سے پہلے یہودیون مین صدوقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا، جس نے حکمران یونانیون
کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اُن کی بعض باتین قبول کر کے یہودی تعلیم مین شامل کین منجملہ ان کے

---

لہ برٹش انسائکلوپیڈیا مضمون صدوقین، (صدوکیز)

وہ قیامت اور حیاتِ اخروی کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علیحدہ رہنے والا) کہا، اپنے پرانے عقیدون پر قائم رہا، اور قیامت، حیاتِ اُخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور مانتا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین فریسی بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور وہان بہشتیون کو اُن کی بیویان واپس ملین گی (مرقس ۱۲-۲۴) یہودیون کی پچھلی کتابون مین جزا و سزا کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ مین بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہودی کیسے ہی گنہگار ہون مگر چند روز سے زیادہ دوزخ مین نہین رہینگے، (بقرہ-۰ و آلِ عمران ۳) یہ چند روز باختلافِ روایت تین روز، چالیس[1] روز یا گیارہ[2] مہینے ہین،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد مین یہودیون کے ان دونون فرقون کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے، اور دونون ایک دوسرے کی تردید و ابطال مین مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر صدوقیون کے اس عقیدہ کی تردید کی، اور قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰؑ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ مین جنت اور دوزخ کی پوری تصویر کھینچی،

حضرت عیسیٰ کے اس جواب سے جو انھون نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ "اس دنیا مین لوگ شادی اور بیاہ نہین کرینگے، بلکہ فرشتون کے مانند رہین گے"۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے جنت کو صرف روحانی وجود بخشا ہے، مگر درحقیقت ایسا نہین ہے، حضرت عیسیٰؑ

---

[1] کتب تفسیر مین ان آیتون کی تفسیر دیکھو، [2] سیل کا ترجمۂ قرآن حاشیۂ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸،

اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھکر جب انگور کا افشردہ پیتے ہیں تو کہتے ہیں:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا، اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ پیوں" (متی ۲۶-۲۹)

وہ یہودی علماء کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:-

"اے سانپو! اور اے سانپوں کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بچاگو گے: (متی ۲۳، ۳۳)

اپنے ایک وعظ میں دوزخ کا ایک منظر دکھاتے ہیں، اور فرماتے ہیں:-

"اُس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہام (حضرت ابراہیم) کو دور سے دیکھا اور اُس کی گود میں لعزر کو، اور اُس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہام مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ میں اس لَو میں تڑپتا ہوں" (لوقا ۱۶-۲۴)

مکاشفات یوحنا میں دوزخ کو: آگ، اور گندھک کہا گیا ہے، (۱۴-۱۰) اور متی کی انجیل میں اس کے دروازے بھی بتائے گئے ہیں (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور اسکی طلائی وجوہراتی تعمیر، اور نہر آب حیات کا ذکر مکاشفات کے اکیسویں باب میں ہے، اور وہاں کے انگوری افشردہ کا بیان متی میں ہے، (متی ۲۶-۱۹) وہاں کے آب سرد کا ذکر بھی انجیل میں آتا ہے (لوقا ۱۶، ۲۴)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کا حساب لئے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی حواریوں کے خطوط میں موجود ہے،

"مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لیگا" (رومیوں ۴-۸)

سو ہر ایک ہم مین سے خدا کو اپنا حساب آپ دیگا۔" (رومیون ۱۴-۱۲)
"لیکن جو اُس کو جو زندون اور مردون کا انصاف کرنے پر تیار ہے، حساب دین گے"
(اوّل پطرس ۴-۵)

اس باب مین اسلام کا تکمیلی پہلو یہ ہے کہ اُس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کیساتھ بیان ہی کیا بلکہ اُس کے تمام ضروری اجزار فراہم کئے، گذشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل بحثین کین، اُن کے نقائص کی تکمیل کی، اور سزا و جزا کے اصول اس صفائی سے بیان کئے، کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا،

آیندہ مباحث کے سمجھنے کے لئے پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئین،

**عالم آخر کا فہم و ادراک**

اُس عالم آخر مین جو کچھ ہوگا، وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ و زیر مشاہدہ مادی عالم سے بالکل الگ ہوگا، تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کیوجہ سے وہ اسی زبان و محاورات مین ادا کیا گیا ہے، جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہین، اسلئے یہ الفاظ جن مادی خصائص کو مستلزم ہین، یا ہم اُن کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا مین عادی ہو گئے ہین، ان لفظون کو سنکر ہم بعینہ وہی سمجھنا چاہتے ہین جو اس دنیا مین اُن لفظون سے سمجھتے رہے ہین، اسی سبب سے بعض کم فہم وہان کے وقائع و احوال کا بیان سنکر اُن مین سے بعض کو محال اور ناممکن کہہ اٹھتے ہین اور بعضے اُن کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہین کہ لفظ و معنی مین ادنی اشتراک بھی باقی نہین رہتا یہ دونون راستے سخت خطرناک ہین، اسی لئے وحی محمدی نے ان نازک و دقیق اسرار کے بیان مین انسانی فطرت کی کمزوریون کا پورا لحاظ کیا ہے، اُس نے نہ تو یہودیون کی طرح ان واقعات

کو سراپا مادی کہکر عالمِ آخرت کو بھی عالمِ آب وگل بنا دیا ہے، اور نہ عقل وخرد کے بعض نادان مدعیون کی طرح اُن کو مادہ سے اتنا بلند و برتر کر دیا ہے کہ اُن کا وجود ہی موہوم و فرضی ہو گیا ہے۔ بلکہ انسانی عقلون کے اختلافِ مراتب کا لحاظ کرکے بزم کے اہلِ نظر اور تماشائیون دونون کی تشفی اور تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے،

ان اخروی وقائع کے مختلف مفہومون اور مصداقون کا لحاظ کرکے وحیِ محمدیؐ نے ایسے بچے تلے الفاظ اختیار کئے ہین جن سے ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے، اور ایک عامی بھی، اور دونون اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہین، اور ایک ایسے مذہب کیلئے جو سارے انسانی طبقون کو اپنا مخاطب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی وسعت کی ضرورت تھی، تاکہ وہ سب کے لئے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام اخروی واقعات کو جن الفاظ مین بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ طبعًا وہی الفاظ ہو سکتے ہین جنکے چارون طرف اس دنیا کا مادی ماحول، مادی مفہوم و مصداق، اور جسمانی تخیلات لپٹے ہوئے ہین، ان لفظون کے سننے کے ساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن مین آتا ہے، وہ سرتاپا انہی مادی قیود و لوازم کے ساتھ آتا ہے، ہم جب "آگ" کا لفظ سنتے ہین تو معًا اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن مین آتا ہے، جس کو ہم یہان دیکھتے ہین، جو انسانون، درختون اور ہر اُس چیز کو جو اُس کے اندر ہوتی ہے، بلاتمیز یکسان جلادیتی ہے، مگر اخروی آگ ایسی نہ ہوگی، اُس کے اندر بعض درخت ہونگے جو نہین جلین گے، وہ صرف گنہگار انسانون کو جلائے گی، کسی کے پاؤن کو چھوئے گی، کسی کی کمر تک آئیگی، کسی کے گلے تک پہنچیگی، اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اُس کے مقابلہ مین ٹھنڈک ہے؛ "وزن" کا لفظ

سُننے کے ساتھ اس عالم میں تولنے کی ساری خصوصیتین ہمارے سامنے آجاتی ہین، ترازو، پاسنگ، پلڑے، ڈنڈی، اور تولی جانے والی چیز مین جسمیت اور ثقل کا ہونا، اسی طرح نامۂ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہین تو کاتب کی انگلیان، قلم، دوات، سیاہی، کاغذ اور حروف کی ساری قیدین ہمارے ذہن مین آئینگی، اس بنا پر ان الفاظ کے لغوی معنون اور اُن کے قریب الفہم مجازی معنون کے سمجھنے مین اختلافِ آرار کی بڑی گنجایش ہے، اس لئے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلامزید تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے اُن کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے، بااین ہمہ اُن لوگون کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پانا چاہتے ہین جن کے وہ الفاظ متحمل ہو سکتے ہین، کہ اگر مرادِ الٰہی یہی تنگی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ انسانی عقلون کے اختلافِ مراتب کا لحاظ کئے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ مین ظاہر فرما سکتا تھا مگر ایسا نہین کیا، تاکہ اسلام تمام مختلف العقول انسانون کے لیے عالمگیر ثابت ہو سکے،

ایک دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عالمِ آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے مین اشکالات واعتراضات اس لئے پیش آتے ہین کہ ہم وجود اور اُس کے موجودہ تمام قوانینِ فطرت کو اس طرح لازم وملزوم سمجھتے ہین، کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائے گا تو معًا اسکے وہی خصوصیات ولوازم سامنے آئین گے جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا مین عادی ہین، حالانکہ اربابِ عقل نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے معلولات ومسببات اور اُن کے موجودہ علل و اسباب مین جو لزوم ہے وہ محض عادی ہے یعنی اس لئے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہین، یہ نہین کہ اس لئے ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے،

اس بنا پر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لیجائے کہ موجودہ مادی دنیا مین جو قوانینِ فطرت اُس

علل و اسباب اور اُن کے نتائج کارفرما ہیں، وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں، اگر خدا تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے، یا نیا عالم خلق کرے تو ضروری نہیں کہ یہی موجودہ قوانینِ فطرت وہاں بھی کارفرما ہون، بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اُس نئے عالم مین نئے قوانین پر عمل ہو نئی خصوصیات کے جسم ہون، نئی قسم کی زندگیان ہون، نئی قسم کی آگ ہو نئی قسم کے باغ اور اُن کے پھل ہون نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہون، نئے علل و اسباب ہون، اور نئے قوانینِ فطرت ہون، وحیِ محمدیؐ نے اسی نئے عالم کے متعلق کہا ہے

| | |
|---|---|
| يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ | جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائیگی، |
| وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم ۷) | اور آسمان، (نئے آسمانون سے) |

اب کون کہہ سکتا ہے کہ اُس نئی زمین اور نئے آسمان مین بھی وہی مادی قانون جاری ہونگے جو اس موجودہ زمین و آسمان مین جاری ہین، اس بنا پر جسمانیت و مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آیندہ حیات کے متعلق وہ تمام اشکالات جو اس دنیا اور اُس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہین، بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہین،

اس ضروری تمہید کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے، وھو الهادی الی الصواب،

**اصولِ جزا** اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے جس کو اہلِ فلسفہ قانونِ قدرت اور اہلِ مذہب تقدیر اور اندازۂ الٰہی کہتے ہین، اسی طرح اُس نے اپنے ہر عالم کے لئے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے جس کے مطابق اس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے، انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصولِ فطرت صرف مادیات تک محدود ہین، حالانکہ مادیات ہون یا روحانیات، ذہنیات ہون یا

عملیات، ہر ایک مین یہ یکسان جاری وساری ہین جس طرح یہ قانونِ فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا جسم مرجاتا ہے، اسیطرح یہ بھی اصولِ فطرت ہے کہ گناہ سے اسکی رُوح مرجاتی ہے، اور جس طرح اصولِ حفظانِ صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہوجاتا ہے، اسی طرح اصولِ تزکیۂ قلب کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہوجاتا ہے، پھر جس طرح دوا و اصولِ حفظانِ صحت کی پابندی سے وہ اپنی جسمانی بیماری کے آلام سے نجات پاتا ہے، ایسا ہی روحانی تدابیرِ علاج کے ذریعہ بھی وہ شفایاب ہوتا ہے،

**اعمال کے لوازم ونتائج**

غرض جس طرح دنیا مین ہر چیز کی ایک خاصیت ہے، اور وہ جب یہان وجود پذیر ہوتی ہے تو اُس کے ساتھ اُس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہین، اُسی طرح انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم ہین جو اُس سے الگ نہین ہوسکتے، غرور اور خاکساری بخل اور فیاضی، انتقام اور عفو شجاعت اور بزدلی، تقویٰ اور فسق، ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک نہ ایک اثر و نتیجہ ہے، اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہین، جو اس سے اسی طرح الگ نہین ہوسکتے جس طرح سنکھیا سے سمیت، شکر سے مٹھاس، اور آگ سے حرارت جدا نہین ہوسکتی، اور ان معنوی، روحانی، اور نفسیاتی چیزون مین علت و معلول کا وہی لزوم ہے، جو جسمانی، مادی اور طبعیاتی اشیاء مین ہے،

اشخاص کی نیکوکاری و بدکاری، اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہین، وہی جماعتون اور قومون کی صلاح و فساد، اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہین، جس طرح ایک سائنٹسٹ (حکیم) کا کام اُن مادی فزیکل اصول کو جاننا اور بتانا ہے، اور اس کی تعلیم کا نام ہماری اصطلاح مین حکمت (سائنس) ہے، اسی طرح ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا، انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، اور ان کی اس تعلیم کا نام شریعت ہے، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی

آثار و نتائج کا وہی یقین ہونا چاہیے، جو ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص اور آثار کا ہوتا ہے، سائیکالوجی (علم النفس) اور سوشیالوجی (علم الاجتماع) کی وسعتِ تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے،

**عقاب و ثواب ردِ عمل ہو**

الغرض یہ مادی و جسمانی دنیا علت و معلول اور عمل و ردِ عمل کے جس اصول پر مبنی ہو، اسکی وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور ہر عمل شامل اور داخل ہے، یہی سبب ہے کہ گناہ کے لازمی نتیجہ کا نام اسلام میں **عقاب**، اور اعمالِ صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام **ثواب** رکھا گیا ہے، قرآن نے انہی دونوں اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے، عقاب کا لفظ عقب سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہیں، اس لیے عقاب اُس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے، اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اس لئے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ، اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو، چنانچہ قرآنِ پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے،

اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (جاثیہ ۴) جو تم کرتے تھے وہی آج بدلہ پاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردِ عمل (ری ایکشن) کا نام ہو، ایک اور جگہ ہو:

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (طٰہٰ ۱) تاکہ ہر جان کو اُسکا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی؛

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا تمام تر ہمارے دنیاوی اعمال کے آثار و لوازم ہیں،

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ تو اُن کے برے کام اُن پر پڑے، اور اُن کا

بِعِزِّمَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (نحل - ۴) تمھارا کیا اُن پر الٹ پڑا،

غرض جزا و سزا انہی اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے گویا اسی اصول کی تشریح مین یہ اشارہ فرمایا، کہ قیامت مین اللہ تعالیٰ فرمائیگا" اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہین جو مین تم کو لوٹا کر یہان دے رہا ہون، تو جو کوئی جزاے خیر پاوے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کرےلہ"

**حصول راحت کا اصول** یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہین جب اسکی خاطر ہم اس سے چھوٹی چھوٹی تکلیفون کو برداشت، اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لیے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیون کو قربان کرتے رہین، عاجلہ یعنی موجودہ، اور آخرۃ یعنی آیندہ ان دونون کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے تو دون ہمت اور پست خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ) راحت کو پسند کرکے آیندہ راحت کی فکر نہین کرتے، کہ اُن کی نگاہ مین موجودہ راحت گو چھوٹی ہو مگر نقد ہے، اور آیندہ کی راحت گو بڑی اور خوش آیند ہو، مگر وہ نسیہ ہے، اور اُن کا اصول یہ ہے کہ "نقد را بہ نسیہ مگذار" لیکن بلند ہمت اور عالی حوصلہ طبائع کا طریق عمل اس کے بالکل برخلاف ہے۔ فاتح اور کشورکشا آج اپنی جانین جوکھم مین ڈالتے ہین تاکہ کل سلطنت اُن کے ہاتھ آئے، تاجر اور سوداگر آج اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کردیتے ہین تاکہ دولتِ فردا سے بہرہ مند ہون، ہر مہذب انسان اپنے بچہ کو بیس پچیس برس تک تعلیم و تربیت اور مشق و امتحان کی مصیبتون کی آگ مین بے تامل جھونک دیتا ہے، تاکہ اس کی آیندہ زندگی راحت و مسرت مین بسر ہو، لوگ اپنے سرمایۂ عزیز کو تکلیفین اٹھا اٹھا کر جمع کرتے

---

لہ صحیح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۵۴ و ۱۶۰ و ۱۶۵ و ادب المفرد بخاری باب الظلم،

جاتے ہیں تاکہ کل اُس سے زیادہ ضروری موقع پر اُس کو کام میں لاسکیں، اور تنگدستی کی بڑی تکلیف سے بچ سکیں،

غرض اگر انسانوں کی تمام کوششوں پر ایک غائر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول اُن کے اندر جاری وساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لئے برداشت کرلیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے رہائی ملے، چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اس لئے برباد کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو، اور عارضی کامیابیوں کو اس غرض سے قربان کیا جائے، کہ کوئی پائدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو، مگر یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ آیندہ کی خوشی وکامیابی کی فراوانی اور اُس کے دوام و پائداری کا ہم کو یقین ہو، کیونکہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس ایثار و قربانی پر آمادہ نہ ہوں، اسی کے لئے **ایمان** کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو جائے، اور ہم اس ایثار و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کرلیں، جن لوگوں میں یہ یقین پیدا نہ ہوگا، اُن سے یہ عظیم الشان قربانی بھی نہیں ہوسکتی، اسی لئے گنہگار انسانوں کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے،

| | |
|---|---|
| كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ، (قیامت - ۱) | ہرگز نہیں بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے محبت کرتے ہو، اور آیندہ زندگی کو چھوڑتے ہو، |

حالانکہ انسان اسی اصول کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات میں بھی برتتے تو اس کی کامیابی میں کوئی شک نہ رہے، آیندہ کا خیال کرکے موجودہ سے دست بردار ہوجانا یہی کامیابی کی کنجی ہے، اور اسی اصول کے تحت میں دین و دنیا کی تمام نیکیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے، موجودہ عارضی لذت کو آیندہ کی دائمی لذت پر، اور حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان کردینا وہ

سچائی ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف نہین کر سکتا، تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو، ورزش اور دوڑ دھوپ کی محنت کو اس لئے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے، غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفون کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی، اور آج کی عارضی خوشیون کو قربان کر دو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہو گی، یہی وہ فلسفہ ہے جس کو قرآن نے اس آیت مین ادا کیا ہے۔

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا (دھر۔۱) — اور خدا نے اُن کے صبر کرنے پر اُن کو باغ اور ریشم کے کپڑے مزدوری دی،

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیون کی قربانی، تاکہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو اور یہان ادائے نیکی اور احتراز جرم کی معمولی تکلیفون کی برداشت، تاکہ وہان کی بڑی تکلیف سے نجات ملے یہی سبب ہے کہ حدیث مین آیا ہے، کہ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، یعنی جنت دنیوی تکلیفون سے، اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیون سے گھری ہوئی ہے" نادان تقوی اور نیکی کی ان معمولی قیدون سے گھبراتے، اور گناہ کی عارضی و فانی لذتون کے طلبگار رہتے ہین، اس لئے آخرت کی بڑی تکلیف مین گرفتار ہونگے، اور وہان کی ابدی لذت سے محروم رہین گے، اور جو دین و دیانت اور نیکی و تقوی کی ان معمولی تکلیفون کو گوارا کرینگے، اور گناہ کی عارضی لذتون سے بچین گے، وہ آخرت کی لاانتہا لذتون سے شادکام ہونگے، یہی فلسفہ قرآن پاک کی اس آیت مین ادا ہوا ہے،

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ — لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ — سے ڈرا اور نفس کو ناجائز لذتون اور خوشیون

ھِیَ الْمَاْوٰی، (نازعات - ۲)                                   سے باز رکھا تو جنت اس کا ٹھکانا ہے،

سائنس | ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی ایک دفعہ پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ بے حکم خدا فنا نہیں ہوتی اسی طرح افعال و اعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے، موجودہ سائنس (جس نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے، کہ دنیا میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی، یہاں تک کہ فضا میں ہر آواز اور ہر صدا بھی جو کبھی بلند ہوئی ہے، آج موجود ہے، اور ہمیشہ رہیگی، اور ہم اس کو پکڑ پائیں تو سن سکتے ہیں) وہ اعمال و افعال کے دوامِ وجود کے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کر سکتی دنیا کے ریکارڈ میں انسان کا ہر عمل و فعل ہمیشہ کے لئے گویا بھرا ہے،

قرآنِ پاک کے اسی اصول کو اپنی ان آیتوں میں بیان کیا ہے،

| | |
|---|---|
| هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ (یونس - ۳) | اس وقت ہر جان جو اس نے پہلے کیا، اسکو آزما لے گی، |
| كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (طور - ۱) | ہر آدمی اپنے عمل کے بدلہ گرو ہے، |
| كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر - ۲) | ہر جان اپنے عمل کے بدلہ گرو ہے، |
| فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، (زلزال) | تو جو کوئی ایک چیونٹی بھر نیکی کریگا، وہ اس کو دیکھے گا، اور جو چیونٹی برابر بدی کریگا وہ اس کو بھی دیکھے گا، |
| يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ (آل عمران - ۳) | جس دن ہر جان جو اس نے اچھے کام کئے ان کو موجود پائیگی، اور جو برے کام کئے وہ بھی، |

یہ بات کہ انسان کا ہر عمل وفعل صحیفۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہوجاتا ہے، اس کو قرآن نے کئی طریقون سے ادا کیا ہے،

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی تنہائی مین بولا جائے، خدائی شاہد اُس کے سننے کو موجود رہتے ہین، اور وہ اس کو سنکر محفوظ کر لیتے ہین،

| | |
|---|---|
| إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ | جب وہ لینے والے داہنے اور بائین بیٹھے لیتے |
| وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ، مَا يَلْفِظُ مِنْ | جاتے ہین، کوئی بات وہ نہین بولتا مگر ایک نگران |
| قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ، (ق-۲) | اسکے پاس حاضر رہتا ہے، |

کبھی اُس کو اعمال کی تحریر وکتابت کے الفاظ مین ظاہر کیا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ | کیا یہ منکر سمجھتے ہین کہ ہم اُن کے بھید اور اُن کی |
| وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ | کاناپھوسی نہین سنتے، کیون نہین بلکہ ہمارے |
| يَكْتُبُونَ ۔ (زخرف-۷) | فرستادہ ان کے پاس (اعمال کو) لکھتے ہین، |
| إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ | بیشک ہمارے فرستادہ تمھاری چالون کو |
| (یونس-۳) | لکھتے رہتے ہین، |

کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور ذاتی علم وشہادت کو ظاہر کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا | اور تو کسی کام مین نہین ہوتا، اور نہ قرآن سے |
| مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ | کچھ پڑھتا ہے، اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو، |
| إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ (یونس) | لیکن ہم موجود ہوتے ہین، جب تم اسمین لگے ہوتے ہو |

کبھی یہ کہا ہے کہ ہر انسان کا نامۂ عمل اسکی گردن میں لگا ہے، قیامت کے دن وہی فردِ عمل کی صورت میں انسان کے سامنے پھیلا دیا جائیگا، کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو،

فرمایا:-

| | |
|---|---|
| وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ، اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ، (بنی اسرائیل) | اور ہمنے ہر انسان کا نتیجۂ عمل اس کی گردن میں چپکا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم دفتر کو نکالیں گے جسکو وہ کھلا ہوا پائیگا کہ اپنا دفتر پڑھ لے، آج تیرا نفس خود ہی محاسب ہو تو کافی ہے، |

اس آیت کا ایسا محل ہے کہ نامۂ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب وکتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے، اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تعبیر اس لئے اختیار کیگئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قلمبند حساب کوئی بھول نہیں سکتا اور ایک ایک چیز اس میں درج ہوتی ہے، اسی طرح یہ اعمالِ انسانی فراموش نہ ہوں گے، بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے، فرمایا:-

| | |
|---|---|
| وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ، (کہف-۶) | اور نامۂ عمل رکھی جائیگی تو گنہگاروں کو تو دیکھیگا، کہ جو لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہونگے اور کہینگے کہ ہائے افسوس کہ اس کاغذ کو کیا ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی بات نہیں چھوڑتا، لیکن اسکو شمار کر لیا، اور جو کچھ انھوں نے زندگی میں کیا اس کو سامنے پائینگے، اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہ کریگا، |

باین ہمہ اگر کوئی بحیثیت لفظون کا پابند ہو کر نامۂ عمل کو واقعی کاغذون کا دفتر سمجھتا ہے، تو اس مین شک نہین کہ الفاظ کے ظاہری معنی اسکی تائید کرینگے، مگر کون سمجھا سکتا ہے، کہ یہ کیونکر ہوگا، اسی لئے اس پر بحث فضول ہے کہ یہ کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ، بہرحال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا، اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے،

**اعضا کی شہادت** انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندر اچھا یا برا اثر چھوڑ جاتا ہے، اگر دل کا آئینہ صاف ہو تو اس کو اپنے عمل کا چہرہ اسمین صاف دکھائی دے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ﴿ | بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا |
| وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ﴿ (قیامت - ۱) | ہے، اگرچہ وہ اپنے عذر تراشتا ہے، |

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے زنگ آلود ہو جاتا ہے،

| | |
|---|---|
| کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (تطفیف) | نہین بلکہ انکے دلون پر زنگ بیٹھ گیا ہے، |

گویا اسی آیت کی تفسیر مین آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے، تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و انابت کرتا ہے، اور آیندہ اس سے باز رہتا ہے، تو وہ مٹ جاتا ہے، اور اگر اسی طرح گناہ کئے جاتا ہے، تو اس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، یہان تک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے[1]:

اسی طرح وہ اپنے جن اعضا سے جو برا کام کرتا ہے، اسکا اثر ان پر چھا جاتا ہے، یہانتک کہ چہرون پر اس اثر کے نقوش ابھر آتے ہین، آنکھون مین اس کی لکیرین پڑ جاتی ہین، اور ہاتھ پاؤن پر اس کے

[1] ترمذی،

نشان نمایان ہوجاتے ہین، عالمِ غیب اور عالمِ غیب کو چھوڑو، اسی عالمِ ظاہر مین تاڑنے والون کی نگاہین، انسانون کے چہرون، آنکھون اور ہاتھ پاؤن کے عنوانِ بیان سے انسان کے اندر کی تحریرین پڑھ لیتی ہین، اسی طرح قیامت مین اُن کے اعمال کے آثار و نتائج اُنکے ایک ایک عضو سے نمایان ہونگے،

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ (رحمٰن) — گنہگار اپنی نشانی سے پہچان لیے جائینگے،

ایسی حالت مین اُس وقت جب انسان کی زبانِ قال پر خداوند عدالت کے رعب و جلال سے مہرِ سکوت پڑجائیگی، اگر انسان کے ہاتھ پاؤن، اور کھال تک اُس کے اعمالِ بد پر گواہی دیدین تو تعجب کی کیا بات ہے؟ فرمایا،

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ . . . . . . اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، (یٰس ۴)

اے گنہگارو! آج نیکوکارون سے الگ ہو کو پہچان مین آجاؤ . . . . . آج ہم انکے منھ پر مہر لگا دینگے، اور اُن کے ہاتھ ہم سے بولینگے اور ان کے پاؤن انکے کرتوتون کی گواہی دینگے،

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ، قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ

اور جبدن خدا کے دشمن دوزخ کی طرف ہانکے جائینگے، اور وہ درجہ بدرجہ بانٹے جائینگے یہانتک کہ جب وہ اسکے پاس پہنچے تو انکے کانون، انکی آنکھون، اور انکی کھالون نے اُنپر اُنکے کرتوتون کی گواہی دی، انھون نے کہا تم نے ہمپر کیون گواہی دی، کہا کہ جس خدا نے ہر چیز کو گویا کیا،

الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ، (حم السجدہ ۳) اسی نے ہم کو بھی گویا کیا،

اس لئے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہے لیکن اس گویائی سے اگر کوئی حقیقی ہی زبان کی گویائی مراد لیکر تشفی پاتا ہے، تو اس کو اسکا حق حاصل ہے،

میزان

اکثر انسانوں کے اچھے یا برے دونوں قسم کے اعمال ہوتے ہیں ایک قسم کا عمل کم ہوگا اور دوسرا زیادہ، یا دونوں برابر، دو مادی چیزوں کے درمیان تفاضل اور گھٹ بڑھ کا علم ہم کو تولنے یا گننے سے ہوتا ہے، اس لئے وزن اور حساب سے عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے، اعمالِ انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے، کہ انسان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملے گا، فرمایا،

جَزَآءً وِّفَاقًا، (نبأ-۱) پورا پورا بدلہ،

اس برابری اور کمالِ عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازو کی ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارہ سے ادا کیا، فرمایا،

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا کُنَّا غَآئِبِیۡنَ، وَالۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ، وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ، (اعراف-۱)

پھر ہم احوال سنائیں گے، اور ہم کہیں غائب نہ تھے، اور وزن اس دن حق ہے، پھر جسکی تولیں بھاری ہوئیں تو وہ ہیں جن کا بھلا ہوا، اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جو اپنی جانیں ہار بیٹھے،

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ تو جس کی تول بھاری ہوئی تو وہ خوش خوش

فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ط وَاَمَّا مَنْ — عیش مین ہوگا، اور جسکی تول ہلکی ہوئی تو اسکی

خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ لا فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (قارعہ) — مان دوزخ ہے،

ان دونون آیتون مین تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود، اعمال خیر کی کمی وبیشی ہے، پہلی آیت مین اس کا اشارہ موجود ہے، کہ وزن سے مراد حق اور عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل علم الٰہی مین موجود ہوگا، اور وہ کسی طرح بیش وکم نہ ہوگا،

اس مفہوم مین یہ استعارہ قرآن مین بکثرت مستعمل ہوا ہے، ایک جگہ ہے،

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ — وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا،

وَالْمِیْزَانَ، (شوریٰ ۲) — اور میزان کو،

یعنی کتاب الٰہی، حقانیت کیساتھ اتری ہے، اور اسی کے ساتھ میزان بھی، جس سے مراد عدل ہے، (طبری تفسیر آیت مذکور) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کائنات کی ہر چیز مین جو اعتدال کا عمل رکھا ہے، اس کو بھی میزان ہی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے،

وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ، (رحمان) — اور خدا نے ترازو رکھی ہے،

حساب الٰہی بیشی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب ہے، دوسری آسمانی کتابون کی طرح قرآن مین بھی یہ استعارہ استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت مین تمھارے عمل کا حساب لین گے، مگر اس حساب سے بھی وہی مقصود ہے، جو وزن سے ہے، چنانچہ سورۂ انبیاء مین یہ مفہوم مزید تصریح کے ساتھ مذکور ہے، اور جس سے میزان کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ مین آتی ہے، فرمایا،

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ — اور ہم قیامت کے دن کے لئے ترازوئین ٹھیک

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۔ (انبیاء-۴)

انصاف رکھیں گے، پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کچھ ہوگا، تو ہم لا دینگے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے،

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جاسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے، اور دوسری یہ کہ حساب سے مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی ذرہ بھی معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائیگا، اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب ہے، لیکن بہر حال وزن وحساب کے مادی ہی مفہوم کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے تو وہ بھی حق پر ہے،

**جنت و دوزخ** اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الٰہی کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ارواح انسانی کو سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کیجائیں، مگر اس سعادت وترقی کی بنیاد خدا نے اعمال نیک کے حصول اور اعمال بد سے پرہیز پر رکھی ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے، اور اسی عالم کا نام جہاں یہ سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی ملتی ہیں "بہشت" ہے، اور اس عالم کا نام جہاں جاکر دنیاوی کمیوں کی تلافی اور گذشتہ حیات فانی کے اعمال بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی "دوزخ" ہے، اسلیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے،

**جنت انسان کی وراثت ہے،** حضرت آدمؑ کا قصہ جو توراۃ اور قرآن پاک میں مذکور ہے، وہ آغاز خلقت کی محض تاریخ نہیں، بلکہ وہ حقیقت انسانی کی سچی اور حقیقی تفسیر ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت آدم کو اپنے فضل سے جس جنت میں جگہ دی تھی، وہ پہلے اُن کو اور انکی نسل کو ہمیشہ کے لئے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اتفاقاً اُن سے گناہ سرزد ہوا، اس لئے وہان سے نکال کر زمین مین بھیجدیئے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہین ہے کہ آدم علیہ السلام کا زمین مین آنا تو اُن کی پیدایش سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی خلقت سے پہلے ہی فرشتون پر یہ ظاہر کر چکا تھا، کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، (بقرہ ۴) مین زمین مین ایک خلیفہ بنانے والا ہون،

حضرت آدم کا زمین مین خلیفہ ہونا، اُن کے زمین مین سکونت پذیر ہونے کی پیشین گوئی ہے، مگر زمین مین بھیجنے سے پہلے اُن کو جنت مین رکھنا، پھر گناہ کے بعد وہان سے اُن کو نکال کر زمین مین بھیجنا، یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور ان کی نسل کی اصلی جگہ یہی جنت ہے، مگر اس سے دوری انکے گناہ کی وجہ سے، اور اس کا حصول خدا کی اطاعت اور نیکوکاری کے ذریعہ ہوگا، چنانچہ اُن کے زمین مین اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا،

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا، فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، (بقرہ ۴-۴)

ہم نے کہا کہ تم سب اس جنت سے اترو، پھر کبھی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اس کو نہ ڈر ہوگا، نہ غم، اور جنھون نے نہ مانا اور ہمارے حکمون کو جھٹلایا، تو وہی مین دوزخ والے، وہ اس مین رہا کرینگے،

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ

خدا نے کہا کہ اس جنت سے تم دونون

| | |
|---|---|
| لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ | ایک ساتھ اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو |
| هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ | تو اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی |
| وَلَا یَشْقٰى وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ | آئے، تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ |
| فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ | نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے میری |
| یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى، | یاد سے منہ پھیرا، تو اس کے لئے تنگ معاش |
| (طٰہٰ - ۷) | ہوگی، اور قیامت مین ہم اسکو اندھا اٹھائینگے، |

توراۃ مین ہے، کہ جنت مین دو درخت تھے، ایک نیک و بد کی پہچان کا، اور دوسرا زندگی جاوید کا، توراۃ کے روسے آدم کو اسی نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن آدم نے اُس کو کھالیا، اور اسکی وجہ سے سب سے پہلے اُن کو اپنی برہنگی کا علم ہوا، آخر خدا نے اُن کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی کا دعویٰ نہ کر بیٹھین، جب وہ جنت سے نکالے گئے تو اُن سے کہا گیا، (سفر تکوین ۲۰)

"اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت مین نے تجھ سے حکم کیا کہ اس سے مت کھا، زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی، اور تکلیف کیساتھ تو اپنی عمر بھر اُس سے کھائیگا، اور وہ تیرے لئے کانٹے اور اونٹکٹارے اگائے گی، اور تو کھیت کی نبات کھائے گا، اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین مین پھر نہ جائے"

قرآن پاک مین اُس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا تصریحاً مذکور نہین لیکن ایک آیت سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ، وہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا،

اور شیطان نے یہ کہکر اُن کو کھلایا کہ "یہ حیاتِ جاوید، اور ملکِ جاویدان کا درخت ہے" مگر اُس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو "برہنگی کا علم" ہو گیا، جو نیک و بد کی تمیز کا نتیجہ ہے، فرمایا۔

| | |
|---|---|
| فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ | شیطان نے آدم کو وسوسہ دیا، کہا اے آدم کیا میں |
| يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ | تجھے حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ غیر فانی کا درخت |
| وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى، فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ | بتاؤں، تو (آدم اور حوا) دونوں نے اس |
| لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ (طٰہٰ-۷) | درخت کا پھل کھایا تو انکی بری چیزیں اُن پر کھل گئیں |

اب سوال یہ ہے کہ "حیاتِ جاویدان اور غیر فانی بادشاہی" سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت ہے، شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں جسمیں تم اب ہو، ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤں؟ انسان نے خواہش کی، تو اس نے نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل بتا دیا، یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس ادراک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے بھی گرانبار نہیں غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، چنانچہ وہ اس کے سرڈالی گئی، اور پھر نسلِ آدم میں یہ نیک و بد کی تمیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی۔ فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا، فَاَلْهَمَهَا | اور نفس اور اسکی بناوٹ کی قسم، پھر نفس میں |
| فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (والشمس) | اسکی بدی اور اسکی نیکی کو الہام کیا، |

عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہوں،

| | |
|---|---|
| اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ | ہم نے اپنی امانت (تکلیف شرعی) آسمانوں |

| | |
|---|---|
| وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ | اور زمین پر اور پہاڑون پر پیش کی تو انھون |
| يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا | نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور انسان |
| الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا، | نے اسکو اٹھالیا، کہ وہ ظالم اور نادان تھا، |
| لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ | تاکہ اللہ نفاق والون اور نفاق والیون |
| وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ | شرک والون اور شرک والیون کو سزا دے |
| اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ | اور ایمان والون اور ایمان والیون پر |
| وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (احزاب) | رجوع ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہو، |

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیفِ شرعی کی امانت کو اٹھالیا، جو نیک و بد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا، اور اس تکلیفِ شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ اُس کے سب بندے اُس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہرین، کہ اسکی رحمت و شفقت کا اقتضا یہی ہے کہ گنہگارون کو معاف کرے اور نیکوکارون پر اپنی خاص رحمت نازل کرے لیکن اگر کاشتکار اپنے کھیتون کو ابرِ رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے، تو وہ اس کی برکت سے مستفید نہ ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و نفاق مین مبتلا ہوجانے سے اپنے آپ کو اسکی رحمت کے قابل نہ بنائے، تو وہ بھی اس کی رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہو سکیگا،

غرض اس طرح وہ مصلحتِ الٰہی جو انسان کی پیدائش سے تھی پوری ہوئی، اور وہ حیاتِ جاوید اور غیر فانی بادشاہی، جسکا حصول قضائے الٰہی نے انسان کی محنت، جدوجہد اور سعی و عمل پر موقوف رکھا تھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلا سعی و محنت، محض بخت و اتفاق سے دلوانا چاہا تھا، بالآخر اسکا

لمنا تقدیر الٰہی، جدوجہد، سعی وعمل اور نظامِ ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی کے ذریعہ سے مقرر ہوا، جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، فرمان آیا،

اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (بقرہ ۔ ۴)

یہاں سے تم سب اترو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی، تو اون کو نہ ڈر ہوگا نہ غم،

اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۔ (طٰہٰ ۔ ۷)

تم دونوں یہاں سے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے تو جسنے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت،

جب انسان کا اصل مقام، وہی حیاتِ جاوید اور مملکتِ ابد ہے، تو اُسی کا حصول اسکی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہئے اور اسی حیاتِ فانی اور لازوال بادشاہی کی دولت کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے مزد ومعاوضہ میں حاصل کرنا چاہئے، تاکہ وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو پائے جس کی صفت یہ ہے،

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۔ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۔ (طٰہٰ ۔ ۷)

تو شیطان تمکو جنت سے باہر نہ کرئے تو پھر تو مشقت میں پڑجائے، اور جنت میں تجکو یہ ملا ہے کہ اسمیں تو نہ بھوکا ہوگا، نہ ننگا، نہ پیاسا ہوگا، اور نہ دھوپ کی تپش اٹھائیگا،

آدم اس جنت سے نکلے تو اُن کو بھوک بھی لگی، ننگے بھی ہوئے، پیاس بھی معلوم ہوئی، اور دھوپ کی تپش کی تکلیف بھی ہوئی، اور زمین میں آکر اُن ہی چار چیزوں کی مشقت میں گرفتار ہوئے کھانا پینا، پہننا، رہنا، یہی انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں ان ہی کو اُس نے اپنی ہوا وہوس سے پھیلا کر ضروریات کا ایک عالم پیدا کر لیا جس کے مہیا کرنے ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر کے اصل جنت کی طلب سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہیں سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائز اکل، جائز شرب، جائز لباس، اور جائز مسکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا، اسی سے شریعت کے اصول، معاملات اور اخلاقِ انسانی کی ذمہ داریاں پیدا ہوئیں، اور پھر اس لئے تاکہ اس حیاتِ فانی میں پھنسکر حیاتِ غیر فانی کی طلب کو وہ بھول نہ جائے، عرفانِ الٰہی (عقائدِ صحیحہ) اور عبادت و اطاعتِ الٰہی کی تلقین ہوئی، جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے،

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ
يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
(مومنون-۱)

یہی وہ میراث لینے والے ہیں، جو سایہ دار
باغ کے وارث ہوں گے، وہ اُس میں
ہمیشہ رہنے والے ہیں،

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمالِ خیر ہی کے ذریعہ ملے گی، چنانچہ اہلِ جنت کو جنت کے داخلہ کے وقت یہ بشارت ملیگی،

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ
وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۚ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور اس جنت میں وہ کچھ ہے جس کو دل چاہے
اور آنکھوں کو لطف ملے، اور تم کو اس میں ہمیشہ

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (زخرف ۔ ۷) | رہنا ہے، اور یہی وہ جنت ہے جس کے وارث اپنے کاموں کے بدلہ تم بنائے گئے،

اور اُن ہی کو منادیِ غیب یہ ندا دیگا،

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (اعراف ۔ ۵) | اور اُن کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے جسکے تم وارث اپنے اُن کاموں کے بدلے بنائے گئے،

ملتِ توحید کے مبلغِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (شعراء ۵) | اور مجھے باغ نعمت کے وارثوں سے بنا،

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام نے انسان کا اصلی مقام وہی قرار دیا ہے، جہاں نہ بھوک ہے، نہ پیاس، نہ برہنگی ہے، نہ دھوپ کی تکلیف، جہاں کی بادشاہی لازوال اور جہان کی زندگی غیر فانی ہے، لیکن اُس کے حصول کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے مجموعہ کا نام "تقویٰ" ہے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۔ (مریم ۔ ۴) | یہ وہ بہشت ہے جسکا وارث اپنے بندوں میں سے ہم اسکو بنائینگے جو تقویٰ والا ہوگا،

**انسانی جزا و سزا کے تین گھر،**

انسان کے تین گھر ہیں، ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں، اور دوسرا درمیانی، عالمِ موت یا عالمِ قبر جس کا نام برزخ ہے، اور تیسرا اُس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دارِ آخرت کہتے ہیں، یہودیوں کے یہاں اصلی زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر ہے، اُن کے ہاں تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہیں، اور عیسائیوں میں پورا زور

تیسری منزل کی سزاوجزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلون کے ذکر سے خاموشی ہے، لیکن وحیِ محمدیؐ کی تکمیل نے ان تینون گھرون کو انسانی سزاوجزا کا مقام قرار دیا، انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزاوسزا تو اسی دنیا مین کامیابی وناکامی کی صورت مین ملتی ہے، گو اس کامیابی وناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو اس کے بعد جب انسانی روح دوسری منزل مین قدم رکھتی ہے، تو یہان بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزاوسزا کا منظر دیکھ لیتی ہے، اس کے بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہوکر اس فانی کائنات کا ہر نقش ونگار مٹ جائیگا، اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا، تو فانی انسانون کو دائمی زندگی کے لئے بیدار کیا جائیگا، اور اُس وقت وہ اپنے اعمال کی پوری جزاوسزا پائین گے،

**انسان کا پہلا دارالجزاء** غرض انسان کا پہلا دارالجزاء یہی دنیا ہے، گو اُس کے ہر نیک وبد فعل کی پوری جزا تو دوسری دنیا کی زندگی مین ملتی ہے، لیکن اس کے نیک وبد فعل کے نتائج اس موجودہ دنیا کی زندگی مین بھی اس کو کچھ نہ کچھ جزا ملا کرتی ہے، انسان کی عزت، شہرت، ناموری، ہردلعزیزی، محبوبیت، تسکین، اطمینان، سرور، فارغ البالی، حکومت، یہ سب اس زندگی کے اعمالِ خیر کے نتائج ہین ان کے برخلاف ذلت، رسوائی، بے عزتی، کس مپرسی، پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، خوف، محکومیت، اُس کے اعمالِ بد کے اثرات ہین،

یہودیون کی توراۃ مین اعمال کے نتائج مین زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالجزاء کو دی گئی ہے، بلکہ توراۃ مین یہی خیال سب سے زیادہ نمایان ہے، کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کے رنج وراحت کی صورت مین اسی زندگی مین ملتی ہے، مثلاً خدا کے حکمون پر عمل کروگے

تو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہونگی، اولادیں برومند ہونگی، جانور جئیں گے، درخت پھل دینگے، اور دشمن مغلوب ہونگے، اور اگر خدا کی نافرمانی کروگے تو تم پر وبائیں آئینگی، قحط پڑیں گے اولادیں جیتی نہ رہینگی، جانور مرجائیں گے، شہر تباہ ہوجائیں گے، باغ پھل نہ دینگے اور دشمن تم پر چھاجائینگے عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں، بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیاہے اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، آنحضرت صلعم جس دعوت کو لے کر آئے وہ یہودیت و عیسائیت کی اس افراط و تفریط دونوں سے پاک ہے، اُس نے ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی اور اُس دنیا کی بھی، زمین کی حکومت بھی، اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور وہاں کا باغ و بہار بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نکوکار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا،

| | |
|---|---|
| فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، (آل عمران - ۱۵) | تو خدا نے اُن کو دنیا کا بدلہ بھی دیا، اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے، |

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

| | |
|---|---|
| وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا، (فتح - ۴) | خدا نے اُن سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، گناہوں کی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا، |

اور یہ بھی اُن ہی سے وعدہ ہے،

| | |
|---|---|
| وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ | خدا نے اُن سے جو تم مین سے ایمان لائے اور |
| وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ | اچھے کام کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ اُن کو ملک مین |
| فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ | حاکم بنائے گا جس طرح اُن سے اگلون |
| مِنْ قَبْلِهِمْ (نور - ۷) | کو حاکم بنایا تھا، |

لیکن اس مین بھی شک نہین کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اُس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پائدار ہے، اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اُس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، اور اسی دنیا کے حسنِ عمل کی کوشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا | جنھون نے نیک کام کئے، اس دنیا مین انکے |
| حَسَنَةٌ، وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ، وَ | لئے بھلائی ہے، اور بے شبہ آخرت کا گھر |
| لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ (نحل - ۴) | بہتر ہے، اور پرہیزگارون کا گھر کیا اچھا ہے، |

اسی طرح بدکارون کی جزا جہان اُس دنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا، اسی طرح اس دنیا کی ذلت و خواری اور رسوائی کو بھی فرمایا،

| | |
|---|---|
| خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ، (حج - ۲) | اُس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، |
| لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ | اُن کے لئے دنیا مین رسوائی ہے، اور آخرت |
| فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ، (بقرہ - ۱۴) | مین بڑی مار ہے، |
| حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (بقرہ) | اُنکے کام دنیا اور آخرت مین برباد ہوئے، |

یہ بھی فرمایا،

فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، (آل عمران - ۶)

تو مین اُن کو دُنیا اور آخرت مین سخت سزا دونگا،

تنگی اور بدحالی کی سزا بھی یہین ملتی ہے،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى، (طٰہٰ - ۷)

اور جس نے میری نصیحت سے منھ پھیرا تو اُسکے لیے تنگ گذران ہو اور قیامت مین ہم اُسکو اندھا اٹھاؤنگا (کہ دنیا مین وہ دل کا اندھا تھا)

انتہا یہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگِ اُحد مین جو فتح نہین ملی، اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی انکی بعض فروگذاشتون کا ثمرہ بتایا،

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا، (آل عمران - ۱۶)

تم مین سے جو لوگ اس دن جب دونون فوجین بھڑین، پیچھے ہٹے اُن کے بعض کامون کی وجہ سے شیطان نے اُن کو بہسلا دیا،

ایک اور مقام پر عام طور سے فرمایا گیا،

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ، (شوریٰ - ۴)

جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمھارے ہاتھون کے کرتوتون کے باعث، اور وہ بہت سی باتون سے درگذر کرتا ہے،

یہود کے ذکر مین قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا،

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا

ان پر ذلت ماری گئی، جہان پائے گئے لیکن

ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ
مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

(آل عمران - ۱۲)

(جہان عزت حاصل ہو) وہ خدا کے ذریعہ اور
لوگون کے سہارے، اور اللہ کا غضہ کما لائے
اور اُن پر (قومی) محتاجی ماری گئی، یہ اس لئے
کہ وہ خدا کے حکمون کا انکار کرتے تھے، اور
پیغمبرون کو مار ڈالتے تھے، یہ اس لئے کہ
وہ نافرمان ہین، اور حدودِ الٰہی سے آگے
بڑھتے ہین،

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا،

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ
رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

(مائدہ - ۹)

اور اگر یہ توراۃ اور انجیل کو اور جو انکی طرف
ان کے پروردگار کی طرف سے (اب) اتارا گیا
اسکو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر (برکات آسمانی)
سے کھاتے، اور اپنے پاؤن کے نیچے (ارضی
خیر و برکت) سے کھاتے،

ایک اور موقع پر اشارہ ہے،

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا
وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا

اور ان آبادیون کے رہنے والے ایمان لاتے
اور پرہیزگاری کے کام کرتے تو ہم اُن پر
آسمان اور زمین سے برکتون کو کھولتے لیکن

فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ (اعراف-۱۲) انھون نے خدا کے احکام کو جھٹلایا تو ہم نے اُنکے اعمال کی پاداشس مین اُن کو پکڑ لیا۔

مگر یہ دارالجزا رفانی ہے

لیکن یہان ایک لغزش گاہ بھی ہے جس سے اہل ہوش کو باخبر رہنا چاہیئے اس دنیا مین گو انسان کو اعمال کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ مین ضرور ملتی ہی مگر کیا شخصی زندگی اور کیا جماعتی حیات کے لحاظ سے یہ دارالجزا جس کا نام دنیا ہے عارضی اور فانی ہے، یہان کا غم بھی فانی اور یہان کی خوشی بھی عارضی ہے، اس لئے صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصل مطلوب و مقصود اور غایت و منتہا نہین بنانا چاہیئے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی ملکوت، اور لازوال ربّانی سلطنت ہے جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہی، اور جہان کی نعمتین اس دنیا کی نعمتون سے کہین زیادہ بہتر اور غیر فانی ہین، اس لئے اس فانی دنیا کی لذتون مین پڑ کر اس کو بھول نہین جانا چاہیئے، اُس مسافر کی عقل سلیم کی داد کون دیگا جو راستے کی عارضی خوش منظریون، اور سفر کی فانی دلچسپیون مین پڑ کر اپنے خوش سواد اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاھ بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھکر چاہتے ہو حالانکہ

وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ (اعلیٰ-۱) آخرت کی زندگی اس سے بہتر اور اس سے زیادہ پائدار ہے

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ، (یوسف-۷) اور بیشک آخرت کی مزدوری یہان کی مزدوری سے بہتر ہے،

اسی طرح گنہگارون کے لئے یہان کی ذلت و رسوائی سے بڑھکر ایک اور ذلت و رسوائی کا مقام ہی،

| | |
|---|---|
| فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ | توخدا نے اُن کو اس دنیاوی زندگی مین رسوائی |
| الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ | کا مزہ چکھایا، اور شبہہ نہین کہ آخرت کا عذاب |
| لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ، (زمر-۳) | اس سے بھی بڑا ہے، اگر وہ جانتے، |

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سہ بھی لیجائے، مگر وہان کے عذاب کی سختی کو کون سہ سکتا ہی

| | |
|---|---|
| وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى | اور آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور زیادہ |
| (طٰہٰ-۷) | دیرپا ہے، |

اس لئے اس فانی دنیا مین انسان کو اپنے حسن عمل کے بدولت جو زور و قوت، جاہ و جلال، نعمت و مال، اور حکومت و سروری ملے، اُن کو بھی آخرت کی لازوال نعمتون اور وہان کی غیر فانی بادشاہی کے حصول مین صرف کرنا چاہئے، کہ اس سے خود اُن دنیاوی نعمتون کو بھی بقا اور پائداری حاصل ہوگی، اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ صلعم کی وحی حقیقت طراز نے قارون کی نصیحت کے ضمن مین ان لفظون مین ادا کیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ | اور خدا نے جو تجکو دیا ہے، اُس سے آخرت کا |
| الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ | گھر تلاش کر، اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول، اور |
| الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ | جس طرح خدا نے تجھپر احسان کیا ہے، تو بھی |
| اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ | (خدا کے بندون پر) احسان کر اور (اس دولت |
| (قصص-۸) | سے) زمین مین خرابی نہ چاہ، |

چنانچہ ناخلف یہود پر تباہی اسی لئے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت و جائداد کی محبت مین

ایسے پھنسے کہ اُن کو اپنے کاروبار مین آخرت کے سودا کا خیال بھول کر بھی نہ آیا،

| | |
|---|---|
| فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَرِثُوا | تو اُن کے بعد کچھ ناخلف کتاب کے وارث ہوئے |
| الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى | جو اس دنیا کے سامان و اسباب کو لیتے ہین، |
| وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ | اور کہتے ہین کہ ہم کو معاف ہوگا، اور اگر ویسا |
| عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ‌ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ | ہی سامان و اسباب پھر آئے تو پھر لین، کیا |
| عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا | اُن سے کتاب کے حق مین یہ عہد نہین لیا گیا |
| عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ وَدَرَسُوۡا مَا | کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولین حالانکہ |
| فِيۡهِ‌ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّـلَّذِيۡنَ | جو اس مین ہے وہ اس کو پڑھ چکے ہین، اور |
| يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ، | آخرت کا گھر پرہیزگارون کے لئے بہتر ہے، |
| (اعراف - ۲۱) | کیا تم سمجھتے نہین، |

**یہ دارالجزاء و دارالاصلاح بھی ہے،**

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اُس ہمیشہ کی زندگی کا مقام بھی دکھایا اور بتادیا کہ اُس مقام کا دائمی و ابدی استحقاق خود تمھارے عمل سے تم کو حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی لئے اُس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ مین اُس سدابہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے، پھر چونکہ انسان دوسری مصلحتون کے لحاظ سے طبعاً کمزور، زود فراموش، اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی اسی مستعار زندگی مین بار بار اپنے سنبھلنے، سدھرنے، اور کامیاب بننے کے موقع عنایت کئے، رسولون کی بعثت، معلمون کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کا سلسلہ گناہون پر جسمانی سزا و تعزیر، عملِ خیر پر روحانی لذت، اور عمل شر پر روحانی غبار و کدورت کے لوازم اسی لئے مقرر ہوئے کہ اُس کو ہر قدم پر اپنے اعمال پر تنبہ اور اپنی غلط روی کا احساس ہو، اور ان سب کے علاوہ اس نے اپنی غایتِ رحمت سے انسانون کی تنبیہ اور اصلاح کے لیے حسبِ ذیل مراتب مقرر کئے،

**۱۔ نیکی سے برائی کا کفارہ**، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریون کی حد سے باہر نہین نکل سکتا، اس لئے جس طرح اس دنیا مین اُس نے انسانون کے دلون مین یہ فطری اصول ودیعت کر دیا ہے، کہ جس کی نیکیون کا پلہ بھاری ہو، اُس کی معمولی برائیون سے چشم پوشی کیجاتی ہے، یا یہ کہ آخر مین اُسکا کوئی ایک نیک کام اتنا زبردست ہو جاتا ہے کہ اُس سے اس کی تمام اگلی برائیون کی فرد دُھل جاتی ہے، اسی کا نام "کفارۂ عمل" ہے، چنانچہ وحیِ محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ مین تلقین کی کہ،

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود) بے شبہہ نیکیان برائیون کو دور کر دیتی ہین،

اس آیت کا یہ بھی منشا ہے کہ نیکیون کی تدریجی ترقی بالآخر برائیون کو کم کرتی جاتی ہے، یہان تک کہ وہ پورا نیکوکار انسان بنجاتا ہے، اور یہ بھی خوشخبری اس مین پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیان، اسکی پہلی برائیون کے نتیجہ کو بھی ان شاء اللہ مٹا دینگی، اس معنی کی اور آیتین بھی قرآنِ پاک مین ہین،

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا، (نساء-۵)

تمکو جن باتون سے منع کیا گیا ہو، اگر اُن مین کی بڑی باتون سے تم بچتے رہوگے تو ہم تمھاری تقصیرین تمسے اتار دینگے، اور تمکو عزت کے مقام مین داخل کرینگے

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (مائدہ-۲)

البتہ اگر تم نماز کھڑی کرو، اور زکوٰۃ دو، اور میرے پیغمبرون پر ایمان لاؤ، اور انکی مدد کروگے اور اللہ کو بھی طرح کا قرض دوگے، تو مین تمہارے گناہون کو اتار دونگا، اور تم کو ان جنتون مین داخل کرونگا جنکے نیچے نہرین بہتی ہین،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ (احقاف-۲)

یہ وہ ہین جن کے اچھے عمل کو ہم قبول، اور اُن کی برائیون سے درگذر کرین گے،

**۲-توبہ کفارہ ہے**، انسان کے تمام کاروبار مین اصل شے اُس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک ہوتا ہے، اور اسی سے ناپاک بنتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کیساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے، اور اپنی تقصیرون اور فروگذاشتون پر اُس کی بارگاہ مین نادم وشرمسار ہوکر اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہوکر آیندہ کے لئے نکوکاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کرے، تو اس کا نام **توبہ** ہے، یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کی آغوشِ محبت مین لاکر ڈالدیتی ہے، آدم علیہ السلام کا قصور اور پھر ان کی توبہ، اور رحمتِ الٰہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لئے ہمیشہ وا رہتی ہے، رحمتِ الٰہی کے اس پرجوش نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلعم کے صحیفۂ وحی اور پیامِ نبوت مین نظر آتی ہے، اُس سے ہندوستان کا ہرمت اور دھرم قطعاً محروم، تورات خاموش، زبور کی سرملی

آوازمدھم اور انجیل کی خوشخبری مبہم ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے پیام ربانی مین اسکی کیفیات اور اصول وشرائط کو جس شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا، وہ گو رب العلمین کیطرف سے آیا، رحمۃ للعلمین کا خاص حصہ تھا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا | مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک |
| فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا | کام کئے، تو وہ جنت مین داخل ہونگے، اور |
| يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝ (مریم-۴) | اُن پر کچھ ظلم نہ کیا جائیگا، |

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہون کے سارے دفتر دھو کر انکی جگہ آپ لے لیگی،

| | |
|---|---|
| إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا | مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے |
| صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ | تو یہ وہ ہین جنکی برائیون کو اللہ بھلائیون مین |
| حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (فرقان) | بدل دیگا، اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے، |

اور یہی اسکی شان رحمت کا اقتضا ہے، یہان تک کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے گناہون سے توبہ کرین تو اُن کو بھی بشارت ہے،

| | |
|---|---|
| فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ | تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے |
| فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ | کو سدھارا، تو بیشک اللہ اس پر رجوع ہوگا کہ |
| رَحِيمٌ - أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ | اللہ بخشنے والا مہربان ہے، کیا تجھے نہین معلوم |
| السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يُعَذِّبُ | کہ آسمانون کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی |

مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ ۶)

ہے جس کو چاہے سزا دے اور جسکو چاہے معاف
کرے، اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرمادیا کہ

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ
عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى، (طٰہٰ ۴)

اور بیشک میں اُسکو بخشنے والا ہوں جس نے
توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک کام کئے اور

لیکن توبہ کس کے لئے ہے، اور کس شرط کیساتھ ہے،

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ
مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا،
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا
الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ، (نساء)

اللہ کو اُن کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو نادانی
سے بُرا کام کرتے ہیں، پھر جلد توبہ کرتے ہیں تو
یہی وہ ہیں جنکو اللہ معاف کرتا ہے، اور اللہ سب
جانتا ہے، اور حکمت والا ہے، اور انکی توبہ نہیں ہے
جو بُرے کام کرتے جاتے ہیں یہانتک کہ جب
ان میں سے کسی کو موت آئی تو اس نے کہا
اب میں نے توبہ کی، اور نہ اُن کی توبہ ہے
جو کافر ہو کر مریں،

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اُس بندہ کے دل میں آیندہ تلافی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو، اور ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں، ہاں اگر وہ توبہ اپنے احساس کے اثر سے کرے، اور اس کے بعد اتفاقاً موت آجائے تو یقیناً رحمتِ الٰہی اُس کے قبول کرنے

مین تامل نہ کرے گی،

| | |
|---|---|
| وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا | اور جنھون نے برے کام کئے، پھر اسکے بعد باز آئے |
| مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ | (توبہ کی) اور یقین کیا، تو بیشک تیرا پروردگار |
| بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ، (اعراف-۱۹) | اسکے بعد بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، |
| وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ | اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے، |
| نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ | پھر اللہ سے اپنے گناہ کی معافی چاہے، تو وہ اللہ |
| غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ، (نساء-۱۶) | کو بخشش والا رحم کرنے والا پائے گا، |

**۲-مصائب کی تنبیہ اور کفارہ**، دنیا مین انسان کو مصائب سے زیادہ بری اور تکلیف دہ چیز کوئی دوسری نہین معلوم ہوتی، لیکن یہ حقیقت بھلانے کے لائق نہین کہ افراد، بلکہ جماعتین اور قومین بھی مصائب ہی کی تنبیہ اور سرزنش سے متنبہ اور ہشیار ہوکر آمادۂ اصلاح ہوتی ہین، چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتون ہی کی آگ نکھار کر کندن بناتی ہے، صبر، استقلال، تواضع، شکر، محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت ان ہی مصائب کے زیر سایہ ہوتی ہے، مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے، اس لئے غافل انسانون اور خود فراموش سرمستون کو ہوش مین لانے کے لئے کبھی کبھی کی مصیبتون سے بڑھکر کوئی دوسری چیز نہین، کہ اُن کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایکدفعہ بے قرار ہوکر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے،

دولت ونعمت اور کامیابی ومسرت، وہ شراب ہے جس کے نشہ کا اتار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہوسکتا ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہوا اور اپنی دولت وثروت پر کتنا ہی نازان ہو،

لیکن جب وہ کسی افتاد سے دوچار ہوتا ہے، تو دفعتہً اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، بیماری، تنگدستی، عزیزوں کی موت، آرزوؤں کی ناکامی، ان میں سے ہر چیز وہ ٹھوکر ہے جس کو کھا کر سرمست راہگیر بھی ایک دفعہ چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے، اور اُس کو اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے اعمالِ بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے، کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو روحانی احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے،

قرآن پاک نے اس نکتہ کو جابجا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو اس سے پہلے کہ اُن کو ہلاک کرے، مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کریں، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ، (اعراف - ۱۶) | اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو قحطوں اور پھلوں کی کمی کی مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، |

بنی اسرائیل کے متعلق ہے،

| | |
|---|---|
| وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ، (اعراف ۲۱) | اور ہم نے اُن کو نعمتوں اور مصیبتوں کیساتھ آزمایا تاکہ وہ شاید باز آئیں، |

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس اصول کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ | اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا، لیکن وہاں کے رہنے والوں کو سختیوں اور |

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ، (اعراف-۱۲)　مصیبتون مین گرفتار کیا، تاکہ وہ شاید گڑگڑائین

مسلمانون سے فرمایا گیا،

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ، (بقرہ-۱۹)

اور البتہ ہم تمکو تھوڑے خوف، بھوک، اور دولت کی اور جانون کی، اور پھلون کی کمی سے آزمائینگے اور ان صابرون کو خوشخبری سنا کہ جن کو جب کوئی مصیبت ستاتی ہے تو کہتے ہین، ہم خدا کے ہین، اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہین، یہ وہ ہین جنپر اللہ کی برکتین اور رحمتین ہونگی اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہین'

اس اصول کے تحت مین آنحضرت صلعم نے اس کے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (نساء-۱۰۰) (جو کوئی برائی کرے گا اسکا بدلہ اسکو دیا جائیگا) تو مین نے آنحضرت صلعم سے اس کا مطلب پوچھا، فرمایا کہ" یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے عتاب ہے، اس کا بدلہ دنیا مین بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے، جیسے اس کو بخار آجائے، یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہو جائے، یہانتک کہ جیب مین کوئی چیز رکھکر بھول جائے، اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچے وہ تکلیف بھی کفارہ بنجاتی ہے، یہانتک کہ بندہ گناہون سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے، جیسے بھٹی سے سونا[1] دوسری حدیثون

[1] یہ اور اسکی ہم معنی حدیثین اکثر کتب حدیث مین ہین مثلاً ترمذی تفسیر اواخر النساء، سنن ابی داؤد، اوائل کتاب الجنائز،

مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہین آتی ہے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کے گناہون کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہانتک کہ اگر اس کے کوئی کانٹا چبھ جائے تو وہ بھی کفارہ بنجاتا ہے"۔ تیسری روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری، یا غم، یا اذیت نہین پہنچتی لیکن یہ کہ وہ اُس کے گناہون کا کفارہ ہو جاتی ہے، یہانتک کہ اگر اس کے کوئی کانٹا چبھ جائے، تو وہ بھی"۔ چوتھی روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کانٹا چبھنے سے لے کر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہون کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہین[1]"۔ پانچوین روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "دنیا مین جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اس کی سزا اس کو یہین مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ، اور اس کو اس گناہ سے پاک وصاف بنانے والی ہے[2]"۔

سطورِ بالا سے ہویدا ہے کہ کوئی انسان جو اقرارِ توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو، دنیا مین توبہ، اعمالِ نیک اور مصائب پر صبر وشکر کے ذریعہ سے نجات پا سکتا ہے، اور اس دنیا سے اسی طرح پاک وصاف ہو کر نکل سکتا ہی، کہ موت کے بعد اُس کو کسی نئے کفارۂ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے،

اسی لئے قرآنِ پاک مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔ (سجدہ - ۲) | اور ہم البتہ اُن کو بڑے عذاب کے پہلے ادنیٰ عذاب کا کچھ مزہ چکھائین گے، تاکہ وہ اب بھی باز آئین، |

[1] صحیح بخاری اوائل کتاب المرضیٰ مین یہ تینون روایتین ہین، [2] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ،

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ عذابِ الٰہی کا مقصد انتقام اور نفسِ سزا اور عقوبت نہین، بلکہ شریر نفس کو راہِ راست پر لانا ہے، اسی لئے ایک اور آیت مین فرمایا:-

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا، (نساء-۲۱)

اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دیکر کیا کریگا، اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ، کہ خدا (نیکیون کا) قبول کرنیوالا اور (تمھارے ہر عمل کو) جاننے والا ہے،

الغرض یہ عذاب اس دنیا مین آیندہ گناہون سے بچانے اور گذشتہ گناہون سے پاک کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور عالمِ برزخ اور عالمِ بعث چونکہ نئے عمل کے محل نہین، اس لئے ان دونون مقامون مین آیندہ کا کوئی سوال نہین پیدا ہو سکتا، صرف گذشتہ بداعمالیون کی سزا بھگت کر انکے نتائج سے نجات مل سکتی ہے، اور یہی عالمِ برزخ اور عالمِ بعث کے عذابون کا مقصد ہے، الّا یہ کہ پروردگارِ عالم خود اپنی رحمت سے نوازے، اور معاف فرمائے،

**عذابِ برزخ بھی کفارہ ہے:** لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہون کی ناپاکیان اتنی زیادہ ہین کہ اسکی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اس کو دھو کر پاک وصاف نہ بنا سکے، تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم مین اپنے اعمالِ بد کی مناسب سزاؤن کی صورتون مین تکلیفین اٹھا کر پاک وصاف بننا پڑے گا، یہی عالمِ برزخ کا عذاب ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ عالمِ برزخ کی یہ سزائین اس لئے ہین کہ ہم نے دنیا مین اپنی ناپاک خواہشون اور ناپاک کامون سے احتراز کرنے کی جو زحمت نہین اٹھائی، اور اچھے کامون کے کرنے مین جو تھوڑی تکلیف پیش آتی ہے، اُس کو برداشت کرکے اچھے کام جو نہین کئے، ان دونون کے معاوضہ مین عالمِ برزخ مین آکر عذاب

کی تکلیفین اٹھائین، تاکہ حیاتِ ثانی کے دروازہ پر پہنچکر بھی اگر ہم ان سزاؤن کے ذریعہ پاک وصاف ہو سکین تو پاک وصاف ہوکر اپنی موروثی بہشت کے قابل بن سکین، جو صرف پاکون اور بے گناہون کی جگہ ہے، یعنی ان کی ہے جو یا سرے سے کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہون، یا یہ کہ گناہ کے مرتکب ہوئے، مگر اعمالِ نیک، توبہ، اور مصائب مین صبر و شکر کرکے یا برزخ مین سزا پاکر دہ گناہون کے داغ سے نجات پا گئے،

یہ بات کہ عذابِ برزخ بھی ہمارے گناہون کا کفارہ ہے، اسلام کے اس اصول سے مترشح ہے کہ ایک مسلمان کی ہر تکلیف اُس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہے، اس بنا پر عذابِ برزخ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہوگا، قرآنِ پاک کی بعض آیتون سے یہ بات بھی کنایۃً نکلتی ہے.

گنہگار حشر کے دن کہین گے،

| | |
|---|---|
| وَبَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِیْ اَجَّلْتَ لَنَا، | اور ہم مقررہ وقت جس کو تونے ہمارے لئے |
| (انعام۔ ۱۵) | مقرر کیا تھا پہنچ چکے، |

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حشر سے پہلے عذاب کے ایک دورے کو ختم کر چکے، بعض حدیثون مین بھی اس کنایہ کی تصریح ملتی ہے، کنز العمال مین ایک حدیث ہے،

| | |
|---|---|
| عن ابن عمر، طول مقام اُمتی | ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری |
| فی قبورھم تمحیص لذنوبھم، | امت کے لوگون کا اپنی قبرون مین طول قیام |
| (کنز العمال، باب عذاب القبر جلد ۸، ...) | ان کو گناہون سے خالص کرتا ہے، |

اسی لیے ایک اور حدیث مین آیا ہے،

اکثر عذاب اُمتی فی قبورھم،[1] | میری امت کے لوگون کو زیادہ تر عذاب انکی قبر دیگی گا

اس حدیث کا (اگر وہ ثابت ہو تو) منشا یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانۂ عذاب مین نکھر کر اور پاک و صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائینگے اور عذابِ دوزخ کی ضرورت اُن کو پیش نہ آئے گی، حافظ ابن القیم ایک موقع پر لکھتے ہین،

فان وفت بالخلاص منہا فی ھذہ الدار و الا ففی البرزخ، فان وفی بالخلاص و الا ففی موقف القیامۃ واھوالہا ما یخلصھم من تلک البقیۃ...[2]

اگر ان بیماریون کا یہ علاج اس دنیا مین نجات کے لئے پورا ہو گیا تو خیر، ورنہ برزخ کی سزا سے علاج کیا جائیگا، تو اگر یہ نجات کے لئے کافی ہو گیا تو خیر ورنہ پھر قیامت کا مقام اور اس کی ہولناکیان ان کو باقی ماندہ سے پاک کردینگی

رویائے برزخ کی حدیث مین جو پہلے مفصل گذر چکی ہے، وہ منظر دکھایا گیا ہے جس مین گنہگار عذاب کے دور سے نکل کر، اور نہرِ حیات مین نئی زندگی پا کر بہشت کے مستحق قرار پائے ہین،[3] غالباً ان ہی نجات پانے والے مومنون کو دیکھکر مشرکین بھی قیامت مین یہ کہین گے،

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي

اور جسدن وہ اُن سب کو اکٹھا کریگا، اے گروہِ جن تم نے بہت سے انسانون کو اپنا بنا لیا، اور انکے دوست انسان کہین گے کہ ہمارے پروردگار! ہم مین سے ایک نے دوسرے سے کام نکالا

---

[1] اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ، باب وقائع الحشر مین نقل کیا ہے، لیکن مجھے اس کا اصل ماخذ معلوم نہ ہو سکا، [2] شفاء العلیل لابن القیم، مطبعہ حسینیہ مصر ص۲۵۴، [3] صحیح بخاری کتاب التعبیر،

اَجَّلْتَ لَنَا ؕ                                    اور ہم مقررہ وقت کو جسکو تو نے ہمارے لئے ٹھہرایا

(انعام - ۱۵)                                    تھا، پہنچ چکے،

یہ الفاظ کہ "ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا پہنچ چکے" یہ معنی رکھتے ہیں کہ "عالم برزخ" کا مقررہ دورۂ عذاب ہم ختم کر چکے، اور اب حشر ونشر کے عذاب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس لئے بعض دوسرے نیک بختوں کی طرح ہم کو بھی اب چھٹکارا ملے، جواب ملیگا،

قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ                                    فرمائیگا، آتشِ دوزخ تمہارا ٹھکانا ہوا، اس میں

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ                                    سدا رہوگے، لیکن یہ کہ جو اللہ چاہے، بیشک تیرا

(انعام - ۱۵)                                    رب حکمت اور علم والا ہے،

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا دورۂ عذاب ختم نہیں ہوا ہے، اور تمہاری پاکیزگی ابھی کامل نہیں ہوئی، اس لئے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سہنا ہے، پھر جب خدا چاہے گا تم کو اس سے نجات دیگا، اس کا ہر کام علم وحکمت پر مبنی ہے، اس کے علم وحکمت اور مصلحت کا جب تقاضا ہوگا، تم کو نجات[1] ملے گی،

**عذاب دوزخ کفارۂ گناہ ہے**                                    ابھی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے کہ

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ                                    خدا کو تمہارے عذاب سے کیا کام، اگر تم شکر کرو

شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا                                    اور ایمان لاؤ، کہ خدا تمہاری شکر گذاری کو قبول

عَلِيْمًا ،    (نساء - ۲۱)                                    کرنیوالا اور تمہارے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے

[1] حسب تفسیر ابن عباسؓ، ابن جریر طبری ج ۸ ص ۲۴ مصر،

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو گنہگارون کے عذاب سے کوئی خوشی نہین حاصل ہوتی، نہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے گنہگار بندے اس عذاب مین مبتلا ہون لیکن ازل سے اُس نے اپنے جو قانون مقرر کردیئے ہین وہ اُن کو توڑتا بھی نہین جس وقت آدم کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس دنیا مین اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ ہمیشہ کے لئے حاصل کرین، اسی وقت یہ قانون بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا،

| | |
|---|---|
| اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ | یہان سے تم سب اترو، تو اگر تمھارے پاس میری |
| مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا | طرف سے کوئی ہدایت اترے، توجس نے میری |
| خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ | ہدایت کی پیروی کی تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے |
| وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا | اور نہ وہ غمگین ہونگے، اور جنھون نے ناشکری |
| أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا | کی اور ہماری نشانیون کو جھٹلایا تو وہی دوزخ |
| خَالِدُونَ، (بقرہ-۴) | والے ہونگے، وہ اُس مین ہمیشہ رہین گے۔ |

اس آیت مین مستحقِ دوزخ ہونے کی دو وجہین بیان کیگئی ہین، ایک کفران، اور دوسری تکذیب دیکھو کہ اوپر کی نسار والی آیت مین عذابِ دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطین شکر اور ایمان انکے بالکل بالمقابل ہین، اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاقِ جنت کی شرطین، اور کفران اور تکذیب استحقاقِ دوزخ کے اسباب ہین، بقیہ تمام نیکیان شکر اور ایمان کے فروع، اور تمام برائیان کفران اور تکذیب کی شاخین ہین،

اللہ تعالیٰ نے انسانون کو اس لئے نہین بنایا کہ وہ اُن کو پیدا کرکے دوزخ کا ایندھن بنائے

بلکہ اُس نے تو اُن کو اپنی رحمت کے ظہور کے لئے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لئے نہیں فرمایا،

| | |
|---|---|
| إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ | ہم نے یہ امانت آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں |
| وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ | پر پیش کی، تو اُن سب نے اُس کے اٹھانے |
| يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا | سے انکار کیا، اور ڈر گئے، اور انسان نے اسکو |
| الْإِنْسَانُ ۔ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا | اٹھالیا، کہ وہ ظالم اور نادان تھا، تاکہ اللہ نفاق |
| جَهُولًا لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ | کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں اور شرک |
| وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ | کرنے والوں اور شرک کرنیوالیوں کو سزا دے |
| وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ | اور ایمان والوں، اور ایمان والیوں پر وہ |
| الْمُؤْمِنَاتِ ۔ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا | اپنی رحمت کیساتھ رجوع ہو، اور اللہ تو بخشنے |
| رَحِيمًا ، (احزاب-۹) | والا اور رحمت والا ہے، |

اس آیتِ پاک سے صاف ہویدا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی بخشش و رحمت اُس کی صفتِ ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کر کے گناہ کرتا ہے۔ اور اسلئے وہ اپنے کو رحمتِ الٰہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے،

| | |
|---|---|
| فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ | اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنی جانوں |
| كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ، (توبہ-۹) | پر آپ ظلم کرتے ہیں، |
| وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ، (مومن-۴) | اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا |

غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے،

لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی (طٰہٰ-۱) کہ ہر جان کو اپنے ہی کیے کا بدلہ دیا جائیگا،

اس لئے بہشت یا دوزخ جو کچھ ہے، انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے، جس طرح دنیا کے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ ہے، مثلاً کھانے کا نتیجہ شکم سیری، پینے کا سیرابی، بھوک کا تکلیف بیماری کا بے آرامی، گرنے کا چوٹ، زہر کا موت، شہد کا مٹھاس، غرض ہر اچھے یا برُے فعل کا ایک لازمی جسمانی نتیجہ ہے، جو دنیا مین ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہتا ہے، اسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا ہے، جو ہم کو اُس دوسرے عالم مین ملیگا، تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے، اور ہم یہ نہین کہتے کہ ہم زہر کھا کر مرکیون گئے یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیون آئی، اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہین کر سکتے کہ ہم کو ان اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیون ملی، کہ دونون ہمارے اعمال کے یکسان لازمی نتیجے ہین،

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایتِ رحمت سے ہم کو اعمال کے نتیجون سے قبل از وقت مطلع فرما دیا ہے، ہم کو اُس نے نیک و بد کی تمیز کا احساس بخشا، عقل عنایت کی، ضمیر عطا کیا، پھر نبی اور رسول بھیجے، شریعت دی، کتاب مرحمت فرمائی، اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے اور ان اعمال کا ارتکاب کیا، تو اب ہم کو اُن اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا ہے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ — یہ رسول بھیجے، نیکون کو خوشخبری سنانے والے

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ — اور بدکارون کو ہشیار کرنے والے تاکہ خدا پر

حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ، (نساء-۲۳) — انسان کی حجت باقی نہ رہے،

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر مین اپنی رحمت کے کامل مظہر کو دنیا مین بھیجا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء-۷)

ہم نے تجھ کو (اے پیغمبر) ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا،

لیکن ظالم و نادان انسانون نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بدعقیدگیون اور بداعمالیون سے اپنے کو برباد کیا، اور جس غرض سے خدا نے اُن کو پیدا کیا تھا، اس سے اعراض کیا، اور اپنے کو خود اپنے ہاتھون سے ہلاکت و بربادی مین مبتلا کیا،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ، وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ، اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ط وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (هود-۱۰)

اور نہ تھا تیرا رب جو آبادیون کو ظلم سے ہلاک و برباد کرتا، درآنحالیکہ ان کے رہنے والے نیکوکار ہوتے، اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگون کو (زبردستی) ایک راہ پر کر دیتا (لیکن وہ ایسی زبردستی نہین کرتا) اور وہ یونہی ہمیشہ اختلاف مین رہتے ہین، مگر جن پر تیرے رب کا رحم ہوا اور اسی لئے ان کو پیدا کیا،

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کے لئے بنایا ہے، عذاب کے لئے نہین، لیکن انسان خود اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اُس کے عذاب کا سزاوار اپنے کو ٹھہرالیتا ہے، اس آیت کی تفسیر مین حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہین،

للرحمة خلقهم ولم يخلقهم للعذاب، (طبری ج ۱۲- ص۸۵ مصر)

خدا نے انسانون کو رحمت کے لئے پیدا کیا، عذاب کے لئے نہین،

لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان پے در پے رحمتون کے باوجود اپنے کو اسکی

رحمت کا مستحق نہ بنایا، تو کیا وہ خدائے رحمان ورحیم جسکا یہ اعلان ہے،

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ (انعام-۲) — اس (خدا) نے (مخلوقات پر) رحمت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے،

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ (انعام-۶) — تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہرا لیا ہے،

وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ۚ (اعراف-۱۹) — اور میری رحمت نے ہر چیز کو سما لیا ہے،

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ (کہف-۸) — اور تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے،

ورحمتی سبقت غضبی (صحیح بخاری) — اور میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لیگئی

وہ اپنے گنہگار وسیہ کار بندوں سے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ موڑ لے گا، حالانکہ اُس کی رحمت کسی غرض سے نہیں بلکہ بے غرض ہے۔ فرمایا،

وَرَبُّكَ الْغَنِىُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ (انعام-۱۶) — اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دی ہے،

يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر-۶) — اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو خدا سب گناہوں کو معاف کرتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا رحمت والا ہے،

اس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اُس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہاں

اس کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر اُس کے مقامِ لعنت (دوزخ) سے دوری، اور اُس کے مقامِ رحمت (بہشت) سے قرب ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ (الانعام-۲) | جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا وہی ہے جسپر اُس نے اپنی رحمت کی، اور انکی رحمت کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے، |

اللہ تعالیٰ کی اُن پے بہ پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُن کے نتائجِ عمل کے بھگت لینے کے بعد آخر کار اپنی رحمت کے سایہ مین لے لے، اور وہ اُن کو اپنی بخششون سے سرفراز فرمائے،

**دوزخ قیدخانہ نہین شفاخانہ ہے،**

انسان جب عدمِ حفظِ صحت کی غلط کاریون کے سبب سے بیمار ہوجاتا ہے تو اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ فطرت نے اُس کو ان کے معاوضہ مین بیماری کی تکالیف کی سزائین دی ہین، اگر واقعہ یہ نہین ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان غلط کاریون کے جو برے نتائج انسان کے جسم کے اندر پیدا ہوگئے ہین اُن کو دور کرنے کے لئے جسم جدوجہد کرتا ہے، اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیف و آلام ہے، جن کو ہم دردِ سر، دردِ شکم، اعضا شکنی، اور بےخوابی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہین، یہی روحانی بیماریون کا حال ہے، جنکو ہم اصطلاحِ شرعی مین "گناہ" اور جن کے نتائجِ بد کو "عذاب" کہتے ہین، یہ نتائج آتشِ دوزخ اور اس کے شدائد و آلام کی صورت مین ظاہر ہونگے، اور جنکا منشا یہ ہوگا کہ روحِ انسانی اپنی غلط کاریون کے نتائجِ بد کو دور کرنے کیلئے جدوجہد مین مصروف ہوگی، اور جونہی وہ اُن سے عہدہ برآ ہوگی، خدا کی رحمت سے سرفرازی پاکے

اس عذاب سے نکل کر اپنی موروثی بہشت مین داخل ہوگی،

اس تمہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال یہ نہین ہے کہ وہ مجرمون کے لئے قیدخانہ ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ بیارون کے لئے شفاخانہ ہے، بیمار کو شفاخانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفین محسوس ہوتی ہین، درد، اعضاشکنی، شدتِ تشنگی، سوزشِ جسم، وہان اُسکو کڑوی سی کڑوی دوا پلائی جاتی ہے، بدمزہ سے بدمزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے تو اُس کو نشتر دیا جاتا ہے، اُسکا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے، کوئی داغا جاتا ہے، اور ان سب کی تکلیفین اُسکو اٹھانی پڑتی ہین، مگر یہ ساری ایذا رسانی کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہین ہوتی، بلکہ عدم صحت کی غلط کاریون کے بُرے نتائج سے اُس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کیجاتی ہے، اُس کو جو تکلیفین وہان محسوس ہوتی ہین وہ گو شفاخانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہین، مگر اُن کا سبب شفاخانہ نہین، بلکہ خود اُس بیمار کا اصولِ صحت سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا، اور اسکی وجہ سے ان بیماریون مین مبتلا ہونا ہے،

یہ اصول اُن آیتون اور صحیح حدیثون سے پوری طرح سمجھ مین آتا ہے، جنمین بالآخر عذابِ دوزخ سے نجات پانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، دنیاوی آلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | اور تاکہ خدا ایمان والون کو پاک و خالص کر |
| وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ، (آل عمران-۱۴) | اور کافرون کو مٹائے، |

یہی اصول عذابِ اُخروی پر صادق آتا ہے، کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہلِ ایمان کی پاکی وصفائی ہے، چنانچہ حدیثِ صحیح مین ہے کہ حقوق عباد کے بعد،

حتّٰی اذا ھُذِّبوا ونقّوا اُذِن لھم فِي دخول الجنة، (صحیح بخاری باب القصاص یوم القیامہ ص۹۶۶)

یہانتک کہ جب گنہگار چھٹ جائین گے اور پاک وصاف ہوجائین گے، تب انکو جنت مین داخل ہونے کی اجازت ملے گی،

اس حدیث مین یہ دو لفظ ھُذِّبُوا ونُقُّوا ذرا تشریح طلب ہین، ھُذِّبوا کا مصدر تہذیب ہے، تہذیب کے لغوی معنی یہ ہین کہ درختون کی خراب شاخین اسلئے چھانٹ دیجائین تاکہ اُن مین سرسبزی وشادابی پیدا ہو، اور ترقی کی نئی زندگی اُن کو مل جائے اور نُقُّوا کا مصدر تنقیہ ہے، تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہین کہ کسی چیز کے اندر سے خراب وفاسد مادہ کو الگ کردیا جائے، تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگارون کو جنت کے داخلہ کے لئے کیا درکار ہے، اسی لئے قرآن پاک مین ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچین گے تو ندا آئیگی،

طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ (زمر۔ ۸)

تم پاک وصاف ہوچکے تو جنت مین سدا کے لئے آجاؤ،

الغرض جب اُس طیب وپاکیزگی کا دور آئیگا تو گنہگارون کو بھی نجات ملیگی، اسی لئے ہر گنہگار کے لئے دوزخ سے نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو، مگر بہرحال اس کی انتہا ہے، فرمایا،

لَابِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا، (نبا)

دوزخ مین وہ صدہا سال تک پڑے رہین گے،

لیکن بالآخر ان صدہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو انکو نجات ملیگی، حدیث رویائے برزخ مین ہے کہ آپ نے دوزخ مین کچھ ایسے لوگون کو بھی دیکھا جنھون نے کچھ اچھے اور کچھ برے کام کئے تھے، اُن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت، اور آدھا سخت بدصورت

تھا جب اُن کی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتون نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اُس نہر مین جا کر پڑ جاؤ، سامنے وہ نہر تھی جسمین خالص سپید پانی بہ رہا تھا، وہ اُس مین جا کر پڑ گئے، پھر نکل کر آئے تو ان کی وہ بدصورتی جاتی رہی، اور نہایت خوبصورت ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگارون کو سرفراز فرمائے گی،

**گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے**

اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے، کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیان، اور سزائین بھی گنہگارون کے لئے اللہ تعالیٰ کی اُسی طرح نعمت ہین جس طرح اس دنیا مین شفاخانون کا وجود بیمارون کے لئے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگارون کی پاکیزگی، اور پاکون کی جنت مین اُن کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان ورحیم کی رحمت وکرم نے گوارا نہ کیا کہ ان بدبختون کو اُن کی نافرمانیون کے باوجود ہمیشہ کے لئے محروم رکھا جائے، اس لئے انکی صفائی کے لئے پہلے برزخ کا حمام مقرر کیا، اور جو اس سے بھی پاک نہ ہوسکین اُن کے لئے دوزخ کی آگ مقرر کی، کہ وہ اپنی ہر قسم کی بداعمالیون کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائین، اور کُندن بنکر بالآخر اپنی آبائی اور فطری وراثت (جنت) پائین، اس نظریہ کو پیش نظر رکھکر قرآن پاک کی ان آیتون کو پڑھیئے جن مین قیامت اور دوزخ کی ہولناکیون اور مصیبتون کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ | تم پر آگ کے صاف اور دھوان ملے شعلے |
| وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ج فَبِأَيِّ | چھوٹین گے، پھر کوئی تمھاری مدد نہ کر سکیگا، تو |

ؔ۱ صحیح بخاری کتاب التعبیر،

أَلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، فَإِذَا
انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً
كَالدِّهَانِ ۚ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ، فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ
عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ إِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ فَبِأَيِّ
آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، يُعْرَفُ
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
وَالْأَقْدَامِ ۚ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ، هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ
يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ، يَطُوْفُوْنَ
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ فَبِأَيِّ
آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ،

(رحمان - ۲)

اپنے پروردگار کی کن نعمتون کو تم جھٹلاؤ گے، پھر
جب آسمان پھٹ کر تلچھٹ کی طرح گلابی
ہو جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتون کو
تم جھٹلاؤ گے، پھر اس دن کسی انس و جن سے
اُس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائیگا، تو تم
اپنے پروردگار کی کن نعمتون کو جھٹلاؤ گے،
گنہگار اپنی نشانیون سے پہچان لیے جائینگے
پھر وہ اپنی پیشانیون کے بال اور پاؤن سے
پکڑے جائینگے، تو اپنے پروردگار کی کن نعمتون
کو تم جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ ہے جسکو گنہگار
جھٹلاتے تھے، وہ اس دوزخ اور گرم پانی
کے بیچ مین گشت کرینگے، تو تم اپنے پروردگار
کی کن نعمتون کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیتون کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہرحال ماننی پڑے گی، کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال، مجرمون کے حق مین نعمت ہین، اس لئے بھی کہ دنیا مین وہ اُن کے ڈر سے برائیون کو چھوڑ کر راہِ راست پر آتے ہین، اور اس لئے بھی کہ آخرت مین وہ ان ہی کے ذریعہ سے اپنے گناہون کے نتائجِ بد سے بری ہو کر بہشتِ ربانی کے لائق بن سکین گے،

**دوزخ مین رحمتِ الٰہی کا ظہور اور نجات،**

انسان اور وہ بھی اللہ کی توحید کا قائل اور رسولون کی صداقت کا معترف خواہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار ہو، تاہم اُس کے نامۂ اعمال مین کچھ نہ کچھ نیکیان ضرور ہونگی، قیامت گو اللہ تعالیٰ کے عتاب و جلال کا روز ہوگا جس مین ہر گنہگار کو اپنی گنہگاری کا ملزم ہونا پڑے گا، مگر بالآخر اس رحمان و رحیم کی شانِ رحیمی کا ظہور ہوگا، اور رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ (اور میرے غصہ سے میری رحمت سبقت لے گئی ہے) کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت مین جلوہ گر ہوگا، اور گنہگارون کو اُس کی بدولت گناہون کے داغ سے پاک و صاف ہوکر پاکون کی بہشت مین داخلہ کی اجازت ملیگی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ | اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام |
| صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ | کرے اُس سے اس کی برائیان جھاڑ دیگا، |
| جَنّٰتٍ، (تغابن-۱) | اور اُس کو جنت مین داخل کریگا، |
| وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ | اور دوسرے لوگ جنھون نے اپنے گناہون |
| خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا، | کا اقرار کیا، اور ملایا ایک کام نیک اور |
| عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ، | دوسرا بد، شاید اللہ اُن کو معاف کرے، |
| اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، (توبہ-۱۳) | بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے، |

اس معافی کی دو صورتین ہین، ایک تو یہ کہ وہ بالکلیہ یعنی عذاب کے بغیر ہی معاف کردئے جائین، دوسری یہ کہ وہ دوزخ مین کچھ دن جاکر خدا کی معافی سے سرفراز ہوکر اُس سے نکلین، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ | اور تم مین کوئی نہین جو جہنم مین وارد نہ ہوتیرے |

عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا، ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا،

(مریم - ۵)

رب کا یہ ضروری فیصلہ ہے، پھر ہم اُن کو جو خدا سے ڈرے نجات دینگے، اور مشرکون اور کافرون کو ہم اس مین گھٹنے کے بل گرے ہوئے (چھوڑ دینگے)۔

احادیث صحیحہ مین اس کے متعلق آنحضرت صلعم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہین :-

۱- حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ لوگ دوزخ سے چھوٹی لکڑیون کے مانند نکلین گے،" (صحیح بخاری، کتاب الشفاعۃ)

۲- حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "دوزخ سے کچھ لوگ اس کی جھلس کھا کر نکلین گے، اور جنت مین داخل ہونگے" (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۳- حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جنت والے جنت مین اور دوزخ والے دوزخ مین داخل ہو چکین گے، تو خدا فرمائیگا کہ جس کے دل مین رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ کوئلے ہو کر نکلین گے، پھر وہ نہر حیات مین ڈال دیئے جائینگے تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ مین جنگلی دانہ اگتا ہے" (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۴- حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا "پھر مین سجدہ مین گر پڑون گا، اور پڑا رہونگا، تو آواز آئے گی، کہ اے محمدؐ! سر اٹھا، مانگ دیا جائیگا، تو مین سر اٹھاؤن گا، اور اُس حمد سے جو خدا مجھے سکھائیگا، اُس کی حمد کرونگا، اور سفارش کرونگا، تو خدا ایک حد مقرر فرمائیگا، تو مین اُن کو دوزخ سے نکالون گا، اور جنت مین داخل کرونگا پھر لوٹ کر آؤنگا، اور سجدہ مین گر پڑونگا، پھر وہ کچھ لوگون کو بخشدیگا، اسی طرح تیسری، پھر چوتھی بار

کر دیگا، یہانتک کہ دوزخ مین پھر وہی رہ جائیگا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

۵۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "محمد کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلین گے، اور جنت مین داخل ہونگے جنکا نام جہنم والے ہوگا"۔ ( ” )

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ "میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اُس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو"۔ (صحیح بخاری کتاب الشفاعہ)

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندون کے فیصلے سے فراغت پائے گا اور چاہیگا کہ اُن کو جنھون نے اُس کی توحید کی گواہی دی تھی دوزخ سے نکالے، تو فرشتون کو اُن کے نکالنے کا حکم دیگا، فرشتے ان توحید والون کو اس علامت سے پہچانینگے کہ اُن کی پیشانیون مین سجدہ کے نشان ہونگے، کہ خدا نے آدم کے بیٹے کی پیشانی کے نشانِ سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے، تو وہ اُن کو جلا نہ سکیگی، فرشتے جب اُن کو نکالین گے تو وہ جلے جھلسے ہون گے، پھر اُن پر آبِ حیات چھڑکا جائیگا تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ مین جنگلی دانہ اُگتا ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۸۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ "جنت والے جنت اور دوزخ والے دوزخ مین داخل ہو چکین گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا، دیکھو جس کے دل مین ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اُس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلین گے، پھر وہ نہرِ حیات مین ڈال دیئے جائین گے، تو اس طرح وہ اُگین گے جس طرح سیلِ آب کے کنارے جنگلی دانہ اُگتا ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۹۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ: اہل دوزخ جو دوزخ مین ہمیشہ رہین گے، وہ اُس مین نہ مرینگے نہ جئین گے، لیکن وہ لوگ جنکو دوزخ کی آگ بعض گناہون کی وجہ سے چھوئے گی، تو وہ اس مین کچھ دیر کے لئے مرجائین گے، یہان تک کہ وہ جل جائین گے پھر اُن کے حق مین شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کرکے آئین گے اور جنت کی نہرون مین پھیل جائین گے، اور اہلِ جنت سے کہا جائیگا کہ ان پر پانی بہاؤ، تو وہ اس طرح اوگین گے جیسے سیلاب کے بہاؤ مین جنگلی دانے۔" (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: سب سے آخر مین جو شخص دوزخ سے نجات پاکر نکلیگا، وہ گھسٹتا ہوا نکلیگا، اور اُس کو جنت بھری معلوم ہوگی ......" (")

۱۱۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے صحیحین مین روایت ہے کہ خدا فرمائیگا کہ: ملائکہ نے سفارش کی اور پیغمبرون نے سفارش کی، اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہگیا جو تمام رحم کرنے والون مین سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دوزخ سے مٹھی بھر کر اُن لوگون کو نکالیگا جنھون نے کبھی کوئی بھلائی نہین کی۔" (صحیحین)

۱۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہو اور اُس کے دل مین جو برابر بھی نیکی ہو اُس کو دوزخ سے باہر کرو، جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہو اور گیہون کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل مین نیکی ہو اور جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہو اور جوار کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل مین نیکی ہو، اُس کو دوزخ سے الگ کرو۔" (ترمذی، صفۃ النار حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابون مین اس قسم کی اور بہت سی حدیثین ہین جنکا استقصار یہان مقصود نہین ان تمام حدیثون مین قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ | بیشک اللہ اس کو معاف نہ کریگا کہ اس کے ساتھ |
| بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ | شرک کیا جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہو وہ |
| یَّشَآءُ ۚ (نساء - ۱۸) | اس کو جس کے لئے چاہیگا معاف کردیگا، |

اس آیت مین تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجہ سے برأت کیجاسکتی ہے، مگر شرک وہ بیماری ہے جس کے نتائج سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہین، اس لئے اُن کے نتائج بد بھگتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانون ابدی کے خلاف ہے،

**شرک وکفر کی بخشایش نہین** احکام الٰہی اور شریعت ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمین ہین، ایک کا تعلق دل اور قلب سے ہے، اور جو بمنزلۂ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان مین ایمان، فلسفہ کی اصطلاح مین علم، اور تصوف کی بولی مین عرفان کہتے ہین، اور دوسری قسم وہ ہے، جو اس عقیدۂ اول کی فرع اور نتیجہ ہے، اور جسکا تعلق اعضا اور جوارح سے ہے اُس کو ہم مختصراً عمل اور تفصیلاً عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہین، شرک وکفر کے گناہ کا تعلق قسم اول سے اور دوسرے گناہون کا تعلق قسم دوم سے ہے، دلون مین ایمان وعلم وعرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو اس ظلمتکدہ کی روشنی کی امید کسی طرح کیجاسکتی ہے، مگر جس کاشانۂ دل مین اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اسکی روشنی سے ہمیشہ کے لئے ناامیدی ہے، اسی لئے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہوجاتے ہین، اور جہان ایمان کچھ بھی موجود ہے، اعمال خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمال شر کا بھی ساتھ ساتھ

وجوہ ہے جن کی تلافی عذابِ دوزخ کے بعد یا خدا کی رحمت سے ہوسکتی ہے، اور نجات ملسکتی ہے؛ ایمان وعلم وعرفان جس کی حقیقت "ایمان بالغیب" ہے، اُس کا حصول موت کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آجاتے ہیں، ہماری سعادت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود اُن حقائق کے ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک وکفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانونِ الٰہی کے مطابق ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی جو دوسری قسم کا گناہ ہے، خدا کی رحمت سے بعید نہیں ہے،

سمجھنے کے لئے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا میں تعلیمی امتحان کیلئے ۳۳ نمبر کم ازکم فرض کیا گیا ہے، اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ ہے اور اس لئے اسکا نمبر صفر محض ہے تو رحمدل سے رحمدل ممتحن کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ اُس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کرسکے لیکن جسنے کچھ جوابات لکھے ہیں، اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں، اور کچھ غلط لکھے ہیں، تو اگر وہ ۲۹ و ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے تو رحمدل ممتحن ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بناسکتا ہے،

الغرض ایمان وعلم وعرفان کے مجرم جنکا نام مشرک وکافر ہے، اپنے ناقابلِ تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذابِ دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ اُن کی دنیاوی زندگی کا عرفانی فقدان رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا، مگر کیا شرک وکفر کے گنہگاروں کے لئے شرک وکفر کے دورۂ عذاب کے طے کرلینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملیگا،

**کیا دوزخ کی انتہا ہے؟** دوزخ جو عقابِ الٰہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہیگا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عمومی کے قائلوں کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ملتا ہے، اُن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر

مدّتِ دراز کے بعد ایک دن جب جہنم کی آگ رحمتِ الٰہی کے چھینٹوں سے بالآخر سرد ہو جائے گی،
حدیثِ صحیح مین ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جنت میری رحمت، اور دوزخ میرا عذاب ہے[۱]" اسی کیا تھا
حدیثِ صحیح مین وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اُس نے اپنے عرش
کے اوپر یہ لکھ دیا کہ

رَحْمَتِی سَبَقَتْ غَضَبِی[۲]، میری رحمت میرے غضب سے سبقت لیگئی ہے،

(حاشیہ صفحہ ۷۷۹) [۱] ابتدائی اسلامی فرقون میں جہنّم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہین جنکی تفصیل مِل و نحل کی کتابون مین موجود ہے، ایک دو کو چھوڑ کر باقی سب کا بے شبہہ قطعیت کے ساتھ سب کا اتفاق ہے کہ جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہے لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت مین کسیقدر اختلاف ہے، عام اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنت دونون کا وجود دائمی ہے گنہگار مومن، اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر یا خدا کی رحمت سے معاف ہو کر بالآخر جنت مین داخل کئے جائین گے، لیکن مشرک و کافر کے گناہ کبھی معاف نہ ہونگے، اور وہ ہمیشہ دوزخ مین جلین گے، فقہا، اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجئیہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے جو مومن ہوگا وہ گنہگار بھی ہوگا، تو بھی دوزخ مین نہ جائیگا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی سے جنت مین داخل ہوگا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی مین رہیگا، اور بھی اس بارہ مین لوگون کی مختلف رائین ہین،

اہل سنت کے ایک مختصر گروہ کا جس مین صحابۂ کرام اور تابعین کے نام بھی ہین اور متاخرین مین جس کے پرجوش حامی حافظ ابن قیم ہین، یہ خیال ہے کہ جب گنہگار اپنے اپنے گناہون کے بقدر عذاب پا چکین گے تو جہنم فنا کر دیجائے گی حافظ ابن قیم نے اپنی دو کتابون شفاء العلیل اور حادی الارواح ( دونون مطبوعہ ہین، حادی الارواح، اعلام الموقعین کے ساتھ چھپی ہے) مین قرآن، احادیث، آثارِ صحابہ اور عقل کی پچیس دلیلون سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے، (دیکھو شفاء العلیل از صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۶۴ حسینیہ مصر، اور حادی الارواح از صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۲۳۵ جلد دوم مطبعۂ جدیدہ مصر) علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس نظریہ کو سلف اہل سنت کے ایک فریق کا خیال تسلیم کیا ہے (حادی الارواح ابن قیم جلد دوم صفحہ ۱۹۶) ایک زیدی یمنی عالم شیخ مقبلی نے بھی اس کو قبول کیا ہے، (العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء والمشائخ (صفحہ ۱۲۲) صوفیہ مین شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین یہ فرماتے ہین کہ کافر و مشرک جنپر خلود نار کا حکم ہے، وہ بالآخر دوزخ مین رہتے رہتے ایسے ہو جائین گے کہ ان کو اسی دوزخ مین راحت اور لذت معلوم ہونے لگے گی، جیسے بعض کیڑے غلاظتون ہی کو پسند کرتے ہین، اور ان ہی مین لطف اٹھاتے ہین، مین نے اس باب کو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا ہے کہ اس مین اجمال الٰہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہے، اگر یہ اختیار کردہ پہلو حق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور توبہ کی توفیق بخشے، اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھولے،

[۱] صحیح بخاری باب رحمۃ اللہ، جلد دوم صفحہ ۱۱۱۰ و صحیح مسلم،
[۲] صحیح بخاری، باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، جلد دوم صفحہ ۱۱۱۰ و صحیح مسلم باب سعۃ رحمۃ اللہ،

اب اگر دوزخ جو اُس کے غضب کا مظہر ہے، اسکی جنت ہی کیطرح دائمی و ابدی ہو تو اُسکا غضب اس کی رحمت پر سبقت لیے جاتا ہے یا برابر ہوا جاتا ہے، اور اُسکا تخیل بھی اُس رحمان و رحیم کی نسبت نہین ہو سکتا، اسی طرح حدیث مین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصون مین سے صرف ایک حصہ دنیا مین اتارا اور ننانوے حصے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہین[ل] اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن آئیگا جب اُس کے غضب پر اُس کی رحمت غالب آئیگی، اور اُس کی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہیگا، اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہون کی ناپاکیون اور نجاستون سے اپنے اپنے مقررہ وقت پر پاک ہو کر اُس کی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنین گے،

اسلام کے رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک و کافر ہین، جو اُس وقت تک نجات نہ پا سکین گے جب تک دوزخ کے تنور مین ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے، تاہم اُن کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن مین حسب ذیل تین تصریحات ہین،

۱- لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۔ (نبا-۱) — وہ دوزخ مین صدہا ہزارہا سال ٹھہرینگے،

صدہا ہزارہا سال کی مدت کسی قدر بڑی ہو، پھر بھی ایک دن اُسکا خاتمہ ہوگا دوسری آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق مین ہے، یہ ہے،

۲- اَلنَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ، (انعام - ۱۵) — دوزخ ہے تمھارا ٹھکانا، اُس مین تم سدا رہنے والے ہو، لیکن یہ کہ اللہ جو چاہے، بیشک تیرا رب حکیم و علیم ہے،

---

[ل] صحیح مسلم باب سعۃ رحمۃ اللہ،

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل میں قانوناً یہی ہے کہ دوزخ میں ابدی سزا دی جاتی رہے، مگر اُس کی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے، لیکن وہ حکیم و علیم ہے، اس لئے وہ اپنا کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہئے، اور کب کرنا چاہئے،

تیسری آیت میں ہے :-

| | |
|---|---|
| ۳- خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ | وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جبتک آسمانُ |
| السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ | زمین قائم ہیں، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے |
| رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (ہود-۹) | بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، |

دوسری اور تیسری آیتوں میں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں اپنی مشیئت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے اور اپنے کو "رب" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اسکی مشیئت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہو جانا اُسکی "ربوبیت" کا اقتضا ہے،

قرآن پاک میں کوئی ایسی صاف و صریح آیت موجود نہیں ہے، جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدم انتہا، اور تسلسل وجود پر بتصریح استدلال کیا جا سکے، حالانکہ اس کے برخلاف بہشت کی ہمیشگی و بقا اور عدم انقطاع و عدم فنا کی بیسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام و کمال یہاں نقل کرتے ہیں، فرمایا!

| | |
|---|---|
| فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ | تو لیکن جو بدبخت ہوئے وہ دوزخ میں |
| لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ خٰلِدِيْنَ | ہونگے، اس میں ان کو گدھوں کی طرح چلّا |

فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ،

(ھود - ۹)

اور رہینگنا ہے، جبتک آسمان اور زمین ہین وہ اس دوزخ مین رہین گے، مگر جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کرڈالتا ہے اور لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت مین ہونگے، ہمیشہ اسمین رہینگے، جب تک آسمان و زمین قائم رہین، مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی،

دیکھو کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ دونون کے لئے خلود و دوام فرمایا، پھران دونون مین اس کے بعد اپنی مشیئت سے استثنا فرمایا، مگر اہلِ دوزخ کے دوام کے ذکر مین فرمایا کہ "مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب جو چاہے کرڈالتا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کردے اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہلِ جنت کے دوام کے ذکر مین بتصریح فرمایا "مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی" اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ جنت کے حق مین اس کی مشیئت یہی ہوگی کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتہی دوام و تسلسل کیساتھ ہمیشہ قائم و باقی ہے، اس آیت کی تفسیر مین متعدد ائمہ سلف مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کے بارہ مین تو اپنی مشیئت ظاہر فرما دی، کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے، لیکن اہلِ دوزخ کی نسبت اپنی مشیئت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے[۱]،

[۱] تفسیر طبری و درمنثور سیوطی، تفسیر آیات ہود رکوع ۹ و انعام رکوع ۱۵،

ایک مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر اس طرح فرمایا گیا ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ | بیشک اہل کتاب اور مشرکون مین سے جنھون |
| الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ | نے کفر کیا، وہ جہنم کی آگ مین (خالد) پڑے رہینگے |
| خٰلِدِیْنَ فِیْھَا، اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ | یہ بدترین لوگ ہین، بیشک جو ایمان لائے |
| الْبَرِیَّۃِ، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ | اور اچھے کام کئے وہ بہترین لوگ ہین، انکی |
| عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اُولٰٓئِکَ ھُمْ | جزا اُن کے پروردگار کے نزدیک بسنے کے |
| خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ، جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ | باغ ہین، جن مین نہرین بہتی ہون، وہ |
| رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ | اوس مین ہمیشہ (خالد) رہین گے، |
| تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا، (بینہ) | |

غور سے دیکھو کہ اس مین اہل دوزخ کے مقابلہ مین اہل جنت کے دوام کی نسبت کتنی تاکید پر تاکید ہے، پہلے "عدن" فرمایا جس کے معنی "قیام" اور "بسنے" کے ہین، پھر "خالدین" کہا کہ وہ اس مین "رہا کرین گے" بعد ازین "ابدًا" فرمایا کہ وہ جنت مین ابدی طور سے قیام کرینگے،

اسی طرح ایک اور سورہ مین ہے،

| | |
|---|---|
| وَیُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ | اور اس کو اُن باغون مین داخل کرے گا |
| تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا، | جن کے نیچے سے نہرین بہتی ہونگی جنمین وہ |
| ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ، وَالَّذِیْنَ | ہمیشہ رہا کرینگے، اور وہی بڑی کامیابی ہے، |
| کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ | اور جنھون نے انکار کیا اور ہماری باتون کو جھٹلایا |

أَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (تغابن - ۱)

وہی دوزخ والے ہین، وہ اُس مین رہا کرینگے اور وہ بری جگہ ہے،

دیکھو کہ تقابلاً دونون مین خالدین (رہا کرینگے) اور خالدین فیہا ابدًا (ہمیشہ رہا کرینگے) کا فرق کتنا نمایان ہے، کہین یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب مین مدت کی تعین سے سرے سے خاموشی برتی گئی ہے، اور جنت مین خلود کی تصریح فرمادی گئی ہے، مثلاً

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (آل عمران - ۱۱)

جس دن کچھ منہ سپید ہونگے اور کچھ سیاہ، توجو سیاہ ہوے، توکیا ایمان کے بعد کافر ہوگئے تھے، تو اپنے کفر کی پاداش مین عذاب کا مزہ چکھو، اور جنکے منہ سپید ہوے تو وہ اللہ کی رحمت مین ہونگے، اور اس رحمت مین سدا رہین گے،

آیت بالا مین عذاب کے ذکر مین مُدت کی تصریح سے سراسر خاموشی ہے، اور رحمت کے ذکر مین خلود کی تصریح تام ہے،

ان ہی آیتون کی تفسیر مین آنحضرت صلعم اور بعض صحابۂ کرامؓ سے روایتین ہین کہ ایک دن آئیگا جب دوزخ کے میدان مین ہو کا عالم ہوگا، اور کوئی ایک متنفس بھی وہان نظر نہین آئیگا، چنانچہ

۱- طبرانی مین حضرت ابو امامہ صحابیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیگا جب وہ خزان رسیدہ پتے کے مانند ہو جائیگا، اور اس کے دروازے

کھل جائین گے:

۲- حضرت جابرؓ یا کسی اور صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جہنم پر ایکدن ایسا آئیگا جسمین اُس کے دروازے کھل جائین گے، اور اُس مین کوئی نہ ہوگا"

۳- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "مین جو کہتا ہون وہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جب اس مین کوئی نہ ہوگا"

۴- تفسیر عبد بن حمید مین حضرت عمرؓ سے روایت کیگئی ہے، کہ انھون نے فرمایا کہ "اگر اہل دوزخ ریگستان عالج کے ذرات کے بقدر شمار بھی دوزخ مین رہین، پھر بھی ایک دن آئے گا جب وہ اُس سے نکلین گے"

۵- عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ "جہنم پر ایک دن آئیگا جب اس کے خالی دروازے بھڑبھڑائین گے، اور اس مین کوئی نہ ہوگا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب لوگ اسمین صدہا ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کرلین گے"

۶- عبدالرزاق، ابن منذر، طبرانی، اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات مین ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی، یا ابوسعید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے فرمایا کہ "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا استثنار پورے قرآن پر حاوی ہے، یعنی جہان جہان قرآن مین خَالِدِیْنَ فِیْھَا (سدا اسمین رہین گے) ہے وہان یہ مشیئت الٰہی کا استثنار قائم ہے"

۷- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ "دوزخ پر ایک زمانہ آئیگا جب اُس کے خالی دروازے کھڑکھڑائین گے"

**دفع شبہ** قرآن پاک مین ایسی بھی چند آیتین ہین جنسے لوگون کو دوزخ کے دوام کا خیال ہوا ہے، مثلاً وہ تین آیتین جنمین کفار کو خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ہمیشہ کے عذاب کی دھمکی دیگئی ہے:

| | |
|---|---|
| ۱- اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا، خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ج، (احزاب-۸) | ۱- بیشک خدا نے کافرون پر لعنت کی، اور اُن کیلئے وہ آگ مہیا کی جس مین وہ ہمیشہ پڑے رہین، |
| ۲- وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (جن-۲) | ۲- اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس مین وہ ہمیشہ پڑے رہین، |
| ۳- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا، اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (نساء-۲۳) | ۳- بیشک جنھون نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے، نہین ہے کہ اللہ اُن کو بخشے اور نہ یہ کہ اُن کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ جسمین وہ ہمیشہ پڑے رہین. |

ان تینون آیتون مین خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (دوزخ مین ہمیشہ رہین گے،) کا مطلب

لہ (حاشیہ صفحہ ۷۸۶) حافظ ابن القیم نے شفاء العلیل (صفحہ ۲۵۰) مین ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر و حدیث سے نقل کیا ہے، اُن مین سے بعض، ابن جریر طبری مین بھی آیات مذکور کی تفسیر مین خصوصاً تفسیر سورۂ ہود جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ مین مذکور ہین، اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر در منثور تفسیر سورۂ ہود جلد ثالث صفحہ ۳۵۰ مین زیر آیت مذکورۂ ہود ذکر کیا ہے اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی (صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ الہ آباد) مین چھپی روایت ہے،

یہ ہے کہ ایسے لوگ جن کے حق میں یہ آیتیں آئی ہیں، وہ اُس وقت تک دوزخ میں ہمیشہ رہینگے جب تک حسب مشیت الٰہی دوزخ کے خاتمہ کا دور نہیں آئے گا۔

باقی چند آیتوں میں اَبَدًا (ہمیشہ) کے بغیر صرف خالد ہے، جیسے

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ، — وہ اُسمیں خالد رہیں گے،

یا ایک جگہ ہے،

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، (سجدہ-۲) — اور یہ خلود کے عذاب کا مزہ چکھو،

تو یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ خلود کے دو معنی ہیں ایک حقیقی دوام، اور دوسرے قیام طویل ان دو میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص قرینہ سے ہوگی، اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے عربی اشعار میں پہاڑوں اور بدویانہ چولھوں کے پتھروں کے لئے خوالد، اور خالدات کے لفظ صفت میں آتے ہیں، کیونکہ وہ تا دیر اور زمانۂ دراز تک باقی رہنے والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تنہا "خالدین" کا لفظ ابدیت کے مفہوم میں صریح نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو، جو دوام کے معنی کی تخصیص کردے، جیسا کہ یہ قرینہ اُن آیتوں میں ہے، جہاں اہل جنت کو خٰلِدِیْنَ کہا گیا ہے، کہ تقریبًا بیس آیتوں میں اس خلود کے معنی دوام اور عدم انقطاع کے بتائے گئے ہیں، اس لئے جنت کے سلسلہ میں جہاں صرف خٰلِدِیْنَ بھی ہے، وہاں ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لئے جائیں گے، برخلاف اس کے جہاں دوزخ کیساتھ خٰلِدِیْنَ کا لفظ ہے وہاں دوام کے مفہوم کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں، اس لئے دوزخ

والی آیتون مین خُلُود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار زمانۂ دراز تک دوزخ مین رہین گے، غالبًا یہی
وجہ ہے کہ گنہگار اہلِ ایمان کی سزا مین کبھی خٰلِدِیْنَ کیساتھ اَبَدًا استعمال نہین کیا گیا ہے گنہگار
اہلِ ایمان مین سب سے بڑی دھمکی اُس کو دی گئی ہے، جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا
ہو، مگر اُس کے لئے بھی خَالِدِیْنَ کیساتھ اَبَدًا استعمال نہین کیا گیا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا | اور جو کوئی کسی باایمان کو قصدًا قتل کریگا، |
| فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا، | تو اُس کا بدلہ دوزخ ہے، جس مین وہ خالدًا |
| (نساء - ۱۳) | (یعنی مدت دراز تک پڑا) رہیگا، |

یہی سبب ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے سوا تمام اہلِ اسلام اس بیگناہ مسلمان مقتول کے
قاتل کی بالآخر بخشایش کے قائل ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتون مین "خُلُود" سے مراد "ہمیشگی" نہین ہے، بلکہ زمانۂ دراز
ہے، کہ اہلِ توحید کی بالآخر نجات قرآن و حدیث کی متفقہ تعلیم ہے، اور اس لئے مومن کیلئے
اس کے کسی جرم کی سزا مین ہمیشگی کا مفہوم داخل ہی نہین ہوسکتا، بنابرین ان آیتون مین "خُلُود"
کے معنی منطقی دوام کے نہین، بلکہ عرفی دوام، یعنی مدتِ دراز کے ہین، ہم عام طور سے مجرم کیلئے
"حبسِ دوام" کی قانونی اصطلاح بولتے ہین، جس سے مراد ابد تک کیا قیامت تک کا زمانہ
بھی نہین ہوسکتا، بلکہ عمر بھر بھی نہین، بلکہ صرف اس سے قانونی قید کی درازترین مدت مراد
ہے، جس کا قانونی اندازہ بیس سال کیا گیا ہے، کتنے مجرم ہین جو اس مدت کو کاٹ کر آزادی
حاصل کرتے ہین، اور ایسے بھی ہین، جو کسی شاہی عفوِ عام کے سلسلہ مین قبل از مدت رہائی پاجاتے ہین،

دو چار آیتین ایسی بھی ہین جنمین مذکور ہے کہ یہ گنہگار دوزخ سے الگ نہ ہونگے، چنانچہ وہ آیتین حسب ذیل ہین،

۱- اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ، وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ
(انفطار)

۱- بیشک گنہگار دوزخ مین ہین، وہ انصاف کے دن اس مین داخل ہونگے، اور وہ اس سے چھپے نہین رہ سکتے،

۲- وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا، كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ، وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ ۲-۲۰)

۲- اور کہین گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی زندگی ملتی تو ہم اپنے پیشواؤن سے ہی الگ ہوجاتے جیسے وہ ہم سے یہان الگ ہوگئے، اللہ اُن کے کامون کو ایسے ہی حسرتین بنا کر ان کو دکھائیگا، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہین

۳- اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ (مائدہ ۶-۲)

۳- بیشک جنھون نے کفر کیا، اگر اُن کی ملکیت مین کل روے زمین ہو اور اتنا ہی اور ہوتا کہ اسکو فدیہ دیکر قیامت کے عذاب سے رہائی پائین تو وہ اُنکی طرف سے قبول نہ ہو اور اُن کیلئے دردناک عذاب ہے، وہ چاہین گے کہ دوزخ سے نکل جائین لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہین اور اُن کیلئے قائم عذاب ہے،

۴- كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ، (حج-۲)

۴- جب وہ چاہین کہ اس دوزخ سے غم کی وجہ سے نکل پڑین، وہ اس مین لوٹا دیے جائینگے اور (کہا جائیگا کہ) جلنے کی سزا چکھو،

۵- وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ، (سجدہ-۲)

۵- اور لیکن جنھون نے نافرمانی کی، تو انکا ٹھکانا دوزخ ہے، جب وہ چاہین گے کہ وہ اس سے نکل جائین، انہین لوٹا دیے جائین گے اور کہا جائیگا کہ دوزخ کی اس مار کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے،

یہ وہ پانچ آیتین ہین جنسے بعضون کو عذاب دوزخ کے دوام اور غیر منقطع بقا کا خیال پیدا ہوا ہے، مگر ان مین سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو اُن کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہو جائیگی، پہلی آیت کا منشا اسی قدر ہے کہ کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپکر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیگا، تو یہ محال ہے، کہ خدا سے چھپکر بچ جانا کسی طرح ممکن نہین دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کہین گے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا مین جانے دیا جائے تو ابکی ہم نیکی کے کام کرین گے، اس کے جواب مین کہا جائیگا کہ اب یہان سے نکل کر دنیا مین دوبارہ جانا نہین، تیسری آیت مین ہے کہ پورے روئے زمین کی دولت دیکر بھی آخرت مین نجات خریدی نہین جاسکتی، اور نہ وہان سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے، چوتھی اور پانچوین آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے عذاب سے گھبرا کر اُس سے نکل بھاگنا چاہے گا،

تو وہ پکڑ کر پھر اسی مین ڈال دیا جائے گا۔ ان آیتون سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکین گے، اور نہ مدتِ عذاب کے اندر وہ خلاصی پا سکتے ہین، مگر اس سے خدا تعالیٰ کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہین نکلتی، اور نہ اس کی کہ بقدرِ گناہ عذاب کی مدت بسر کرنے کے بعد بھی نجات نہین مل سکتی، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی دوام بخشا گیا ہے،

یہی وہ آیتین ہین جن سے گنہگارون کے لئے دوامِ عذاب کا مفہوم نکالا جا سکتا ہے، مگر ایک ایک آیت کو غور سے پڑھو کہ ان مین سے کسی مین بھی دوزخ کے دوامِ بقا اور عدمِ فنا یا اس کے عذاب کے عدمِ انتہا کی تصریح ہے؟ حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقاے دوام اور عدمِ انقطاع کی تصریح بار بار اور بتکرار ہے،

ایک اور نکتہ لحاظ کے قابل ہے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگارون کو عذابِ دوزخ کی ابدیت اور دوام کی دھمکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہین کرنی چاہئے کہ نیکی کا بدلہ نہ دینا یقیناً برائی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تمامتر پاک ہے کہ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران - ۲۰) تو وہ وعدہ کے خلاف نہین کرتا" اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا (مریم - ۴) "اُس کا وعدۂ جنت پورا ہی ہو گا" لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب تہدید سابق برائی کے ساتھ نہ دیا جائے، تو یہ حقیقت مین خلاف وعدگی نہین جو قابلِ ملامت ہو، بلکہ اسکا نام مغفرت، کرم، عطا، اور عفو ہے، جسکا اہل اُس رحمان و رحیم اور عفو و غفور سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہین، اسلئے گنہگارون کیساتھ جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے، اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے،

چنانچہ مسند ابویعلی مین حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "خدانے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اُس کو ضرور ہی پورا کریگا، لیکن جس کسی کو اُس کے کسی کام پر عذاب کی دھمکی دی ہو تو اُس کو اختیار حاصل ہے"[1]

کوئی کہہ سکتا ہے، کہ اگر بالآخر گناہون کی مغفرت اور خدا کی رحمت مین یہ وسعت اور عموم ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ مین جل کر بالآخر پاک وصاف اور جنت مین داخل ہونے کے قابل ہو جائین گے، تو اشارات وکنایات کے بجائے، اُن کی معافی کی صریح تصریح کیون نہین کردی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ اُن مجرمون اور گنہگارون کے حق مین اچھا نہ ہوتا، کیونکہ اس سے اُن مین ندامت اور توبہ کے رجحان کے بجائے خودسری، گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی، اور ان مین آیندہ کے نتائج بد سے نڈرپن اور بے خوفی آجاتی، اور ایسا ہونا تنبیہ واصلاح وتدارک کی مصلحتون کے سراسر منافی ہوتا، اس لئے اُن کی قانونی سزا تو اللہ تعالےٰ نے دائمی عقاب مقرر فرمائی، لیکن آخر کار اُن کی نجات کو اپنی مشیئت اور علم ومصلحت کے سپرد فرما کر، اُن کو یک گونہ اپنے سے نااُمید بھی نہین ہونے دیا، اور اُمید وبیم کی حالت مین رکھکر اپنے سامنے جھکنے اور محبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کردیا، اور یہ اس باب مین وہ عظیم الشان اصلاح ہے، جس کو ایک طرف عیسائیون نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندو مذاہب نے کرم کی تعلیم دیکر غارت کردیا تھا،

عیسائیون کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام

---

[1] بحوالہ شفاء العلیل ابن قیم ص ۲۲۲، مصر،

گناہ دفعتہً معاف ہو جاتے ہین، اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا، اس کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمالِ بد کے نتائج جنکو کرم کہتے ہین، خدا چاہے بھی تو معاف نہین ہو سکتے، اسلام نے آکر ترازو کے ان دونون پلّون کو برابر کر دیا، ایک طرف فرمایا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ "ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ مین گرو ہے" (مدثر-۲) اور دوسری طرف فرمایا يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ "خدا جس کو چاہے بخشدے اور جس کو چاہے عذاب دے" (مائدہ-۳) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے،، مگر خداتعالیٰ کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے، جس طرح اس دنیا کا حال ہے، کہ گو خدا کے بنائے ہوئے قانون یہان جاری ہین، جنکو آپ قانونِ فطرت کہتے ہین مگر بایں ہمہ اس کا حکم اور اسکی خواہش اور مصلحت اُن پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچا لیا، اور دوسری طرف خدا کی قدرتِ تام اور رحمتِ عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا،

**عذابِ طویل کا سبب**

بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہین کہ انسان کا گناہ تو ایک لمحہ کا کام ہے، پھر اُس کا عقاب اتنا طویل کیون رکھا گیا، سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صدہا اور ہزارہا سال کے عقاب سے دینا مناسب نہین، حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ اُن کی تسکین کے لیئے کافی ہوتے، دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ مین انجام پا جاتا ہے، چوری، عملِ خلافِ قانون، یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے، ؟ مگر اُس کے معاوضہ مین لمبا سال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت گاہون مین تجویز کرتے ہین، اور اسکو خلافِ عقل نہین کہتے

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جسمانی بدپرہیزی، اور اصول صحت کی معمولی سی غلطی کی پاداش مین وہ کبھی ہفتون، مہینون، بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہے، اور ایک مدت دراز مین جاکر کہین اُن چند لمحون کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے، اور کبھی اس معمولی غلطی کے بدولت عمر بھر اُس کے روگ مین مبتلا رہتا ہے، اور آخر مین جان دیدیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اس کی تلافی کی مدت مین یکسانی نہین ہوتی بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ مین اسکی تلافی کی مدت صدہا اور ہزارہا گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑجاتا ہے، اس کی تلافی کی مدت غلطی کی نوعیت، طبیعت کی صلاحیت، اور خلاقِ عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لئے عقابِ طویل سے رہائی یا شفایابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لئے یکسان نہین ہوسکتی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

**شرک وکافر کا آخرانجام؟** اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہوجائیگی، توکیا اہل کفر وشرک بھی اپنے گناہون سے پاک ہوکر رحم وکرم کے سزاوار ہوجائینگے؟ جواب یہ ہے کہ،

قرآن پاک مین اسکی تصریح موجود ہے کہ شرک وکفر کا گناہ معاف نہ ہوگا، یعنی اُس کے اخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ شرک وکفر کی جزا، دوامِ عذاب اور خلودِ دائم (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا) ہے یعنی جب تک دوزخ قائم ہے، اُس سے اُن کو نجات نہین مل سکتی، مگر جب حسبِ مشیتِ الٰہی وہ دن آئے کہ خود دوزخ کی مدتِ حیات ختم ہوجائے، تو اس وقت عجب نہین کہ اُن کو بھی اس سے رہائی مل سکے،

چنانچہ مشرکین وکافرین کے ذکر مین خدا فرماتا ہے،

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ۔۔۔ فرمائیگا، دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اسمین

| | |
|---|---|
| اِلَّا مَا شَاۤءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ۔ (انعام-۱۵) | ہمیشہ رہوگے، مگر یہ کہ جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے، |

اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا "تیرا رب حکمت اور علم والا ہے" اس موقع پر خدا کے لئے خاص طور سے رَبّ کا لفظ لانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کی شان ربوبیت اگر چاہے گی، اور اُس کے غیر محدود علم و حکمت کا اقتضا ہوگا، تو دوزخ کے خاتمہ پر انکو رہائی مل سکیگی،

لیکن ہمین شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنّت مین داخل ہوسکین گے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن مین یہ تصریح الٰہی ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ (مائدہ-۱۰) | یہ کہ بے شبہ اللہ کا جو شریک بنائے گا تو اللہ نے اُسپر جنت حرام کردی ہے، اور اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے، |

نیز ایک اور آیت مین ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۤءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ (اعراف-۵) | بیشک جنھون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا، اور اُن کے ماننے سے غرور کیا، تو اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہین کھولے جائین گے، اور وہ جنت مین داخل نہین ہونگے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکہ مین داخل ہوجائے، |

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانونِ جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گو دوزخ کے عذاب کا خاتمہ

ہو جانے پر بھی جنت کے احاطہ مین اُن کا گذر نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دائرہ بہت وسیع ہے، جیساکہ خود اُس نے اہلِ دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ، (ہود-۹)

وہ سدا دوزخ میں رہین گے، لیکن تیرا رب جو چاہے بیشک تیرا رب جو چاہے کر گذرتا ہے،

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے، کیونکہ اپنی رحمت کی وسعت کی نسبت اُس کا اعلان ہے،

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ، (اعراف-۱۹)

اور میری رحمت ہر شے کو اپنی گنجایش مین لیے ہے،

اس رحمتِ عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے والوں کی نسبت خدا فرماتا ہے،

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ، (انعام-۱۸)

تو (اے پیغمبر) اگر وہ تجھے جھٹلائین تو کہدے کہ تمھارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے اور اسکا عذاب گنہگارون سے لوٹایا نہین جاسکتا،

یعنی کسی دوسرے مین یہ طاقت نہین کہ اُس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگارون کے سر سے ٹالدے، لیکن خود اسکی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ چاہے تو اُن کو دنیا ہی مین ہدایت دیکر جنت نصیب کرے، یا آخرت مین عذاب دینے کے بعد درگذر کردے، اور اُس کی اصلی رحمت کا محل وہی ہے جہان کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا، فرمایا،

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ (انعام-۲)

جس سے اُسدن عذاب ہٹایا گیا، تو خدا نے اُسپر رحم کیا،

صحیح بخاری ومسلم وترمذی مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے، تو وہ جنت سے مایوس ہو جائے، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اسکی رحمت کتنی وسیع ہے، تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو" مصلح الدین سعدی نے غالبًا اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعرون مین ادا کیا ہے،

| | |
|---|---|
| بتہدید اگر برکشد تیغ حکم | بمانند کروبیان صم وبکم |
| وگر در دہد یک صلائے کرم | عزازیل گوید نصیبے برم |

خود اُس رحمان ورحیم کا جس کی بادشاہی آسمان وزمین کو محیط ہے، یہ ارشاد ہے کہ وہ جو چاہے کرسکتا ہے،

| | |
|---|---|
| يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ | جس کو چاہتا ہے، بخشدیتا ہے، اور جس کو چاہے |
| يَّشَاءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ | عذاب دیتا ہے، اور آسمانون کی اور زمین کی |
| وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ | اور اُن کے بیچ کی بادشاہی اللہ کے لئے ہے |
| الْمَصِيْرُ. (مائدہ ۳-۳) | اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، |

لیکن اسکی یہ مشیئت جیسا کہ اُس نے (انعام رکوع ۱۵) مین فرمایا ہے، اسکی وسیع حکمت ومصلحت پر مبنی ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے، مگر کرتا وہی ہے جو اسکی مصلحت وحکمت کا تقاضا ہوتا ہے،

اس سے زیادہ اس باب مین کچھ اور کہنا حد سے آگے بڑھنا ہے، کہ جس کی تصریح خود خدا تعالیٰ نے نہین فرمائی، اسکی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے، اس لئے مشرک وکافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف "مشیئت الٰہی" ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے،

اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ، (انعام - ۱۵)

دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے، اسمین سدا رہو گے، لیکن جو چاہے اللہ بے شک تیرا پروردگار حکمت والا، اور علم والا ہے،

**جمہور کا مسلک** یہ جو کچھ کہا گیا وہ اُس جماعت کا خیال ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عمومی کی معتقد ہے، جمہور کا مسلک اس سے کچھ مختلف ہے، اُن کے نزدیک بہشت کی طرح دوزخ بھی ہمیشہ باقی رہیگا اور اُن لوگون کو جو شرک اور کفر کے مرتکب ہونگے کبھی دوزخ سے نجات نہین ملیگی،

اس عقیدہ کے مطابق گنہگارون کی دو قسمین ہین، ایک وہ جو گو گنہگار تھے مگر دل مین ایمان رکھتے تھے، ایسے لوگ عذاب کے بغیر ہی یا عذاب کے بعد اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم سے سرفراز ہو کر بالآخر جنت مین داخل ہونگے، دوسرے وہ جو ہمیشہ شرک وکفر مین مبتلا رہے اور اس سے توبہ کئے اور ایمان لائے بغیر مر گئے، ایسے لوگون کی بخشایش کبھی نہ ہو گی، اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم مین داخل کر دیئے جائین گے، اُن کی گنہگاری اس درجہ ہو گی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف کسی طرح جذب نہ کر سکین گے، یہ وہ زمین شور ہونگے جس مین اس رحمتِ عام کی بارش بھی کوئی روئیدگی پیدا نہ کرے گی،

رحمتِ عمومی کے معتقدین گذشتہ آیتون سے جو معنی نکالتے ہین، وہ جمہور کے نزدیک صحیح نہین، وہ اُن کے بیان کردہ مطالب کو تاویلات کا درجہ دیتے، اور اس کی پیش کردہ روایات کو صحت اور قوت سے خالی جانتے، اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیتون سے اپنے دعویٰ پر استدلال کرتے ہین،

| | |
|---|---|
| ۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (احزاب) | ۱۔ بیشک خدانے کافرون پر لعنت کی اور انکے لئے وہ آگ مہیا کی جسمین وہ ہمیشہ سدا پڑے رہین |
| ۲۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (جن-۲) | ۲۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کریگا تو اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے، اسمین وہ ہمیشہ سدا پڑے رہین، |
| ۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (نساء-۲۳) | ۳۔ بیشک جنھون نے کفر کیا اور حد سے آگے بڑھے انہین ہے کہ اللہ اُن کو بخشے اور نہ کہ اُنکو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ، اس مین وہ ہمیشہ سدا پڑے رہین، |

ان آیتون سے معلوم ہوا کہ اُن پر ہمیشہ عذاب ہوگا، اور جب عذاب ہمیشہ ہوگا، تو عذاب کی جگہ یعنی دوزخ بھی ہمیشہ قائم رہے گی،

ان آیتون کے علاوہ اور بھی دوسری آیتین ہین جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کا عذاب کفار سے کبھی دور نہ ہوگا،

| | |
|---|---|
| ۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ | ۱۔ بیشک جنلوگون نے کفر کیا، اگر بالفرض اُن کے پاس ساری زمین کا خزانہ ہو اور اتنا ہی اُس کے ساتھ اور، تا کہ وہ اُس کو فدیہ مین دیکر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں |

اَلِيْمٌ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ، (مائدہ ۶-۷)

تو اُن سے یہ فدیہ قبول نہ کیا جائیگا، اور اُن کیلئے دردناک عذاب ہو، چاہینگے کہ دوزخ سے نکل جائیں اور وہ اُس سے نہیں نکل سکینگے، اور اُنکے لئے قائم

۲- وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ ۲۰)

۲- وہ دوزخ سے نکل نہیں سکینگے،

قیامت کے منکرون کی نسبت فرمایا،

۳- فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ، (جاثیہ ۴)

۳- تو آج اُس (دوزخ) سے وہ نہیں نکالے جائینگے اور نہ اُنکا عذر سنا جائیگا،

۴- اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ، (شوریٰ ۵)

۴- ہان کافر اور مشرک قائم رہنے والے عذاب مین ہونگے،

ظلم کا اطلاق قرآن مین شرک پر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل شرک کا عذاب قائم رہیگا

۵- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ، (بقرہ ۱۹)

۵- بیشک جنھون نے کفر کیا اور اسی کفر کی حالت مین مر گئے، اُن پر اللہ کی، فرشتون کی، اور آدمیون کی سب کی لعنت ہے، ہمیشہ وہ سدا رہینگے اُن کے عذاب مین کمی نہین کیجائیگی، اور نہ اُن کو مہلت دیجائے گی،

۶- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ، لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا

۶- اور اُن کیلئے جنھون نے کفر کیا جہنم کی آگ ہے، نہ تو اُن کا فیصلہ کیا جائیگا، کہ وہ مر جائین اور

وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر-۴) — نہ سزا مین کچھ کمی کیجائے گی،

شرک وکفر والون کی مغفرت کسی حال مین نہ ہو گی، فرمایا،

۷- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (نساء-۱۸) — ۷- بیشک اللہ اسکو معاف نکریگا کہ اُسکے ساتھ شرک کیا جائے

۸- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) — ۸- بے شبہ جنھون نے کفر کیا، اور خدا کے رستہ سے روکا اور اسی کفر کی حالت مین وہ مرگئے تو اُن کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

ان کے لئے جنت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے،

۹- اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (مائدہ-۱۰) — ۹- یقیناً جو خدا کے ساتھ شرک کریگا، تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کردی اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے

۱۰- اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (اعراف) — ۱۰- بیشک جنھون نے ہمارے حکمون کو جھٹلایا اور اُن کے ماننے سے سرکشی کی اُن کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہ جائینگے اور نہ جنت مین وہ داخل ہونگے، تا آنکہ اونٹ (سوئی کے ناکے مین نہ گھس جائے)

۱۱- وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آل عمران-۱۸) — ۱۱- اور (اے پیغمبر) تجھے وہ لوگ جو کفر مین جلدی کرتے ہین غم مین نہ ڈالین وہ ہرگز خدا کا کچھ نہین بگاڑ سکتے، خدا چاہتا ہے کہ اُنکے لئے آخرت مین کوئی حصہ نہ بنائے، اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے،

اس قسم کی اور بھی بہت سی آئتین ہین، جنسے ثابت ہوتا ہو کہ جو لوگ مرتے دم تک شرک وکفر مین مبتلا رہے، اور توبہ نہین کی اُن کا گناہ بخشا نہ جائیگا، اور وہ جنت مین کبھی داخل نہ ہو سکینگے، بلکہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب مین پڑے رہینگے، جہان نہ اُنکے عذاب مین کبھی تخفیف ہوگی، اور نہ انکو موت آئے گی

تصویر کے دونون رُخ آپکے سامنے آگئے،

بیا کاین داوریہا را بہ پیشِ داور اندازیم

**بہشت و دوزخ کی جزاء و سزا بھی تمثیلی ہو،** اوپر عالمِ برزخ کے ذکر مین ہم تفصیل بتا چکے ہین کہ آخرت مین جزاء وسزا تمامتر تمثیلی ہوگی، اس تمثیلی کے دو معنی ہین، ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اُسی کے مناسب ومشابہ اسکی جزا یا سزا ہوگی، مثلاً قرآن مین ہے کہ جو زکوۃ یعنی اپنے مالؔ کا پھل مستحقین کو کھانے کے لئے نہ دیگا تو اُس کو دوزخ مین زخمون کا دھوون کھانے کو ملیگا، یا یہ کہ جو خدا کی راہ مین اپنی جان دیگا، مرنے کے بعد اُس کو جانِ تازہ اور حیاتِ نو بخشی جائے گی، وہ دولتمند جس کو دھوپ کی تپش سے بچنے کے لئے قصر ومحل، اور پینے کے لئے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور عزت کی جگہ عنایت کی گئی تھی، اگر اس نے دنیا مین ان نعمتون کے ملنے کا حق اس دنیا مین ادا نہ کیا تو دوسری دنیا مین اُس کو یہ سامان ملیگا،

| | |
|---|---|
| فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۙ وَّظِلٍّ | وہ لُو اور کھولتے پانی مین، دھوئین کے سایہ |
| مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ؕ | مین، نہ ٹھنڈا، نہ باعزت، بے شک وہ |
| اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ۚ ج صلے (واقعہ) | پہلے ناز ونعمت مین تھے، |

رویاے برزخ کی حدیث مین ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگون کو دیکھا جنکا آدھا دھڑ خوبصورت

اور آدھا بدصورت تھا، یہ وہ تھے، جنکے کچھ کام اچھے اور کچھ برے تھے، اس لیے بداعمالی بدصورتی، اور نیکی خوبصورتی کے رنگ مین نمایان ہوئی، صریح طور سے یہ اصول ان حدیثون سے مستنبط ہوتا ہے؛

۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ "جو مومن خود بھوکا رہ کر کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلائیگا، تو خدا اُس کو جنت کے پھل کھلائیگا، اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو پلائیگا تو خدا اُس کو جنت مین شراب طہور پلائیگا، اور جو کوئی کپڑون کا حاجتمند ہو کر ننگے کو پہنائیگا، تو خدا اُس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائیگا" (ترمذی کتاب الزہد والرقاق ص۴۲۲)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفون مین سے کسی تکلیف کو دور کریگا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی تکلیف دور فرمائیگا، اور جو کوئی کسی نادار کو یہان کسی مصیبت مین پھنسائیگا، تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت مین اُس کو مصیبت مین مبتلا فرمائیگا، اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کریگا، تو خدا دنیا و آخرت مین اسکی ستر پوشی کرے گا، اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد مین جبتک رہیگا خدا اُس وقت تک اسکی مدد مین رہیگا" (ترمذی ص۴۲۲)

۳۔ "جو انسانون پر رحم کریگا خدا اُس پر رحم فرمائیگا" (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہین کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہین، وہ اپنی مناسب مثالی شکل وصورت مین ظاہر ہونگے، مثلاً

۱۔ قرآن مین ہے کہ "جو اس دنیا مین حقیقت بینی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت مین بھی اندھا ہوگا" دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی، دوسرے عالم مین ظاہری جسمانی نابینائی کی شکل مین ظاہر ہوگی

---

۱؎ صحیح بخاری کتاب التعبیر

۲- حدیث مین ہے کہ اہلِ تکبر قیامت کے دن چیونٹیان بناکر اٹھائے جائین گے جنپر ہر طرف سے ذلّت وخواری چھائی ہوگی[۱]۔ دیکھو کہ تکبر کی جزا ذلّت وخواری سے ملیگی، اور چونٹیون سے زیادہ حقیر وذلیل کوئی ہستی نہین، اسلئے اُن کی بڑائی اور تکبر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ چیونٹی بنکر اٹھین،

۳- اسی طرح آپ نے فرمایا کہ "جو بخل کریگا، قیامت مین اُسکا مال سانپ بنکر اُس کو ڈسیگا[۲]؛ صفتِ بخل اُسکے حق مین اسی سانپ کی صورت اختیار کرکے اسکی تکلیف کا باعث ہوگی! آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص بلاوجہ بھیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہے، قیامت مین وہ اٹھیگا تو اس کے منھ پر گوشت نہ ہوگا[۳]"؛ دیکھو کہ دنیاوی بے شرمی وبیحیائی بے گوشت چہرہ کی صورت مین ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ "دو بیبیون کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت مین اس طرح آئیگا، کہ اس کا ایک پہلو (گویا مفلوج ہوکر) جھک گیا ہوگا[۴]"؛ ایک پہلو کا عدمِ ادائے حق اپنی تمثیلی صورت مین ایک پہلو کی مفلوجی کیفیت مین نمودار ہوگا، یہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہین ان ہی پر جزا وسزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہیئے، اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے حسب ذیل آیتون پر غور کرنا چاہیئے،

| | |
|---|---|
| وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ | جس نے میری یاد سے منھ پھیرا، تو اسکو تنگ گذران |
| لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ | ملتی ہے، اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا |
| الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ | اٹھائین گے، وہ کہیگا اے میرے پروردگار |
| اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، | تونے مجھے اندھا کیون اٹھایا مین تو دیکھتا |

۱؎ ترمذی کتاب الزہد والرقائق ص۔ ۲؎ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہین: مثل له ماله شجاعا اقرع ۳؎ ترمذی ...

| | |
|---|---|
| قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا، | تھا، فرمائیگا اسی طرح میری آیتین تیرے پاس |
| وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى، | آئین تو تونے اُن کو بھلا دیا، ایسے ہی آج تو |
| (طٰہٰ - ۷) | بھلایا جائیگا، |

دیکھو کہ دل کی نابینائی، قیامت مین ظاہری نابینائی، اور یہان خدا کو بھولنا، اور اُس کے احکام کو یاد نہ کرنا، وہان رحمتِ الٰہی کی یاد سے بھول کی شکل مین نمودار ہوگا،

**دوزخ کی جسمانی سزائین** دوزخ مین جسمانی اور روحانی دونون سزائین ملین گی، قرآنِ پاک مین جن جسمانی سزاؤن کا ذکر ہے، وہ حسبِ ذیل ہین،

۱- آتشِ دوزخ اور اسکی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ النَّارُ یعنی آگ، گویا دوزخ کا دوسرا نام ہے اِن ہی معنون مین اَلسَّعِیْرُ یعنی جلتی آگ بھی بارہا مستعمل ہوا ہے، اور عَذَابُ الْحَرِیْقِ (جلن کا عذاب) بھی دو چار جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

| | |
|---|---|
| تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ | اُن کے چہرون کو دوزخ کی آگ جھلس دیگی اور |
| فِيْهَا كٰلِحُوْنَ، (مومنون - ۶) | اُن کی صورتین اُسمین بگڑ جائینگی، |

دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے، جس کے متعلق یہ ہے کہ

| | |
|---|---|
| وَمَا اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ، لَا تُبْقِيْ | اور تمھین کیا معلوم سقر کیا ہے، نہ وہ رحم کھائیگی |
| وَلَا تَذَرُ، لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ، (مدثر-۱) | نہ چھوڑیگی، چہرون کو جھلس دینے والی، |
| كَلَّا، اِنَّهَا لَظٰى، نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى، | ہرگز نہین وہ شعلہ والی آگ ہے، منھ کی کھال |
| (معارج - ۱) | ادھیڑنے والی، |

| | |
|---|---|
| اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (مرسلات-۱) | دوزخ محل کے برابر اونچی چنگاریاں اتنی بڑی پھینکیگی جیسے زرد رنگ کے اونٹ، |

۲- وہان سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا،

| | |
|---|---|
| اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ (مرسلات-۱) | چلو ایک چھاؤن کی طرف جس کی تین پھانکین ہونگی، نہ گھن کی چھاؤن، اور نہ تپش مین کام آسکے |

۳- وہان ٹھنڈک نہ ہوگی،

| | |
|---|---|
| لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (نبا-۱) | اُس مین وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھین گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا، |

۴- دوزخ مین نہ موت آئے گی کہ چین آجائے، اور نہ ایسی زندگی ہی ہوگی جس مین کوئی مسرت ہو، دو جگہ فرمایا،

| | |
|---|---|
| لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى (طٰہٰ و اعلیٰ) | وہان وہ نہ مریگا نہ جیے گا۔ |

۵- پینے کو گرم پانی ملیگا جس سے آنتین نکل پڑینگی،

| | |
|---|---|
| وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد-۲) | اور وہ گرم پانی پلائے جائین گے تو وہ پانی انکی آنتون کو ٹکڑے کردیگا۔ |

۶- اور پیپ پئین گے،

| | |
|---|---|
| اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا (نبا-۱) | لیکن کھولتا پانی اور پیپ، |

۷- اُن کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائیگا،

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِيمُ (حج ۲-) ان کے سرون کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائیگا،

۸- کھانے کو سینڈھے کا پھل ملیگا،

أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ...... یا سینڈھے کا پھل ......

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ مین، اُس کے

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُسُ الشَّيَاطِينِ، شگوفے جیسے شیطانون کے سر تو وہ کھائینگے

فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ اور اُس سے پیٹ بھرینگے، پھر اُس پر گرم پانی

مِنْهَا الْبُطُونَ، ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا کی ملونی ہوگی،

لَشَوْبًا مِنْ حَمِيمٍ ج (والصّٰفّٰت-۲)

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ لا طَعَامُ الْأَثِيمِ سینڈھے کا درخت گنہگار کی غذا ہے جیسے

كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ (دخان-۳) پگھلا تانبا، وہ پیٹون مین کھولتا ہے جیسے کھولتا پانی

۹- خار دار جھاڑی کی خوراک ہوگی جس سے بدن کو کوئی فائدہ نہ ہوگا،

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ اور اُن کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا، لیکن خاردار

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ط جھاڑی جو نہ موٹا کرے گی، اور نہ بھوک سے

(غاشیہ-۱) بے پروا کرے گی،

۱۰- زخمون کے دھوون کی خوراک ملیگی،

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ (حاقہ-۲) اور نہ کوئی کھانا، مگر زخمون کا دھوون،

۱۱- کھانا نگلا نہ جائیگا،

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ ، (مزمل-۱)

اور گلے میں اٹکنے والا کھانا،

۱۲- آگ کے کپڑوں کا لباس ہوگا،

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ، (حج-۲)

کافروں کے لئے آگ کے کپڑے قطع ہوں گے،

۱۳- لوہے کے ہتھوڑے پڑینگے،

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ، (حج-۲)

اور اُن کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں،

۱۴- گلے میں طوق اور زنجیریں،

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ (مومن-۸)

جب اُن کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہونگی، وہ کھینچے جائیں گے،

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ، (دھر-۱)

ہم (خدا) نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آگ تیار رکھی ہے،

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ، (ابراہیم-۷)

وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے،

**دوزخ میں روحانی سزائیں**

ان جسمانی سزاؤں کیساتھ روحانی سزائیں بھی ہونگی جو اہلِ نظر کی نگاہوں میں اُن سے بھی بڑھکر ہیں، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوزش کا حال اوپر گذر چکا، وہ دل کو جاکر جھانکیگی، فرمایا،

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ، (ہمزہ-۱)

سلگائی ہوئی اللہ کی آگ، جو دلوں کو جھانکیگی،

| | |
|---|---|
| وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ | اور جب عذاب کو دیکھین گے تو اپنی پشیمانی |
| (یونس - ۷) | کو چھپائین گے، |
| یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ | اے حسرت اس پر کہ مین نے خدا کے پہلو |
| اللّٰہِ، (زمر - ۶) | مین کمی کی، |
| کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا | وہ جب جب دوزخ سے غم کی وجہ سے |
| مِنْ غَمٍّ، (حج - ۲) | نکلنا چاہین گے، |

ذلت کا عذاب،

| | |
|---|---|
| فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ | تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دیئے |
| (احقاف - ۳) | جاؤگے، |

اس افسوس وحسرت وندامت سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہوگی

| | |
|---|---|
| لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ، (تحریم - ۱) | آج معذرت نہ پیش کرو، |

اللہ عزوجل سے مکالمہ کا شرف اُن کو نہ ملیگا جب وہ بات کرنا چاہین گے، تو وہ فرمائیگا

| | |
|---|---|
| اِخْسَئُوْا فِیْھَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ، | ذلیل ہوا س دوزخ مین، اور مجھ سے |
| (مومنون - ۶) | بات نہ کرو، |

سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہین گے،

| | |
|---|---|
| کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ | ہرگز نہین وہ اُس دن اپنے رب سے پردہ |
| لَّمَحْجُوْبُوْنَ، (تطفیف) | مین ہونگے، |

اُن مین سے جنھون نے اس دنیا مین اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا، اُس دن وہ بھی اُن کو اپنی رحمت و شفقت کی یاد سے بھلا دیگا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ، (طہ - ۷) | اسی طرح ہماری آیتین تیرے پاس آئین تو تونے انکو بھلا دیا، ایسے ہی آج تو بھی بھلایا جائیگا، |

ایسے دوزخی بھی ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہین گے، وہ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیگا، نہ اُن سے کچھ بات کریگا، اور نہ اُن کی اصلاح حال کی کوئی فکر کریگا، یہ حقیقت مین شفیق و مہربان رب کی انتہائی ناراضی کی تصویر ہے، اس درد کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہین جو عشق و محبت کے زخم خوردہ ہین، فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ، (آل عمران - ۸) | جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسمون کے ذریعہ سے تھوڑی سی دولت خرید اکرتے ہین، آخرت مین اُنکا کوئی حصہ نہین، نہ قیامت مین خدا اُن سے بات کریگا، نہ اُن کی طرف دیکھیگا نہ اُن کو سنواریگا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، |

# جنّت

**جنت کے نام** اُس مقام کا نام جو نیکو کار انسانون کا دائمی گھر ہوگا، قرآن پاک مین عموماً اَلْجَنَّۃُ (باغ) بتایا گیا ہے، اور کبھی کبھی اُس کو مناسب اضافتون کیساتھ بھی ادا کیا گیا ہے، مثلاً جَنَّۃُ النَّعِیْمِ (نعمت کا باغ) جَنَّۃُ الْخُلْدِ (بقاے دوام کا باغ) جَنّٰتُ عَدْنٍ، (دائمی سکونت کے باغ) جَنَّۃُ الْمَاْوٰی (پناہ کا باغ) اُن کے علاوہ اور دوسرے لفظون سے بھی اُنکی تعبیر کیگئی ہے، مثلاً فِرْدَوْسٌ (باغ) رَوْضَۃٌ (چمن) دَارُ الْخُلْدِ (ہمیشگی کا گھر) دَارُ الْمُقَامَۃِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلَامِ (امن و سلامتی کا گھر)

**جنّت کا دوام** اس موجودہ دنیا مین بھی گو لذتین اور مسرتین ہین، مگر جو چیز یہان نہین ہے، وہ بقاے دوام ہے، یہان کی ہر لذت عارضی، اور ہر مسرت آنی ہے، یہان خوشی کا کوئی ایسا ترانہ نہین، جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو، یہان ہر پھول کیساتھ کانٹے، ہر روشنی کیساتھ تاریکی، ہر وجود کے ساتھ فنا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غنا کے بعد محتاجی ہے، انسان ہزارون سختیان اٹھانے اور ہزارون صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنتا اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہین آتی، کہ اُس کا خاتمہ ہوجاتا ہے، غرض اس موجودہ عالمِ فانی کی ہر شے آنی جانی ہے، اور یہی یہان کی سب سے بڑی کمی ہے،

لیکن جنت اُس مملکت کا نام ہے جہاں کی لذتین جاودانی، اور جہاں کی مسرتین غیرفانی ہین، جہاں حیات ہے مگر موت نہین، راحت ہے، مگر تکلیف نہین، لذت ہے مگر الم نہین، مسرت ہے مگر غم نہین، جہاں وہ سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہین، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن واندوہ نہین، شیطان نے حضرت آدمؑ کے سامنے جنت کا جو نقشہ کھینچا تھا، وہ بالکل صحیح تھا، اس نے کہا، اے آدم!

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى، (طٰہٰ - ۷)

کیا مین تجھے سدا جینے کا درخت اور وہ بادشاہی بتاؤن جسکو فنا نہین،

مگر جنت کا یہ وصف سنا کر اُن کو جدھر کا راستہ بتایا، وہ موت کے درخت، اور فنا کے ملک کی طرف کا تھا، اور یہی وہ فریب تھا جسمین آدمؑ گرفتار ہوئے، چنانچہ ابدی زندگی کی تلاش مین وہ چیز کھالی جو اُن کے حق مین زہر تھی یعنی گناہ کا پھل، نتیجہ یہ ہوا کہ جنۃ الخلد اور غیرفانی ملک سے نکل کر اُن کو اس فنا کے ملک مین آنا پڑا، اور پھر اُس کا جنۃ الخلد اور غیرفانی ملک کا استحقاق اُن کے اور اُن کی نسل کے اعمالِ صالحہ کا صلہ قرار پایا، چنانچہ فرمایا،

اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا، (فرقان - ۲)

یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پرہیزگارون سے کیا گیا جو اُن کا صلہ ہوگا، اور واپسی کی جگہ،

یہ ہمیشگی کا باغ وہ غیرفانی مملکت ہے جہاں کا آرام دائم، اور جہاں کی سلامتی ابدی، جہاں کی لذت بے انتہا، جہاں کی زندگی غیرمنقطع، جہاں کا سرور غیرمختتم، اور جہاں کا عیش جاودان ہے؛

چنانچہ اسکی تصریح قرآن پاک کی سولہ آیتون مین مختلف طریقون سے کیگئی ہے، فرمایا،

۱- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۔ (نساء - ۸)

۱- اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ہم اُن کو باغون مین داخل کرینگے، جنکے نیچے نہرین بہتی ہون گی، وہ اُن مین ہمیشہ کے لئے رہ پڑینگے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی،

اس تاکید پر تاکید، اور پرزور طریقۂ تعبیر پر نظر ڈالئے کہ صرف "خلود" پر اکتفا نہین کی، بلکہ ساتھ ہی اَبَدًا فرما کر اس خُلُود کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی، بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ "یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے" پھر مزید تاکید کا اضافہ کیا، کہ "اور اللہ سے زیادہ سچی بات کسکی ہوسکتی ہے؟" اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلودِ جنت اور بقاے غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے،

۲- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ، (نساء - ۸)

۲- اور جو ایمان لائے، اور اچھے عمل کیے ہم اُن کو اُن باغون مین داخل کرین گے جنکے نیچے سے نہرین بہتی ہونگی، اُن مین وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

۳- لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (مائدہ - ۱۶)

۳- اُن کیلئے باغ ہین جنکے نیچے سے نہرین بہتی ہین، وہ اُن مین ہمیشہ رہا کرینگے،

۴- وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ

۴- اور اللہ اُن کو خوشخبری دیتا ہے، کہ انکے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
لیے وہ باغ ہیں جنہیں ہمیشہ کا آرام ہے، اور جنہیں وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

(توبہ-۳)

۵- وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

۵- اور اُن کے لئے وہ باغ مہیا کئے ہیں جنکے نیچے نہریں رواں ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہا کرینگے،

(توبہ-۱۳)

۶- وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

۶- اُس کو اُن باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ رہا کرینگے،

(تغابن-۱)

۷- وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا،

۷- اور جو اللہ پر ایمان لائے، اور نیک کام کرے اُس کو وہ اُن باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُن میں وہ ہمیشہ رہا کرینگے، اللہ نے اُس کو روزی خوب دی،

(طلاق-۲)

۸- جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ (بینہ-۱)

۸- اُن کی مزدوری اُن کے رب کے حضور میں بسنے کے وہ باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جنہیں وہ ہمیشہ رہا کریں گے،

یہ آیتیں وہ ہیں جنہیں اہل جنت کو جنت میں خلود ابدی کی قطعی بشارت سنائی گئی ہے،

ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جنمیں جنت کی راحتوں اور لذتوں کی ابدیت اور دوام کی خبر دیگئی ہے، وہ یہ

۹- وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا
حَسَنًا، مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا، (کھف-۱)

۹- اور اُن مومنوں کو بشارت دیگا جنھوں
نے اچھے کام کئے، کہ اُن کے لیے اچھی مزدوری
ہے، جسمیں وہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے،

سورۂ صٓ میں جنت کی اکثر نعمتوں کے بیان کے بعد ہے،

۱۰- هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ
الْحِسَابِ، اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ
مِنْ نَّفَادٍ، ج لا (ص-۴)

۱۰- یہ وہ ہے جسکا حساب کے دن تم کو دینے کا
وعدہ کیا جاتا ہے، بے شبہہ یہ ہماری وہ روزی
ہوگی جسکو ختم ہونا نہیں ہے،

۱۱- وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى
الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ
رَبُّكَ، عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ، (هود-۹)

۱۱- اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت
میں رہا کرینگے، جب تک آسمان اور زمین
ہیں، لیکن جو تیرا رب چاہے وہ بخشش ہوگی
جو منقطع نہ ہوگی،

یعنی خدا کی مشیئت کے سوا اُن کو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکیگا، لیکن اسکی مشیئت یہی ہوگی کہ اُن کے لئے اسکی یہ بخشش دائمی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے، پھر جس کے متعلق اسکی مشیئت کا یہ اعلان ہے، وہ فنا کیونکر ہوسکیگی،

۱۲- وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ
مُّقِيْمٌ، لا (توبہ-۳)

۱۲- اور وہ باغ جنمیں اُن کے لئے قائم
رہنے والی نعمت ہوگی،

۱۳- اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا (رعد-۵)

۱۳- جنت کا میوہ اور اسکا سایہ دائمی ہے،

۱۴- وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ ۙ (واقعہ-۱)

۱۴- اور بہت سے میوے جنکا نہ انقطاع ہوگا، اور نہ جنکی روک ہوگی،

۱۵- اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ (تین)

۱۵- لیکن جو لوگ ایمان لائے، اور نیک کام کئے اُن کے لئے وہ مزدوری ہے، جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا،

فنائے راحت، اور انقطاعِ مسرت کی دو صورتین ہین، ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہوجائے اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہوجائے پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتون مین کردیگئی کہ راحت و مسرت کے اسباب کا وہان خاتمہ نہ ہوگا، اب رہ گئی دوسری صورت تو گو خَالِدِيْنَ اَبَدًا کہکر اسکی نفی بار بار کیجا چکی ہے، مگر ایک جگہ بتصریح یہ کہدیا گیا ہے، کہ اُس احاطہ مین موت کا گذر نہ ہوگا، فرمایا،

۱۶- لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُولٰى ج، (دخان-۳)

۱۶- جنت مین جنت والے پہلی موت کے سوا پھر موت کا مزہ نہین چکھین گے،

لیکن ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ مسرت کے اسباب بھی قائم رہین اور اہلِ جنت کی زندگی بھی دائم ہو، مگر کچھ دنون کے بعد اُن کو وہان سے نکال کر الگ کردیا جائے، تو اسکی تصریح بھی فرمادی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی اہلِ جنت کو اُن کے عیش و راحت کی منزل گاہون سے باہر نکال سکے، فرمایا،

لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ وَّمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ ○ (حجر - ۴) وہاں اُن کو کوئی غم نہ چھوئیگا، اور نہ وہ یہیں سے نکالے جائیں گے،

یہ بھی ممکن ہے، کہ خود اہل جنت اُس سے گھبرا کر نکل آئیں، تو فرمایا کہ اُن کی جبلت و فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود بھی اس مہمان خانۂ الٰہی سے نکلنا پسند نہیں کرینگے، فرمایا،

خَالِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ○ (کہف - ۱۲) سدا رہیں گے اس میں، اس سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے،

دوام و بقا، اور تسلسل و عدم انقطاع کی اس توبرتو تاکید اور اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب مسرت کی بقا، راحت کا دوام، اور زندگی کا تسلسل جنت کی اصلی خصوصیت ہوگی یہی وہ حقیقت ہے، جس کی لالچ شیطان نے

وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی ○ (طہ - ۷) اور غیر فانی سلطنت،

کہکر آدم کو دلائی تھی، اور اس بہانہ سے اُس عالم بقا سے اُن کو اس عالم فنا میں بھجوا دیا، آخر وہ زمانہ آئیگا، جب آدم کی اولاد کو اُن کے نیک اعمال کی بدولت اُس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لئے حاصل ہوگی،

**غیر فانی بادشاہی** دنیا میں شخصی راحت و آرام کا بلند سے بلند تخیل ایک لفظ "بادشاہی" کے اندر بخوبی ادا ہو سکتا ہے، اگر انسان کو اُسکی انتہائی آرزوؤں کے برآنے کی خوشخبری کے دینے کیلئے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی اس کیفیت کا نام ہے، جس میں انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامان راحت اور اسباب شادمانی کی فراوانی سے اُسکی مسرت

مین کسی غم کا شائبہ نہ ہو، اونچے اونچے محل ہرے بھرے باغ، بہتی نہرین، سرسبز و شاداب تختے، سونے چاندی کے اسباب، زر و جواہر کے برتن، زرین کمر غلام و خدام، ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیون کے ہار، سونے کے کنگن، شراب کے زمردین اور بلورین پیالے، حسین و مہ جبین بیگمات، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام ضروری لوازمے ہین،

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی،

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ، (طٰہٰ-۷) اور غیر فانی بادشاہی،

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لئے مختلف پیغمبرون نے مختلف لفظ استعمال کئے ہین، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کے لئے "آسمانی بادشاہی" کی اصطلاح قائم فرمائی ہے، اور اپنی گفتگو کے تمام استعارون مین اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ جو مادیت کی گودون مین پلے، اور مادیت کے ماحول مین پھولے پھلے ہین، کسی خالص روحانی مفہوم کی تعبیر نا ممکن ہے، کہ اُسکے ہر لفظ کے مفہوم کو ان ہی لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے جو ہمیشہ سے اُس لفظ کے ساتھ وابستہ چلے آتے ہین، آپ بادشاہی کو آسمانی کہکر کسی قدر مادہ سے بلند کرین، مگر بادشاہی کے مفہوم کیساتھ جو موروثی خیالات و لوازم وابستہ ہین وہ دور نہین ہو سکتے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰؑ اپنی زندگی کی آخری شب مین شاگردون کو جب شراب کا پیالہ بھر کر دیتے ہین، تو آسمانی بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظون مین کرتے ہین،

"مین پھر تمھین کہتا ہون کہ انگور کا شیرہ پھر نہ پیونگا اُس دن تک کہ تمھارے ساتھ اپنے باپ

کی بادشاہی مین اُسے نیا نہ پیون" (متی ۲۶-۲۹)

آپ نے دیکھا کہ "باپ" کی آسمانی بادشاہی مین بھی انگور ہی کا شیرہ پینے کو ملیگا،

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ اُن کو اسی سونے چاندی کے محل، آبِ حیات کی نہر اور جواہرات کی دیوارون مین نظر آئی، (مکاشفات یوحنا باب ۲۱ و ۲۲) پھر اور

"وہان رات نہ ہوگی، اور وے چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہین، کیونکہ خداوند اُن کو روشن کرتا ہے، اور وے ابدالآباد بادشاہی کرینگے" (۲۲-۵)

لیکن یہ بادشاہی، عیسوی پیغام مین ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، نبوت کے آخری پیغام نے اس اجمال کی تفصیل اِن لفظون مین کی ہے،

| | |
|---|---|
| فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ | تو اللہ نے اہل جنت کو اُس دن کی تکلیف سے |
| وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا وَجَزٰهُمْ | بچالیا، اور اُن کو تر و تازگی، اور شادکامی سے |
| بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا مُّتَّكِئِيْنَ | ملایا، اور اُن کے صبر کے بدلہ مین اُن کو (رہنے |
| فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا | کے لئے) باغ اور (پہننے کے لیے) ریشمی کپڑے |
| شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا وَدَانِيَةً | دیئے، وہ اُن باغون مین تختون پر تکیے لگائے |
| عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا | ہونگے، اُن مین نہ دھوپ ہوگی نہ ٹھنڈ، اور |
| تَذْلِيْلًا وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ | ان کے سایے اُن پر جھکے ہونگے، اُن کے |
| مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا | خوشے پست ہو کر لٹکے ہونگے، چاندی کے |
| قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا | برتن اور نقرئی شیشون کے آبخورے، جو ناپ کر |

تَقْدِيرًا ، وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ
مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ، عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى
سَلْسَبِيلًا ، وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُخَلَّدُونَ ، إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ
لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا ، وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ
رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ، عٰلِيَهُمْ
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ
وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ، وَ
سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ،
إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ
مَشْكُورًا ،

بنائے گئے ہین، اُن کو لوگ اُن کے پاس سے
پھر ینگے، اور اُن کو وہان وہ پیالہ پلایا جائیگا،
جس مین سونٹھ ملی ہوگی، اُسمین ایک چشمہ کا
نام سلسبیل ہے، اور سدا رہنے والے کمسن غلام
اُن کی خدمت مین گھوم رہے ہونگے اور تو
انھین دیکھے تو سمجھے کہ موتی بکھرے ہین،
اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہان نعمتِ
عیش اور بڑی بادشاہی دیکھے اُنکی پوشاک
سبز نرم ریشم اور دبیز ریشم ہو، اور اُن کو نقرئی
کنگن پہنائے جائینگے، اور اُن کا پروردگار
اُن کو پاک شراب پلائیگا، یہ تمھاری مزدوری
ہوگی، اور تمھاری محنت کی قدر کیجائیگی،

(دھر-۱)

یہ پورا نقشہ اُس عیش و مسرت کا ہے، جو اس دنیا کے شاہانہ محلون کے متعلق تخیل مین آتا ہے، اس بیان کی تائید و تصدیق اُس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی مین حضرت مغیرہؓ صحابی سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ موسیٰؑ نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار جنت والون مین سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنت والون کے جنت مین داخل ہو چکنے کے بعد آخر مین آئیگا، تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت مین داخل ہو جاؤ، وہ کہیگا کہ اب مین

کہان جاؤن، کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربّانی نوازشون پر قابض ہو چکے" اُس سے کہا جائیگا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہون مین سے کسی کے پاس نہ تھا؟ عرض کریگا "خداوندا مین راضی ہون" فرمائیگا "تیرے لئے اتنا، اور اس سے دونا، اور اس سے تگنا اور چوگنا ہے" کہیگا "خداوندا مین راضی ہوگیا" خدا فرمائیگا "تیرے لئے وہ اور اُس کا دوگنا ہے" عرض کریگا "مین راضی ہوگیا" فرمائیگا "اس کیساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشے"[1]

**باغ کا استعارہ** آخرت کے خانۂ عیش و راحت کے لئے قرآن پاک نے عموماً جنت، اور کہین روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے، نادان اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہین کہ عرب کے شور و بے حاصل، اور خشک صحرا کے بسنے والون کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغون ہی کی ہو سکتی ہے، اس لئے اُنکے لئے یہ لفظ اُس مقامِ آخرت کے لئے قرآن نے استعمال کیا ہے، مگر یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہین بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، اس لئے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکون کے بسنے والون کے تخیل مین باغ و راغ اور رنگ و گل کی بہار پسندیدہ نہین ہے، اصل یہ ہے کہ یہان بیابان و گلستان کی تخصیص نہین، یہ فطرتِ انسانی کی تصویر ہے، انسان کسی خطۂ ارضی مین آباد ہو، مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات، باغ و بہار، اور کنارِ آب و نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے، اور اُن کو دیکھکر اندر سے اسکی رُوح وجد کرتی ہے،

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جس مین حزن و غم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال، اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم

[1] جامع ترمذی تفسیر سورۂ سجدہ (حدیث حسن صحیح)

کی فکریں اُس کے دل کے دامن سے لپٹی ہوتی ہیں، مگر جب انسان سیر و تفریح کے لیے باغ و چمن کا رخ کرتا ہے، تو تھوڑی دیر کے لئے وہ ہر غم کو بھول جاتا، اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے، اور ایسا شادان و فرحان بنجاتا ہے کہ غم والم اُس کے ہر گوشۂ خاطر سے دور ہو جاتے ہیں، وحیِ محمدی علے صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس لفظ کو اسی لئے استعمال کیا ہے، تاکہ اُس سے اُخروی عیش و سرت شادی و خوشی، اور فراغِ خاطر کی پوری تصویر کھنچ جائے،

**سامانِ جنت کے دنیاوی نام**

یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے، کہ عالمِ آخرت کی اشیا، کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، اُن سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں، جو اُن لفظوں سے سمجھنے کے ہم عادی ہیں، بلکہ اُن اُخروی اشیار کو ان دنیاوی الفاظ سے اسلئے ادا کیا گیا ہے کہ وہ اُن سے خاص مناسبت رکھتی ہیں، ورنہ از روے حقیقت ان الفاظ کے لغوی مفہوم ومعنی سے اُن کی اُخروی حقیقتیں بدرجہا بلند و اتم ہونگی، چنانچہ قرآنِ مجید کی ان آیتوں میں،

| | |
|---|---|
| وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ | اور اُن کو جو ایمان لائے، اور اچھے کام کیے |
| اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا | یہ خوشخبری سنا کہ اُن کے لئے وہ باغ ہیں |
| الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ | جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی، وہ جب |
| رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا | جب اُن باغوں سے کوئی پھل دیئے جائینگے، |
| مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ | کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے |
| وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّ | ہم کو دیا گیا تھا، اور وہ اُن کو ایک دوسرے |
| هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ | کے مشابہ دیا جائیگا، اور اُن باغوں میں انکی |

| | |
|---|---|
| لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ | صاف ستھری بیویان ہونگی، اور وہ اُن باغون مین ہمیشہ رہینگے، بے شبہہ خدا اس سے شرمندہ نہین |
| (بقرہ ۳-۳) | کہ وہ ایک مچھر کی یا اس سے بھی کم رتبہ چیز کی مثال [۲] |

ان آیتون کے سباق وسیاق اور نظم و ترتیب پر لحاظ کرکے میرے ذہن مین یہی معنی آتے ہین کہ اُن مین دنیاوی الفاظ اور اُن کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے، ورنہ حقیقت کے رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنون مین وہی نسبت ہے، جو مچھر اور کسی عظیم الجثہ شے کے درمیان ہوسکتی ہے، یہی سبب ہے کہ جنت کی لذتون اور نعمتون کی نسبت قرآن نے یہ بھی کہا ہے،

| | |
|---|---|
| فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، (سجدہ ۲-۲) | تو کسی نفس کو معلوم نہین کہ اُن کے لئے اُنکے (اچھے) اعمال کے بدلہ مین آنکھون کی جو ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، |

اس "آنکھون کی ٹھنڈک" یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے، اس لئے یہ فرمایا گیا کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم و فہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے، آنحضرت صلعم نے اسی مفہوم کو اپنے ان مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے،

| | |
|---|---|
| قال اللّٰہ اعددت لعبادی الصّٰلحین ما لا عینٌ رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب | خدا فرماتا ہے کہ مین نے اپنے نیک بندون کے لئے وہ مہیا کیا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان

بشرٍ[1]،

کے دل مین اُسکا خیال آیا،

اگر جنّت کے باغون، نہرون، میوون، غلامون، شرابون، ریشمی کپڑون، اور طلائی زیورون کی وہی اخروی حقیقت ہے، جو ان لفظون سے لغوی طور پر ہم اس دنیا مین سمجھتے ہین، تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتون اور مسرتون کو ایک "مخفی حقیقت" نہ فرماتا، اور نہ آنحضرت صلعم اسکی توضیح مین اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزین ہین جنکو آنکھون نے دیکھا نہ کانون نے سنا، اور نہ وہ کسی انسان کے خیال مین گذرین، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ مین ہے،

بلہ ما اطلعتم علیہ، (صحیح بخاری تفسیر سجدہ) جو تم جانتے ہو اُس کو چھوڑ دو،

صحیح مسلم کی روایت مین یہ الفاظ ہین، بلہ ما اطلعکم اللہ علیہ، اُس کے دو معنی ہو سکتے ہین، ایک یہ کہ بلکہ خدا نے تم کو اُس پر مطلع بھی نہین کیا ہے" دوسرے یہ کہ" خدا نے اس کا جو حال بتایا ہے اُس سے بھی درگذر کرو"

غرض ان لفظون سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھو، اصحابِ تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ سے بسند نقل کیا ہے،

| | |
|---|---|
| وقال السفیان الثوری عن | سفیان ثوری، اعمش سے، اور وہ ابو ظبیان |
| الاعمش عن ابی ظبیان عن ابن | سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت |
| عباس، لایشبہ شئ مما فی الجنۃ | کرتے ہین کہ جنت مین جو کچھ ہے وہ دنیا کی |
| ما فی الدنیا الا فی الاسماء، | چیزون سے نامون کے سوا اور کسی بات مین |

[1] صحیح بخاری، باب کلام الرب، وتفسیر سورۂ سجدہ، صحیح مسلم کتاب الجنۃ وترمذی تفسیر سجدہ [2] صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا،

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہین،

لَيْسَ فِي الدُّنيامما في الجنة الا الاسماء، جنت مین جو کچھ ہے، وہ نامون کے سوا دنیا مین نہین،

غرض ان الفاظ سے انھین دنیاوی مشاہدات کی چیزون کو سمجھنا ضروری نہین، بلکہ اُن سے بدرجہا بلند لذائذ اور مسرتین مراد ہین، جنکی تعبیر کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہین کہ کسی وجہ مناسب کے سبب سے ان کو ان دنیاوی لفظون سے ادا کیا جائے، اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہوسکے، یہین اشکال نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب سے نہین ہے، بلکہ عاجز انسانون کی ذہنی درماندگی کے سبب سے ہے، کہ نادیدہ وناشنیدہ اور دردل ناخلیدہ مفاہیم کے لئے اُن کی زبان ولغت مین کوئی لفظ ہی نہین،

**جنت کی مسرتین اعمال کی تمثیل ہین،**

یہ اصول بارہا بیان مین آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفین ہون یا جنت کی مسرتین دونون اعمالِ انسانی کی تمثیلین ہین، اسی لئے قرآنِ پاک نے بتصریح تمام یہ کہا ہے،

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، (طور-۱) وہی بدلہ پاؤگے، جو تم کرتے تھے،

حدیث مین آتا ہے کہ قیامت مین خدا فرمائیگا" اے میرے بندو، یہ تمھارے ہی عمل ہین جو تمکو واپس مل رہے ہین، تو جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جو برائی پائے وہ اپنے آپکو ملامت کرے [1]"

مثلاً وہ نکوکار جو دنیا مین اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہمیشہ ترسان ولرزان رہتے تھے، اُن کو جنت

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری، آیت مذکورہ وبیہقی فی البعث کما فی الدر المنثور للسیوطی، تفسیر آیت مذکورہ،

مین امن و سلامتی کے ساتھ وہان کی تمام راحتین ملینگی تو،

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ — کہین گے ہم اس سے پہلے اپنے گھروالون مین

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ — ڈرتے تھے، تو خدا نے ہمپر مہربانی فرمائی اور

(طور - ۱) — ہم کو دوزخ کی لو کے عذاب سے بچالیا،

اس آیت سے صاف نمایان ہے کہ جو لوگ دنیا مین خدا کے قہر و غضب سے ڈرتے تھے، وہ قیامت مین گرم لو (سموم) کے عذاب سے بچائے جائین گے، قہر و غضب کی تمثیل شعلۂ آتش، لو وغیرہ گرم چیزون سے ہے، تو جو لوگ دنیا مین خدا کے قہر و غضب سے ترسان تھے، دیکھو کہ قیامت مین اُن کو سموم یا گرم ہوا کی لو سے بچائے جانے کی بشارت ملی،

دولتمند و قوی دست منکرین کمزور اور غریب مسلمانون کو دیکھکر دنیا مین اُن پر تحقیرانہ ہنستے تھے قیامت مین اسکا الٹا ہوگا کہ یہ اُن پر ہنسین گے، فرمایا،

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ — بیشک گنہگار، ایمان والون پر ہنستے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ، (تطفیف) — ۔ ۔ ۔ ۔ تو آج ایمان والے کافرون پر ہنسین گے،

نکوکارون کے دنیا کے آنسو یہان تبسم اور خندۂ مسرت مین بدل گئے، اور گنہگارون کی وہان کی ہنسی یہان آنسوؤن کا تار بنکر ظاہر ہوئی،

گنہگار جو دنیا مین اپنی دولت و قوت کے نشہ مین چور اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش

اور مسرور رہتے تھے، وہ یہان غمگین ہونگے، اور جو وہان غمگین تھے وہ یہان خوش اور مسرور ہونگے،

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا (الانشقاق - ۱)

تو وہ موت کو پکاریگا، اور دوزخ مین داخل ہوگا، کیونکہ وہ اپنے اہل وعیال مین (مغرورا) خوش تھا،

اور جونکو کار وہان اہل وعیال مین بیٹھکر بھی مسرت سے ناآشنا تھا اُس کا یہ حال ہوگا کہ

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ (انشقاق - ۱)

تو اس سے آسان حساب لیا جائیگا، اور وہ خوش خوش اپنے لوگون کے پاس لوٹیگا،

قرآن پاک مین بارہا یہ آیتین یا بعینہ ان ہی معنون کی آیتین آئی ہین،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، (بقرہ - ۳)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اُن کو باغون کی خوشخبری سنا جن کے نیچے نہرین بہتی ہین،

ان آیتون مین ایمان، اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور اُس کی نہرون کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے، اس سے ادھر خیال جاتا ہے کہ ان دونون مین کوئی خاص تمثیلی تعلق ہو، یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزین ہین، جنکی ترقی اور نشو ونما پانی سے ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑون کی سیرابی اعمال صالحہ کی آبیاری سے ہوتی ہے، اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ ہون تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشو ونما کی امید نہین، اور اگر صرف عمل صالح ہو اور ایمان نہین تو ریگ مین پانی کی روانی ہے جس کا وجود وعدم یکسان ہے اس تمثیل کے ذہن

مین آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے،

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ، اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ، تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا، وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ، (ابراهیم-۴)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ اُن باغون مین داخل کئے گئے، جنکے نیچے نہرین بہتی ہین، وہ اپنے پروردگار کے حکم سے اُن مین سدا رہین گے، وہان سلامتی کی مبارکباد ہے، کیا تونے نہین دیکھا کہ خدا نے کیسی ایک مثال بیان کی، نیک بات ایک ستھرے درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ مضبوط ہو، اور ٹہنی آسمان مین ہو، اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہو، اور خدا مثالین بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچین،

اس آیت مین جنت اور کلمۂ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے، یہانتک تقابل ہے کہ پہلے مین جب یہ کہا گیا کہ "اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اُن باغون مین سدا رہین گے" تو دوسرے مین ہے کہ "وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہیگا" کلمۂ طیبہ سے یہان مراد ایمان[1] ہے، جس کی جڑ مضبوط و مستحکم، اور اس کی شاخین آسمان مین اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہین،

صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد اُن کی ایک ہمسایہ

[1] تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر آیت مذکورہ،

صحابیہ نے خواب مین دیکھا کہ ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ہے، انھون نے آکر یہ خواب آنحضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے اسکی تعبیر مین فرمایا ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يَجْرِیْ لَهٗ، یعنی یہ نہر اُن کا عمل ہے جو اُن کے لئے بہ رہی ہے۔ (بخاری کتاب التعبیر)

ان دونون سابقہ حوالون سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدابہار درخت سے، اور عمل کی تمثیل نہر روان سے ہے، اس بنا پر اہل جنت کے لئے باربار جس باغ، اور نہر جاری کی بشارت دی گئی ہے، وہ حقیقت مین اُن کے ایمان، اور عمل صالح کی تمثیلی شکلین ہونگی، اُن کا ایمان خوشنما اور سدابہار باغ، اور اُن کے اعمالِ صالحہ صاف وشفاف نہر کی صورت مین نمایان ہونگے، اور وہ اُن سے لطف ولذت اٹھائین گے،

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتون اور مسرتون کی حقیقت کی تشریح کیجا سکتی ہے، علومِ نبوی کے ایک بڑے واقفکار اور اسرارِ شریعت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین،

| | |
|---|---|
| واکثر الوقائع الحشریۃ من ھذا | حشر کے واقعات از قبیل تمثیل ہین۔۔۔ |
| القبیل۔۔۔۔۔۔۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔حاصل یہ |
| وبالجملۃ فتشبحات وتمثلات | کہ یہ تمام امورِ معانی کا جسمانی قالبون مین اُن |
| لما عندھا۔۔۔۔ وتتشبح | مثالی صورتون مین ظاہر ہونا ہے۔۔۔ |
| النعمۃ بمطعم ھنیئ ومشرب | ۔۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت |
| مریئ ومنکح شھی وملبس رضی | ومہربانی خوش مزہ کھانے، خوشگوار پینے |

ومسکن بھی،

کی چیزوں، رغبت انگیز لذت نکاح، دلپسند

(صہ۳۶ - ھند)

لباس اور عمدہ مسکن کی صورتوں میں نمایاں ہوگی،

ہم نے آیات و احادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ اس تمثیل و تشبیہ کے کیا معنی ہیں، اور کیونکر غیر مجسم معانی، اپنے مناسب قالبوں میں مجسم ہو کر وجود پذیر ہوتے ہیں، دنیا کے تمام اعمالِ صالحہ کی اگر تحلیل کیجائے تو ان کی اولاد دو قسمیں نکلیں گی، خدا پر ایمان اور خلوصِ دل سے اُسکی طاعت، جس کو "حقوق اللہ" کہتے ہیں، اور دوسری بندگانِ الٰہی کے ساتھ حسن سلوک، بندگانِ الٰہی کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ اُن کی عزت و آبرو کا پاس کیا جائے جسکو عفت وعصمت کہتے ہیں، اور اُن کے ضروریاتِ زندگی کے مہیا کرنے میں امداد کیجائے، اور ضروریاتِ زندگی یہی کھانا پینا، پہننا، اور رہنا ہیں، انہی کی نسبت ہم اُن کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں، اب یہ پانچ قسمیں ہوئیں، جنت کی نعمتیں انہی پانچ قسموں میں منحصر ہیں، ایمان و اخلاصِ طاعت کی جزا وہ خود تبارک و تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نوازیگا، عفت وعصمت کی جزا حسین و جمیل بیویوں کی صورت میں نمایاں ہوگی، دوسروں کے کھلانے کی جزا، جنت کے باغ اور پھل، اور قسم قسم کے الوانِ طعام ہیں، دوسروں کو پلانے کی جزا خوش مزہ و خوشگوار پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے، پہنانے کی جزا، ریشم و حریر و دیبا و اطلس اور بہتر سے بہتر خوشنما لباس ہے، اور رہنے اور رکھنے میں حسن سلوک کی جزا، خوش منظر مکان و قیامگاہ ہے،

ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی کہ

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا

بے شک تیرے لئے اس بہشت میں نہ

| | |
|---|---|
| تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْہَا وَلَا تَضْحٰی، (طٰہٰ۔۷) | بھوکا ہونا ہے، نہ ننگا ہونا، اور نہ پیاسا ہونا، نہ دھوپ مین رہنا، |

یہی چار مختصر انسانی ضرورتین ہین، جو پھیل کر ایک دنیا ہو گئی ہین، جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمالِ صالحہ کی بدولت نجات ملیگی، تو پھر اُن کے لئے وہی بہشت ہے، جس مین نہ بھوکا ہونا ہے، نہ پیاسا ہونا، نہ ننگا ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف مین گرفتار رہنا، اس حقیقت کی تعبیر دو طرح سے کیجا سکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت مین اہلِ بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتون سے یکسر پاک و بے نیاز ہو جاتے ہین، اس لئے وہان نہ کوئی بھوکا ہوگا نہ پیاسا، نہ ننگا ہوگا، اور نہ دھوپ اور لُو کی محنت مین گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت مین اہلِ بہشت کو کھانے کے لئے ایسے الوانِ نعمت ملین گے جنکو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہوگا، اور پینے کے لئے شراب و شربت کی وہ نہرین بہنگی جنکو پی کر پھر پیاسا نہ ہوگا، اور پہننے کو وہ کپڑے ملین گے جو پھر نہ میلے ہونگے اور نہ بوسیدہ ہو کر پھٹینگے، اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملین گے جہان دھوپ کا گذر نہ ہوگا،

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا مین انسان کے لئے جو لطف و لذت ہے، وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لئے تھوڑی تکلیف گوارا کرتا ہے، اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرتون کو قربان کرتا ہے، اسی اصول پر اُس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنا ہے، اعمالِ صالحہ کے بجا لانے مین انسان کو اس دنیا مین چھوٹی چھوٹی تکلیفین برداشت کرنی پڑتی ہین اور اپنی عارضی خوشیون اور

لذتون کو اُن پر قربان کرنا ہوتا ہے، صبح کے نمازی کو خوابِ سحر کی لذت کو خیرباد کہنا، اور دوپہر کی جلتی دھوپ مین ظہر کے لئے مسجد جانا پڑتا ہے، خود بھوکا رہ کر دوسرون کو کھلانا پڑتا ہے، اور اپنی بہت سی ناجائز مگر بظاہر دلچسپ خوشیون کا ایثار کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گذارنے پر اُسکو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا مین ان اعمالِ صالحہ کی خاطر جن چیزون کو قربان کرنا پڑتا ہے، اُن مین پہلی چیز تو خود اسکی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمین ہین، جنکا نام کھانا، پینا، پہننا اور رہنا ہے، اس لئے آخرت مین ان قربانیون کی جزا مین اُن ہی کے مناسب و مماثل جو چیزین ملینگی، وہ غیر فانی زندگی، الوانِ طعام، اقسامِ شراب و شربت، انواعِ لباس، اور بہترین مسکن ہین، قرآنِ پاک مین ہے،

| | |
|---|---|
| فَاَمَّا مَنْ طَغٰیۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ | پس جس نے خدا سے سرکشی کی، اور دنیا کی |
| الدُّنْیَاۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی | زندگی (کے ناجائز لطف و آرام) کو ترجیح |
| وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ | دی تو دوزخ اُس کا ٹھکانا ہے لیکن |
| وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰیۙ فَاِنَّ | جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا |
| الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی، | اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشون سے روکا |
| (نازعات - ۲) | تو اُس کا ٹھکانا بہشت ہے، |

گو اُس کی جزئی نیکیون کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا مین تھوڑی تھوڑی کرکے، شہرت، تعریف، ہردلعزیزی، اور دولت کی صورت مین ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی ہی مین اُس کو ملیگی،

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران - ۱۹)

اور تمھاری مزدوری قیامت کے دن پوری اداکیجائے گی،

**لطف و مسرت کا تصور**

مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے، جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے، اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے، اب انسانی خواہشون کی تحلیل کرو، تو بالآخر اُن کی انتہا ان ہی باتون پر ہوگی جنکی طلب اُس کی فطرت کے اندر ودیعت کر دیگئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزین ہین، یا کیا چیزین اُس کے فہم مین آسکتی ہین، وہ یہی ہین، باغ و بہار، لباس و طعام، حور و قصور، خدم و حشم، سامان و اسباب، اور زر و جواہر، مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئیگا، اور جب کبھی ہم اُن کو سمجھنا چاہین گے، اور کہنا چاہین گے تو ہم کو ان ہی چیزون کا نقشہ کھینچنا پڑے گا، اور ہماری انسانی فطرت ان ہی مسرتون اور خوشیون کو ڈھونڈھنے کی عادی ہے، اور ان ہی کے حصول کی خاطر دنیا مین ہر طرح کی سیہ کاری اور گنہگاری کی مرتکب ہوتی ہے، اس لئے اُن سے احتراز کرنے پر جو چیزین ہم کو وہان ملینگی وہ ہمارے ان ہی عادی و مانوس اسباب مسرت کی صورتون مین ہمارے سامنے پیش ہونگی، اور ہم اُن سے لطف اندوز ہونگے،

**لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین تخیل،**

اس دنیاے کون و فساد مین ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت مین مبتلا ہین، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی آرزوؤن اور خواہشون کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے، لیکن عملاً اپنی خواہشون اور تمناؤن کے مطابق اپنی دنیا بنا لینے پر قدرت نہین، نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے صبر و شکر کا دامن نہین پکڑا ہے، تو ہم سے زیادہ اس دنیا مین تصور و

تخیل کی تکلیف مین کوئی اور گرفتار نہین جنت آخرت کی اُس دنیا کا نام ہے جو ہمارے اعلیٰ ترین تخیل اور ہماری تمناؤن اور آرزوون کے مطابق ہوگی،

| | |
|---|---|
| جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۔ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۱۱، (نحل-۴) | رہنے کے باغ جنکے نیچے نہرین بہتی ہون انکے لئے اُن باغون مین وہ ہے جو وہ چاہین' اللہ اسی طرح پرہیزگارون کو بدلہ دے گا، |
| وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، (حٰمٓ السجدۃ ۴) | اور تمھارے لئے جنت مین وہ ہو جو تمھارے دل چاہین، اور تمھارے لئے اسمین وہ ہو جو تم مانگو' |
| لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ، (ق-۳) | اُن کے لئے جنت مین وہ ہے جو وہ چاہین اور ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر ہے، |
| وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ، (زخرف-۷) | اور جنت مین وہ ہے جس کی دل خواہش کرین، اور جو آنکھون کو لذت دے، |
| لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا۔ (فرقان-۲) | اُن کے لئے جنت مین وہ ہے، جو وہ چاہا کرینگے، یہ وعدہ ہے تیرے رب کے ذمہ، |
| لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ، (زمر-۴) | اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہین گے، |

الغرض جنت وہ مقام ہے، جہان ہم کو وہ کچھ ملیگا، جہان تک ہمارا مرغِ خیال اُڑ کر پہنچ سکتا ہے،

لطف و مسرت کا وہ بلند سے بلند تخیل جو تصور میں آسکتا ہے، وہاں ہمارے لئے مہیا ہوگا، صحابہ میں ہر قسم کے لوگ تھے، جنت کے سامانِ مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق آپ سے پوچھتے رہتے تھے، اور آپ جواب دیتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو سب سے کم رتبہ ہوگا اُس کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدائے تعالیٰ اُس سے فرمائیگا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر، وہ کریگا، تو خدا فرمائیگا کہ تجھ کو وہ سب دیا گیا جس کی تو نے آرزو کی تھی اور اُس کے برابر[1] اور، یہاں تک کہ بازار کا شوق ہوگا تو بازار بھی لگیگا، لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی، کہ وہاں کمی کس چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، (اکا الصوفین الرجا)[2]

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا، تو دانہ، سبزہ، غلہ اور پھر تیاری یہ سب کام منٹوں میں انجام پا جائے گا[3]. ایک بدوی نے پوچھا "یا رسول اللہ صلعم وہاں گھوڑے بھی ہونگے، فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ یاقوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہاں چاہو بہشت میں لئے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم اونٹ بھی ہوگا، فرمایا اگر تم جنت میں گئے تو تمہارے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہے گا، اور جو تمہاری آنکھیں پسند کرینگی[4]".

جنت میں اہلِ جنت کے مختلف رتبے ہونگے، اس لئے اعلیٰ کے لباس و سامان کو دیکھکر ادنیٰ کو اپنی کمی کا خیال ہوگا، تو اُس کے تصور میں یہ پیدا کر دیا جائیگا (حتی یتخیل الیہ) کہ خود اس کا لباس و سامان اس سے بہتر ہے، اور یہ اس لئے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں[5]،

---

[1] صحیح مسلم، [2] ترمذی، دیکھو مشکوٰۃ صفۃ الجنۃ، [3] صحیح بخاری، [4] ترمذی، [5] ترمذی، یہ کل حدیثیں مشکوٰۃ صفۃ الجنۃ سے لیگئی ہیں،

جنت جہان کوئی جسمانی وروحانی آزار نہین

کسی صاحبدل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے، ع

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد،

دنیامین کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہین مل سکتی جس کے پہلو مین مسرت کے پھول کیساتھ، غم کا کوئی کانٹا نہ چبھ رہا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آیندہ ختم ہوجانے کا خوف ہے اور یا گذشتہ ناکامی کا افسوس ہے، اس بناپر یہان کی کوئی خوشی بھی کامل نہین، مگر جنت وہ مقام ہوگا جہان نہ ماضی وحال کا غم ہوگا، اور نہ مستقبل کا خوف ہوگا، چنانچہ اہلِ جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا،

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، نہ اُن کو خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہونگے،

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اسمین جسمانی وروحانی ہرقسم کی نعمتین داخل ہین، دنیامین کوئی انسان اس وقت تک کوئی لقمہ گلے سے نہین اتارسکتا، اور نہ کوئی چیتھڑا بدن پر رکھ سکتا ہے، جب تک اُس کے سر کا پسینہ پاؤن تک نہ آئے، دنیا کی تمام فانی مسرتین ہماری فانی کوششون کا فانی نتیجہ ہین، مگر جنت کی خوشیان بے غم وتکلیف ہماری گذشتہ فانی نیکیون کا غیرفانی نتیجہ ہین، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہے کہ وہان ہم کو ہماری آسایش کا تمام سامان بِلا کسی قسم کی ادنیٰ زحمت ومشقت اٹھائے بغیر میسر آئیگا جس کے بغیر دنیامین کوئی انسان زندہ ہی نہین رہ سکتا، اور جس کی کشمکش سے یہ دنیا ہر انسان کے لئے دوزخ بنی ہے، چنانچہ اہلِ جنت جنت مین داخل ہوکر اور شاہانہ تزک واحتشام اور لباس وزیور سے آراستہ ہوکر خدا کی حمد وتعریف کا ترانہ ان لفظون مین گائین گے،

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا رہنے کے باغ جن مین وہ داخل ہونگے،

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا، وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ. وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ، إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ. الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ، لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ،

(فاطر-۴)

اُن مین وہ سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائین گے، اور اُن کی پوشاک اُن مین ریشم ہوگی، اور وہ کہین گے پاک ہے وہ جس نے ہم سے غم دور کردیا، بیشک ہمارا پروردگار گناہون کا معاف کرنیوالا ہے اور نیکیون کی قدر کرنے والا ہے، وہ جس نے ہم کو اپنی مہربانی سے رہنے کے گھر مین اتارا اور ہم کو وہان نہ مشقت پہنچی اور نہ اسمین ہم کو تھکنا ہے،

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ، (حجر-۴)

اس مین اُن کو کوئی آزار نہ ہوگا، اور نہ وہان سے نکالے جائین گے،

**جنت جہان رشک و حسد نہین،**

موجودہ دنیا خیر و شر کے متضاد عناصر سے بنی ہے، یہان ثواب کے ساتھ گناہ، رحم کیساتھ سنگدلی، محبت کیساتھ کینہ ہے، یہ گناہ و کینہ اور بغض و حسد، وہ آگ ہے، جس نے یہان کے قلبی امن و امان کے خرمن مین آگ لگا رکھی ہے، ہر شخص یہان دوسرون کی اچھی حالت کو دیکھ کر جلتا ہے، اور دوسرون پر غصہ کے جوش و خروش سے ابلتا ہے، جنت وہ عالم ہے، جہان اس آگ اور سیلاب کا وجود نہ ہوگا، ہر قسم کے گناہ، سنگدلی، عداوت اور بغض و حسد کا خاتمہ ہوگا اور خالص محبت و الفت کے دریا موجزن ہونگے، فرمایا،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا (مریم-۴)

اسمین امن و سلامتی کے سوا کوئی بیہودہ بات نہین سنین گے،

| | |
|---|---|
| وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ | اور ہم نے اُن کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا، |
| تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ۔ (اعراف۵) | اُن کے نیچے نہرین بہتی ہین، |
| وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ | اور ہمنے اُن کے سینون سے کینہ کو کھینچ لیا، |
| غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ، | بھائی بھائی بن کر تختون پر آمنے سامنے |
| (حجر-۴) | بیٹھے ہونگے، |

اسی کی تفسیر مین حدیث صحیح مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وہان نہ دلون کا اختلاف ہوگا، نہ باہم بغض اور کینہ، سب کے دل ایک دل کی طرح متحد ہونگے"۔

**وہان کی جسمانی زندگی کیسی ہوگی؟**

بہشت مین زندگی کی جو لذتین ہونگی اُن کی تعبیر الوان نعمت، اور انواع شربت وشراب، اور دوسرے مادی لذائذ سے ہوسکتی ہے، مگر وہ حظ ومسرت اور اطمینان وسکینت کے علاوہ کسی معنی مین بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہونگی، یہان ہر کھانے پینے کے ساتھ بول وبراز، پسینہ اور سوء ہضم کی علت لگی ہوئی ہے، اور بغیر اس کے انسان یہان زندہ نہین رہ سکتا، مگر وہان یہ کچھ نہ ہوگا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اہل جنت کھائینگے اور پئین گے، لیکن نہ تھوکین گے،[1] نہ وہان بول وبراز کی حاجت ہوگی، نہ وہان ناک سے رطوبت نکلیگی، نہ بلغم اور کھکار جیسی گھنونی چیزین ہونگی، کھانا ایک ڈکار مین ہضم ہوگا، وہان کے پسینہ مین مشک کی خوشبو ہوگی، جو بہشت مین داخل ہوگا، اُس کو وہ نعمت ملیگی کہ پھر تکلیف نہ ہوگی، نہ اُن کے کپڑے بوسیدہ ہونگے، اور نہ اُن کی جوانی زائل ہوگی، وہان منادی غیب یہ پکار کر کہدیگا، یہان وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑوگے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئیگی، وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہوگے، اور وہ

[1] صحیح مسلم صفۃ الجنۃ

آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤ گے، لوگون کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکین گے کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودہوین کے چانٹد کی طرح؎

غور کرو کہ وہ جسمانی زندگی، ہماری موجودہ جسمانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے، انسان کبھی شکم مادر مین ایک بچہ کی صورت مین زندہ تھا، مگر وہان اسکی زندگی، اسکی غذا، اس کے فضلۂ غذا، اس کی سانس، اور دوسرے لوازمِ حیات، بیرونِ شکم کے دنیاوی اصولِ حیات و قوانینِ زندگی سے بالکل مختلف تھے، اور جس طرح شکمِ مادر مین بچہ کا اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعجب کیساتھ سنکر آمادۂ انکار ہونا دانشمندی نہ ہوگی، ایسے ہی اس مادی زندگی کے خوگر، اور اس عالمِ آب و گل کے باشندے اُس دوسری زندگی کے اصولِ حیات، طرزِ غذا، اور دوسرے لوازمِ حیات کو سنکر آمادۂ انکار ہون تو اُن کا یہ فعل بھی دانشمندی کے خلاف ہوگا،

**جنت ارتقاے روحانی ہے؛** مادی و جسمانی خلقت و فطرت کی لاکھون برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادہ نے لاکھون برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جسمانیت تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جماد بنا، پھر نبات کی شکل مین آیا، پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر جسمِ انسانی کی صورت مین نمودار ہوا، اور یہ مادیت کی معراجِ ترقی ہے، جمادیت مٹکر نباتیت پیدا ہوئی، اور نباتیت فنا ہوکر حیوانیت نمودار ہوئی، پھر حیوانیت معدوم ہوکر انسانیت ظہور پذیر ہوئی، اور ارتقاے انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغازِ طفولیت مین ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مدارج نہین آئین گے؛

؎ یہ ساری حدیثین صحیح مسلم صفۃ الجنۃ مین ہین،

ایک مادہ پرست صرف بام ارتقا تک زینہ بزینہ چڑھکر ٹھہر جاتا ہے، لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے، اور یہان سے وہ اڑکر سقفِ آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے، قرآنِ پاک کی ان آیتون پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلتے ہین،

اَلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۪ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ؕ (مومنون-۱)

جو فردوس کی وراثت پائین گے، اور وہ اسمین سدا رہین گے، اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی کی کشید سے بنایا، پھر اس کو (رحم نسوانی کے) ایک ٹھہراو کی جگہ مین ایک بوند بنایا، پھر اس بوند کو بندھا ہوا خون بنایا، پھر اس خون کو لوتھڑا بنایا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیان بنایا، پھر ہڈیون کو گوشت پہنایا، پھر اسکو ایک نئی صورت مین اٹھا کر کھڑا کیا، تو برکت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا (خدا)،

لیکن یہ ترقی یہین تک پہنچکر رک نہین جائیگی، بلکہ آگے بھی ہوگی، اس لئے جس طرح ماں کے پیٹ کی تنگ و تاریک دنیا مین زیست وحیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دنیا مین اُس نے قدم رکھا، جہان ترقی وحیات کے دوسرے ہی اصول ہین، اسی طرح اس دنیائے مادی سے نکل کر اس وسیع تر دنیا مین قدم رکھیگا، جہان ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہونگے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ، پھر بیشک تم اس کے بعد مرنے والے ہو اور پھر
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ، (مؤمنون-۱) قیامت کے دن اٹھائے جاؤگے،

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھون برس مین ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت پیدا ہوتے ہوتے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہین کہ اب نوع انسانی کی تمام کیفیتین مٹ کر ایک بلندتر نوع کی کیفیتون کی تیاری شروع ہوئی، صدہا ہزارہا سال کے بعد قیامت سے دوسری نوعِ ملکوتی کا ظہور ہوگا،

یہان مسئلۂ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جسکو "بقاے اصلح" کہتے ہین، کہ ان مدارج ترقی کے اثنا مین ہزارون وہ نوعین فنا ہوتی رہتی ہین جنہین آگے بڑھنے کی صلاحیت نہین ہوتی اور وہی باقی رہجاتی ہین جنہین آیندہ بقا کی پوری استعداد ہوتی ہے، جس طرح پچھلی استعداد سے آیندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اُس دوسری ملکوتی نوع کی استعداد انہی کو ملتی ہے جن کے اندر اپنی پچھلی مادی وجسمانی زندگی مین اس کی استعداد پیدا ہوچکی تھی، دوزخ کے درجے اُن لوگون کے مقامات ہین جو گویا ہنوز، جمادی ونباتی وحیوانی منزلون مین ہین، اور ممکن ہو کہ وہ اس دارالامتحان مین اپنی کمیِ استعداد کے بقدر رہ کر آگے کی استعداد پیدا کرلین، اور ملکوتیت کی ترقی حاصل کرسکین،

بہشت کے مختلف مدارج اُن کی استعدادون کے مقامات ہین، جو اپنی پہلی ہی زندگی مین اس ترقی کی استعداد پیدا کرچکے تھے، لیکن یہان پہنچکر بھی اُن کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا بلکہ وہ بقدرِ استعداد تکمیل کے مدارج طے کرتے چلے جائین گے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ
(تین-۱)

ان (بہشتیون) کے لئے نہ ختم ہونیوالی مزدوری ہے،

ایک دوسری آیت مین ہے کہ نشاۃ ثانیہ مین اہلِ ایمان کے آگے پیچھے داہنے بائین نور ہوگا، پھر بھی دعا کرین گے،

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم-۲)

اُن کا نور اُن کے سامنے اور داہنے دوڑیگا اور وہ کہین گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو کامل اور ہم کو معاف کر تو ہر بات کر سکتا ہے،

مومنون کے لبون پر اللہ کے بخشے ہوئے نور کی مزید تکمیل اور اتمام کی دعا، ادھر اشارہ کر رہی ہے کہ اُنکے مدارج مین ترقی ہوتی رہے جس کا اقتضا خدا کی ربوبیت کا منشا ہے،

**امن وسلامتی کا گھر** انسان امن وسلامتی کا بھوکا ہے لیکن وہ اس امن وسلامتی کو اسبابِ راحت کے انبار مین تلاش کرتا ہے، اور نہین پاتا، وہ دنیا مین امن کا گوشہ ڈھونڈھتا ہے، اور وہ اسکو نہین ملتا، لیکن یہان آکر اس کو نہ صرف امن کا گوشہ بلکہ امن وسلامتی کی ایک دنیا ملیگی، وہ پرند جو عمر بھر چار عناصر کے قفس مین گرفتار رہا، یہان وہ سدرۃ المنتہیٰ کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کرے گا، جنت کے جہان وحیِ محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہین، وہان اس کا ایک نام دارالسلام بھی بتایا ہے، جس کے معنی امن وسلامتی کے گھر کے ہین،

اہلِ جنت کی نسبت ارشاد ہے،

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (انعام - ۱۵)
اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دیکر اپنے پیغمبر علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ حقیقت مین اسی امن وسلامتی کی نوید وبشارت ہے، اسی لئے فرمایا،

وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ (یونس ۳)
اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے،

آنحضرت صلعم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، توسب سے پہلے اسی امن وسلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی، عبد اللہ بن سلام ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلعم کی جب صدائے نبوت نے سب سے پہلے اُن کے دل مین گھر کیا، وہ یہ تھی، لوگو! سلامتی پھیلاؤ، بھوکون کو کھانا دو، جب دنیا غفلت کی نیند سوئے توتم اٹھکر خدا کی عبادت کرو، امن وسلامتی کے گھر مین رہنا نصیب ہوگا،

جنت کے ذکر مین اس امن وسلامتی کا تذکرہ قرآن پاک مین بار بار آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے درودیوار سے امن وسلامتی کے ترانے سنائی دینگے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد ۳)
اور فرشتے ہر دروازہ سے اُن کے سامنے یہ کہتے ہوئے آئین گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا، توکیسا اچھا پچھلا گھر ہے،

وہان امن وسلامتی کے سوا کچھ اور سنائی نہ دیگا،

إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (واقعہ - ۱)
لیکن سلامتی سلامتی کی پکار،

فرشتے اہل جنت کو یون کہین گے،

اِدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ۔ (ق-۳) | اس جنت مین سلامتی کیساتھ داخل ہوجائیگی جاوید کا دن ہے،

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ۔ (مریم-۴) | اُس مین سلامتی کے سوا کوئی اور بیہودہ بات نہ سنین گے،

جنت کا ایک اور نام قرآن مین "مقامِ امین" امن والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا،

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ مَقَامٍ اَمِيۡنٍ ۙ (دخان-۳) | بے شک پرہیزگار لوگ امن والے مقام مین ہونگے،

مقامِ رحمت

خدا کی رحمت کب نہین؟ اور کہان نہین؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا مین ایسے واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہین جنکو ہم رحمت کے بجائے قہرِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہین، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کی بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب مین مبتلا ہونا پڑتا ہے، لیکن ایک عالم وہ ہے جہان اُس کی رحمت کے سوا اُس کے قہر و غضب کا نام و نشان نہ ہوگا، وہان ہر طرف اُسکی رحمت اور فیض و کرم کی بارش ہوگی، اور اس کی رحمت کے سوا وہان کوئی اور منظر کہین، اور کبھی دکھائی نہ دیگا،

يُبَشِّرُهُمۡ رَبُّهُمۡ بِرَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَرِضۡوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمۡ فِيۡهَا نَعِيۡمٌ مُّقِيۡمٌ ۙ (توبہ-۳) | اُن کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت خوشنودی اور اُن باغون کی خوشخبری دیتا ہے جنمین اُن کے لیے ہمیشہ کا آرام ہے۔

اہلِ جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دمکتے ہونگے، یہ آواز سنائی دیگی،

| | |
|---|---|
| وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ | لیکن جنکے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی |
| فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (آل عمران-۱۱) | رحمت مین ہونگے، اُنمین وہ سدا رہین گے، |

**مقام نور** جنت نور کا وہ مقام ہے، جہان ظلمت و تاریکی کا نام ونشان نہ ہوگا جنتیون کے چہرے روشن ہونگے، کوئی ستارون کی طرح چمکیگا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف اُن کے انوار کی بارش ہوگی، آگے پیچھے، داہنے بائین ہر سمت سے نور درخشان ہوگا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ | اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے |
| وَبِاَيْمَانِهِمْ، (تحریم-۲) | دوڑے گا، |

اُس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی بجلیان ہر طرف کوندینگی،

| | |
|---|---|
| يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ | جس دن تو مومن مردون اور مومن عورتون |
| يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ | کو دیکھے گا کہ اُن کا نور اُن کے سامنے اور |
| بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ | اُن کے داہنے چمکیگا، آج تم کو خوشخبری |
| مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا | ہو، وہ باغ ہین جنکے نیچے نہرین بہتی ہین، |
| ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (حدید-۲) | اُن مین ہمیشہ رہا کروگے یہی بڑی کامیابی ہے |

اُس دن اہل نفاق اہل ایمان سے آرزو کرین گے، کہ ذرا ٹھہر جائیے، کہ ہمارے ظلمتکدہ مین بھی ایک دم کے لئے روشنی ہوجائے،

| | |
|---|---|
| يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ | جس دن منافق مرد اور منافق عورتین اہل |
| لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ | ایمان سے کہینگی کہ ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمھارے |

مِنْ نُّوْرِكُمْ (حدید-۲) نور سے روشنی لیں،

**مقامِ رضوان** جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقامِ رضوان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی اور خوش ہونا، کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اس بندہ پر عتاب فرمائے گا نہ اس سے ناراض ہوگا، بلکہ اس کو اپنی رضامندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمائیگا، متقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں ان میں جنت، نہریں، پاک بیویاں، اور ان سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورۂ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے،

| | |
|---|---|
| يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ | ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی |
| وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ | (رضوان) کی خوشخبری دیتا ہے اور ان باغوں |
| مُّقِيْمٌ، (توبہ-۳) | کی جنمیں نعمت الٰہی قائم رہے گی، |

سورۂ حدید میں بھی اسی طرح مغفرت اور رضاے الٰہی کے بعد بطور تکملہ کے جنت کا ذکر آتا ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ | اور آخرت میں سخت عذاب ہے، اور خدا کی |
| وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا | بخشش اور رضامندی بھی ہے، اور دنیا کی |
| الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ | زندگی تو دھوکے کا سامان ہے، اپنے |
| سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ | رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو |

| | |
|---|---|
| وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ | جسکا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے |
| وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | برابر ہے، یہ اُن کے لئے بنائی گئی ہی جو اللہ |
| بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ | اور اُس کے رسولون پر یقین رکھتے ہین، |
| يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ | یہ اللہ کی مہربانی ہے، جس کو چاہتا ہے، |
| الْعَظِيْمِ ، (حدید-۳) | دیتا ہے، اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے، |

سورۂ آل عمران مین جنت کی تمام نعمتون کو گنا کر اُن کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان بشارت پر کیا گیا ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ | جنھون نے پرہیزگاری کی، اُن کے لئے اُنکے |
| تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ | پروردگار کے پاس ایسے باغ ہین جنکے نیچے |
| فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ | نہرین بہتی ہین، اُن مین وہ سدا رہینگے، اور |
| مِّنَ اللّٰهِ ، (آل عمران-۲) | پاک بیویان، اور اللہ کی خوشنودی، |

سورۂ توبہ مین جنت کی تمام نعمتون سے بڑھ کر نعمت **رضوانِ الٰہی** کو قرار دیا ہے،

| | |
|---|---|
| وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ | اللہ نے باایمان مردون اور عورتون سے اُن |
| جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ | باغون کا وعدہ کیا ہی جنکے نیچے نہرین بہتی ہین اُنمین |
| خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ | سدا رہینگے اور رہنے کے ستھرے گھر، اور اللہ |
| جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ | کی رضامندی، سب سے بڑی ہے، وہی |
| اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ-۹) | بڑی کامیابی ہے، |

بہشت کی مطمئن روحوں کو یہ نوید مسرت سنائی جاتی ہے،

| | |
|---|---|
| يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۙ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ (فجر-۱) | اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کے پاس اس طرح واپس جا کہ تو اُس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو، |

اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے،

| | |
|---|---|
| رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ (مائدہ-۱۶) | خدا اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش. |

ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلعم نے یہ بشارت سنائی ہے، کہ "خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دیگا کہ اے جنت والو! وہ جواب دینگے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہیں، سب بھلائیاں تیرے پاس ہیں، فرمائیگا (جنت کی نعمتیں پاکر) اب تم خوش ہوئے، عرض کرینگے پروردگار کیوں خوش نہ ہوں، کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا، فرمائیگا کہ میں ان تمام گذشتہ نعمتوں سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دوں؟ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے، فرمائیگا "یہ کہ اپنی رضامندی و خوشی تم پر اتاروں، پھر اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض[1] نہ ہونگا۔"

**مقام طیب و طاہر** موجودہ دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے، لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاکی، ستھرائی، لطافت اور طہارت کا مظہر ہے، اس میں وہی داخل ہونگے جو گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں، فرمایا،

| | |
|---|---|
| طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۔ (زمر-۸) | تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ، |

---

۱؎ صحیح بخاری و مسلم صفۃ الجنۃ،

جو زندگی وہان ملیگی وہ بھی پاک وصاف اور ستھری، اور ہر جسمانی وروحانی آلایش سے بری ہو گی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى | مرد ہو یا عورت جس نے مومن بنکر اچھے کام |
| وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً | کئے ہم اسکو ایک پاک زندگی دیکر جلائین گے |
| طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ | اور اُن کو ہم اُن کے سب سے بہتر عمل کے |
| مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، (نحل-۱۳) | مطابق بدلہ دینگے، |

جو گھر وہان ملین گے وہ بھی پاک وصاف اور ستھرے ہونگے،

| | |
|---|---|
| وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً (صف-۲) | اور پاک گھر، |

جو بیویان ملین گی وہ بھی پاک ہونگی،

| | |
|---|---|
| وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ، (آل عمران-۲) | اور پاک بیویان، |

وہان کی جو باتین ہونگی وہ بھی پاک،

| | |
|---|---|
| وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ، (حج-۳) | اور اہلِ جنت کو پاکیزہ گفتگو کی طرف رہنمائی کی جائے گی، |

اُن کو پینے کی جو چیز ملیگی وہ بھی پاک ہو گی،

| | |
|---|---|
| شَرَابًا طَهُوْرًا، (دھر-۱) | پینے کی پاک چیز، |

غرض کہ ہر چیز وہان، پاک، صاف، طیب وطاہر اور تمام روحانی وجسمانی آلودگیون سے بری ہو گی،

**مقام تسبیح وتہلیل** اس آرام ولطف کے بعد اہلِ جنت کی روحانی لذت، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح و

تہلیل ہوگی، یہ اُن کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہان ہر طرف انوارِ الٰہی برسین گے، جہان صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور منظر نہ ہوگا، جہان قدس و نزاہت کی ہر طرف صورتین نظر آئینگی، وہان حمد و ثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف سے بلند ہونگے،

| | |
|---|---|
| دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ | جنت مین اُن کی ندا یہ ہوگی کہ اے میرے |
| وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ | اللہ تیری پاکی، اور اُن کی آپس کی دعا سلامتی |
| اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، | ہوگی، اور اُنکی آخری پکار یہ ہوگی، کہ دنیا کے |
| (یونس-۱) | پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد ہو، |

جنت کی تمام شاہانہ نعمتون کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی، کہ خدا کی تسبیح و تہلیل کی نئی نئی پرلطف راہین وہان اُن پر کھلین گی، فرمایا،

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | بیشک اللہ اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے |
| وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ | کام کئے اُن باغون مین داخل کرے گا، |
| تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ | جنکے نیچے نہرین بہتی ہون، اُن مین اُن کو |
| مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ | سونے کے کنگن، اور موتی پہنائے جائینگے، |
| فِيْهَا حَرِيْرٌ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ | اور اُن کی پوشاک اُن مین ریشم کی ہوگی، |
| مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ | اور وہ راہ دکھائے جائین گے، اچھی بات |
| (حج-۳) | کی، اور دکھائے جائینگے اُس سراپا حمد (ذات) کی |

وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکریہ مین فرشتون کے ساتھ مل کر حمدِ الٰہی کا سرودِ سرمدی گائینگے

اور یہ وہ وقت ہوگا جب عالمِ وجود کے ہر گوشہ سے اُنکی حمد کا ترانہ بلند ہوگا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ | جنت کے نگہبان اُن سے کہیں گے، تم پر |
| طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ، وَقَالُوا | سلامتی ہو، تم پاک ہو چکے تو جنت میں چلے |
| الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ | جاؤ، اہلِ جنت کہیں گے، اُس اللہ کی حمد ہو |
| وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ | جس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اور ہم کو اُس سرزمین |
| حَيْثُ نَشَآءُ، فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ | کا مالک کیا، کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں، |
| وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ | تو کام کرنے والوں کی کیسی اچھی مزدوری |
| حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ | ہے، اور دیکھیگا کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے |
| رَبِّهِمْ، وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ | اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کر رہے ہونگے، |
| قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، | اور سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائیگا، |
| (زمر-۸) | اور کہا جائیگا کہ حمد ہو سارے عالم کے پروردگار کی، |

اہلِ جنت کے متعلق قرآنِ پاک میں ایک جگہ ہے،

| | |
|---|---|
| لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا | وہ نہ سنیں گے وہاں بے کار بات، |
| سَلٰمًا، وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً | مگر سلام اور اُن کی روزی اُس میں صبح |
| وَّعَشِيًّا، (مریم-۴) | اور شام ہو گی، |

اس صبح وشام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے الوانِ نعمت ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو صبح وشام کی تخصیص کیا تھی، وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے، میرا گمان یہ ہے کہ اس روزی

سے خدا کی تسبیح و تہلیل کی روحانی روزی اور ربانی غذا مراد ہے، اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہون، صحیح مسلم مین ہے کہ آپ نے جنت کی نعمتون کے سلسلہ مین فرمایا،

| | |
|---|---|
| يُسَبِّحُونَ اللهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا، (صفة الجنة) | وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرین گے، |

ایک اور حدیث مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "اہلِ جنت کو خدا کی تسبیح و تقدیس کا الہام ہوا کریگا" اور شاید قرآنِ پاک کی اس آیت کے یہی معنی ہون،

| | |
|---|---|
| وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ | اور اچھی بات کی طرف اُن کی رہنمائی کیجائیگی |
| وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ، (حج-۳) | اور اُس سراپا حمد کا راستہ اُن کو بتایا جائیگا، |

**مقامِ قرب** اہلِ جنت کو جو کچھ نصیب ہوگا، اُن سب کے سوا سب سے اعلیٰ مرتبہ، قربِ خاص کا مقام ہوگا، بندے اپنے پروردگار کی حضوری کا شرف پائین گے، قرآنِ پاک مین جابجا اُن کے لئے یہ آتا ہے جَزَآءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ "اُن کی جزا اُن کے پروردگار کے پاس" یہ قربِ خاص کے اشارے ہین، اور ایک جگہ یہ ارشارہ اس تصریح سے بدل جاتا ہے،

| | |
|---|---|
| اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ، | بے شک پرہیزگار، باغون مین اور نہرون |
| فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ | مین، سچائی کی نشستگاہ مین، اُس بادشاہ |
| مُّقْتَدِرٍ. (قمر-۳) | کے حضور جسکا سب پر قبضہ ہے، |

**دیدار** جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت، اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ ہے، کون ہے جو اس مطلعِ انوار کے دیدار کی تاب لا سکے، تاہم یا تو یہ آنکھین کچھ اور آنکھین ہونگی، یا وہ نورِ مطلق

کسی خاص شان مین نمایان ہوگا، اُس وقت یہ عالم ہوگا کہ وہ نورکا مرکز بنکر نمودار ہوگا، اور اہل جنت کی مشتاق آنکھین اسکی طرف اٹھی ہونگی،

| | |
|---|---|
| وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ۔ (قیامہ-۱) | کتنے چہرے اُس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی سمت دیکھ رہے ہونگے، |

اسی آیت کی تفسیر مین حضرت جریر بن عبداللہ صحابی روایت کرتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھوگے۔[1] دوسری روایتون مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو، ایسے ہی تم اپنے پروردگار کو دیکھوگے، اس دیدار و رویت مین کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا، اس تمثیل سے رسول اللہ صلعم کے دو مقصود ہین، ایک تو شدت یقین کا اظہار، کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک وشبہہ دیکھ رہے ہو، اسی طرح بے شک و شبہہ اپنے پروردگار کو دیکھوگے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھون کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکسان حیثیت سے باطمینان اس طرح دیکھ سکتے ہین، کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے مین عائق نہین ہوتا، اسی طرح دیدار الٰہی مین کروڑون کا ہجوم خدا کے دیدار سے ایک دوسرے کو مانع نہ ہوگا، اتنا ہی نہین بلکہ جسدن جنتی اپنے پروردگار کے حضور مین پیش ہونگے، اُن کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی،

| | |
|---|---|
| تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ ۔ (احزاب-۲) | اُن کی دعا جب وہ اپنے پروردگار سے ملین گے، سلامتی ہوگی، |

---

[1] صحیح بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۱۰۵،

بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دیگا۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ، رحمت والے پروردگار کی طرف سے پیام

(یس - ۴) سلامتی ہوگا،

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا "خداوند تعالیٰ اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمائیگا"[1]

یہ رویت کیونکر ہوگی؟ اہل روایت لفظ کے قائل ہیں، اہل عقل زیادت ایمان کی تاویل کرتے ہیں، اہل حقیقت اُس کو اسما و صفات کی ناقابل بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن فیصلہ یہ ہے

بیا کین داوری ہا را بہ پیش داور اندازیم،

**ان تعلیمات کا عملی اثر** اوپر کے صفحوں میں قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گذر چکے یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے، اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے، معلوم ہوچکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، بلکہ مر کر جی اٹھنا اور اس موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اُن کے نزدیک کس قدر مستبعد تھا، قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیات بعد الموت کی تلقین اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلعم اپنے اکثر خطبوں میں اسکا حال بیان کیا کرتے تھے، اور جمعہ کے خطبوں میں خصوصیت کیساتھ سورۂ قٓ تلاوت فرماتے تھے، جسمیں قیامت کے حالات ہیں، مگر دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم، قرآن پاک کی تاثیر، اور محمد رسول اللہ صلعم کے فیض ہدایت سے نہ صرف ان کا انکار اقرار سے بدل گیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر اُن کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ثانی باب کلام الرب،

یاد ہوگا کہ اسلام کے آغاز مین ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا،

| | |
|---|---|
| اموت ثم بعث ثم حشر | حدیث خرافة یا ام عمر |
| کیا مرنا ہے، پھر جینا، اور پھر اکٹھا ہونا | اے عمر کی ماں، یہ خرافات باتین ہین |

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز انکار، رمز یقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا "ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے جائین گے"۔

وانا لنرجو فوق ذلک مظہراً، اور ہم یہ امید رکھتے ہین کہ اس سے بھی بلند مقام مین ظہور کرین،

آنحضرت صلعم استفسار فرماتے ہین کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے؟ عرض کرتا ہے، کہ جنت یا رسول اللہ؟ آپ فرماتے ہین 'انشاء اللہ' دیکھو کہ جنکی نظرین زمین سے اونچی نہین جا پاتی تھین، اُن کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا، جنکو مر کر پھر جینا دور از عقل معلوم ہوتا تھا، جنکو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈر نہ تھا جنکو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پروا نہ تھی، جو سزا و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے، جو جنت و دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے، وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے، دوسری زندگی پر اُن کو اسی طرح یقین آگیا، جس طرح آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے، اعمال کی جوابدہی سے ترسان و لرزان رہنے لگے، سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی بازپرس خود کرنے لگے، جنت کا اشتیاق اُن کو بڑی سی بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا، دوزخ کا ڈر اُن کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیڑا کرتا تھا، اُن کی آنکھون کو اشکبار رکھتا تھا، فرائض اور ذمہ داری کو

---

[1] اصابہ اور استیعاب ذکر نابغہ جعدی،

دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ اُن کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے اُن کو چونکا کر عمل کے میدان مین تنہا لے آتا تھا، اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لئے اُن کو ہمہ تن سرگرم اور سرتاپا مصروف جد وجہد بنا دیتا تھا، تنہائی اور تاریکی مین بھی اُن کے دل اور بدن کو برائیون اور بداعمالیون سے باز رکھتا تھا، اُن کے ضمیر اور دل کے صفحون کو ہر وقت خدا کی آنکھون کے سامنے کھلا رکھتا تھا،

ایک دفعہ کسی حقیقت کے متعلق دو صحابیون مین جھگڑا تھا، آنحضرت صلعم نے فریقین کی باتین سنکر ایک کے حق مین اُسکا فیصلہ دیدیا، پھر فرمایا "مین بھی ایک آدمی ہون، مدعی اور مدعا علیہ مین سے ممکن ہے کہ کوئی زیادہ چالبولنے والا ہو، جو اپنے دعویٰ کو خوبی کیساتھ بیان کرے، اور مین اُس کے موافق اسکا فیصلہ دون، لیکن درحقیقت وہ چیز اسکی نہ ہو، تو گویا مین اُس کے گلے مین آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہون" یہ سنکر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونون رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا[1]

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمانبردار تھے، رسول کے عاشق و شیدا تھے، نیکیون سے مالامال تھے، جنت کی بشارت سے سرفراز تھے، تاہم آخرت کے مواخذہ اور جوابدہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انھون نے کہا کہ "اگر وصالِ نبوی کے بعد میرے اچھے اور برے اعمال برابر برابر ہین تو بھی مین خوش ہون، اگر جنت نہ ملے تو پروا نہین، مگر الٰہی دوزخ نہ ملے"[2] وہ نزع کی حالت مین بہت بیچین تھے، بعض صحابہ اُن کے اچھے اعمال گنا گنا کر اُن کو تسلی دینے لگے، تو جواب مین کہا "خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لئے سونا ہو جاتی کہ اُس کو دیکر عذابِ الٰہی سے بچ سکتا، تو مین دیدیتا"[3] ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی تھین "اے کاش مین جنگل کی گھاس ہوتی"[4] "اے کاش مین کچھ نہ ہوتی"[5]

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ، [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ، جلد اول صفحہ ۵۵، [3] صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ جلد

قیامت کے متعلق قرآن پاک کی یہ عجیب مؤثر آیت:-

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ (حج - ۱) | لوگو! اپنے رب سے ڈرو، قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے، جس دن اسکو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائیگی اور پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دیگی اور لوگون کو نشہ مین دیکھو گے لیکن وہ نشہ مین نہ ہونگے بلکہ خدا کا عذاب سخت ہوگا، |

جب اتری اور آنحضرت صلعم نے صحابہ کو سنایا، اور اسکی تفسیر کی، تو اُن کے چہرون کا رنگ بدل گیا[۹] اور آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے قبر کا ذکر کیا، اور موت کے بعد کے عذاب کا حال بیان کیا، تو صحابہ چیخین مار مار کر رونے لگے[۱۰]، حضرت ابوہریرہؓ کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنیکی ضرورت پیش آئی تو اثنائے روایت مین وہ تین دفعہ بیہوش ہو کر گرے، اور جب امیر معاویہ کے سامنے یہ روایت دہرائی گئی تو اُن پر بھی گریہ طاری ہو گیا[۱۱]،

اس یقین و ایمان کا دوسرا سمان یہ ہے کہ بدر کا میدان جنگ ہے، مشرکین کی ایک ہزار لوہے مین ڈوبی ہوئی فوج کا سیلاب امنڈا آرہا ہے، ادھر تین سو نہتے مسلمان صف باندھے کھڑے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵۷) اول صفحہ ۱۲۵ [۷] ابن سعد جزء المغازی ص ۱۵ [۸] صحیح بخاری مناقب عائشہؓ و تفسیر سورۂ نور و مستدرک حاکم ترجمۂ عائشہؓ و ابن حنبل مسند عائشہؓ [۹] صحیح بخاری تفسیر سورۂ حج جلد دوم ص ۶۹۳ [۱۰] جامع ترمذی تفسیر سورۂ حج، [۱۱] سنن نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من القبر [۱۲] جامع ترمذی ابواب الزہد،

ہین کہ آپ صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرماتے ہین: "تو اُس جنت کا موقع سامنے ہے، جس کی وسعت آسمان وزمین کے برابر ہے" ایک انصاری حیرت سے پوچھتے ہین کہ کیا آسمان وزمین کے برابر؟ آپ فرماتے ہین "ہان" وہ خوشی سے واہ واہ کہہ اٹھتے ہین آپ دریافت فرماتے ہین کہ تم نے واہ واہ کیون کہا، عرض کی، اس امید سے کہ شاید مین بھی اُنہین ہون، فرمایا تم اُس مین ہو، یہ سنکر وہ کھجور نکال نکال کر جلدی جلدی کھانے لگے، بالآخر جنت کے جانے مین اتنا توقف بھی شاق گذرا، بولے اتنی دیر بھی کیون کیجائے، یہ کہکر کھجورین پھینک دین، اور تلوار کھینچکر آگے بڑھے اور شہید ہوئے،

غزوۂ احد مین بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، اُحد کے میدان مین داروگیر کا شور برپا تھا، لاشون پر لاشین گر رہی تھین، کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا، یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ مین مارا گیا تو کہان ہونگا، فرمایا "جنت مین" وہ کھجور کھا رہے تھے، ہاتھ سے کھجورین پھینکدین اور لڑکر جان دیدی، قیس ایک صحابی تھے، وہ ایک جہاد مین شریک تھے، انھون نے اسلامی فوج کے سپاہیون کے سامنے کہا یا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ "جنت کے دروازے تلوارون کے سایے کے نیچے ہین" ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا، اُسنے آگے بڑھکر پوچھا کہ کیا آپنے خود رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے، انھون نے کہا "ہان" یہ سُنکر وہ اپنے دوستون کے پاس آیا، اور سلام کرکے رخصت ہوا، میان توڑکر پھینکدی، اور تلوار لیکر دشمن کی صف پر جا پڑا، اور شہادت حاصل کی.

ان حیرت انگیز واقعات مین سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے منکر اور کافر عربون کے دل ودماغ اور ذہن واعتقاد کو کس طرح آن کی آن مین بدل دیا، اور دم کے دم مین اُن کے عقائد واخلاق کو کہان سے کہان پہنچا دیا،

۱ یہ دونون روایتین صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت الجنۃ للشہید مین ہین، دوسرا واقعہ سنن نسائی مین بھی ہے کتاب الجہاد باب ثواب من قاتل فی سبیل اللہ

# قضاؤ قدر

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ (قمر)

اگرچہ قرآنِ پاک مین ایمان کے سلسلہ مین اسکا ذکر کہین نہین آیا، مگر اسکا اعادہ بار بار قرآن مین اتنی دفعہ ہوا ہے، کہ اسکی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اُس کو بھی ایمانیات کے پہلو مین جگہ دیجائے چنانچہ بعض صحیح حدیثون مین یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دیگئی ہے، اور سلسلۂ توحید مین اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت، اور مشیتِ مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے، اُسکا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہئے

اس عقیدہ کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا مین جو کچھ اب تک ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے، اور جو کچھ آئندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور فیصلۂ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے، اور ہوگا، جس طرح مہندس اور انجینیر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہین، اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہین، اسی طرح اس مہندسِ ازلی خالقِ کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول و قواعد اور ردوبدل کے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا، اب اُسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہین، موت و حیات، فقر و غنا، کامیابی و ناکامی، تکلیف و

راحت، ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے، اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے،

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کچھ مخصوص ہے، وہ اسکی تکمیلی تعلیم ہے،

توراۃ میں حضرت آدمؑ و شیطان اور ہابیل و قابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں، حضرت یوسفؑ کا خواب اسی ایک حقیقت کی تعبیر ہے، مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اسکی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۳۸-۱۴ میں ہے،

"تیرے کام حیرت افزا ہیں، اسکا میرے جی کو بڑا یقین ہے، جبکہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا اور زمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادّہ کو دیکھا، اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر ہوگئیں، اور ان کے دنوں کا حال بھی کہ کب بنینگی، جب ہنوز اُن میں سے کوئی بھی نہ تھی"

اس کے بعد زبور ۱۴۸ کا ترانۂ حمد اسی لئے میں شروع ہوتا ہے،

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، خداوند کے نام کی ستایش کریں کہ اُس (خدا) نے حکم دیا اور وہ (مخلوقات) موجود ہوگئے، اُس نے اُن کو ابدی پایداری بخشی، اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جوٹل نہیں سکتی"

انجیل میں اسکی تعلیم "خدا کی مرضی" کے عنوان سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی کی آخری شب کی دعا میں فرماتے ہیں "میری مرضی نہیں، تیری مرضی پوری ہو" (متی ۲۶-۳۹) اور اسی "مرضی" کا ذکر یوحنا (۵-۳۰ و ۶-۳۸) اور خطوط (فلپیوں ۲-۱۳) میں ہے اور رومیوں کے نویں باب میں اس کی پوری تفصیل ہے، مگر خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسئلہ کی مجمل حقیقت کی توضیح، اور اسکی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور پھر یہ کیا کہ گذشتہ مذاہب کی طرح اپنے

دفتر کے کسی ایک گوشہ مین بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اسکو کہکر خاموشی اختیار نہین کرلی، بلکہ بار بار تین دفعہ دہرایا کہ سننے والون کے دلون مین اسکی عقیدت نے گھر کرلیا، اور یہ تلقین یقین کی صورت مین انکی رگ و ریشہ مین پیوست ہوگئی، اور ایسا اُس نے اسلئے کیا تاکہ صبر و شکر کی اخلاقی تعلیم صرف نظریہ کی صورت مین نہ رہجائے، بلکہ عملی حیثیت مین اُس کے پیروون کے اندر استقلال و ثبات کی روح اور دنیا کے مصائب و حوادث مین تسلی و تشفی کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت مین نہ رہے، بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کرے،

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لئے دو لفظ اختیار کئے ہین، ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہین، اور دوسرا قضا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہین،

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر ۳) — ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا،

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَى أَجَلًا (انعام - ۱) — وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا،

یہ دونون لفظ بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کردیتے ہین، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے، کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالی نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرمادیا ہے اور متعین کردیا ہے، اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے، اس مین خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہین ہوسکتا، آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جسطرح روشن کیا، چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا، ستارون کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدیئے، موت و حیات، فنا و بقا، اور عروج و زوال، غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول

متعین فرما دیئے، ان ہی پر دہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد ہے،

| | |
|---|---|
| وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ، وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ، لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ، وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰس۔۳) | اور سورج اپنے ٹھہراؤ پر چل رہا ہے، یہ ہے غالب اور علم والے کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کو ہم نے تقدیر (اندازہ) کر دی ہیں منزلیں، یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح (خمیدہ ہو کر) لوٹتا ہے، نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ چاند کو پالے، اور نہ رات دن سے آگے بڑھے، |

[illegible]

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا،

| | |
|---|---|
| وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا، (حم سجدہ۔۲) | اور زمین میں اسکی روزیاں اندازہ کر دیں، |

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا،

| | |
|---|---|
| قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا، (طلاق۔۱) | اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ بنایا ہے، |

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ، (واقعہ۔۲) | ہمنے تمہارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا، |

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے، وہ وہی چیز ہے جس کو لوگ قانونِ قدرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرما دیئے ہیں، جن کی اطاعت اس پر واجب ہے، علیٰ ہذا انسانوں کی

ترقی وزوال، موت وحیات، بیماری وصحت، دولت وافلاس، آرام وتکلیف، سعادت وشقاوت ہرایک کے اصول وقواعد مقرر فرما دیئے ہین، غرض اُن کو آرام وتکلیف جو کچھ بھی پیش آتی ہے، خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ، (تغابن ۲) نہین پہنچی تمکو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے،

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہین سکتی، اس لئے مقدرات کو نوشتۂ الٰہی سے تعبیر کرتے ہین، کہ جس طرح لکھی ہوئی بات قائم رہتی ہے، ہٹتی اور بھولتی نہین ایسے ہی یہ باتین بھی مٹتین اور بدلتین نہین،

| | |
|---|---|
| وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ | اور کوئی عورت حمل مین نہین رکھتی، اور نہ جنتی |
| اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ | ہے لیکن خدا کے علم سے، اور نہ کسی دراز عمر کو |
| وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ، | عمر کی درازی ملتی ہے، یا اس کی عمر کم کیجاتی |
| اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ، | ہے لیکن وہ کتاب مین ہے، بے شک یہ |
| (فاطر-۲) | اللہ پر آسان ہے، |

اس آیت پاک مین دو ٹکڑے ہین، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ مین بچہ رکھتی ہے، یا بچہ جنتی ہے، وہ خدائے پاک کے علم سے ہے، دوسرا یہ ہے کہ جس کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے، وہ کتاب الٰہی مین پہلے سے لکھی ہوتی ہے، ان دونون ٹکڑون کے ملانے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الٰہی مین ہونا، اور علمِ الٰہی مین ہونا، دونون ہم معنی ہین،

قرآنِ پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا وقدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اس کی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی

کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ مین چور ہوجاتا ہے، اور ذراسی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہوکر ہمت ہار بیٹھتا ہے، یہ دونون مختلف اخلاقی بیماریان اسلیے اُس کو لاحق ہوتی ہین، کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا بُرے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے، اسلیے وہ کبھی اپنے کیے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے اور یہ دونون کیفیتین افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہین اسلیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت دونون موقعون پر عاجز انسانون کی دست گیری کرے، اور وہ یہی عقیدۂ قضا و قدر ہے،

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے، وہ ہماری کوشش کا براہِ راست نتیجہ نہین، بلکہ وہ اللہ تعالی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس لئے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا بیجا ہے، اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالی کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے، اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کامون کے نتیجے اُس علام الغیوب کے علم مین مقرر ہوچکے تھے، اس لئے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہئے، بلکہ اُسی جوش و خروش اور سرگرمی سے پھر از سر نو جد و جہد مین مصروف ہوجانا چاہئے،

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورۂ حدید مین ان لفظون مین مذکور ہے،

| | |
|---|---|
| مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي | کوئی مصیبت نہین آئی ملک مین اور نہ خود تم |
| الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ | (اس ملک کے بسنے والون) مین لیکن یہ کہ وہ |
| كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ | ایک کتاب (الٰہی) مین اپنی پیدائش سے پہلے |
| ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا | درج ہوتی ہے، یہ اللہ پر آسان ہے، ایسا اسلیے |

| | |
|---|---|
| تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۙ (حدید - ۳) | کیا گیا تاکہ تم اس پر جو تم سے جاتا رہے، غم نہ کیا کرو، اور جو تم کو (اللہ) دے اس پر اترایا نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پیار نہین کرتا، |

اس آیت کریمہ نے مسئلہ قضا و قدر کے فلسفہ کو اس خوبی سے واضح کیا ہے، کہ اسکی تائید کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہین رہتی، یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی گردنین عین کامیابی وفتوحات کی حالت مین خداوند قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتی تھین، اور ناکامی کی حالت مین انکے دل یاس و ناامیدی سے دوچار نہین ہوتے تھے، اور اُنکی عملی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اُس کو اپنی طرف سے نہین، بلکہ خداوندِ عالم کی طرف سے سمجھکر خاموش رہتے تھے، مالی بیچارگی، سیاسی مصیبت، عزیزون کی مفارقت، لڑائیون کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونا نہین جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لئے وہ قدم اٹھا بیٹھتے تھے، کہ اُن کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئیگی، اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا، اسی لئے اُن کے دلون مین وہ عزم ہوتا تھا، کہ نہ اُس کو پہاڑ روک سکتے تھے، نہ سمندر بہائے جا سکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان اُس کو اکھاڑ سکتا تھا، اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اُس کو جلا سکتے تھے،

| | |
|---|---|
| وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ | کسی کے اختیار مین نہین کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے، یہ لکھا ہوا مقرر ہے، جو کوئی دنیا کا معاوضہ چاہیگا، تو ہم اُس کو اسین سے کچھ دینگے، |

مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا
وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ، وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ
قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ، فَمَا
وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ،

(اٰل عمران - ع ۱۵)

اور جو آخرت کا معاوضہ چاہیگا، اُنہین سے
کچھ (یہان) دینگے اور پورا معاوضہ شکر کرنے
والون کو آیندہ (وہان) دینگے، کتنے پیغمبر
تھے جو لڑے ہین، اُن کے ساتھ بہت سے
خدا کے طالب تھے، تو خدا کی راہ مین اُنکو جو
مصیبت پیش آئی اُسکی وجہ سے نہ وہ دل ہارے،
نہ سُست ہوئے اور نہ دبگئے، اور اللہ ثابت قدم
رہنے والون کو پیار کرتا ہے۔

ان آیتون نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ پستی، سُستی، اور دون ہمتی نہین، بلکہ بلندی، استقلال، اور صبر و ثبات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارنامون مین ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، اُن کو صاحب وحی کی یہ تعلیم تھی، کہ وہ دشمنون سے کہدین، کہ ہمین ڈر نہین، کیونکہ

لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ
لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ، (توبہ - ۷)

ہم پر کوئی آفت آ ہی نہین سکتی، لیکن جو خدا
نے ہمارے لئے لکھدیا ہے، وہ ہمارا آقا ہے،
اور اللہ ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کرین

خطرات اور مشکلات کی اُن کو پروا نہین، کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ میدان جنگ مین بھی مرینگے، اور بستر راحت پر بھی، اور جنکی موت کا مقررہ وقت نہین آیا وہ تلوارون کی دھارون اور سمندرون کے طوفانون سے بھی سلامت بچکر نکل آئینگے۔

يَقُوْلُوْنَ لَوْكَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا، قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ
فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ، (اٰل عمرٰن-١٦)
اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ
وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ، (نساء-١١)

منافق کہتے ہین کہ اگر ہماری بات مان لیجاتی
توہم یہان مارے نہ جاتے، کہدے کہ اگر
تم اپنے گھرون مین بھی ہوتے تو جنپر یہان مرنا
لکھا جا چکا تھا، وہ از خود اپنے مقتل مین نکلکر
تم جہان بھی رہو تم کو موت آکر پالیگی اگرچہ تم
مضبوط و مستحکم قلعون مین ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابل ہزیمت جرأت، اور غیر شکست پذیر عزیمت اور بیخوف بہادری کا راز ہے، کچھ لوگون نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے، اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہوکر سست و غافل بنکر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو نہ رسولون کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ ربانی کتابون کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ وارشاد کی تاکید ہوتی، نہ اصلاح وہدایت کا حکم ہوتا، اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دیجاتی، مگر ایسا نہین کیا گیا، لاکھون پیغمبر بھیجے گئے، کتنی کتابین اترین، کرورون مبلغ اور مرشد بنا کر پھیلائے گئے، ہدایت وارشاد کی تاکید پر تاکید آئی، لوگون کی دعوت و اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا، کوشش ومحنت، سعی وتلاش، اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی، محمد رسول اللہ صلعم کی جدوجہاد سے معمور زندگی ہمارے لئے نمونہ ٹھہرائی گئی، اور خلفائے راشدین اور عام صحابہؓ نے اپنے کارنامون سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی،

اب کیا محمد رسول اللہ صلعم کی تلقین، اور آپکا عمل دو متضاد چیزین تھین؟ نہین، یہ دونون

ایک دوسرے کی مؤید تھیں، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اعملوا فکل میسر لما خلق (بخاری) لوگو! اپنے اپنے کام کئے جاؤ، کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہونگے جنکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے، اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے، اور یہ **تقدیر** ہے، فرمایا،

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ، فَأَمَّا مَنْ
أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ، وَأَمَّا مَنْ
بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ، وَمَا يُغْنِي
عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ، إِنَّ عَلَيْنَا
لَلْهُدَىٰ، وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ
وَالْأُولَىٰ،

(لیل-۱)

بے شبہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں
تو جسنے دیا، اور پرہیزگاری کی، اور نیکی کو سچ
کر دکھایا تو ہم اُس کو آہستہ آہستہ آسانی کی
طرف لیچلیں گے، اور جس نے نہ دیا، اور
بے پروائی برتی، اور نیکی کو جھٹلایا تو ہم اسکو
آہستہ آہستہ سختی کیطرف لیچلیں گے، اور اسکی
دولتمندی اسکو گڑھے میں گرنے سے نہیں بچا سکتی
ہے، بیشک راہ سوجھانا ہمارا فرض ہے اور آخر
اور اول ہمارے لئے ہے،

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق، جسکی ژولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا، کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے، اور اُس کے مطابق اسکی جزا کا ملنا جو اُس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، خدا کا کام ہے، نیکوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے منزل راستہ کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور بدوں کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت

کے نہ ملنے کا نام عدمِ توفیق وضلالت ہے، اور ان دونون مین سے ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی کوشش سے ہے، خدا فرماتا ہے،

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا، (عنکبوت ۔ ۷)

اور جو ہماری بات مین کوشش کرتے ہین، البتہ ہم اُن کو اپنا راستہ سوجھاتے ہین،

خدا کی طرف سے توفیق وضلالت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے

وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ (بقرہ ۔ ۳)

اور ہم اس سے گمراہ نہین بناتے لیکن انہی کو جو ہمارا حکم نہین مانتے،

غرض پہلے فسق، عدمِ اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے، تب اُس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہے،

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی، (نجم ۔ ۳)

اور انسان کے لئے نہین لیکن وہی جس کی اُس نے کوشش کی، اور بیشک اُسکی کوشش (خدا کے حضور) دیکھی جائیگی،

اس کی مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کچھ کوشش کرتا ہے، تو اُس کے والدین اُس کو چلنا اور بولنا سکھاتے ہین، بچہ پاؤن اٹھاتا ہے اور والدین اُس کے ہاتھ پکڑ کر اُس کو دو چار قدم چلاتے ہین، اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے، وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مبہم آوازین نکالتا ہے، تو والدین اُس کو بامعنی الفاظ کی تلقین کرتے ہین، اور اس طرح دونون کوششین مل کر بارآور ہوتی ہین، اسی طرح تقدیر

الٰہی اور عملِ انسانی باہم مل کر انسانون کی عملی تاریخ تیار کرتے ہین،

جبر و قدر | عموماً لوگ اسی موقع پر جبر و قدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہین یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل مین مجبور ہے یا مختار؟ حالانکہ یہ سررشتۂ کائنات کا وہ عقدہ ہے جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہین ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن سے بھی نہین ہوسکتا، جس طرح اہلِ مذہب، ارادۂ الٰہی اور ارادۂ انسانی کی باہمی تطبیق مین حیران ہین، اسی طرح فلسفۂ الٰہیات کے معلم علمِ الٰہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان، اور فلسفۂ اخلاق والے، انسان کی آزادیِ عمل اور اُس کے موروثی اثرات، فطری جذبات، اور ماحول کی تاثیرات کی مجبوریون کے درمیان جو تصادم ہے اُس کو بمشکل بچا سکتے ہین،

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھاگے مین یہ گرہ اُسی طرح پڑی ہوئی تھی، اور اُس کے حل کی صورتین دو ہی انھون نے نکالی تھین یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جائے، اور دبے پاؤن اس راستہ سے گذر جایا جائے، یا بحث چھیڑی تو جبر ہی کیطرف اُن کا میلان نمایان تھا، چنانچہ یہی جبر ہندو مذاہب مین تناسخ، آواگون اور کرم کی صورت مین ہے، عیسائیون مین حضرت آدمؑ کے گناہ اور خدا کی مرضی[1]، کے پیرایہ مین ہے، اور یہودیون کے مجموعۂ تورات مین حضرت ایوبؑ کا صحیفہ ادھر ہی رہبری کرتا ہے، دوسری طرف مجوسی تھے جو دو

---

[1] انجیل مین ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعا مین فرمایا "اے خدا اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہین، بلکہ تیری مرضی پوری ہو" عیسائیون کے جبری و قدری فرقون کی معرکہ آرائی کا حال فرنچ فاضل موسیو دی کانت کی کتاب الاسلام (ترجمۂ عربی) ص ۷۰ سے کسی قدر معلوم ہوسکتا ہے،

نے انسانی اختیار و آزادی کو یہانتک بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اُس کے آگے مجبور تھا، خدا کو نہ صرف انسانون کے بلکہ فرشتون کے کامون پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو نو علتین تھین یعنی یا تو اُن کو اس مشکل کی خبر ہی نہین تھی، یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیئت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے، کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تناسخ کے چکر مین اُس کو پھنسا کر اسکی زندگی کو اُس کے پچھلے جنم کے کرمون کے ہاتھون گرو کر دیتے تھے، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا،

تمام انبیار مین آنحضرت صلعم ہی کی شخصیت وہ نمایان شخصیت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دیرینہ راز کے چہرہ سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتین ہین، اور دونون اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہین، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اُس کے ذرہ ذرہ پر قدرتِ مطلقہ رکھتا ہے، آسمان و زمین اور بر و بحر مین کوئی چیز نہین جو اُس کے ارادہ اور مشیئت کے بغیر حرکت بھی کر سکے اس طرح انسان اور اُس کے تمام اعمال بھی اُسی کی قدرت اور مشیئت کے ماتحت ہین، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی، اور خصوصًا اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہو تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہجائے، اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے جس کے اختیارات محدود جس کی قدرتین ناقص، اور جس کی شاہنشاہی ناتمام ہو،

۲- دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے، کہ دوسری مخلوقات کو نہیں، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح کوئی اختیار ضرور بخشا گیا ہے، کہ اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا

---

لہ شفار العلیل فی القضار والقدر والتعلیل حافظ ابن قیم،

جائے، اور انسان کو اُسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہے، تو پھر انسان کے لئے خیر وشر کا امتیاز، جزا و سزا، شریعت، کتاب، تعلیم اور انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزین بیکار محض ہوجاتی ہیں، ظلم و انصاف دنیا مین کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا اپنے کسی فعل پر قابلِ مدح یا قابلِ ملامت ہونا، بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا اُنکو انعام، اور برے کام پر عذاب دینا سراسر ظلم بنجائے بلکہ اس دنیا کی عدالت مین بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے،

الغرض یہ دونون باتین اپنی اپنی جگہ پر درست ہین، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرتِ تامہ حاصل ہے، اور اُسکی مشیئت و ارادہ ہر جزو کل پر حاوی ہے، اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اُس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے، نیکی کے کامون کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کامون پر ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی مین اپنے فعل کی جزا و سزا پانے کا مستحق ٹھہریگا، اسی پر وہ فطرت کے سامنے، دنیا کی عدالت مین، اور آخرت مین بھی مواخذہ اور بازپرس کی ذمہ داری مین گرفتار ہے، اور اسی کے لئے خدا کی طرف سے اُس کے پاس ہدایت کی کتاب، اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہین،

آنحضرت صلعم کا صحیفۂ ربانی، پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے، جس نے ان دونون صداقتون کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے، اور اُن کی تبلیغ کی ہے ایک طرف وہ کہتا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی گر نہین سکتا؛ اور دوسری طرف وہ کہتا ہے، "ہر جان اپنے کامون کے ہاتھون گرو ہے"۔ یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار

اور ناقابلِ ردّ مشیئت کے باوجود اُس نے خود اپنے اختیار، خود اپنی مشیئت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ، اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی شروط طاقت بخشی، یہی ارادہ اور اعضاء کو اُس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت اُس کی ذمہ داری، تکلیف، بازپرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اور اسی پر اُس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے، اس لئے انسان پر اُس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہین جو اُس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو، بلکہ اُس کے کرنے یا نہ کرنے مین وہ مجبور و بے اختیار رہا ہو، (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات) اس تطبیق سے نہ تو خدائے پاک کی قدرت و اختیار کی وسعت مین فرق آتا ہے، اور نہ انسان کا تمام تر مجبور ہونا لازم آتا ہے، خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقتِ مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اسکو اُس اختیار اور قدرت سے محروم نہین کرتا، فرمایا،

| | |
|---|---|
| فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف-۴) | تو جو چاہے مومن بنجائے اور جو چاہے کافر ہو جائے، |

اس لیے ہر انسان اپنی جنت آپ بناتا، اور اپنی دوزخ آپ مہیا کرتا ہے،

| | |
|---|---|
| مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ، (فصلت-۶) | جس نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور برا کام کیا تو اپنے لئے کیا، تیرا پروردگا بندون پر ظلم نہین کرتا، |

کہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ظلم ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی جناب پاک فر برتر ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم سے ارشاد ہے،

| | |
|---|---|
| وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ، أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ، (یونس - ۵) | اے پیغمبر! ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمھاری طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا تم بہرون کو سناؤگے، اور اگرچہ وہ سمجھتے نہ ہوں، اور اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمھاری طرف دیکھتے ہیں، تو کیا تم اندھون کو سوجھاؤگے، اور اگرچہ وہ نہ دیکھیں بیشک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ لوگ ہیں جو اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں، |

وہ انسان جو اندھا اور بہرا بنتا ہے، اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے اور نہ اُس پر عمل کرتا ہے، خدا اُس کو اندھا اور بہرا بناکر پھر اُس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا، کہ اگر وہ ایسا کرتا، تو یہ اُسکا ظلم ہوتا، اور ظلم کے ہر شایبہ سے اُسکا ہر حکم اور ہر کام بری ہے، لوگوں کو قرآن کی ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ ہدایت اور ضلالت خدا کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا برے کام کے جواب مین خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ضلالت کی نسبت فرمایا،

| | |
|---|---|
| إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا | بیشک جنھوں نے (اسلام کی تعلیمات کے قبول) سے انکار کیا اُن کو تمھارا تنبیہ کرنا |

یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ — یا نہ کرنا دونوں برابر ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے،
عَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ — خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر
غِشَاوَۃٌ، (بقرہ ۔ ۱) — کردی، اور آنکھوں پر پردہ ہے،

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہوچکا، تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اس کو تشبیہًا یوں ادا کیا کہ اُن کے دلوں پر مہر پڑگئی کہ سمجھتے نہیں، کانوں پر مہر پڑگئی کہ سنتے نہیں اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہے، کہ دیکھتے نہیں، دوسری جگہ فرمایا۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ، — بلکہ خدا نے اُن کے کفر کے سبب سے اُنکے
(نساء ۔ ۲۲) — دلوں پر مہر کردی،

یہاں بھی اُن کا کفر خدا کی مہر پر مقدم ہے، مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے تو دلوں سے صداقت شناسی اور اثر پذیری کا جوہر سلب ہوجاتا ہے، اور یہی خدا کی مہر[1] ہے،

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغامِ حق کے سننے، اور آنکھوں سے دیکھنے، اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق وہدایت سے سرفراز فرمائے، ارشاد ہوا،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ — بیشک جو ایمان لائے، اور نیک کام کئے
یَھْدِیْھِمْ رَبُّھُمْ بِاِیْمَانِھِمْ، — اُن کو اُن کا پروردگار اُن کے ایمان کے
(یونس ۔ ۱) — سبب سے ہدایت دیگا،

[1] قرآن پاک میں جہاں جہاں خدا کی اس مہر کا یا کسی کو ہدایت نہ دیئے جانے کا ذکر ہے، وہاں اس کے کفر وفسق کی علت ہمیشہ پہلے ذکر کردی گئی ہے، اس لئے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں،

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى، (محمد - ۲) | اور جنھون نے ہدایت قبول کی اُن کو ہدایت مین اور بڑھایا،

ایرانی فلسفۂ خیر و شر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے، حالانکہ عربی الفاظ خیر و شر کو اعمال کے خیر و شر سے بحث نہین، عربی مین مطلق "خیر" کے معنی دولت و نعمت و آرام کے اور شر کے معنی غربت، تکلیف اور مصیبت کے ہین، قرآن پاک مین یہ دونون لفظ ان ہی معنون مین آئے ہین، البتہ جب اُن کے ساتھ لفظ عمل شریک ہوگا تو عمل خیر اور عمل شر کے معنون مین یہ استعمال ہوگا، جیسے

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ، (زلزال - ۱) | جو کوئی چیونٹی برابر نیکی کرے گا وہ اسکو دیکھے گا، اور جو برائی کرے گا وہ بھی دیکھے گا،

اس لئے حدیثون کے ان الفاظ مین،

وَالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تعالیٰ، | اور اس پر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے،

کا یہ مطلب نہین، کہ انسانون کے اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہین، بلکہ یہ معنی ہین کہ انسانون کو راحت و رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس، اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف سے پہنچتی ہے، اور اس کے تسلیم کرنے مین کیا عذر ہو سکتا ہے؟

بعض لوگون کو صحیح مفہوم کے سمجھنے مین اُن آیتون سے بھی شبہہ ہوتا ہے، جنمین یہ ذکر ہے کہ

"اگر خدا چاہتا تو اُن کو ہدایت دے دیتا" اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہین کہ وہ خود خداوند تعالی ہی ہے جو ان کافرون کو ہدایت سے جبراً روکے ہوئے ہے، حالانکہ ان آیتون کا مطلب یہ ہے، کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہین کر سکتے، اَلّا یہ کہ خود خدا زبردستی اُن کو مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر، اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالی کے جاری قانون کے خلاف ہی، چنانچہ ان آیتون کا یہی مطلب ہے،

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ، (دھر-۲)
تم نہین چاہو گے، اَلّا یہ کہ خود خدا چاہے (اور تمکو زبردستی مسلمان بنا دے)

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ، (انعام-۱۴)
وہ نہین ہین کہ ایمان لے آئین الا یہ کہ خدا چاہے،

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (انعام)
اور اگر خدا چاہتا تو انکو ہدایت پر متفق کر دیتا،

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ، (انعام-۱۸)
تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان سب کو وہ (خود) ہدایت دے دیتا،

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ، (نحل-۱)
اور اگر وہ (خدا) چاہتا البتہ اُن سب کو ہدایت دے دیتا،

مگر اُس کی عادت نہین کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دیدے، اس لئے اس مشیئت الٰہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتین مطابق ہونگی جنہین بندون کی مشیئت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، فرمایا،

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ، (کہف)
تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے،

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا (دھر ۲ و مزمل-۱)
تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ قبول کرے،

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا، (نبا-۲)
تو جو چاہے اپنے پروردگار کیطرف بازگشت کرے

اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا، (فرقان-۵)
لیکن جو اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرنا چاہے،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے، مگر کن کے لئے، بتصریح فرمایا،

۱- وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ، (بقرہ-۳)
اور اللہ اس سے گمراہ نہیں کرتا، مگر نافرمانوں کو،

۲- فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (صف-۱)
جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے اُن کے دلوں کو کج کر دیا، اور اللہ بے حکم لوگوں کو ہدایت [illegible]

۳- بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، (تطفیف-۱)
بلکہ اُن کے کام اُن کے دلوں پر زنگ بن گئے،

۴- بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ، (نساء-۲۲)
بلکہ اُن کے کفر کے سبب اللہ نے اُنپر مہر کر دی،

۵- ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ، (توبہ-۱۶)
وہ پھر گئے، اللہ نے اُن کے دلوں کو اسلئے پھیر دیا کہ وہ لوگ سمجھتے نہ تھے،

۶- كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ، (اعراف-۱۳)
اسیطرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے،

۷- فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ
اُن کے دلوں میں (پہلے سے) (نفاق کی)

اللّٰہُ مَرَضًا، (بقرہ-۲)　　　　بیاری تھی، تو خدا نے بیاری بڑھادی،

ان آیتون مین سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف وصریح معلوم ہوگا کہ انسان کی بداعمالی مقدم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اُس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، مہر، اور بیماری فرمانا مؤخر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مہر اور بیماری کا اثر، علّت اور انسانون کا کفر وگناہ ونفاق معلول نہین ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فسق، کجی، زنگ، کفر، انصراف (پھرجانا) نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اُس کے جواب مین ضلالت وگمراہی اور دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے، اور یہی طبعی اصول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، اور غمگین ہوتا ہے، تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہین، اگر کوئی اسکو اُلٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی،

بہرحال اس مسئلہ مین مہبطِ وحی ورسالت محمد رسول اللہ صلعم کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اُسی شدت سے اسمین بحث ومناقشہ سے منع فرمایا[۱]، اور درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے مین راز ہے، یہ کلی جہان چٹکی کہ اُس کی خوشبو اُڑ گئی،

اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشون کو چھوڑ کر جنکو متکلمین کی مجادلانہ کاوشون نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ　　　　اور خدا کی سلطنت مین اُسکا کوئی شریک نہین اور اُسنے

كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا، (فرقان-۱)　　　　ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اُسکا ایک اندازہ (تقدیر) لگا دیا،

[۱] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر

# ایمان کے نتائج

گذشتہ صفحون مین ایمان کی حقیقت، اور اسکی چھ شاخون خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یوم آخر اور قدر کی تفصیلات بیان کی گئی ہین، اور دکھایا گیا ہی کہ اُن مین سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہی؟ اسکی صداقت کی دلیلین کیا ہین؟ اور اسکی تعلیم مین شارعؑ نے کیا مصلحتین رکھی ہین، اور شروع مین یہ بحث بھی کیجاچکی ہے کہ ہر مذہب مین اور خصوصًا مذہب اسلام مین ایمان کو اوّلین اہمیت کیون دی گئی ہے،؟ وہ بحثین اصول کی تھین، یہان خاتمہ مین نتائج کی حیثیت سے پھر اُسی دعوی کی تکرار کیجاتی ہے، یعنی یہ کہ درحقیقت ایمانیات اسی لائق ہین کہ اُن کو مذہب مین یہی اوّلین درجہ دیا جائے کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے، وہان ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہین

اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کرین، یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کرین کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اُس پر ایمانداری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہین، اور نہ ہمارے نفس و ضمیر پر اُس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہین، اس لیے جب تک دل نہ بدلیگا، ہمارے اعمال مین تغیر نہین ہو سکتا یعنی ہمارے

اعمال کی اصلاح، تمامتر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے، اور **ایمان** کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے، کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا،

یہان ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہین بڑھنا چاہئے، یہودیون نے سب سے زیادہ اہمیت عمل رسم و رواج کو دی تھی، اور عیسائیون نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات وفلاح کا دارمدار رکھا، چنانچہ حواریون کے خطوط و ملفوظات مین اس تعلیم کو بہت کچھ نمایان کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ عمل نہین بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے، اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارہ مین یہ ہے کہ وہ دونون کی اصلاح کرکے اُن دونون کو جمع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان، اور نہ تنہا عمل پر، بلکہ ایمان صحیح اور عملِ صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو ایمان لائے اور انھون نے نیک کام کئے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہین دیتا، بلکہ اس لئے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عملِ صالح کی علت و سبب ہے، یعنی وہ عملِ صالح کے لئے راستہ بناتا، اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے،

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس لیے نخلِ ایمان کی شناخت بھی اس کے پھل ہی سے ہو سکتی ہے، اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اُس کے اعمال مین اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہین آتا تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے اسکی زبان سے اتر کر اسکے دل کی گہرائیون مین برگ و بار پیدا نہین کیا ہے، یہی سبب ہے کہ قرآنِ پاک ہر نیکی اور خوبی کو ایمان کا خاصہ، اور مومنون کا وصف لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اُس نے مسلمانون کو

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا،    اے وہ لوگو جو ایمان لائے،

کی ندا سے خطاب کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہین جو ایمان سے متصف ہین، بہت سے موقعون پر ہے،

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ،    اگر تم ایمان والے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والون ہی کے لیئے خاص ہے، اور وہی اس کے اہل و سزاوار ہین، فرمایا،

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ، (بقرہ-۲۰)    ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہین

اس سے معلوم ہوا کہ محبتِ الٰہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے، ایک اور سورہ مین ہے،

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ    ایمان والون کی بات یہ ہے کہ جب اُن کو
اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ    فیصلہ کرنے کے لئے اللہ اور رسول کیطرف
بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا    بلایا جائے، تو کہین کہ ہم نے سنا اور ہم نے
وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، (نور-۷)    مانا، اور ان ہی لوگون کا بھلا ہے،

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت، اور اُس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا ہے، دوسری آیت مین فرمایا،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، (حجرات-۱)    ایمان والے تو آپس مین بھائی ہین،

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانون مین باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے، ایک اور آیت مین ہے،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (آل عمران) | اور خدا ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کرین،

معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہلِ ایمان کی شان ہے، سورۂ مومنون مین اہلِ ایمان کے اوصاف یہ بتائے گئے ہین،

| | |
|---|---|
| قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ | بے شبہ اہلِ ایمان نے بھلائی پائی جو اپنی |
| فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ | نماز مین ادب سے جھکے رہتے ہین اور جو |
| هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ، وَالَّذِيْنَ | نکمی بات پر دھیان نہین دیتے، اور جو زکوٰۃ |
| هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ | ادا کرتے ہین، اور جو اپنی شرمگاہون کی حفاظت |
| هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ ۔ ۔ ۔ | کرتے ہین۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ |
| ۔ ۔ ۔ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ | ۔ ۔ ۔ اور جو اپنی امانتون اور وعدون |
| وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ | کی نگرانی رکھتے ہین، اور جو اپنی نمازون کی |
| عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ (مومنون-۱) | پابندی کرتے ہین، |

ان آیتون سے اہلِ ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے، نماز مین خضوع و خشوع، بے کار باتون سے احتراز، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت، ایفائے عہد، نمازون کی پابندی؛ ان آیتون مین ایک عجیب رمز ہے، دیکھو کہ اہلِ ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا، اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا، اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے، اسی لئے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اس پر زور دیا گیا ہے،

ہمنے یہ چند آیتین یہان مثالاً نقل کی ہین، ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن مین ایمان کے

اثرات ونتائج اور بہت سے ملین گے، احادیث مین بھی، اس مضمون کی کمی نہین، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخین ہین" حافظ بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان مین مختلف حدیثون سے ایمان کی ان ستر شاخون کو ایک ایک کر کے گنایا ہے، اس کتاب کا خلاصہ مختصر شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ہے،

ایک حدیث مین ایمان کی شناخت، اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے، آپ نے فرمایا،

| | |
|---|---|
| اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خلقا، (سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ) | مومنون مین اسکا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہین، |

حسن اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اسی ہستی سے ہونی چاہئے جو تمام محبتون کا مرجع و مرکز ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اور اس کے بعد اسی محبت الٰہی کے ضمن اور تبعیت مین اس ہستی سے بھی محبت کرنا جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جوہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام دنیاوی محبتین اور قرابت اور رشتہ داری کے علائق ہیچ ہین، فرمایا،

| | |
|---|---|
| لَا یُؤْمِنُ احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والنّاسِ اجمعین، (مسلم وبخاری کتاب الایمان) | تم مین سے کوئی اس وقت تک ایمان مین کامل نہین، جب تک کہ اس کے دل مین میری محبت اسکی اولاد، والدین، اور تمام لوگون سے زیادہ نہ ہو، |

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اسی طرح محبت، پیار اور اخلاص ہو، جس طرح خود اپنے آپ سے، فرمایا،

| | |
|---|---|
| والذی نفسی بیدہ لا یومن احد کم حتی یحب لاخیہ او لجارہ ما یحب لنفسہ، (بخاری و مسلم کتاب الایمان) | قسم ہو اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کسی کا ایمان اسوقت تک کامل نہیں، جبتک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو شک ہے) کیلئے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے“ |

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا، جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے، اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے، آپس میں سلام پھیلاؤ“ (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمائش، ریا، یا ذاتی نفع و نقصان کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو، فرمایا ”تین باتیں جسمیں ہیں اُس نے ایمان کا مزہ پالیا، اوّل یہ کہ اُس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھکر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسری یہ کہ بندگانِ خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو، تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اُس میں آلودہ ہونا اُسکے لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا“ ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ کامل اسلام کس مسلمان میں ہے فرمایا ”اُس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے“ فرمایا کہ ”ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جنمیں سے ایک شرم و حیا ہے“ یہ بھی تعلیم دی کہ ”جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو، اُس کو چاہیے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی، ورنہ چپ رہے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو، اُس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے“ ایک صحابیؓ آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ”تم میں سے

کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹادے، یہ نہ ہوسکے تو زبان سے ٹوک دے، یہ بھی نہ ہوسکے تو اپنے دل مین اُس کو براسمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ[1] ہے؛

اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ "نفاق کی چار نشانیان ہین، جسمین اُن مین سے ایک بھی پائی جائے اُس مین اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے، اگرچہ وہ نماز گذار اور روزہ دار ہی کیون نہو اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیون نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو توڑ دے، امانت سپرد کیجائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی[2] بکے؛

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ تمام نیکیان، اور ہر قسم کی بھلائیان اور خوبیان جس ایک جڑ کی شاخین ہین وہ **ایمان** ہے، اور اسی لئے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے، وہ نہ ہو تو انسانی نیکیون کی ساری عمارت بے بنیاد ہے، اس تقریر سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہین اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار ادا کیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونون پر ہے، اسی لیے اٰمنوا کے ساتھ ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پر بھی اُس نے ہمیشہ زور دیا ہے، بلکہ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اُس کا منشا یہ ہے کہ ان دونون مین ایمان اصل، اور عمل اس کی فرع ہے، ایمان ملزوم اور اعمال حسنہ اُسکے خصوصیات اور لوازم ہین، یعنی ان دونون مین اصل و فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہی، جو ایک دوسرے سے الگ، اور جدا نہین ہوسکتے، اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہین رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ و بار درخت ہے، جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم و وجود

---

[1] یہ تمام روائتین صحیحین کتاب الایمان مین ہین،
[2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان، پیش نظر مسلم ہے،

برابر ہے، اس بنا پر جہاں ایمان ہے اُس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے،

کاغذ کے نو سو چھ ۹۰۶ صفحے سیاہ ہوچکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرانباری سے، اور آنکھیں ان سطور کی کم سوادی سے تھک چکی ہونگی، اس لئے بہتر ہے کہ رہبرِ قلم کے ساتھ قافلۂ نظر کے دوسرے رفقا بھی کچھ دیر آرام کریں ہرچند کہ

رہروان راخستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است وہم خود منزل است

سُلیمان ندوی

دارالمصنّفین
رمضان سنہ ۱۳۵۰ھ

GOVT. GIRLS COLLEGE
SRINAGAR
A/C NO
LIBRARY